اليواقيت الغالية

في تحقيق وتخريج

الأحاديث العالية

احادیث نبویہ کی تحقیق وتخریج اور نادر مباحث علمیہ کا قیمتی مجموعہ

افادات امام المحققین محدث عصر
فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (الہند)

ترتیب وتہذیب
محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ
مدیر مجلس دعوۃ الحق لیسٹر (انگلینڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیواقیت الغالیۃ

فی تحقیق وتخریج

الأحادیث العالیۃ

احادیث نبویہ کی تحقیق وتخریج اور نادر مباحث علمیہ کا قیمتی مجموعہ

جلد ثانی

افادات امام محقق محدث عصر
فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری مدّ ظلّہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (الہند)

ترتیب وتہذیب
محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ
مدیر مجلس دعوۃ الحق، لیسٹر (انگلینڈ)

تفصیلات

نام کتاب: الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ
(جلد دوم)

صاحب افادات: محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدّ ظلّہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مرتب: محمد ایوب سورتی (ابن حضرت قاری بندہ الٰہی)
نگرانی طباعت: مولانا عبد الغفار بستوی
ناشر: مجلس دعوۃ الحق (انگلینڈ)
مطبوعہ: ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز نئی دہلی ۲

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ عزیزیہ دہلی (۲) مکتبہ حجاز دیوبند
(۳) کتب خانہ محمودیہ سہارنپور (۴) مجلس دعوۃ الحق اون، سورت گجرات
(۵) مجلس دعوۃ الحق لیسٹر یوکے
126-128 Earl Howe St
Leicester, LE2 0DG
(ENGLAND)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

(القرآن الکریم سورۃ الحشر آیت ۷)

وقال النبیُّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ

(رواہُ فی المؤطّا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

(القرآن الكريم)

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ نمبر
فہرست	۵ تا ۲۰
عرض مرتب	۲۱
نبذۃ من حیاۃ الشیخ محمد زکریا الکاندھلویؒ	۲۵
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث	۳۵
نبذۃ عن حیاۃ الشیخ أسعد اللہ الرامفوری	۳۹
نبذۃ عن حیاۃ الشیخ امیر احمد الکاندھلویؒ	۴۴
مولانا امیر احمد صاحبؒ کی سند مشکوۃ المصابیح	۵۳
کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟	۵۴
قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب	۵۴
آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی	۵۶
انبیاءؑ واولیاءؒ سے دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے؟	۵۷
من سمع الأذان والإقامة ولم یحضر الجماعة الخ کی تخریج	۶۰
من أعان تارک الصلوٰة متعمّداً بذرّة الخ کی تخریج	۶۰
سیأتی زمان علیٰ امّتی یأکل الدخان الخ کی تخریج	۶۰
من أکل البنج مرّة فکأنّما زنیٰ الخ کی تخریج	۶۰
کالا جوتا پہننا کیسا ہے؟	۶۱
الصلوة معراج المؤمن	۶۲
لَا صلوة إلّا بحضور القلب	۶۲
لولَاک لما خلقت الأفلاک	۶۲
أوّل ما خلق الله نوری	۶۲

موتوا قبل أن تموتوا	۶۲
ربّ تالٍ للقرآن والقرآن يلعنه	۶۲
المؤمن أعظم حرمة من الكعبة	۶۲
من أرسل نفقة فی سبيل الله وأقام فی بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم الخ	۶۲
جوآدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جا سکے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا؟	۶۲
صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق	۷۱
شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟	۷۸
ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟	۷۹
حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟	۸۱
صرف صومِ عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟	۸۱
من صلّى علىٰ رُوح محمّد فی الأرواح الخ پوری حدیث لکھیں	۸۶
کیا انبیاء کرام صغائر و کبائر سے معصوم ہیں؟	۸۸
کیا قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟	۸۸
مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام	۹۷
مسئلۂ حیٰوۃ الانبیاء علیہم السلام	۱۰۲
چند شبہات اور ان کا ازالہ	۱۰۶
کیا حضور ﷺ پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟	۱۰۸
حضرت سعد بن معاذؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟	۱۰۹
کیا یہ کوئی حدیث ہے 'أنا أحمد بلا میم'	۱۱۱
بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق	۱۱۲
اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟	۱۱۴
'من ترک سنّتی لم ينل شفاعتی' کیا حدیث ہے؟	۱۱۵
کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟	۱۱۶
مامن دابّة فی البحر إلّا وقد ذكّاها الخ کی تحقیق	۱۱۷
لَا تتّخذوا شيئاً فيه الرّوح غَرَضاً کی تحقیق	۱۱۷

مَنسَأة فی الأثر والی حدیث کی تحقیق	۱۱۷
تعلّمنا الاِیمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟	۱۲۳
۱۹ احادیث کی تحقیق	۱۲۴
قال أبو ذرؓ: أوصانی خلیلیﷺ بأربع کلمات	۱۲۴
یا أیها الناس أصلحوا بینکم و بین الله	۱۲۴
أربع خصال من کن فیه	۱۲۵
إدخال السرور فی قلب مؤمن	۱۲۵
أناقائد المرسلین ولَافخر	۱۲۵
إن الله ینظر إلی وجه الشیخ صباحًا و مساءً	۱۲۶
الذنب لَا ینسیٰ والبرّلَا یبلیٰ	۱۲۶
الفاجر الراجی برحمة الله أقرب	۱۲۶
صل من قطعک و عزّ من قنعک	۱۲۶
أکرموا أولَادکم	۱۲۷
الصدق ینجی والکذب یهلک	۱۲۷
سؤر المؤمن شفاء	۱۲۷
الخلق السیئة یفسد العمل	۱۲۸
أنا حبیب الله ولَا فخر	۱۲۸
السعید من وعظ بغیره	۱۲۹
من تزوّج لله توّجه الله تاج الملک	۱۲۹
سید القوم خادمهم	۱۳۰
لَا فقر أشد من الجهل	۱۳۰
من عرف نفسه فقد عرف ربه	۱۳۰
فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟	۱۳۱
حدیث قدسی کی تعریف	۱۳۲
ابوداؤد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟	۱۳۳

فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب	۱۳۴
خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم	۱۳۸
لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟	۱۴۱
کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟	۱۴۳
غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟	۱۴۷
نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟	۱۴۷
خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟	۱۴۷
ایک روایت میں ابن عمر یا ابن عمرو کیا صحیح ہے؟	۱۵۳
اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟	۱۵۴
بعض روایات کی تحقیق وتخریج	۱۵۷
فضل المدينة المنورة	۱۵۷
فضل المسجد النبوی	۱۶۱
فضل ما بين القبر والمنبر	۱۶۳
فضل أهل قباء ومسجدهم	۱۶۵
متفرقات	۱۶۸
ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟	۱۸۲
ترمذی کی ایک عبارت کا حل	۱۸۳
أطلبوا العلم ولو بالصين حدیث ہے یا نہیں؟	۱۸۴
ایک دعا کا ثواب اوراس کی تحقیق	۱۸۵
حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں	۱۸۶
کنگھا کرنے کی ہیئت	۱۸۷
چند احادیث کا ثبوت	۱۸۸
حضرت موسیٰ نے اس امت میں داخل ہونے کی تمنا کی؟	۱۸۹
حضرت ابراہیمؑ نے اس امت کو سلام پہونچایا؟	۱۸۹
أوتيت علم الأولين والآخرين	۱۸۹

علمنی ربی فأحسن تعلیمی	۱۸۹
کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں	۱۸۹
رأیت ظلّی و ظلّ قومی فی النار	۱۸۹
لولَاک لما خلقت الأفلاک والأرضین	۱۸۹
حدیث ظہور صحابی	۱۹۵
من ضارّ ضارّ الله به الخ کی تخریج	۱۹۸
ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم	۱۹۹
قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل	۲۰۱
داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ﷺ ہے	۲۰۱
حدیث لولَاک لما خلقت الأفلاک	۲۰۳
أوّل ما خلق الله نوری کی تحقیق	۲۰۵
لولَاک لما خلقت الأفلاک کی تحقیق	۲۰۵
میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا کی تحقیق	۲۰۶
جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ و دہر؟	۲۰۶
نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟	۲۰۶
کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟	۲۰۹
بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟	۲۰۹
حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟	۲۰۹
غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟	۲۱۱
المعاصی برید الکفر کیا حدیث ہے؟	۲۱۱
تسعة أعشار الرزق فی التجارة کیسی حدیث ہے؟	۲۱۱
صوم رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟	۲۱۵
إذا أحبّ الله عبداً الخ کا حوالہ	۲۱۶
طلب العلم فریضة الخ میں مسلمة کی زیادتی	۲۱۸
اصیلی کی تحقیق	۲۱۹

ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟	۲۱۹
مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟	۲۱۹
کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟	۲۲۱
جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم	۲۲۶
ایمان کی تجدید کرلیا کرو	۲۲۷
توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں	۲۲۷
باجماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے	۲۲۸
خلقت النخلة والرمّانة والعنب یہ حدیث کہاں ہے؟	۲۳۰
حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا	۲۳۳
أصحابی کالنجوم کی سند کیسی ہے؟	۲۳۳
حضرت عمرؓ کا جمع احادیث کے ارادے کو فسخ کرنا	۲۳۸
نقض وتر کا مسئلہ کیا ہے؟	۲۳۹
مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح	۲۴۰
﴿فأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟	۲۴۱
حضور ﷺ کا قیامِ قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟	۲۴۴
عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق	۲۴۵
سرور کائنات ﷺ کا سایہ	۲۴۶
ایک عبارت کا ترجمہ	۲۴۷
ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی	۲۴۸
محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند مطلوب ہے	۲۵۰
ایمان تو یمنیوں کا ہے	۲۵۱
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا	۲۵۲
حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا	۲۵۴
جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ	۲۵۴
ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ	۲۵۵

زہری کا عروہ سے سماع؟	۲۷۳
زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟	۲۷۵
النكاح من سنتي، فمن رغب کہاں ہے؟	۲۸۲
۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟	۲۸۳
روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟	۲۸۳
مراتبِ جرح	۲۸۸
اقسامِ ناقدین	۲۹۲
ماہ شعبان کے روزے	۲۹۵
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟	۲۹۶
حدیث موضوع کی بحث	۳۰۴
ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟	۳۰۵
کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟	۳۰۶
شب براءۃ کا روزہ کیا بدعت ہے؟	۳۰۶
شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق	۳۰۸
فصل اول۔ اس رات کی فضیلت کی روایات	۳۰۸
نسخ آجال والی روایات	۳۱۶
فصل ثانی۔ اس رات میں بیداری اور اجتماع	۳۱۹
صلوۃ الرغائب کا حکم	۳۲۲
فصل ثالث۔ شب براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم	۳۲۳
كان أبو هريرةؓ يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول کہاں ہے؟	۳۲۷
اور کس خلیفہ کے زمانہ میں منبر کے پاس روایت کرتے تھے؟	۳۲۷
کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟	۳۲۹
کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟	۳۲۹
احادیث وروات کے متعلق بیس سوالات اور انکے جوابات	۳۳۰
الصلوة معراج المؤمنين	۳۳۰

صلّوا کما رأیتمونی أصلّی	۳۳۰
جمع بین الازواج فی ساعۃ واحدۃ والی روایت	۳۳۰
کل عبادۃ لم یتعبّدھا أصحاب رسول اللہ ﷺ	۳۳۰
قام رسول اللہ ﷺ عام أول	۳۳۱
لَا یقلبہ إلّا بذالک	۳۳۱
زین بن نجیم کا ضبط	۳۳۱
تورپشتی کی تحقیق	۳۳۱
نابلسی	۳۳۱
بلقینی	۳۳۱
الدمیری	۳۳۲
القرطبی	۳۳۲
المقدسی	۳۳۲
الطیبی	۳۳۲
القسطلانی	۳۳۳
عیاض	۳۳۳
ابن خلکان	۳۳۳
ابن خلدون	۳۳۳
منبر نبوی کے کتنے زینے تھے	۳۳۳
کیا حافظ ابن حجر اور عینی ہم زلف ہیں؟	۳۳۶
حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے، یہ انداز گفتگو کیسا ہے؟	۳۳۷
حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید وتبصرہ	۳۳۷
أقیموا صفوفکم کو الجماعۃ للفائت من الصلوٰۃ ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟	۳۴۰
ایک راوی کی تحقیق	۳۴۱
ورزقھم کلّ شھر والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟	۳۴۳
حضرت علیؓ کے ساتھ ’ کرّم اللہ وجھہ‘ لکھنے کی وجہ	۳۴۴

إنّما بُعِثتُ معلّماً ہے یا إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟	۳۴۵
کیا باسی روٹی کھانا مسنون ہے؟	۳۴۵
یرکبون علی سُرج کأشباہ الرحال الخ کا کیا مطلب ہے؟	۳۴۶
دعاءِ حضرت عمرؓ اللّٰھم کبرت سنّی کہاں ہے؟	۳۴۷
من أشراط الساعة أن تکثر السیول و الأمطار کہاں ہے؟	۳۴۸
مسامحات الإمام الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وغیرہ	۳۵۰
الَا إنّ الدنیا خلقت لکم الخ کیا حدیث ہے؟	۳۵۴
إنّ البلاء و الدعاء یتصارمان کیا حدیث ہے؟	۳۵۵
کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟	۳۵۵
ترکتکم علیٰ مثل البیضاء الخ کا مطلب	۳۵۸
ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے	۳۵۸
چند علمی ہدایات	۳۶۱
مذاہب اربعہ کے علماء سے تعلیم وتعلم	۳۶۱
علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟	۳۶۱
عقیدۂ نزول عیسیٰؑ	۳۶۲
قادیانی ہرگز نبی نہیں	۳۶۶
کیا حضور ﷺ سے ’ یا بُنیّ‘ کہنا منقول ہے؟	۳۶۷
کیا حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟	۳۶۹
حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟	۳۷۱
کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟	۳۷۳
کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟	۳۷۴
کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟	۳۷۵
کیا رُحْماً رحیم سے مشتق ہے؟	۳۷۶
لَا أدری ما یفعل بی یوم القیامة حدیث ہے یا نہیں؟	۳۷۷
حدیث إذا سلمت الجمعة سلمت الأیام کس نے تخریج کی ہے؟	۳۷۷

البلاء مؤكل بالمولود کہاں ہے؟	۳۷۸
لولَا عليّ لهلك عمر کہاں ہے؟	۳۷۸
كان عمرؓ يتعوّذ من معضلة ليس لها أبو حسن کہاں ہے؟	۳۷۸
صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟	۳۷۹
امانت اور حتّى يقال للرجل ما أجلده کی تشریح	۳۸۰
کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے؟	۳۸۱
الجهاد واجب عليكم الخ کی تحقیق	۳۸۲
اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال	۳۸۳
مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟	۳۸۴
گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟	۳۸۴
عدل فاروقی کے ایک واقعہ کی تحقیق	۳۸۶
صاحب الكشف سے کیا مراد ہے؟	۳۸۷
نيل الأماني سے کیا مراد ہے؟	۳۸۷
الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟	۳۸۷
رزین بن معاویہ عبدری کے حالات	۳۸۷
تخريج أحاديث الرافعي للحسامي کی تفصیلات	۳۸۷
علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟	۳۸۷
ابدال سے متعلق روایت	۳۹۱
نصائح غالیہ	۳۹۳
محمد بن فضیل راوی بخاری کیا شیعہ تھے؟	۳۹۴
کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟	۳۹۴
تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟	۳۹۵
تعلیم مقدم یا تبلیغ؟	۳۹۶
مااجتمع فی شیء من الحلال والحرام کیسی حدیث ہے؟	۳۹۶
من السنة البداءة بالملح والختم به کی تخریج	۳۹۶

کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟	۳۹۶
بخاری کے معلّقات کا تجزیہ	۳۹۸
حدیث کے رفع ووقف میں اختلاف ہو تو کیا وہ شاذ ہے؟	۳۹۸
تقوی کی نصیحت	۴۰۰
عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم	۴۰۰
خط میں ’ ۷۸۶ ‘ لکھنے کا حکم	۴۰۰
عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟	۴۰۱
تزویجِ فاطمہؓ کی روایت	۴۰۱
فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم	۴۰۲
ختمِ بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت	۴۰۳
سیدة نساء أهل الجنة فاطمةؓ اور سیدا شباب أهل الجنة الحسن والحسینؓ کی تحقیق	۴۰۵
الدنیا زور کی تحقیق	۴۰۹
إنّما ولدت بزمن الملک العادل کی تحقیق	۴۰۹
لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیّین الخ کی تخریج	۴۱۱
لولاک لما خلقت الأفلاک کی تخریج	۴۱۱
أوّل ما خلق الله نوری کی تخریج	۴۱۱
لوعاش إبراهیم لکان نبیاً کی تحقیق	۴۱۲
أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم کی تحقیق	۴۱۳
أنا مدینة العلم وعلیّ بابها کی تحقیق	۴۱۳
جمعہ کے دن سرمہ لگانا	۴۱۵
کھانے کی برکت	۴۱۵
ناخن کاٹنے کی ترتیب	۴۱۵
حدیث أمرت بیوم الاَضحیٰ عیدًا الخ کی تشریح	۴۱۵
مشائخ کے یہاں ذِکر کیوں؟	۴۱۵
کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟	۴۱۵

خواب کی تعبیر	۴۱۶
إماطة الأذٰی عن الطریق کی تحقیق اوراس کا مفہوم	۴۱۹
لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟	۴۱۹
ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشیّة خمیس الخ کا مطلب کیا ہے؟	۴۱۹
طحاوی کی باب الرجل ینام کی پہلی ودوسری روایت کس درجہ کی ہے؟	۴۲۲
أطلبوا العلم ولو بالصین پر مفصل کلام	۴۲۶
حدیث أطلبوا العلم ولو بالصین کی مزید تخریج وتحقیق	۴۳۰
خون کے ناقض وضوء ہونے کا حکم	۴۴۵
مسحِ رقبہ کا حکم	۴۴۵
ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟	۴۴۵
ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟	۴۴۵
یبدأ بالملح ویختم به کی تحقیق	۴۴۸
باب مایقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق	۴۴۹
مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ	۴۵۲
حدیث لَا یحلّ مال امرئ إلّا الخ طحاوی میں ہے؟	۴۵۳
ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یانہیں؟	۴۵۵
تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث	۴۵۵
خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب	۴۵۶
حضرت موسیٰؑ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟	۴۵۶
تخلّقوا بأخلاق الله کیا حدیث ہے؟	۴۵۸
حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ	۴۵۸
مسح علٰی رأسہٖ ثلثًا کی تحقیق	۴۶۱
ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟	۴۶۱
دارقطنی کی ایک عبارت کا حل	۴۶۱
دارقطنی کی ایک روایت کی تحقیق	۴۶۴

دارقطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز کا مختصر ترجمہ	۴۶۴
أن الثلاث کانت تجعل واحدة الخ صحیحین میں کہاں ہے؟	۴۶۶
ماہ رمضان میں موت کی فضیلت	۴۶۷
میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا	۴۶۷
میت کیلئے بہترین ذکر	۴۶۷
کیا حضرت عیسیٰ نبی ہوکر نازل ہوں گے یا امتی؟	۴۶۸
عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال کی تحقیق	۴۷۲
إنّهن صواحب یوسف ، صواحب کرسف کا مفہوم	۴۷۲
الخیر فیما وقع کیا یہ حدیث ہے	۴۷۲
باب من سمّی الحیض نفاساً کی تحقیق	۴۷۲
من مات ولیس فی عنقه بیعة سے کون سی بیعت مراد ہے؟	۴۷۶
کیا النکاح من سنتی، فمن رغب الخ پوری ایک حدیث ہے؟	۴۷۸
أنت ومالک لأبیک کہاں ہے؟	۴۷۸
کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟	۴۷۸
خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت	۴۷۹
رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ	۴۸۰
حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات	۴۸۳
ابوشبیل عوف بن ابی حیّۃ یا عوف بن ابی جمیلۃ	۴۸۳
مجمّع بن جاریۃ یا مجمّع بن حارثۃ	۴۸۴
جند بن مکیث کی تحقیق	۴۸۴
ابوجہاد صحابی کی تحقیق مطلوب ہے	۴۸۵
ضغینة کی تحقیق	۴۸۵
لتردنه حافیًا ولترکبنّه قائمًا	۴۸۶
مِمّن القوم، القوم کی میم پر کیا اعراب ہے؟	۴۸۷
حریدۃ جبل کی تحقیق	۴۸۸

معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟	۴۸۹
ابو شُبیل یا ابو شِبل مکبرًا ہے یا مصغر؟	۴۸۹
فقال کے بجائے فقلت ہے	۴۸۹
فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟	۴۹۰
فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف کی تحقیق	۴۹۱
مغضب ومعصب کی تحقیق	۴۹۲
عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہنا	۴۹۳
جیش اسامہ کی تعداد	۴۹۵
عبدالرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق	۴۹۵
ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق	۴۹۷
حطّ درس یا خطّ ورس؟	۴۹۸
ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق	۴۹۸
حنین کا لفظ یہاں درست ہے	۵۰۳
ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟	۵۰۴
تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟	۵۰۵
أحفف صحیح ہے یا أحنق؟	۵۰۶
یحییٰ بن ابی راشد البصری	۵۰۷
نفیلہ یا بقیلہ	۵۰۸
عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں؟	۵۰۹
خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل	۵۱۰
نعیم بن نحہ یا قحمہ	۵۱۰
جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان	۵۱۰
بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟	۵۱۲
عاص بن ابی قرصافہ ہے یا عیاض؟	۵۱۲
محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟	۵۱۳

مقام تبالہ کیا ہے	۵۱۵
عوف صحیح ہے یا عون	۵۱۷
ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟	۵۱۹
مقبل صحیح ہے یا معبد	۵۲۰
سلمہ بن یسوع کی تحقیق	۵۲۱
کیا ابو ہریرہؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟	۵۲۲
الأنحات ہے یا کچھ اور؟	۵۲۳
عبید اصل ہے یا عباد؟	۵۲۳
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟	۵۲۳
سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟	۵۲۴
عبدالرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب؟	۵۲۵
ابوبکرہؓ کی تحقیق	۵۲۸
سات آدمی	۵۲۹
مطلّقۂ مبتوتہ کے نفقہ میں مادامت العدّۃ کی قید	۵۲۹
کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟	۵۲۹
مداہنت کی سزا	۵۳۱
حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا	۵۳۱
سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی	۵۳۲
کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟	۵۳۲
’علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل‘ من خرّجه؟	۵۳۳
صُبّت عليّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟	۵۳۴

اجمالی فہرست عناوین

سوالاتِ کتبِ حدیث	تخریج احادیث
بخاری شریف	
مسلم شریف	سیر وسوانح، رواۃ ورجال
ترمذی شریف	
ابوداود شریف	عقائد وکلام
نسائی	
ابن ماجہ	تفسیر
طحاوی	
دارقطنی	تجوید
مشکوٰۃ	
حیاۃ الصحابہ	فقہ ومسائل
اصول حدیث	تزکیہ واحسان
تشریح احادیث	دعوت وتبلیغ
تحقیقی مضامین	تعبیر الرؤیا

دونوں جلدوں کی مرتب فہرست
کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ، امابعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکرواحسان ہے کہ 'الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الأحادیث العالیۃ' جلد دوم تیار ہوکر منظر عام پر آ رہی ہے۔

جب ابتدا کی تو انتہا مشکل نظر آ رہی تھی ، لیکن حق تعالیٰ ہی ابتدا کراتے ہیں اور وہی پورا کراتے ہیں ، فلہ الحمد ولہ الشکر۔

الیواقیت الغالیہ کی جلد اول جیسے ہی منظر عام پر آئی ہزاروں علماء وفضلاء نے اسے بکمال اشتیاق ہاتھوں ہاتھ لیا اور امعان نظر سے مطالعہ کیا اور حضرت کے اس علمی شاہکار کو خوب سراہا، قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اگلی جلد کیلئے آتش شوق تیز تر ہوگئی۔ بہت سے اہل علم نے ملاقات پر تائیدی کلمات کہے، کچھ نے لکھے اور اس علمی سلسلہ کو شائع کرنے پر مبارکبادی کے پیغامات دئے ، خود مرکز علمی مظاہر علوم کے منتظمین واساتذہ نے اسے مظاہر علوم ہی کی ایک عظیم علمی خدمت قرار دی۔

الیواقیت کی جلد اوّل کی طباعت سے پہلے اس کی تصحیح کا کما حقہ اہتمام نہ ہوسکا تھا، اور کچھ نقل کی اور کچھ کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں، جب ائمہ علم وفن نے ملاحظہ کیا تو ان اغلاط کی نشاندہی فرمائی، خود حضرۃ الاستاذ نے اس پر گہری نظر فرمائی اور اپنے ایک تلمیذ عزیز مولانا عبد العظیم صاحب مدرس شعبۂ تخصص فی الحدیث کو تصحیح پر لگایا اور اس طرح اغلاط کی پوری فہرست بن گئی، اب ان تمام اغلاط کی تصحیح کے ساتھ دوبارہ اسے مرتب کرلیا گیا ہے اور ان شاء اللہ جلد دوم کی طباعت کے ساتھ جلد اول کی طباعت بھی دوبارہ ہوگی۔

جلد اوّل کی طباعت کے وقت اس کے مضامین کی ترتیب وار فہرست کی ضرورت تھی ، الحمد للہ دوسری جلد کی تکمیل پر وہ بھی آسان ہوگئی اور دونوں جلدوں کی مرتب فہرست کتاب کے آخر میں شامل کی جارہی ہے۔

جہاں تک علمی مکاتیب ہیں وہ الحمد للہ الیواقیت کی دو جلدوں میں تقریباً آچکے ہیں، یہ مکاتیب زیادہ تر حدیث شریف سے متعلق تھے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اور مکاتیب نہیں ہیں بہت سے مکاتیب جن کی نقل محفوظ نہیں رہ سکی وہ زاویۂ خمول میں ہونگے ، ممکن ہے کسی وقت سامنے آجائیں، اور اب بھی حضرۃ الاستاذ مدّ ظلّہ کی خدمت میں علمی

حدیثی سوالات آتے ہی رہتے ہیں اور حضرۃ الاستاذ ان کے جوابات تحریر فرماتے ہیں۔ انشاء اللہ معتد بہ ذخیرہ ہونے پر آئندہ انکو شائع کیا جاسکتا ہے۔

الیواقیت کی دوسری جلد کی اشاعت کے بعد تیسری جلد میں حضرۃ الاستاذ کے ان مضامین کو شائع کرنے کا ارادہ ہے جو مستقل رسالہ یا جزو کی شکل میں تحریر فرمائے ہیں۔

'جزء' محدثین کی اصطلاح میں وہ رسالہ کہلاتا ہے جو کسی ایک موضوع پر مدلّل و مکمّل مالہ وما علیہ کے ساتھ لکھا جائے، جیسے امام بخاری کا جزء القراءۃ خلف الامام، جزء رفع الیدین، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح حضرت شیخ زکریا کا جزء حجۃ الوداع، وغیرہ۔

یوں تو حضرۃ الاستاذ مدّ ظلہ نے نصف صدی خلوت وتنہائی اور تجرد کی زندگی گذار کر فن حدیث پر حواشی وشروح اور تعلیقات واضافات کی صورت میں مستقلاً وتبعاً اتنے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ پوری ایک اکیڈمی وہ کام نہیں کرسکتی ہے۔ ان سارے کاموں کو ترتیب دے کر منظر عام پر لانے کے لئے بہت سے لائق وفاضل تلامذہ کی جماعت درکار ہے۔ حضرت کا درسِ بخاری ہی ایسا نایاب علمی ذخیرہ ہے کہ وہی وجود میں آجائے تو ہزاروں علماء کی علمی تشنگی بجھ سکتی ہے، دیکھئے حضرت کے تلامذہ میں کون کیا خدمت کرتا ہے اور کس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔

اب اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے چند امور ملاحظہ ہوں:

(۱) یہ بات جلد اوّل میں بھی عرض کی گئی تھی کہ حضرت الاستاذ مدّ ظلّہ کے تحقیقی سلسلے کا بیشتر حصہ آج سے تیس چالیس پچاس سال پہلے اس وقت کا ہے جب بہت سی کتابیں نایاب تھیں اور بہت سی کتابیں ہندستانی طرز تحریر پر غیر محقق طبع شدہ تھیں، بعض مرتبہ صحیح الفاظ حدیث پر اطلاع بھی دشوار ہوجاتی، اب قریبی دور میں بہت سی کتابیں علمی دنیا میں اور خاص طور سے عالم اسلام میں پوری تحقیق اور آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آتی جارہی ہیں، لہٰذا اگر کسی صاحب کو بھی کسی غلطی پر اطلاع ہوجائے تو مرتب کو ضرور مطلع فرمائیں۔

خود حضرۃ الاستاذ نے 'نوادر الحدیث' پر حسب ذیل مضمون لکھوایا:

''یہ چند علمی خطوط کے جوابات ہیں، ان کے لکھنے میں نہ تحریر الفاظ پیش نظر ہے نہ خوشنمائی مقصود ہے نہ یہ خوشنمائی کا ذریعہ ہیں، اسلئے شائع کئے جارہے ہیں کہ شاید طلبہ کو نفع ہوجائے، اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں ان کا کرم ہے۔

علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس کو دیکھیں، اگر کسی مقام پر سقم معلوم ہو مجھے اطلاع کردیں تاکہ بعد وضوح حق اسکی اصلاح کی جاسکے۔''

(۲) کتاب کے مضامین کی ترتیب یہ رکھی کہ اولاً معروف ومتداول کتب حدیث صحیحین وسنن اربعہ طحاوی

ومشکوۃ وغیرہ سے متعلق سوالات کواسی کتاب کے عنوان کے تحت مرتب کردیا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی فن سے ہو، اسلئے کہ عام طور سے یہ کتابیں علماء وطلبہ کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اوراسی کے حل کی فکر کرتے ہیں، پھر عقائدوکلام، تفسیر، فقہ ومسائل، تجوید، اصول حدیث، سیروسوانح اور رجال وروات کا عنوان دیا، سوالات کا معظم حصہ حدیث شریف ہی ہے، اسکواحقر نے تین بڑے بڑے عنوانات دیے، اگر الفاظِ حدیث کے شرح ومطلب کو بیان کیا ہوتو اس کو'تشریحِ احادیث' کے ذیل میں اوراگر حدیث کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث فرمائی ہوتو 'تحقیقی مضامین' کے ذیل میں، اور اگر احادیث کے مخرج اور حوالے کو بیان فرمایا ہے تو 'تخریجِ احادیث' کا عنوان قائم کیا ہے، اورآخر میں تزکیہ واحسان، دعوت وتبلیغ، تعبیر رؤیا سے متعلق بھی کچھ سوالات ہیں۔

حضرۃ الاستاذ نے اپنے تین اساتذہ کرام جن سے بہت ہی زیادہ کسب فیض فرمایا ان کے حالات مستقل طور پر تحریر فرمائے ہیں، اس دوسری جلد کی ابتداان ہی تین اکابر کے تذکرہ سے تبرکاً وتیمناً کی ہے، میری مراد شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعداللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم اور حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور ہیں۔

(۳) جلد ثانی کی تیاری میں حسب سابق عزیزی مولوی محمد بن آدم کرولیا اور عزیزی مولوی لقمان بن مولانا داود فلاحی نے بھرپور تعاون کیا، ضرورت پڑنے پر عزیزی مولوی یوسف بن مفتی شبیر صاحب اور محترم مولانا ادریس فلاحی صاحب بھی شریک کار بنے۔ اس جلد کی تصحیح کی فکر اشاعت سے پہلے ہی کی گئی، جس کی وجہ سے تاخیر بھی کافی ہوگئی، چنانچہ مظاہر علوم کے تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا عبدالعظیم صاحب نے اولاً اور رفیق محترم مولانا جمیل احمد صاحب مظاہری زید مجدہ مقیم مدینہ منورہ نے ثانیاً بہت ہی اہتمام سے تصحیح کی، اور طباعت وتجلید کی سخت ترین گھاٹی کو عبور کرنا تو صدیق محترم مولانا عبدالغفار بستوی استاذ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی کا ہی کام ہے، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور علمی عملی ترقیات اور صلاح وفلاح سے نوازے۔

آخر میں بصد خلوص وعجز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ افادات حضرۃ الاستاذ المعظم مدّ ظلّہ کو صحت وعافیت تامہ کے ساتھ عمر میں خوب برکت عطا فرمائے اور حضرت کے فیوض کو عام وتام فرمائے، آمین۔ فقط والسلام

احقر محمد ایوب سورتی (ابن قاری بندہ الٰہی)

خادم حدیث نبوی دار العلوم لیسٹر ومدیر مجلس دعوۃ الحق (یوکے)

۹ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲ جولائی ۲۰۰۹ء پنج شنبہ

عکس تحریر

صاحبِ افادات حضرۃ العلامۃ المحقق الشیخ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدّ اللہ ظلّہ
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبذة من حياة الشيخ محمد زكريا الكاندهلوىؒ

الحمد لله الذى به البداية وإليه النهاية، والصلاة والسلام علٰى صاحب اللواء والراية، وعلى آله وصحبه أولى الرشد والهداية.

أمّا بعد!

فلما كان مركوز الجبلّة الاِنسانيّة الاِنتساب إلى أكابرها والتذكّر بمآثرها والكشف عن مفاخرها والاِقتداء بهديهم والاِيتساء بطريقهم جمعت تذكرة شيخنا محمد زكريا الكاندهلوى شيخ الحديث بمظاهر العلوم، ـ متّعنا الله ببقائه ونفعنا بأنفاسه ـ

فأقول: هوالشيخ الاِمام العالم العلّامة الفاضل الفهامة شيخ العبّاد علم الزهّاد رأس المتكلّمين إمام المتورّعين يتيمة الدهر نادرة العصرشيخ المحدثين إمام الحفّاظ المتقنين شيخنا وقدوتنا الذى قلّ مايسمح الزمان بمثله، الثقة الثبت الحافظ الحجّة الناقد مولَانا محمد زكريا بن العلامة الذكىّ البارع المشار إليه بالبنان مولَانا الحافظ المولوى محمد يحيٰى بن العارف الجليل مولَانا محمد اسماعيل بن غلام حسين بن حكيم كريم بخش، تنتهى سلسلة نسبه إلى شيخ الأصحاب أبى بكر الصديق ـ رضى الله تعالى عنه ـ

ميلاده

ولد (متعّنا الله بطول بقائه) لعشر خلون من رمضان سنة خمس عشرة وثلثمائة وألف من الهجرة النبويّة ـ علٰى صاحبها الصلوات والتحية ـ ليلة الخميس فى الساعة الحادية عشرة.

اسمه ولقبه

سمّى باسمين، محمد زكريا و محمد موسٰى ولكن غلب الأوّل الثانى، وأمّا لقبه فشيخ الحديث، لقّبه بذلک شيخه العارف الكبير العلم الشهير فخر المحدثين مولَانا الحافظ المولوى خليل أحمد ـ رحمه الله ـ صاحب بذل المجهود فى حلّ أبى داود.

دراسته

ولمّا بلغ سبعاً بدء حروف الهجاء علٰى الدكتور عبدالرحمٰن المظفرنكرى من أصحاب الشيخ الجليل العارف المحدث مولَانا الحافظ المولوى رشيد أحمد الجنجوهى ـ قدّس الله سره العزيز ـ واشتغل فى السنة المذكورة بحفظ القرآن علٰى والده، وكان والده يأمره أن يقرأ الدرس مائة مرّة، وقرأ بعض الكتب الاِبتدائية من الفارسية وغيرها على عمّه الداعى الكبير مولَانا محمد إلياس ـ رحمه الله تعالى ـ وكتب الصرف على والده ومكث فى جنجوه إلى سنة ثمان وعشرين هجرية، ثم جاء إلى مظاهر العلوم بسهارنفور وقرأ: نحو مير، وشرح مائة عامل، وهداية النحو، والكافية، والكبرٰى (رسالة فى المنطق باللغة الفارسية للسيد الشريف)، وايساغوجى، والمرقاة فى المنطق كلّها بتمامها، والنصف من شرح التهذيب لليزدى، والباب الأوّل من نفحة اليمن، ومفيد الطالبين، والنصف من الألفية لِابن مالک، والثلاثين من الفصول الأكبرية، وترجمة 'عمّ' (الجزء الثلثين من القرآن الكريم)، وترجمة سورمن 'تبارک' (الجزء التاسع والعشرين)، وذلک كلّه بين رمضان سنة ثمان وعشرين و شعبان سنة تسع و عشرين.

وقرأ فى السنة التالية أعنى من رمضان سنة تسع و عشرين إلى شعبان سنة ثلاثين: بقيّة النصف من الألفية، والبقيّة من شرح التهذيب، وشرح الشمسيّة للعلامة قطب الدين الرازى المعروف بالقطبى بتمامه والحواشى المتعلّقة بالقطبى للسيد الشريف المعروفة بـ 'الميرقطبى' إلى مبحث التصوّرات، والفنّ الأوّل من التلخيص واثنتين وعشرين مقامة من المقامات الحريرية، والحساب، والبقية من ترجمة "تبارک" ومن نفحة اليمن.

وقرأ فى السنة التى تلتها من رمضان سنة ثلاثين إلى شعبان سنة إحدى وثلاثين: مختصر

المعانی، ونور الأنوار، والحسامی، وديوان المتنبّی، والسبع المعلّقات، والكنز، والقدوری، والميبذی، وسلّم العلوم۔

و فی السنة التی تلتها من رمضان سنة إحدی وثلاثين إلی شعبان سنة اثنتين و ثلاثين: مشكاة المصابيح، وهداية الفقه الأوّلين، وشرح معانی الآثار، ونزهة النظر شرح نخبة الفكر، والحماسة۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة اثنتين وثلاثين إلی شعبان سنة ثلاث و ثلاثين: شرح السلّم لملا حسن، وشرحه للفاضل حمد الله، والحواشی الثلاثة للشيخ زاهد الهروی المعروفة بالزواهد الثلاثة، والشمس البازغة، وأقليدس، وموطأ الإمام مالک، وموطأ الإمام محمد، و شرح معانی الآثار مرّة ثانية علی شيخه مولَانا خليل أحمد۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة ثلاث و ثلاثين إلی شعبان سنة أربع و ثلاثين قرأ: صحيح البخاری، و جامع الترمذی، وسنن أبی داود، والنسائی، ودروساً من هداية الفقه الجزء الثالث علی والده، ثم قرأ مرّة ثانية: صحيح البخاری، وسنن الترمذی، وسنن أبی داود، فی سنة خمس وثلاثين، و صحيح مسلم فی سنة ستّ و ثلاثين علیٰ شيخه مولَانا خليل أحمد ۔ نوّر الله مرقدہٗ۔

وسمعته ۔ متّعنا الله ببقائه ۔ يقول: إنّ والدی ۔ رحمه الله ۔ لم يكن دأبه فی التدريس كما هو الآن، أن يلقی الأستاذ التقارير علیٰ تلامذته، بل كان التلميذ يقرأ عليه، ويبيّن مراد المؤلّف، ويذكر فی الحديث مذاهب العلماء، ويرجّح المذهب المختار، وكان الوالد يسمع ما يقول التلميذ، فإن استقام فی البيان سكت الوالد ۔ رحمه الله ۔ وإلّا فسأله عن وجه الغلط ثم ينبّهه ويبيّن وجه الصواب۔

قال: فلمّا شرعت هداية الفقه الجزء الثالث بالغت فی المطالعة وراجعت مايتعلّق بها من الشروح فكنت أحفظ اعتراضات الشرّاح وأجوبتهم، وإذا جلست للقرأة ألقی الاِعتراضات وأضرب عن أجوبتها لعل الوالد يجيب بجواب آخر غيرما أجاب به الشرّاح، وكان الوالد ۔رحمه الله ۔ لَا يطالع بالاِمعان لكثرة الشواغل وهجوم الموانع، فقال لی بعد يومين او ثلاث:

إن كـنـت تـريـد القرأة مثل التلاميذ فاقرأ، وإن كنت تريد أن تقرأ مثل الأستاذ فطالع بنفسک!
قال: ثمّ تركت بعد ذلک قراءة الهداية۔

قـال: لـمّـا فرغت من كتب الحديث علٰى والدى مات (رحمه الله) فى ذلک العام، وكنت أريـد فـى حيـاتـه أن أقرأ كتب الحديث علٰى شيخى مولَانا خليل أحمد، ولكن لمّا مات والدى خـمـدت نار الشوق، ورأيت فى هذه الأيّام رؤياً كأنّ الشيخ المولى محمود الحسن المعروف بشيخ الهند يقول لى: اقرأ علىّ صحيح البخارى، فعرضت هذه الرؤيا على شيخى مولَانا خليل أحـمد، فقال: تأويلها أن تقرأ علىّ صحيح البخارى مرّة ثانية، فشرعت فى قراءة الصحيح بأمر الشيـخ مـع جـمـود الـقـريـحـة، فكنت أطالع شروح البخارى من فتح البارى وعمدة القارى و إرشـاد الـسـارى وغيـر ذلـک، و لمّا كنت أحضر الدرس ألقى اعتراضات الشرّاح علٰى الشيخ ليـقـول الشيخ 'ليس لک حاجة إلى القراء ة ثانياً' وماكانت هذه الإرادة الّا لجمود القريحة من حـادثـة وفاة الوالد ـ رحمه الله ـ ولم يكن الغرض من ذلک إظهار الفضل والكمال والله عليم بـذات الـصـدور، ولكن الشيخ ـ رحمه الله ـ لم يعبأ بشئ ولم يقل ما كنت أريده حتّى أتممت الـصـحـيـح، ثـمّ شـرعـت فـى الـكـتب الحديثية المذكورة سابقاً سوى الترمذى فإنّ درسه كان مقدّما علٰى درس البخارى عند الشيخ۔

شيوخه

دائرة شيوخه محدودة ليس فيها سعة، ولكن الله تعالى بارک فى الشيخ۔

فـمـن أجـلّـهـم شـيـخ العرب والعجم مولَانا الحافظ الثقة الثبت الحجة الناقد العارف خليل أحمد الأنبيتهوى السهارنفورى المهاجر المدنى۔

والثـانـى والـد شيـخنا وهو الذكى اللوذعى الألمعى مولَانا المحدث الحافظ المولوى محمد يحيى الكاندهلوى۔

والثـالـث عـمّـه الـداعـى الكبير مولَانا الحافظ الحجّة المولوى محمد إلياس الكاندهلوى المتوفى بدهلى۔

والـرابـع مـولَانـا الـحـافظ الثقة الثبت الحجّة السيّد عبد اللطيف البرقاضوى ناظم 'جامعة

مظاهر علوم' الواقعة بسهارنفور۔

والخامس مولَانا بحر المعقول وعلّامة المنقول المولوی عبد الوحید السنبهلی۔

وغیرهم ۔ رحمهم الله تعالی ۔

تنبیه:

سمعت شیخنا ۔ أدامه الله ومتّعنا الله ببقائه ۔ یقول: قرأت أکثر الکتب المنطقیة علی الحافظ السید عبد اللطیف، والأمور العامة والمیبذی علی المولی عبد الوحید، وأمّا کتب الفقه فعلی الوالد، وأمّا کتب الحدیث فعلی الوالد والشیخ خلیل أحمد صاحب البذل۔

تدریسه

عیّن مدرّساً فی مدرسة مظاهر العلوم بسهارنفور فی محرّم الحرام سنة خمس وثلاثین فدرّس: علم الصیغة، ومائة عوامل منظومة فی الفارسیة، وشرح مائة عامل، ونحومیر، والخلاصة، ونفحة الیمن، و منیة المصلّی، وأصول الشاشی، وأکثر من قال أقول۔

و درّس فی السنة التالیة من شوال سنة خمس و ثلاثین إلی شعبان سنة ستّ وثلاثین: المرقاة فی المنطق، وشرح التهذیب للیزدی، والکافیة، ونور الإیضاح، وأصول الشاشی، والفوائد الضیائیة المعروفة بشرح الملاجامی بحث الفعل منه، وعجب العجاب، ونفحة الیمن۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة ستّ وثلاثین إلی شعبان سنة سبع وثلاثین درّس: المقامات للحریری، والسبع المعلّقات، والقطبی، والمیر، وکنز الدقائق، والقدوری، وأصول الشاشی۔

وفی السنة التی تلتها من شوال سنة سبع وثلاثین إلی شعبان سنة ثمان وثلاثین : هدایة الفقه الأوّلین، والحماسة، وسافر إلٰی الحجاز للحجّ فی شعبان خلون منه ثنتان سنة ثمان وثلاثین ورجع إلی الوطن فی صفر سنة تسع وثلاثین۔

وفی سنة إحدی وأربعین فوّض إلیه ثلاثة أجزاء من صحیح البخاری بأمر شیخه الجلیل

مولَانا خليل أحمد ـ نوّر الله مرقده ـ، وظلّ يدرّس مشكاة المصابيح من سنة إحدى وأربعين إلى سنة ثلاث وأربعين بغاية من التحقيق والاِمعان۔

ثم أزمع السفر لزيارة بيت الله الحرام مرّة ثانية سنة أربع وأربعين مرافقاً لشيخه مولَانا الخليل، وأقام بالبلدة الطاهرة المدينة المنوّرة علٰى ساكنها ألف ألف صلوات وتحيّة دائماً، ودرّس هناک سنن أبی داود علٰی الطلبة المغاربة فی المدرسة الشرعيّة، والمقامات الحريرية لبعض الطلّاب، وقرأ علٰی شيخه فی ذلک القيام بعضاً من سنن الاِمام ابن ماجه۔

ولما أزمع الرجوع خلعه شيخه بلقب "**شيخ الحديث**" وقبله الله تعالی حتّی صار علَماً عليه بحيث إذا أطلق فی شبه القارة الهندية لَا يراد به الّا هو ـ متّعنا الله بأنفاسه القدسيّة ـ فرجع إلی الهند وهو شيخ الحديث للمدرسة العليّه مظاهرالعلوم فدرّس فی سنة ستّ وأربعين الأكثر من سنن أبی داود۔

وفی السنة التالية أعنی سنة سبع وأربعين درّس سنن الاِمام أبی داود كاملاً، والأكثر من النصف الأوّل من صحيح البخاری ولَا زال يدرّس السنن والصحيح هكذا إلی سنة أربع وسبعين، الّا فی سنة ستّ وخمسين فلم يدرّس البخاری لبعض الأمور، ودرّس فی هذه المدّة عدّة من كتب الحديث، كالشمائل للترمذی فی سنة ثمان وأربعين وتسع وأربعين، واثنين وخمسين، ونبذاً من صحيح الاِمام مسلم فی سنة ثمان وأربعين۔

وبعد ما توفیّ حضرة العلامة المفضال المولی السيد عبد اللطيف ناظم المدرسة الذی كان متكفّلاً بتدريس صحيح البخاری فتولّی تدريس صحيح البخاری كاملاً إلی الآن ـ متّع الله المسلمين ببقائه ـ الّا فی السنة الماضية أعنی سنة اثنين و ثمانين فدرّس بعضاً من صحيح البخاری شيخُنا العلامة مولَانا أمير أحمد الكاندهلوی بأمره، وفی السنة الراهنة أوراقاً، ثم تولّی الشيخ بنفسه، وشرع فی درس المسلسلات التی جمعها مسند الهند حكيم الأمة الثقة الثبت الحجّة الاِمام الشاه ولیّ الله الدهلوی ـ رحمه الله تعالی ـ وهو يدرّس إلی الآن ويأتيه الطلبة من أقاصی البلدان ـ والله يطيل بقائه ـ۔

تلاميذه

اعلم أن فی تلامیذہ کثرة لَا تحصیٰ، والذين أخذوا عنه الحديث يبلغ عددهم عشرة آلَاف أو أكثر،

ومن أشهرهم (١) الداعی الكبير المحدث مولَانا محمد يوسف الكاندهلوی رئيس المبلّغين المقيم بكورة نظام الدين أولياء بدهلی، صاحب حياة الصحابة، وأمانی الأحبار شرح معانی الآثار، (٢) والعلامة المتفنن الحافظ الثقة الثبت مولَانا أمير أحمد الكاندهلوی صدر المدرّسين بمظاهر العلوم، (٣) والشيخ العلّامة الفهامة جامع المعقول والمنقول مولَانا المفتی محمود الحسن الجنجوهی صدر المدرسين بجامع العلوم كانفور، (۴) وشيخنا العلّامة المفضال الثقة الثبت الحجة العارف الكبير مولَانا عبد الحليم صدر المدرسين بمدرسة ضياء العلوم الواقعة بقرية مانی كلاں من مضافات جونفور، (۵) ومولَانا الشيخ إنعام الحسن الكاندهلوی، (٦) ومولَانا الذكیّ البارع عبيد الله البلياوی (٧) والعلامة الثبت مولَانا عبد الجبّار الأعظمی صدر المدرسين بالجامعة القاسمية الشاهی مراد آباد، (٨) وتلمّذ عليه أيضاً مولَانا إحتشام الحسن الكاندهلوی، (٩) والعلامة جميل أحمد التهانوی المقيم بباكستان، (١٠) ومولَانا العلامة عبد الشكور البيشاوری، (١١) والقاضی مظهر الدين البلجرامی (بروفيسر دينيات فی عليجره)، (١٢) والمولی أكبر علی السهارنفوری المقيم بباكستان، (١٣) والمولی الشيخ محمد يامين الكاندهلوی المقيم بالمدينة المنورة، (١۴) والمولی الشيخ محمد عادل الجنجوهی وغيرهم۔

تأليفاته

له (أبقاه الله تعالی بخير وعافية) مؤلّفات كثيرة مملوء ة من التحقيقات والنفائس العلمية ما خلت عنه كثير من الأسفار، ومن أجلّها: (١) أوجز المسالك إلی موطأ الإمام مالك، وهو شرح كبير للموطأ، شهرته كافية عن الإطراء به، (٢) وحاشية الكوكب الدریّ علی جامع الترمذی، (٣) وحاشية لَامع الدراری علی صحيح البخاری، وهی حاشية عجيبة فی بابها، مملوء ة من التحقيقات القيّمة التی خلت عن كثير منها شروح البخاری، كادت أن تكون

شرحاً مستقلاً للبخارى كمل منها جزءان، والشيخ فى تأليف الجزء الثالث بدؤه من كتاب بدء الخلق، (۴) وتلخيص البذل لخّص فيه شرح شيخه على أبى داود، وزاد فيه شيئا من عنده ولم يكمل، (۵) وحاشية البذل وهى حاشية قيّمة حوَت من التحقيقات ما خلت عنها الزبر الكبيرة، جمع البحر فى الكوز ولكن لم يهذّبها ولم يرتبها، (٦) وشرح المقدمة الجزرية، (۷) وكتاب الوقائع ذكر فيه تواريخ الوقائع التى حدثت بعد الهجرة إلى آخر حياته ـ صلى الله عليه وسلم ـ ولم يبيّضه، (۸) وجامع الروايات وهى كتاب عجيب جمع فيه أطراف الأحاديث علىٰ ترتيب الفقه، ورقم علىٰ الأحاديث، (۹) وله كتاب آخر سمّاه بالأجزاء ذكر فيه مخارج الأحاديث التى ذكرها فى جامع الروايات على الرقم ليسهل المراجعة ولو كمل لأغنى عن كثير من الأسفار، (۱۰) وفهرس المؤلّفات والمؤلّفين، (۱۱) ومتن فى أصول الحديث على أصول الحنفية، (۱۲) ورسالة فى مسائل الحجّ، (۱۳) وتعليق على مشكاة المصابيح فى غاية من الايجاز والاِختصار، (۱۴) ومقدمة لَامع الدرارى وهى مقدمة وحيدة فى بابها مشتملة على فوائد وتحقيقات وأصول التراجم، (۱۵) وشذرات الترمذى، (۱٦) وشذرات أبى داود، (۱۷) وشذرات الرجال، (۱۸) والاِعتدال فى مراتب الرجال فى لسان الأردوية، (۱۹) وقرآن عظيم اور جبريه تعليم، (۲۰) وشرح الألفية، (۲۱) وفضائل الصدقات، (۲۲) وفضائل الصلاة، (۲۳) وفضائل الحجّ، (۲۴) وفضائل التبليغ، (۲۵) وفضائل القرآن، (۲٦) وفضائل الذكر، (۲۷) وحكايات الصحابة، (۲۸) وخصائل نبوى شرح الشمائل النبوية للترمذى، (۲۹) ورسالة فى التجويد كلّها فى لسانه الأردوية، (۳۰) ورسالة فى أحوال القرّاء السبع، (۳۱) ورسالة فى أحوال مظاهر العلوم، (۳۲) والمشائخ الچشتية، وله ـ مدّ الله ظلّه ـ سوى ذلك تصانيف وتآليف، وكلّها نافعة مملوءة من التحقيقات والفوائد، ورزقت تاليفاته من القبول الحظّ الأوفر، فأمّا كتب الفضائل فسارت بها الركبان إلى أدانى المدن وأقاصى البلدان، وترجمت فى ألسنة أخرى من الأفرنجية، والاِنكليزية، والهندية، وتيمل، وغيرها، وكذلك كتابه خصائل نبوى، وأمّا شرح الموطأ، وحاشية الكوكب، وحاشية اللامع فانتشرت فى أقطار العرب والعجم، وكلّ ذلك من حسن نية مؤلّفها وصدق طويّته ـ متّعنا الله ببقائه

وأحسن جزاءه۔

البيعة والاِجازة

بايع علٰى يد الشيخ الكبير الاِمام الشهير مولَانا خليل أحمد المهاجر المدنى ۔ رحمه الله ۔ وقطع طريق السلوك حتّٰى أجازه شيخه فى الحرم المدنى بأخذ البيعة فى السلاسل الأربعة وقت رجوع شيخنا إلى الهند، فحسر الشيخ خليل أحمد عمامته من رأسه وأمر مولَانا السيد أحمد المهاجر أن يلوثها علٰى رأس شيخنا زكريا، وكان الشيخ الكبير مولَانا عبد القادر الرائيبورى حاضراً إذ ذاک، فحرّض الشيخ زكريا علٰى إخفاء هذه الاِجازة ولكن العارف الرائيبورى أذاع هذه الاِجازة فى الناس، ولم يزل شيخنا ممتنعا عن الاِجابة إلى أخذ البيعة حتّٰى أمره عمّه مولَانا محمد إلياس بأخذ البيعة فبايعته نسوة من أسرته ثم تتابع ذلک۔

منن الله تعالى عليه

كان لشيخه مولَانا خليل أحمد عناية به بالغة، فكان الشيخ خليل أحمد يملى بذل المجهود ويكتب شيخنا، وكان يتتبّع المظانّ المشكلة كما صرّح به الشيخ الخليل فى مقدمته، ورأيت فى مسوّدة مقدمة البذل:

”وأعاننى عليه بعض أحبابى، منهم عزيزى وقرّة عينى وقلبى الحاجّ الحافظ المولوى محمد زكريا بن مولَانا الحافظ المولوى محمد يحيى الكاندهلوى، وهو حرىّ بأن ينسب إليه هذا الشرح فإنّى كنت لَا أقدر علٰى الكتابة ولَا على التتبّع لرعشة حدثت فى يدى، وضعف فى دماغى وبصرى، فكنت أملى عليه وهو يكتب، ويتتبّع المباحث المشكلة من مظانّها فيسهل علىّ إملاءها ۔ فشكر الله سعيه وأحسن جزاءه وما بذل فيه جهده، وأكرمه الله تعالى بعلومه الباطنة والظاهرة النافعة فى الدنيا والآخرة وبالأعمال المبرورة المتقبّلة الذاخرة ۔“ انتهى۔

ولكن شيخنا ضبب على قوله ”وهو حرىّ بأن ينسب إليه هذا الشرح“ وقت الطبع هضماً لنفسه، ولَا يختلج فى صدرک أنّ الشيخ زكريا كيف تجاسر على محو ما كتبه شيخه، لأنّ

شيخنا كان مع شيخه إتّحاد مزاج فى نهاية ما يكون، وهذا هو الذى جرّأه على ذلك.

ومن أعظم المنن عليه اشتغاله بخدمة الحديث الشريف وانهماكه فيه تدريساً وتصنيفاً وأُشرب حبّه فى قلبه وخالط بلحمه ودمه حتى صار علَماً عليه ولقباً أشهر من اسمه.

ومنها: حبّ شيخه وإيثاره على كلّ شىء، وملازمته سفراً وحضراً وحوزه دعواته الصالحة كما قد قرأت.

ومنها: تحبّبه عند الأكابر والمشايخ كعمّه الجليل مولَانا محمد إلياس الكاندهلوى والعارف الكبير المحدث الشهير المجاهد الأعظم شيخ العرب والعجم شيخ الإسلام مولَانا السيد حسين أحمد المدنى والعارف الكبير غوث الأوان مولَانا عبد القادر الرائيبورى ـ قدّس الله أسرارهم ـ وغيرهم من المشايخ والأكابر والمعاصرين.

ومنها: أن الله تعالى أغناه عن الوظائف والاِشتغال بالتكسّب ورزقه التوكّل والاِعتماد عليه، فلم يزل يدرّس الحديث الشريف فى المدرسة محتسباً متطوّعاً لَا يأخذ عليه أجراً.

ومنها: شدّة اتّباعه للسلف الصالح والاِستنان بسنتهم والاِقتداء بطريقتهم، وحبّب إليه السذاجة التى ورثها عن أكابره ومشائخه العظام، والتجرّد عن اختلاف الناس والاِنقطاع عنه والعكوف على المطالعة وتدريس الحديث والتصنيف فيه.

ومنها: انهماكه فى التعبّد وإحياء ليالى رمضان بالتلاوة والنوافل.

ومنها: المواساة، وحمل الأثقال، والاِنفاق فى نوائب الحقّ، وأداء الحقوق وغير ذلك، كما قال الشاعر:

وكم لله من لطف خفى يدقّ خفاه عن فهم الذكى

كتبه محمد يونس عفى عنه

(فى سنة ۱۳۸۳ هـ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث

(حضرۃ الاستاذ مدظلہ سے برطانیہ سے آئے ہوئے ایک مکتوب میں حضرت شیخ زکریاؒ کے تلامذۂ حدیث کے ناموں کی تفصیل طلب کی گئی، اس پر جو مکتوب تحریر کیا گیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حضرت شیخؒ کے حالات کے بعد نقل کر دیا جائے۔ مرتب)

عزیز گرامی قدر سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علامہ خالد محمود صاحب نے تمہارے ذمہ عجیب مضمون لگایا ہے، کوئی ایسی کتاب یا رسالہ نہیں ہے جس میں حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے مُجازین حدیث کا ذکر ہو۔

جن حضرات نے حضرت نور اللہ مرقدہ سے حدیث پاک پڑھی ہے ان کو تو اصول محدثین پر تدریس حدیث کی اجازت ہے ہی، **کماهو مصرّح فی علوم الحدیث لِابن الصلاح (ص ۱۲۶) وتلخیصه المسمّٰی بالتقریب للنووی وغیر ذلک من کتب الأصول۔**

وعبارة النووی: إذا قرأ علی الشیخ قائلاً أخبرک فلان أو نحوه والشیخ مُصغ إلیه فاهم لهٗ غیر منکر صحّ السماع وجازت الروایة به، ولَا یشترط نطق الشیخ علی الصحیح الذی قطع به جماهیر أصحاب الفنون، وشرط بعض الشافعیین والظاهریین نطقه، وقال ابن الصبّاغ الشافعی: لیس له أن یقول حدثنی وله أن یعمل به و أن یرویه قائلاً: قرئ علیه وهویسمع، انتهی۔

قول اول کے متعلق ابن الصلاح فرماتے ہیں (ص ۱۲۶):

وهذا مذهب الجماهیر من المحدثین والفقهاء وغیرهم، امام نووی نے اصحاب الفنون بولکر یہی مراد لیا ہے۔

اب اس کی تفصیل کہ حضرت نور اللہ مرقدہ سے کن حضرات نے حدیث شریف پڑھی ہے دشوار ہے، مدرسہ کی روداد سے معلوم ہوسکتی ہے لیکن اتنے طویل کام کی فرصت نہیں ہے۔

جو حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس رہے ہیں یا اور کہیں حدیث پاک کی تدریسی خدمت ماضی میں کی یا اب کررہے ہیں ان میں سے جن کا نام معلوم ہوسکا ان کے اسماء درج کرتا ہوں۔

اولاً ان لوگوں کا نام لکھوں گا جو مظاہر علوم میں مدرس تھے یا فی الحال مدرس ہیں پھر دوسرے حضرات کے اسماء ذکر کروں گا۔

مظاہر علوم کے مدرسین میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ مفتی اعظم، حضرت مولانا امیر احمدؒ صاحب سابق صدر المدرسین، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وحال مفتی اعظم مظاہر علوم، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سابق مفتی اعظم وحال ناظم اعلی مدرسہ، مولانا محمد عاقل صاحب حال صدر المدرسین، مفتی محمد یحی صاحب، مفتی عبد العزیز صاحب، مولانا محمد سلمان صاحب اور اس ناکارہ نے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی ہے، اور اسی طرح اوائل اربعین مصنفہ محمد سعید بن محمد سنبل مکی پڑھی جس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کے اوائل درج ہیں، اور حضرت نور اللہ مرقدہ نے تدریس وروایت کی اجازت مرحمت فرمائی **و للہ الحمد۔**

مظاہر علوم کے باہر جو حضرات تدریس حدیث شریف میں مصروف ہیں، ان میں سے جن حضرات کے نام معلوم ہوسکے وہ درج کئے جاتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ دہلی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب حال امیر جماعت تبلیغ دہلی، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سابق صدر المدرسین وناظم مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں جونپور وحال بانی وناظم مدرسہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی جونپور، مولانا منور حسین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم لطیفی کٹھیار (بہار)، مولانا عبد الجبار اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد، مولانا عبد الستار صاحب اعظمی شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ابراہیم صاحب پالنپوری شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ آنند گجرات، مولانا تقی الدین الندوی المظاہری سابق مدرس حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء وسابق شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات مقیم حال ابوظہبی، مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی مقیم مرکز تبلیغ دہلی، مولانا عبید اللہ صاحب مقیم مرکز دہلی، مولانا محمد نصیر صاحب صدر مدرس جامع العلوم کانپور، مولانا منظور احمد صاحب مدرس حدیث جامع العلوم کانپور، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی بانی وناظم مدرسہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ، مولانا احسان الحق صاحب لاہوری

مدرس حدیث مرکز رائیونڈ پاکستان، مولانا یوسف متالا بانی دار العلوم ہولکمب بری انگلینڈ، مولانا محمد ہاشم مدرس حدیث دار العلوم ہولکمب بری انگلینڈ، مولوی محمد انوار صاحب مدرس حدیث دار العلوم لطیفی کٹیہار، مولانا امام الدین مدرس حدیث دار العلوم لطیفی سابق، مولانا عبد الروؤف صاحب سابق مدرس حدیث دار العلوم لطیفی، مولوی عبد الغنی صاحب پونوی (پونہ) مدرس حدیث دار العلوم احمد نگر، مولانا نسیم احمد صاحب مدرس حدیث دار العلوم جامع الہدی مراد آباد، مولانا عبد الرشید صاحب سابق مدرس حدیث مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں ومدرس ریاض العلوم چوکیہ جونپور، مولانا سجاد صاحب جونپوری مدرس مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ۔

جن حضرات کے نام نہیں لکھے جاسکے وہ یا تو معلوم نہیں یا ان کے اسماء اس وقت یاد نہیں آئے۔

جن حضرات نے حضرت نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ تو حدیث شریف نہیں پڑھی لیکن ان کو حضرتؒ کی طرف سے اجازت ہے ان کی فہرست بھی لمبی ہے، ایک بڑی جماعت نے فیصل آباد پاکستان کے قیام رمضان کے وقت ۱۴۰۰ھ میں اجازت لی تھی، ان کی پوری تفصیل مجھے معلوم نہیں، مجازین میں سرفہرست حضرت علامہ عبد الفتاح ابوغدہ الحلبی مقیم ریاض سعودیہ، اور حضرت مولانا عبد اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم رشیدیہ ساہیوال اور مولانا منظور احمد صاحب چینوٹی فاتح قادیان کے نام ہیں۔

اس ناکارہ کے متعلق تم نے کچھ تفصیل معلوم کی ہے وہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۸۰ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، ۸۱ھ میں کچھ مزید کتابیں پڑھیں، شوال ۱۳۸۱ھ میں معین المدرسین کے عہدہ پر تقرر ہوا اور شرح وقایہ وقطبی زیر تدریس رہیں، شوال ۸۲ھ میں بھی کتب سابق رہیں، شوال ۸۳ھ میں درجہ وسطیٰ کا مستقل مدرس تجویز کیا گیا اور مقامات حریری وقطبی وغیرہ زیر تعلیم رہیں، شوال ۸۴ھ میں ہدایہ اولین، قطبی، اصول الشاشی آئیں لیکن اسی سال ذی الحجہ میں حضرت استاذی مولانا امیر احمد صاحب صدر المدرسین کا انتقال ہو گیا تو مشکوۃ شریف حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کے یہاں سے منتقل ہو کر بندہ کے پاس آئی اور باب الکبائر وعلامات النفاق سے پڑھائی، آئندہ سال شوال ۸۵ھ میں مشکوۃ شریف شرح وقایہ قطبی پڑھائی۔

شوال ۸۶ھ میں دورہ حدیث شریف میں سے ابوداؤد نسائی ابن ماجہ موطائین اور دوسری نیچے کی کتابیں آئیں، شوال ۸۷ھ میں مسلم شریف نسائی شریف ابن ماجہ موطا امام مالک وموطا امام محمد ہوئیں۔

۲۵ شوال ۸۸ھ روز بدھ سے بخاری شریف بندہ کے یہاں منتقل ہوئی، **فالحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه على جزيل نعمائه وتواتر آلائه۔**

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے آئندہ زندگی بھی اس مبارک کتاب کی تدریس کے شرف سے نوازے اور اہلیت پیدا فرمائے، آمین۔

محمد یونس عفی عنہ

۵/رمضان ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

نبذة عن حياة الشيخ أسعد الله الرامفورى
ناظم الجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے حالات مولانا عبدالحق صاحب مدنی نقشبندی نے معلوم فرمائے تھے، حضرت نے احقر کو تحریر کرنے کا حکم دیا جو وہاں لکھا گیا وہی ادنی تصرف سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

اسمه و نسبه:

هو العلامة المحدث جامع المعقول والمنقول محمد أسعد الله بن مولَانا رشيد الدين بن مولَانا المفتى بشارت الله بن العلامة المفتى سعد الله الرامفورى صاحب التأليفات الشهيرة ۔

ولَادته و نشأته:

ولد بمصطفى آباد المعروف برياست رامفور يوم الاِثنين فى شهر............. سنة أربعة عشر وثلاثمائة وألف وسمّى بـ"أسعدالله" واسمه التاريخى "مرغوب الله" سمّاه بذلک جدّه كما أخبره بذلک عمّه مولَانا فضل الله الطبيب، وكانت بيته بيت علم فقرأ القرآن علىٰ والدته، وتعلّم الفارسيّة فى زمن الصبا، ثم دخل هناک فى بعض المعاهد العصريه فتعلّم الرياضى وشيئا من العلوم المروّجة۔

ثمّ نقله عمّه مولَانا فضل الله فى أواخر ۱۳۲۹ھ وذلک حين كان عمره خمسة عشر سنة من رامفور إلى تهانه بهون البلدة المعروفة فى مضافات مظفر نكر مَسقط رأس العارفين والكاملين فوصل الى الخانقاه الاِمدادية عند حكيم الأمة الاِمام العارف مولَانا أشرف على

التهانوى المتوفى ۱۳۶۲ھ، فقرأ هناك فى مدرسة إمداد العلوم على العلامة مولَانا عبد الله الكنكوهى المتوفى ۱۵/رجب ۱۳۳۹ھ من الإبتداء الى المتوسّطات وقرأ عليه دروساً من مشكاة المصابيح، وقرأ دروساً من ترجمة القرآن الحكيم ودروساً من المشكاة على حكيم الأمة التهانوى.

ثمّ انتقل فى ۲۲/شوال ۱۳۳۲ھ إلى سهارنفور فدخل فى شهر شوال فى المدرسة المباركة الشهيرة بمظاهر العلوم فقرأ على أساتيذها بقيّة الكتب فقرأ مختصر المعانى وغيره على مولَانا ثابت على المتوفى ۲۰/ ربيع الثانى ۱۳۴۲ھ، ومشكاة المصابيح وغيرها على العلامة مولَانا السيد عبد اللطيف مدير الجامعة مظاهر العلوم سابقاً المتوفى يوم الاِثنين ثانى ذى الحجّة ۱۳۷۳ھ، وتفسير الجلالين وبعض الكتب الآلية على العلامة مولَانا عبد الوحيد السنبهلى المتوفى فى رمضان ۱۳۵۵ھ، وقرأ المجلدين الأوّلين من الهداية فى الفقه على مولَانا العلامة المحدث ظفر أحمد التهانوى شيخ الحديث فى دارالعلوم أشرف آباد تندواله يار التابعة لحيدرآباد السند مؤلف الكتب الشهيرة كإعلاء السنن وغيره المتوفى فى ذى القعدة ۱۳۹۴ھ، والتصريح شرح الچغمينى على العلامة المحقق المحدث المفسر الأصولى الفقيه مولَانا عبد الرحمٰن الكاملفورى صدر المدرسين بمظاهر العلوم سابقاً المتوفى ۲۷/شعبان ۱۳۸۵ھ، وقرأ كتب الحديث من الصحاح الستة وغيرها فى ۱۳۳۴ھ، فقرأ الجامع الصحيح للإمام البخارى وسنن أبى داود والترمذى والنسائى على العلامة المحدث مولَانا محمد يحيى الكاندهلوى المتوفى ۱۳۳۴ھ، وبقية كتب الصحاح على غيره من الأساتذه كالشيخ العلامة ثابت على وغيره، وقرأ شيئاً من كتب الحديث على العلامة مولَانا خليل أحمد السهارنفورى المحدث المشهور شارح أبى داود المتوفى يوم الأربعاء ۱۶/ربيع الآخر ۱۳۴۶ھ، وقرأ فى ۱۳۳۵ھ الكتب الأخرى من الفنون المختلفة.

عمله وتدريسه:

ولما فرغ من الكتب الدراسيّة جُعل مديراً لجمعية هداية الرشيد (شعبة التبليغ والدعوة) بمظاهر العلوم سهارنفور ثمّ عيّن فى ۱۳۳۷ھ معيناً للمدرسين وجعل فى رجب ۱۳۳۸ھ مدرّساً

مستقلّاً، ودرّس على الطلبة جميع الكتب من الفنون المختلفة من التفسير والحديث والفقه والنحو والصرف والمعانی والبيان والأدب والمنطق والفلسفة والمناظرة والطبّ، ودرّس من كتب الحديث تماماً سنن أبی داود والنسائی ومعانی الآثار للطحاوی والموطأ للإمام مالک وللإمام محمد وصحيح الاِمام مسلم ودرّس بعض صحيح البخاری وبعضاً من سنن الترمذی، وكان يلقی الدروس بعبارة موجزة جامعة وتحقيق تامّ۔

ولمّا وقع الاِرتداد ۱۳۴۱ھ فی نواحی آجره بسعی سوامی دیانند۔ حامل ديانة الآريّة۔ وأعوانه كشردهانند ومدن موهن مالويه جال الشيخ المؤمیٰ إليه فی تلک الديار بقمع هذه الفتنة الهائلة، وسعی فيه سعياً حثيثاً۔ تقبّله الله تعالی بمنّه وكرمه۔ وكان مناظراً جيّداً قویّ العارضة شديد المعارضة، حديد الذهن، سريع الجواب، فناظر الآريين والمسيحيين والقادنيين والمبتدعين وغيرهم، وردّ عليهم كيدهم، وفاز فی جميع المناظرات۔

ولمّا ألّف الحافظ هدايت حسين الكانفوری تأليفاً فی الوقف وقدّمه إلی الحكومة وزاغ فيه عن جادة الصواب، ردّ عليه فی بيان له فی ۱۳۵۲ھ و بيّن بالدلَائل العقلية والنقلية أنّ هذا الكتاب لَايعتمد عليه، ولم ينطق أحد من الحاضرين بحرف من الردّ۔

أسفاره:

كان الشيخ ملازماً لمدرسة مظاهرالعلوم لَا يسافر إلّا للمناظرة أو التبليغ والدعوة والوعظ، ولمّا أصرّ أهل رنغون (مملكة برما) كالحاج داود هاشم يوسف فذهب إلی رنغون فی ربيع الثانی ۱۳۴۸ھ فأقام هناک مديراً للمدرسة المحمدية إلی شوّال ۱۳۴۸ھ ثمّ رجع إلی مظاهر العلوم، ثم سافر إلی رنغون ۱۳۵۴ھ مديراً للمدرسة المذكورة وأقام هناک عاماً، ثمّ أقام فی السنة التالية بسبب إلحاحهم ورجع إلی سهارنفور فی آخر ۱۳۵۵ھ ثمّ لم يذهب إلی أیّ مدرسة وإن كان عارضيّاً۔

حجّه:

حجّ الشيخ مرّة واحدة، سافر لأداء فريضة الحجّ فی ذی القعده ۱۳۵۴ھ وحصل هناک الاِجازة فی كتب الحديث من بعض الأعيان۔

عميد المدرسة:

عيّـن نائب المدير في غرّة صفر ۱۳۶۵ھ، ولـمّا توفي العلامة المفضال السيّد عبد اللطيف مـدير الجامعة سابقاً عيّن مديراً للمدرسة في غرّة محرم الحرام ۱۳۷۴ھ وهو إلى الآن ـ بحمد الله سبحانه و تعالىٰ ـ على منصبه الجليل ـ أبقاه الله برغد عيش ورقاه مدارج القرب ـ

تأليفاته:

كـان الشيـخ الـمـؤمـى إليه المترجم له كثيراً يشغل بالتدريس والمناظرة والتبليغ والوعظ، ولـذا لـم يتفرّغ للتأليف، ولكنّه ألّف رسائل عديدة وعلّق حواش، منها: (۱) إسعاد النحو، (۲) والتـحفة الحقيرة في نسبة سبع الشعيرة، (۳) والـقطائف من اللطائف في اللطائف الستة، (۴) والفيصلة شرح لمقالة لحكيم الأمة التهانوي، (۵) والمسالمة في المكالمة (في مسئلة إمكان الكذب)، (۶) وتكميل العرفان في شرح حفظ الإيمان، (۷) وشرح التقصير في التفسير، (۸) وحـاشيـة مـختصرة على شرح معاني الآثار للطحاوي، (۹) وأجـوبـة علىٰ أسئلة متعلقة بشرح مـعـاني الآثار للطحاوي، (۱۰) والـعـروض مـع الـقـافية شرح لرسالة للمفتي سعد الله، (۱۱) وشـرح الحماسة ولم يكمل، (۱۲) وفتنة الارتداد وفرض المسلمين، (۱۳) وصحائف أسعد (۱۴) وكلام أسعد مجموعان لأبياته۔

الاِرشاد والسلوك:

كـان الشيـخ الـمتـرجـم له بايع في زمن طلب العلم على يد العارف الكبير والمربّي الشهير حـكـيـم الأمة التهانوي وأجازه الشيخ التهانوي في بعض السنين لأخذ البيعة والتلقين والاِرشاد في السلاسل الأربعة۔

أولَاده:

لـمـا فـرغ مـن الـكتـب الـدراسيـة زوّجه عمّه مولَانا محمد فضل الله الطبيب ببنته وذلك ۱۳۳۶ھ غالباً، فولد له تسعة أولَاد، بنتان وسبعة ذكور، والباقي منهم الآن أربعة: مولَانا محمد الـلـه وهـو الآن مـدرس بـجـامـعة مظاهر العلوم، وأحمد الله، وهومقيم بباكستان، وأمجد الله، وأجود الله۔

حرره الأحقر محمد يونس عفى عنه

٢٠ ذى الحجة ١٣٩٧ھ

وفاته:

ثم توفّى إلى رحمة الله تعالى ليلة الاِثنين الخامس عشر من شهر رجب الفرد سنة تسع وتسعين وثلاثمائة وألف ۔ رحمه الله تعالیٰ ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

نبذة عن حياة الشيخ أمير أحمد الكاندهلویؒ

صدر المدرسين بمظاهر العلوم سهارنفور

سوال:

حضرت مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اور کب وفات ہوئی؟ کہاں تعلیم پائی؟ اساتذہ کون تھے؟ کب تک درس دیا؟ ان کے بعض مشہور تلامذہ کے نام بھی درج کریں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

از امیر احمدہمی پرسی سخن — آنکہ بودہ شہر یار علم و فن
درتمامی علم او را دستگاہ — بہر ہر فن سینہ اش جائے پناہ
درحدیثِ مصطفیٰ بودہ امام — من چہ گویم وصف آں عالی مقام

نام ونسب

حضرت الاستاذ العلامۃ المحدث مولانا الحافظ الحاج امیر احمد صاحب بن جناب عبدالغنی صاحب قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے، آپ کے اہل خاندان گوشت فروش (یعنی قصائی) تھے مگر حضرت مولانا سے ملکر کبھی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ولادت

قصبہ کاندھلہ ہی میں ۵؍صفر المظفر ۱۳۲۷ھ میں دوشنبہ کے دن بوقت صبح صادق ولادت ہوئی۔

سنا ہے کہ آپ کے والد ماجد نے ولادت سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ میرے گھر سے ایک دودھ کی ندی جاری ہے اورلوگ اس سے سیراب ہورہے ہیں۔

نشوونماوطالب علمی

مولانا مرحوم کانشوونما اپنے خاندانی طرز پر ہوا،مگرمزاج نہایت شریف،طبیعت بہت ہی سادہ تھی،حق تعالی نے مقدر میں بڑے بڑے علماء کی استاذی لکھی تھی،ابتداء میں اپنے قصبہ کے مدرسہ میں داخل ہوئے اوروہاں کچھ ابتدائی اردو وغیرہ اور ناظرہ قرآن شریف پڑھا،وہاں کے بعض بااثر حضرات کے توجہ دلانے پر مزید تعلیم کا شوق پیدا ہوا، پندرہ سال کی عمر میں کاندھلہ سے سہارنپور آئے،اورشوال ۱۳۴۲ھ میں جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور میں داخل ہوئے، اور بالکل ابتداء سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا،مفید الطالبین،نورالایضاح،کافیہ،قدوری وغیرہ پڑھی،اور ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے،۱۳۴۷ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھااورساری جماعت میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے،مدرسہ کی طرف سے دس روپے اورمتعدد کتابیں جیسے بذل المجھود جلدرابع،ادب القرآن،ثلاثیات بخاری،سراجی،تذکرۃ الرشید،لطائف رشیدیہ،حجۃ الاسلام،دلائل الخیرات وغیرہ انعام میں ملیں،۱۳۴۸ھ میں فنون کی کتابیں پڑھیں۔

اساتذہ

چونکہ مولانا نے ازاول تاآخرساری تعلیم جامعہ ہذامیں ہی پائی اس لئے اس وقت کے سارے اساتذہ مولانا کے اساتذہ تھے،جن کے نام معلوم ہوسکے وہ حضرات یہ ہیں:

حضرت اقدس مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم اعلی مدرسہ ہذا، حضرت اقدس مولانا العلامۃ عبدالرحمٰن کامل پوری سابق صدرالمدرسین مدرسہ مظاہرعلوم، حضرت اقدس العلامۃ المحدث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم، حضرت اقدس العلامۃ ذوالفنون مولانا محمد اسعداللہ صاحب حال ناظم اعلی مظاہرعلوم،متّع اللہ المسلمین بحیٰوتہ، حضرت اقدس مولانا العلامۃ منظوراحمد السہارنپوری نوراللہ مرقدہ،حضرت اقدس مولانا عبدالشکورصاحب کامل پوری

مرحوم، حضرت اقدس السید ظہور الحق صاحب دیوبندی ثم السہارنپوری، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی کشمیری مرحوم، مولانا عبدالمجید صاحب مہیسروی سہارنپوری مرحوم۔

اساتذہ حدیث شریف

مولانا نے صحیح بخاری جلد اول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اور جلد ثانی حضرت مولانا السید عبداللطیف صاحب سے اور صحیح مسلم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور ابوداود شریف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اور ترمذی حضرت مولانا السید عبداللطیف صاحب سے سنن نسائی وابن ماجہ اور مشکوۃ شریف حضرت مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری سے پڑھی۔

مشغلہ تدریس وتعلیم

فراغت کے بعد ہی مدرسہ خلیلیہ شاخ مظاہر علوم میں ۱۳۴۹ھ میں ابتدائی مدرس مقرر ہوئے اور مسلسل چھ سال وہیں رہے، اور وہاں ہونے والی سبھی کتابیں پڑھائیں، وہیں کے دوران قیام میں چھ ماہ میں قرآن پاک حفظ کیا، ۲۶ رشوال ۱۳۵۵ھ سے مظاہر علوم میں منتقل ہوئے اور اصول الشاشی وغیرہ کتابیں سپرد کی گئیں، نہایت قابلیت اور مقبولیت کے ساتھ درس دیتے تھے اور ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے، ۱۳۶۳ھ میں ہدایہ اولین پہلی مرتبہ پڑھائی اور ۱۳۶۶ھ میں جلالین شریف پڑھائی، اور ۱۳۶۷ھ میں مشکوۃ شریف کا آغاز ہوا اور شعبان ۱۳۸۱ھ تک مسلسل کامل پندرہ سال مشکوۃ شریف کا درس دیا، اور ۱۳۷۴ھ میں پہلی مرتبہ نسائی شریف پڑھائی اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک پڑھاتے رہے، صرف ۱۳۸۱ھ میں مفتی مظفر حسین صاحب کے پاس ہوئی، صفر ۱۳۷۷ھ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب سابق مفتی اعظم مظاہر علوم کی وفات پر ۱۳۷۷ھ میں ترمذی شریف آپ کے یہاں منتقل ہوئی، اور اواخر ۱۳۸۴ھ تک پڑھاتے رہے، ۱۳۸۱ھ میں ایک مرتبہ طحاوی شریف کا درس دیا اور ۸۱ھ ہی میں بخاری کی کتاب التفسیر وغیرہ پڑھائی۔

بحیثیت صدر مدرس

یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ مولانا مرحوم کے یہاں ۱۳۷۷ھ سے ترمذی شریف کا درس شروع ہوگیا تھا جو اس علاقہ کی صدر مدرس کی کتاب سمجھی جاتی ہے لیکن مولانا ۶ رشوال ۱۳۷۸ھ کو باضابطہ صدر مدرس بنائے گئے اور تا وفات اسی

عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

فضل وکمال

مولانا کوتمام علوم میں کامل دسترس تھی اور خاص کرفن حدیث سے بہت ہی ذوق ومناسبت تھی، درس میں جو بیان فرماتے حفظ کہتے چلے جاتے اور حوالے دیتے جاتے۔

اخلاق وشمائل

مولانا نہایت برد بار حلیم اور باوقار تھے، مزاج میں کسی سے ازخود تعرض کرنے کی عادت نہیں تھی، فطری طور پر مرنجاں مرنج تھے، کبھی کسی کی کوئی غیبت یا برائی کرتے نہیں سنا گیا، لیکن حق بات اگر آجاتی تھی تو مولانا پھر بے لاگ بات کہہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک طالب علم نے میری موجودگی میں پوچھا کہ مدرسہ مظاہر علوم بڑا ہے یا دارالعلوم؟ فرمایا دارالعلوم دیوبند، ایک مدرس کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدرسہ میں دومصری علماء تشریف لائے ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، مولانا سے حلق لحیہ کے مسئلہ پر گفتگو ہوگئی، مولانا نے فرمایا حلق اللحیۃ فسق ہے، انمیں جو بڑے تھے کہنے لگے یاشیخ أنحن فسّاق؟ حضرت مولانا نے بے خوف فرمادیا أنتم فسّاق، اور پھر اس سلسلے میں بحث شروع ہوگئی، حضرت مولانا نے احادیث مقدسہ کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل فرمایا، آخر میں اس مصری عالم نے مولانا کے دونوں بازو پکڑ کے بار بار کہا مولٰانا امیر شیخ کبیر۔

مولانا نے طبیعت بالکل سادہ پائی تھی، لباس نہایت سادہ پہنتے تھے، وہ سادہ لباس ہی مولانا پر زیب دیتا تھا،

ع حاجت مشاطہ نیست روے دلارام را

کبھی کبھیں مزاح بھی فرمایا کرتے خصوصاً دوران درس میں جب یہ محسوس فرماتے کہ اب طلبہ کو دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے بار ہورہا ہوگا تو کوئی مزاحیہ فقرہ یا کوئی قصہ سنادیتے جس سے طلبہ ہنس پڑتے اور تازہ دم ہوجاتے۔

انداز تدریس

مولانا کوحق تعالیٰ نے فہم رسا سے نوازا تھا اور زبان نہایت سادہ اور شیریں تھی، قوت حافظہ بھی خوب تھی، جس وقت درس دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کتابیں کھلی ہیں اور مولانا ان کے علمی موتیوں کی لڑی پرورہے ہیں، درس میں نہایت ہی ترتیب ہوتی تھی، رک رک کر آہستہ آہستہ تقریر فرماتے تھے اور جب کلام فرماتے تو مسئلہ کے سارے گوشوں پر کلام کرتے، لیکن جو مسائل دور کا تعلق رکھتے ان سے کم تعرض فرماتے، بس جس کا حدیث سے تعلق ہو اس پر کلام

فرماتے تھے۔

احقر نے مولانا کی درسِ ترمذی ضبط کی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں مشق نہ ہونے کی وجہ سے بعض باتیں ضبطِ تحریر میں نہیں آتی تھیں، پھر بعد میں تو بحمداللہ ساری ہی ضبط کرلی تھی،

اگر کوئی طالب علم سوال کرتا اگر معقول سوال ہوتا جواب دیتے، ورنہ عامۃً تفریحی انداز میں اعراض فرماتے، اکثر یہ فقرہ فرمایا کرتے "ارے تیرے دماغ میں خشکی ہے ارے تیل کی مالش کرلیا کر"۔

وعظ: مولانا کو وعظ گوئی سے بھی مناسبت تھی اکثر مدرسہ کی طرف سے جلسوں میں اور تبلیغی اجتماعات میں بھیجا جاتا تھا۔

مولانا اور اکابر:

حضرت مولانا سارے ہی مشائخ واکابر سے تعلق رکھتے تھے، اور سبھی کا ذکر احترام ومحبت سے کرتے تھے۔

بیعت کا تعلق بانی تبلیغ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندہلوی ثم دہلوی سے تھا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی سے مربوط ہوگئے تھے، اور ان سے بے انتہا محبت و اعتقاد رکھتے تھے، ایک مرتبہ مجھے اپنی ابتدائی تدریس میں ایک حدیث کی تلاش تھی رات میں کئی بار تقلیبِ اوراق کی نہیں ملی، صبح حضرت شیخ سے پوچھا تو فرمایا کہ فلاں جگہ دیکھو فوراً مل گئی، میں نے حضرت مولانا مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا تو برجستہ پڑھا ؎ عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

مشکوۃ پڑھنے کے دور میں مولانا نے ایک مذہب نقل کیا، درس سے فراغ پر میں نے عرض کیا کہ فلاں کتاب میں اس کے خلاف لکھا ہے، تو فرمانے لگے پھر کیا ہوا؟ میں مولانا کی اس قدر بے اعتنائی کو سمجھ نہ سکا، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے جو مذہب نقل کیا تھا وہ اوجز سے نقل کیا تھا اسی لئے دوسرے مصنف کی نقل کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

اشعار

مولانا کو عربی وفارسی کے بہت سے اشعار یاد تھے جو برمحل پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ مسئلہ متعۃ النکاح پر تقریر فرماتے ہوئے جب اہل تشیع کا مسلک بیان کیا تو ان کے مذہب کی ترجمانی میں یہ شعر پڑھا ؎

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو مذہب وہ چاہئے کہ زنا بھی حلال ہو

اسی مسئلہ کے متعلق جب ابن عباسؓ کا مذہب نقل کیا تو فرمایا کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ یہ آپ نے کیا فتوی دیدیا سارت بھا الرکبان وقالت فیه الشعراء (یعنی تمام شہروں میں پہونچ چکا اور شعراء نے طنزیہ اشعار کہے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا: ما قالت الشعراء؟ (شعراء نے کیا کہا) سعید بن جبیر نے فرمایا کہتے ہیں ؎

قد قلت للشیخ لما طال مجلسه　یا صاح هل لک فی فتیا ابن عباس

وهل لک فی رخصة الأطراف آنسة　تکون مثواک حتی مصدر الناس

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ما هو إلّا کالمیتة والخنزیر،

جب ترمذی شریف میں حدیث المؤمن الذی یخالط الناس ویصبر علی أذاهم خیر من المؤمن الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی أذاهم آئی تو فرمایا کہ ڈاکٹر ٹیگور نے اخبار میں اپنی تصویر شائع کی کہ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا بانسری بجارہا ہے، تو ڈاکٹر اقبال نے لکھا ؎

میا سا برلب ساحل کہ آنجا　ہوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا خلط وبا موجش درآویز　حیات جاوداں اندر ستیز است

اور پھر فرمایا یعنی لوگوں سے مل جل کر رہنا اوران کی اصلاح کرنا اس سے بہتر ہے کہ گوشۂ تنہائی اختیار کرلے۔

ایک بار مجلس مناظرہ متعلقہ انجمن ہدایت الرشید میں ایک صاحب نے کوئی تقریر ایسی کی جو منقح نہیں تھی اور دعوی ودلیل میں کچھ ربط نہیں تھا تو برجستہ پڑھا ؎

کلامِ میر سمجھے داغ سمجھے مرزا سمجھے　مگر ان کا کہا یا آپ سمجھے یا خدا سمجھے

بعض اوقات مجلس وعظ میں یہ قطعہ بھی پڑھتے ہوئے سنا ؎

اے صوفی شراب آنگہ شود صاف　کہ درشیشہ بماند اربعینے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا ذکر جب شمائل میں آیا تو یہ شعر پڑھا ؎

لواحی زلیخا لو رأین جبینه　لآثرن بالقطع القلوب علی الید

کبھی کبھی یہ اشعار پڑھتے سنا ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجهک المنیر لقد نور القمر
لَا یمکن الثناء کما کان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسئلہ جرّ جوار کی مثال دیتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

فظلّ طهاة اللحم من بين منضج　　صفيف شواء أو قدير معجّل

مسئلہ اشربہ ونبیذ بیان کرتے ہوئے پڑھا ؎

دع الخمر يشربها الغواة　　فإنني رأيت أخاها مغنيا بمكانها

مرض ووفات

مولانا مرحوم ۱۳۸۲ھ میں بیمار ہوئے اخیر میں سل ہوگئی تھی اور نہایت لاغر ونحیف ہوگئے تھے، علاج مسلسل چلتا رہا لیکن پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا، ۱۳۸۴ھ میں عید الاضحیٰ کی تعطیل میں اپنے وطن کاندھلہ تشریف لے گئے، وہاں پہونچکر طبیعت روز بروز گرتی رہی اور گیارہ ذی الحجہ کو ستاون سال ڈیڑھ ماہ کی عمر میں یہ ماہتابِ علم وفن ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، غفر الله له ورحمه رحمة واسعة، کاندھلہ ہی میں اپنے جدی قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

ما كنت أحسب قبل دفنک في الثرى　　إنّ اللحود منازل الأقمار
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مبشرات ومنامات

کاندھلہ میں کوئی حکیم صاحب تھے انہوں نے مولانا کو خواب میں دیکھا تو کہا کہ مولانا! ابھی تو آپ کی عمر زیادہ نہیں تھی بہت جلدی چلدیئے، مولانا نے فوراً یہ آیت پڑھی ﴿إذا جَاء أجَلُهم لَا يستأخرون ساعة ولَايستقدمون﴾ پھر ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ مولانا! کیا حال ہے؟ فرمایا ﴿ولِمَن خاف مَقام ربِّه جنّتان﴾۔

اولاد

مولانا مرحوم کے کئی لڑکے اور لڑکیاں ہیں حافظ محمد اکرام، مولوی محمد ایوب، مولوی محمد ادریس، محمد یعقوب،

باقی کا نام معلوم نہیں۔

تلامذہ

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اچھے اچھے فاضل تلامذہ عطا فرمائے جن کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے، ان سب کا احصاء یہاں مشکل ہے، صرف ان لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مدرسہ مظاہر علوم میں درس دیتے ہیں یا کہیں اور کوئی مخصوص شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم، مفتی محمد یحیٰ صاحب سہارنپوری، مفتی عبدالعزیز صاحب، مولانا محمد عاقل صاحب صدر مدرس، مولانا عبدالقیوم صاحب، مولانا وقار علی صاحب، مولانا اطہر حسین صاحب، مولانا محمد یامین صاحب، مولانا قطب الدین صاحب، مولانا حافظ فضل الرحمٰن صاحب، یہ سارے حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں، اور سب نے مولانا مرحوم سے مشکوۃ شریف اور اسی طرح دیگر کتب پڑھی ہیں، اس حقیر راقمِ سطور نے حضرت مولانا سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، موطا امام مالک، مشکوۃ شریف، نزھۃ النظر، مقدمۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی پڑھیں اور ہدایہ رابع کتاب القسمۃ تک۔

مدرسین کے علاوہ مولانا کے تلامذہ میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی بانی مدرسہ اسلامیہ عربیہ ہتورا باندہ، مولانا عبید اللہ بلیاوی مبلغ، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی، قاری امیر حسن صاحب چھپروی، مولانا سعید احمد صاحب کھیڑوی مقیم حال مدینہ منورہ، مولانا عامر انصاری رامپوری، مولانا محمد منظور صاحب جونپوری استاذ حدیث جامع العلوم کانپور، مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی مفتی حیات العلوم ومولف کتب عدیدہ، مفتی محمود داود یوسف مفتی برما، مولانا عبدالقیوم بستوی مجاز بیعت حضرت ناظم صاحب مدرس مدرسہ شاہی، مولانا عبدالستار صاحب بستوی سابق مدرس مدرسہ ضیاء العلوم، مولانا عبدالقیوم صاحب بارہ بنکوی مدیر نظام جدید و مولف تذکرہ شاہ ولی اللہ، مولانا عبدالوہاب بستوی مجاز حضرت ناظم صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب حیدرآبادی مدرس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد و استاذ حدیث، مولانا عبدالرشید صاحب بستوی سابق مدرس مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں و مدرس حدیث، مولانا عبدالرؤف صاحب پورنوی مدرس دار العلوم لطیفی کٹیہار مولف رسائل عدیدہ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کلیانوی مدرس دار العلوم کراچی مدیر البلاغ و مولف کتب مختلفہ، مولانا نسیم احمد صاحب بجنوری سابق استاذ حدیث مدرسہ حیات العلوم و مدرسہ امدادیہ مرادآباد و استاذ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد و حال استاذ جامع الہدیٰ و مصنف رسال عدیدہ، مولانا وارث علی صاحب سیتاپوری مدرس خیرآباد و خلیفہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ،

مولانا اقبال احمد صاحب چھپروی بانی مدرسہ عربیہ چھپرہ، مولانا عثمان غنی صاحب بردوانی مدرس مدرسہ عربیہ پنڈوہ، مولانا احسان الحق صاحب لاہوری خلیفہ حضرت شیخ مدرس مدرسہ رائیونڈ پاکستان، مولانا قاری مشتاق احمد صاحب گوالیاری مدرس مدرسہ اتراوں الہ آباد، مولانا شجاع الدین صاحب حیدرآبادی مدرس مدرسہ عربیہ لاتور عثمان آباد، مولانا محمد ہارون صاحب بن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رئیس المبلغین، مولانا محمد ہاشم صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریڑھی تاجپورہ سہارن پور، مولانا ابوالحسن صاحب بھٹپوری مدرس مدرسہ عربیہ حیات العلوم، مولانا محمد رفیق صاحب پرتاپ گڈھی سابق مدرس شاخ مظاہر علوم، مولانا محمد ہاشم صاحب جوگواڑی گجراتی صدر مدرس دارالعلوم بری وخلیفہ حضرت شیخ الحدیث۔

ان کے علاوہ سیکڑوں علماء وفضلاء ہیں جو اپنے علاقوں میں درس وتدریس وعظ وافتاء وغیرہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں، طول کے خوف سے قلم کو یہیں روک لیا گیا۔

تالیف

حضرت مولانا کو تدریسی مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے کوئی کتاب لکھنے کا موقع نہیں مل سکا، مشکوۃ شریف اور نسائی و ترمذی پر مولانا مرحوم نے کچھ یادداشتیں تقریر کے نام سے تحریر فرمائی تھیں جو اب بھی بعض مدرسین کے پاس موجود ہے، اور ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں، ایک مختصر سا حاشیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی عجالہ نافعہ پر ہے جس میں اپنی اسانید اور بعض رجال کے مختصر سے حالات لکھے ہیں۔

بندہ محمد یونس غفرلہ

۲؍صفر ۱۳۹۸ھ

مولانا امیر احمد صاحبؒ کی سند مشکوۃ المصابیح

سوال:

استاذ محترم حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سندِ مشکوۃ بالتفصیل مطلوب ہے، تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

جمیل احمد، مدرسہ خادم العلوم باغونوالی۔

جواب:

حضرت اقدس استاذی مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سند مشکوۃ شریف یہ ہے:

أنه قال: قرأت مشكاة المصابيح على مولَانا منظور أحمد السهارنفورى، وهو على مولَانا عبداللطيف ناظم مظاهر العلوم سابقاً، وهو على عمّه مولَانا ثابت على، وأجازه مولَانا خليل أحمد السهارنفورى، وهما قرءا على مولَانا محمد مظهر النانوتوى، وهو على مولَانا مملوك العلى النانوتوى، وهو على مولَانا رشيد الدين الدهلوى، وهو على مولَانا الشاه عبد العزيز المحدّث الدهلوى، وهو على أبيه الشّاه ولى الله المحدّث الدهلوى، وهو يروى عن الشيخ أبى طاهر الكردى، وهو عن أبيه الشيخ إبراهيم الكردى، وهو عن الشيخ أحمد القشاشى، وهو عن الشيخ أحمد بن عبدالقدوس الشنّاوى، وهو عن السيد غضنفر بن السيد جعفر النهروالى، و هو عن الشيخ محمد سعيد المعروف بمِيْر كلاں شيخ مكة فى وقته، وهو قرأ على السيد نسيم الدين مِيْرَك شاه، وهوعلى أبيه جمال الدين عطاء الله بن السيّد غياث الدين، وهو على عمّه السيد أصيل الدين عبد الله بن عبد الرحمن الشيرازى الحسينى، وهو يروى عن مسند وقته شرف الدين عبد الرحيم بن عبد الكريم الجرهى الصدّيقى، وهو عن العلامة إمام الدين مبارك الشاه الساوجى الصديقى، وهو عن مؤلف الكتاب ولىّ الدين محمد بن عبد الله الخطيب التبريزى– رحمهم الله–.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۲۷ شوال ۱۴۰۴ھ

کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟

قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب؟

سوال (۱): حدیث ''فاِنّ شدّة الحرّ من فیح جهنّم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے تو پھر ساری دنیا میں یکساں گرمی پڑنی چاہئے۔

سوال (۲): بعض واعظین نے یہ حدیث بیان کی کہ قاریٔ قرآن سے جنت کے درجات پر چڑھنے کو کہا جائیگا اور وہ پڑھتا جائیگا اور چڑھتا جائیگا، لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کو وہی آیات یاد رہیں گی جن پر وہ عمل کرتا تھا، یہ کہاں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ازسورت)

جواب: بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفىٰ و الصلاة و السلام علىٰ سيّدنا محمد المصطفىٰ و آله و صحبه نجوم الهدى

أمّا بعد

(۱): ارشادِ عالی نبی کریم ﷺ ''فانّ شدّة الحرّ من فیح جهنّم''، پر کوئی اشکال نہیں ہے،

اس لئے کہ علماء نے اس حدیث کے دو محمل بتائے ہیں،

ایک تو یہ کہ یہ ظاہر پر محمول ہے، دوسرا یہ کہ یہ مجاز ہے،

گویا کہ شدّتِ گرمی نارِ جہنم ہے، اگر یہ کلام مجاز پر محمول ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیرہ کی رائے ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے، اور حدیث پاک کی غرض تحریض علی الطاعۃ ہے، کہ جب یہ گرمی جو جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے برداشت نہیں ہوتی تو جہنم کی گرمی کی کیا انتہاء ہوگی لہٰذا اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے،

اور اگر حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ علامہ تورپشتی، قاضی عیاض، امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہم رحمہم اللہ کی رائے ہے تو بھی کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شئی کا اثر کسی دوسری شئی تک پہونچنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ کوئی

مانع نہ ہو، چنانچہ یہ عقلی بات ہے کہ کسی دوسری شیٔ کا وجود اسی وقت ہوگا جبکہ اس کے شرائط واسباب موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں، ورنہ اگر ایک شخص خمیرۂ ابریشم استعمال کرتا ہے مگر ساتھ ہی مضرّات سے پرہیز نہیں کرتا جو خمیرۂ ابریشم کے مؤثر ہونے سے مانع ہیں تو اس کو کوئی اثر نہیں ہوگا، اسی طرح گرمی وسردی کا تعلق سمومِ جہنم اور زمہریرِ جہنم سے ضرور ہے، مگر حق تعالیٰ نے کرۂ ارض کو کچھ اس طرح بنایا ہے کہ کہیں تو اس کا اثر شدت سے پہونچتا ہے اور کہیں کمی کیساتھ، جیسے کہیں نہر جاری ہو اور میلوں جاری ہو اور اس کے اطراف وحوالی کی زمین کہیں زیادہ نم ہو اور کہیں کم تو یہ زمین کی وجہ سے ہوگا، کہیں زمین نرم ہوگی تو وہاں نمی زیادہ ہوگی اور کہیں زمین سخت ہوگی تو وہاں نمی کم ہوگی گو نہر ساری جگہوں پر برابر چل رہی ہے، تو اسی طرح بہت ممکن ہے کہ سموم وزمہریرِ جہنم تو سارے عالم میں برابر ہوں مگر خاصۂ ارضی کہیں کچھ ہو اور کہیں کچھ، جس کے مختلف اثرات پڑ رہے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس مالک نے سردی وگرمی کا تعلق جہنم سے قائم فرمارکھا ہے بہت ممکن ہے کہ جہنم کا تعلق شمس سے ہو اور چونکہ مطلع ومغربِ شمس میں فرق ہے اس لئے اس اختلاف کی بناء پر گرمی وسردی میں بھی فرق ہو۔ واللہ اعلم

(۲): حدیث میں تو صرف اتنا ہے ''**يقال لصاحبِ القرآن: إقرأ وارتق ورتّل كما كنت ترتّل في الدنيا فإن منزلك عند آخر آية تقرؤها'' هكذا أخرجه أبوداود والترمذي وأحمد والحاكم وغيرهم من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ۔**

ملا علی قاریؒ وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ ثواب اس شخص کیلئے ہے جو قرآن کی تلاوت پر مداومت کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، وہ شخص مراد نہیں جو قرآن کو پڑھتا ہے مگر قرآن اس پر لعنت کرتا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ العبد محمد یونس

بحکم الاستاذ العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

وسمعہ الشیخ و قرّرہ

آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی

سوال : حضور اقدس ﷺ کا کرتا شریف کتنا لمبا ہوتا تھا۔

جواب : حضرت اقدس ﷺ کے کرتے کے طول میں روایات مختلف ہیں۔

ففی سنن ابن ماجه (ص ۲۶۴) عن ابن عباسؓ قال: كان رسول الله ﷺ يلبس قميصاً قصير اليدين والطول. وأخرج البيهقی فی الشعب كما فی شرح الشمائل للمناوی (ص ۱۳۴ / ۱) من طريق مسلم الأعور عن أنسؓ أنّه ﷺ كان له قميص من قُطن قصير الطول قصير الكمّ.

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ کا کرتا مبارک زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا۔

وأخرج الحاكم وصحّحه وأبوالشيخ كما فی شرح المواهب (ص ۵ / ۵) عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ لبس قميصاً، وكان فوق الكعبين، وكان كمّه إلى الأصابع، وأخرجه ابن عساكر كما فی الجامع الصغير، ولفظه: كان يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوى الكمّين بأطراف أصابعه، وبهذا اللفظ عزاه ابن الجوزی فی الوفاء إلى أبی الشيخ كما فی شرح الشمائل للقاری (ص ۱۳۵ / ۱)، وأخرجه البيهقی فی الشعب بنحوه كما فی شرح المناوی للشمائل۔ اس روایت سے حضرت ﷺ کی قمیص کا لمبا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

انھیں روایات کے اختلاف کی بنا پر علماء کے اقوال بھی مختلف ہوگئے، علامہ ابن القیم زاد المعاد فی هدی خير العباد میں لکھتے ہیں (ص ۱/۳۶) وكان قميصه من قُطن وكان قصير الطول قصير الكمّين۔ اور علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں تحریر فرماتے ہیں (ص ۵/۵) وكان ذيل قميصه ورداءه إلى أنصاف الساقين۔

لیکن دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی ایسا کرتا پہنا کبھی ویسا، جیسا کہ حاکم کے لفظ لبس قميصًا سے صاف واضح ہے، اور یہی بات بھی ہے کہ جو میسر آجائے پہن لیں۔

لیکن فقہاء نے نصف ساق تک ہونے کو مسنون لکھا ہے جیسا کہ شامی نے کتاب الكراهية میں تحریر فرمایا ہے، غالبًا یہ حضرات روایت ثانیہ کو راجح قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اسمیں تستّر زیادہ ہے، مگر یہ اسوقت ہے جبکہ کوئی تکلف نہ کرنا پڑے، ورنہ جو میسر ہو وہی پہننا چاہئے، وهو الثابت كما نبّه عليه ابن القيم۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد یونس ۱۲ رجب ۱۳۸۴ھ

سوال : انبیاءؑ واولیاءؒ سے ان کی وفات کے بعد دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب :

یہ مسئلہ استمداد من اهل القبور سے متعلق ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

اول صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ فلاں کے طفیل میں میرا یہ کام کردے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود مُردے سے اپنی مراد مانگے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اہل قبر سے دعا کرنے کی درخواست کرے۔

اول صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے، لما أخرج الطبرانی فی المعجم الصغير (ص ۱۰۳) عن أبی أمامة بن سهل بن حنيف عن عمّه عثمان بن حنيفؓ: أنّ رجلاً كان يختلف إلى عثمان بن عفانؓ فی حاجة له، فكان عثمانؓ لَا يلتفت إليه ولَاينظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حُنيفؓ فشكا ذلک إليه، فقال له عثمان بن حنيفؓ: اِئت الميضأة فتوضّأ، ثم ائت المسجد فصلّ فيه ركعتين، ثمّ قل: اللّهم اِنّی اَسئلک وأتوجّه إليک بنبيّنا محمّدﷺ نبّی الرحمة، يا محمّد! اِنّی أتوجّه بک إلى ربّک جلّ وعزّ فيقضٰی لی حاجتی، وتذكر حاجتک، ورح الیّ حتّٰی أروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال له عثمانؓ، ثم أتی باب عثمانؓ فجاء البوّاب حتّٰی أخذ بيده فأدخله على عثمان بن عفانؓ فأجلسه معه على الطنفسة وقال: حاجتک؟ فذكر حاجته فقضاها له، ثم قال له: ماذكرت حاجتک حتّٰی كانت هذه الساعة؟ وقال: ماكانت لک من حاجة فأتنا، ثمّ إنّ الرجل خرج من عنده فلقی عثمان بن حنيفؓ فقال له: جزاک الله خيراً، ماكان ينظر فی حاجتی ولَا يلتفت إلیّ حتّٰی كلّمته، فقال عثمان بن حنيفؓ: والله ما كلّمته ولكن شهدت رسول اللهﷺ وأتاه ضرير فشكا إليه ذهابَ بصره فقال له النبیﷺ: ”إئت الميضأة فتوضّأ، ثم صلّ ركعتين، ثمّ ادع بهذه الدعوات“ قال عثمان بن حنيفؓ: فوالله ماتفرّقنا وطال بنا الحديث حتّٰی دخل علينا الرجل كأنّه لم يكن به ضرر قطّ۔ قال الطبرانی والحديث صحيح، قلت:

وأصله فی الترمذی وابن ماجه ۔

اس حدیث میں حضرت عثمان بن حنیفؓ نے حاجتمند کو حضور اکرم ﷺ کے توسّل سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔

اور دوسری صورت یعنی صاحب قبر سے اپنی حاجت روائی چاہنا قطعاً حرام وشرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اور حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا: إذا سألتَ فاسأل الله وإذا استعنتَ فاستعن بالله. رواه أحمد والترمذی وابن أبی الدنیا.

وفی الترمذی عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الدعاء مخّ العبادة۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے، اور عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اس لئے غیر اللہ سے مراد مانگنا بھی شرک ہے۔

تیسری صورت یعنی صاحبِ قبر سے یہ درخواست کرے کہ وہ دعا کردے تاکہ حاجت مند کی حاجت برآری ہوجائے، یہ موقوف ہے اس بات پر کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ دلائل کے پیش نظر مختلف فیہ ہے، اگر سنتے ہیں تو جائز ہے اور اگر نہیں تو یہ ایک فعل لغو ہوگا۔

مگر حضرات انبیاء صلوات الله وسلامه علیهم اجمعین کا حیات وسماع احادیث میں مصرّح ہے۔

ففی المشکاة عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "من صلّی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلّی علیّ نائیاً أُبلغتُه". رواه البیهقی فی شعب الإیمان.

یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے تو میرے پاس اس کو پہونچایا جاتا ہے۔

یہ حدیث گو مختلف فیہ ہے مگر اس کے شواہد ومؤیدات ہیں، اور جب سماعِ انبیاء علیہم السلام ثابت ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے تو پھر یوں کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں۔ خود صحابہؓ کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری (ص ۴/۴۱۴) میں لکھتے ہیں:

روی ابن أبی شیبة بإسناد صحیح من روایة أبی صالح السمّان عن مالک الدار –وکان خازن عمرؓ– قال: أصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ فجاء رجل إلی قبر النبی ﷺ فقال: یارسول الله! استسق لِاُمّتک فإنّهم قد هلکوا، فأُتی الرجل فی المنام فقیل له: ائت عمر، الحدیث.

وأخرجه ابن أبی خیثمة من هذاالوجه کما فی الإصابة (ص ۳/۴۸۴) فی ترجمة مالک الدار قال: أصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ فجاء رجل إلی قبر النبی ﷺ فقال: یارسول الله!

استسق اللّٰه لِأمّتک، فأتاه النبی ﷺ فی المنام فقال له: "ائت عمر فقل له: إنّكم مستسقون فعليك الكفّين"، قال فبكىٰ عمرؓ وقال: يا ربّ ما آلو إلّا ما عجزت عنه۔

قلت: كذا فی أصل الإصابة لفظ: "فعليك الكفّين" ولعّله: الكيس، ثم رأيت أخرجه فی منتخب الكنز (ص ۳۲۳/۳) برواية البيهقی فی الدلَائل بلفظ: "فعليك الكيس الكيس" فالحمد لله۔

وفی الوفاء (ص ۴۴۱) روی ابن أبی شيبة بسند صحيح عن مالک الدار قال: أصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطابؓ فجاء رجل إلى قبر النبیﷺ فقال: يارسول الله! استسق الله لِأمّتک فإنهم قد هلكوا، فأتاه رسول اللهﷺ فی المنام فقال: ائت عمر فاقرئه السلام وأخبره أنّهم مسقيّون وقل له: "عليك الكيس الكيس" فأتی الرجل عمرؓ فأخبره فبكىٰ عمرؓ، ثم قال: يا ربّ ما آلو إلّا ما عجزت عنه، وهكذا رواه ابن عبد البر فی الاِستيعاب (ص ۴۲۹/ ۲)، كما فی قرّة العينين فی تفضيل الشيخين للشاه ولی الله (ص ۱۹)۔

یہ وہی قصہ ہے جس کو حضرت شیخ مدظلہ نے فضائل حج میں نقل فرمایا ہے، اسکو حافظ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے، اگر یہ صورت مستنکر ہوتی تو حضرت عمرؓ اس آدمی کو ہرگز نہ بخشتے جبکہ حضرت عثمانؓ جیسے کو ترکِ غسلِ جمعہ پر مجمع میں ٹوک دیا تو دوسرے بیچارے کو پَر مارنے کی کیا گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد شرح مواہب (ص ۸/۶۸) میں دیکھا اس میں لکھا ہے والرجل هو بلال بن الحارث المزنی الصحابیؓ كما عند سيف فی كتاب الفتوح، اب تو بات اور قوی ہوگئی کہ خود صحابی نے ایسا کیا اور حضرت اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو حضرت عمرؓ کے پاس جانے کو کہا جیسا کہ بروایت ابن ابی خیثمہ اوپر گزرا۔

حررہ العبد محمد یونس عفی عنہ

بامر الاستاذ المولی محمد زکریا شیخ الحدیث بمظاہر العلوم

وقد سمعہ الشیخ مدظلہ، ۲۷ شعبان ۱۳۸۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

من سمع الأذان والاِقامة ولم یحضر الجماعة، الخ کی تخریج

من أعان تارک الصلوٰة متعمّداً بذرّة، الخ کی تخریج

سیأتی زمان علیٰ أمّتی یأکل الدخان، الخ کی تخریج

من أکل البنج مرّة فکأنّما زنیٰ، الخ کی تخریج

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں ایک سوال آیا جس کا جواب لکھنے کو حضرت موصوف نے بندہ کو ارشاد فرمایا۔

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ محمد شاہ پناہ تقریباً دوسو سال قبل لاہور سے آکر بسلسلۂ تبلیغ کچھ (گجرات) میں مقیم ہوئے، نہایت باشرع تھے، ان کے کتبخانہ کی باقی ماندہ کتابوں میں ایک کتاب میں تارکِ نماز اور شاربِ دخان کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو غیر معروف ہونے کے ساتھ مضمون کے اعتبار سے بھی غریب ہیں۔

اگر یہ احادیث کتبِ حدیث میں آپنے دیکھی ہوں تو تحریر فرمائیں، وہ احادیث یہ ہیں۔

(۱) قال النبی ﷺ: ’’من سمع الأذان والاِقامة ولم یحضر الجماعة فکأنما زنیٰ مع أمّه ألف مرّات‘‘۔

(۲) قال النبی ﷺ: ’’من أعان تارک الصلوٰة متعمّدا بذرّة فکأنما زنیٰ مع أمّه ألف مرّات‘‘۔

(۳) قال النبی ﷺ: ’’سیأتی زمان علی أمّتی یأکل الدخان فی فم، ولیس من أمّتی ولیس شفاعة له یوم القیٰمة۔

(۴) قال النبی ﷺ: ’’من أکل البنج مرّة فکأنما زنیٰ مع أمّه سبعین مرّة‘‘۔

جواب: یہ احادیث باوجود کثرتِ تتبّع وتلاش کے کہیں نظر سے نہیں گزریں، حتی کہ کتبِ موضوعہ للاحادیث الموضوعۃ میں بھی ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ محمد یونس عفی عنہ

۸ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

(تتمہ) پھر بہت دنوں کے بعد مجموعۂ فتاوی لمولانا عبدالحیؒ (ص ۱۴۱ ج ۳) دیکھنے کی نوبت آئی اس میں یہ عبارت ملی:

سوال: ''کلّ دخان حرام، ومن أکل البنج لقمة فکأنما زنیٰ بأمّه'' ۔ حدیث است یا نہ؟

جواب: در کتبِ معتبرہ حدیث بنظر نرسیدہ وکسیکہ ایں را حدیث نوشتہ نہ باشد، مجرد نوشتن آں قابل اعتبار نیست، اعتبار بر قول محدّث معتبر است کہ حدیث را باسند بیان نماید، وبعض وعّاظ احادیثِ غیر معتبرہ را برائے تخویف وترغیب ذکر می کنند واز حال آں احادیث مطلع نمی باشند، انتہی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

کالا جوتا پہننا کیسا ہے

سوال: حضرت! میں نے آپ سے یہ سنا کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، یہ کہاں ہے اور وجہ کیا ہے؟

(عبدالرزاق کریم گنجی)

جواب: مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ کبھی کہا ہو کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، البتہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ علامہ سخاویؒ نے بعض سے نقل کیا ہے کہ کالا جوتا مورثِ نسیان ہے۔

علامہ مذکور اپنی کتاب المقاصد الحسنة (ص ۴۰۸) میں تحریر فرماتے ہیں: **وتزعم العامّة أنّ لبس النعال السود یورث النسیان**۔ اس بارے میں کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے نہ علامہ مذکور نے تحریر فرمائی ہے، یہ سب چیزیں تجرباتی ہیں۔

اگر اس کے علاوہ آپ کو کوئی تحقیق ہو تو تحریر فرمائیں ممنون ہوں گا۔ والسلام۔

العبد محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

حسبِ ذیل احادیث کی تخریج کی ضرورت ہے:

السائل مولانا حسین احمد بنارسی

(۱) الصلوۃ معراج المؤمن

(۲) لَا صلوۃ إلّا بحضور القلب

(۳) لولَاک لما خلقت الأفلاک

(۴) أوّل ما خلق اللہ نوری

(۵) موتوا قبل أن تموتوا

(۶) ربّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہ

(۷) المؤمن أعظم حرمۃ من الکعبۃ

(۸) من أرسل نفقۃ فی سبیل اللہ وأقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ درھم، ومن غزا، الخ

(۹) جو آدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جا سکے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا؟

جواب:

(۱) حدیث: ”الصلوة معراج المؤمن“

اشتهر على ألسنة العوام أنّه حديث مرفوع، وقد أوغلت فی طلبه فی مظانّه فلم أعرفه ولم أعثر له على سند، والظاهر أنّه من كلام بعض السلف، وإن ثبت فمعناه أن الصلوة يحصل بها غاية القرب للمصلّی بالربّ تبارک وتعالی، كما حصل للنبی ﷺ فی المعراج ويحصل المحادثة والمناجاة كما ورد فی الصحيحين وغيرهما ”أن المصلّی يناجی ربّه“ ، والله أعلم.

(۲) حدیث:” لَا صلوة الّا بحضور القلب“

هذا من حديث القصّاص والوعّاظ، ولم أقف له علىٰ أصل بهذا اللفظ، واستدلّ به بعض الصوفية على أنّه لَايصحّ صلوة من لَايحضره قلبه، وقد يرويه بعضهم بلفظ:” لَا ينظر الله إلى صلوة لَا يحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه“ .

وكذا أورده الغزالی فی الإحياء (ص ۱۳۴/۱) لكن قال العراقی فی تخريج الإحياء: لم أجده بهذا اللفظ، وروی محمد بن نصر فی كتاب الصلوة من رواية عثمان بن أبی دهرش مرسلاً :”لَا يقبل الله من عبد عملاً حتّى يشهد قلبه مع بدنه“ ورواه أبومنصور الديلمی فی مسند الفردوس من حديث أبی بن كعبؓ، وإسناده ضعيف، انتهى.

وقد يرويه بعضهم بلفظ ”ليس للمرء من صلوته الّا ماعقل“ هكذا ذكره الدميری فی حياة الحيوان وذكرعن جماعة من المتصوّفة أنّهم استدلّوا به على أنّ السهو مفسد للصلوة.

قلت: وهذا تجاوز ولم يرد به الشرع قط، وقد شرعت سجود السهولدرک النقصان الواقع بالسهو، فإن كان السهومفسداً فلغت شرعيّة سجودالسهو(نعوذ بالله منها).

وقد وقع للنبی ﷺ سهووتداركه بالسجود كما هومدوّن فی الصحاح والمسانيد وجاء ت بها أخبارشهيرة وعمل به السلف والخلف، فإن كان هذا الصوفی القائل لذاک القول من أهل الحقّ فمع كون هذا الكلام مخالفاً للنصوص يمكن تأويله: بأنّه أراد بذلک أنّ من غلب عليه الوسواس وهو لَايدری ما يقول وما يفعل فصلوته فاسدة، كما قدذهب إليه بعض الفقهاء.

قال الحافظ ابن تيمية فى منهاج السنة (ص ۳/۴۹): الوسواس الخفيف لَا يبطل الصلوة باتّفاق العلماء، واما إذا كان هو الأغلب فقيل: عليه الاِعادة، وهو اختيار أبى عبدالله بن حامد. وقال فى فتاواه: (ص ۱۵/۲۳۶) وهو قول طائفة من العلماء والصوفية من أصحاب أحمد و غيره كأبى عبد الله بن حامد، وقال فى موضع آخر (ص ۲۲/۶۱۲) : هذا قول أبى عبد الله بن حامد و أبى حامد الغزالى وغيرهما.

قال ابن تيمية: والصحيح الذى عليه الجمهور وهو المنصوص عن أحمد وغيره أنّه لَا إعادة عليه، ففى الصحيحين عن أبى هريرةؓ عن النبى ﷺ أنّه قال:" إذا أذّن المؤذن أدبر الشيطان وله ضراط حتّى لَا يسمع التأذين، فإذا قضٰى التأذين أقبل، فإذا ثوّب بالصلٰوة -يعنى الاِقامة- أدبر، فإذا قضى التثويب أقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول: اذكر كذا اذكر كذا لما لم يكن يذكر، حتّى يظلّ الرجل إن يدرى كم صلّٰى، فإذا وجد ذلک أحدكم فليسجد سجدتين".

وهو عام مطلق فى كلّ وسواس، ولم يؤمر بالاِعادة لكن ينقص أجره بقدر ذالک،

قال ابن عباسؓ: "ليس لک من صلوتک إلّا ما عقلت منها" وفى السنن عن عمّار بن ياسرؓ أنه صلّى صلوةً فخفّفها، فقيل له فى ذالک فقال: هل نقصتُ منها شيئا؟ قالوا: لَا، قال: فإنّى بدرتُ الوساوس، وأنّ النبى ﷺ قال: "إن الرجل ينصرف من صلوته ولم يكتب منها إلّا عُشرها أو تُسعها أو ثُمنها حتى قال الّا نصفها" وهذا الحديث حجّة على ابن حامد فإن أدنى ما ذكر نصفها وقد ذكر أنه يكتب له عُشرها، انتهى۔ على أن الحديث الذى ذكره هذا الصوفى ذكره الغزالى فى الاِحياء (ص ۱/۱۴۳) لكن قال العراقى فى تخريجه: لم أجده مرفوعاً وذكر بعد ذالک ما تقدّم من قوله: روى محمد بن نصر إلى آخره وزاد، ولِابن المبارک فى الزهد موقوفاً على عمّارؓ "لَا يكتب للرجل من صلوته ما سهىٰ عنه" انتهى۔ وقد تقدم فى كلام ابن تيمية، ويحمل قول ابن عباسؓ "ليس لک من صلوتک إلّا ما عقلت منها" على نقصان الثواب كما تقدم فى كلام الاِمام ابن تيمية، وسرّ ذالک أن الاِخلاص سرّالعبادة وهو يفوت بالوسواس ، والله اعلم۔

(٣) حديث: ”لولَاک لما خلقت الأفلاک“

وهو حديث مشهور على الألسنة لَا يعرف له إسناد بهذا اللفظ، وقد ورد بلفظ آخر ولكنه ليس بثابت، وذكر العلامة محمد بن طاهر الفتنى الگجراتى فى كتابه ”تذكرة الموضوعات“ هذا الحديث وقال: قال الصغانى: موضوع، انتهى۔

وأخرج ابن الجوزى فى الموضوعات فى آخر حديث طويل أخرجه عن سلمانؓ مرفوعاً: ”لولَاک ما خلقت الدنيا“ قال ابن الجوزى: موضوع، أبوالسكّين، وإبراهيم، ويحيى البصرى ضعفاء متروكون، وقال الفلاس: يحيى كذّاب يحدّث بالموضوعات، كذا فى اللآلى (ص ٢٧٢/ ١)۔

وفى الخصائص للسيوطى (ص٧/ ١) أخرج الحاكم وصحّحه عن ابن عباسؓ قال: أوحى الله إلى عيسىؑ ”آمن بمحمد ومُر من أدركه من أمّتک أن يؤمنوا به، فلولَا محمد ما خلقت آدم ولَا الجنة ولَا النار، ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه ’لَا إله إلّا الله محمد رسول الله‘ فسكن“، قال الذهبى: فى سنده عمرو بن أوس لَا يدرىٰ من هو، انتهى۔

وأخرج الحاكم والبيهقى والطبرانى (ص٢٠٧) وأبو نعيم عن عمربن الخطابؓ مرفوعاً فى حديث قال -أى الله-:” يا آدم! صدقت، ولولَا محمد ما خلقتک“، ذكره السيوطى فى خصائصه (ص٦/ ١)، وأنكره ابن تيمية (ص ٩٦/ ١١) أن يكون حديثاً، قال الطبرانى فى الصغير: حدّثنا محمد بن داود بن أسلم الصدفى المصرى حدثنا أحمد بن سعيد المدنى الفهرى حدثنا عبد الله بن اسماعيل المدنى عن عبد الرحمٰن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن جده عن عمر بن الخطابؓ، قال الطبرانى: لَا يروى عن عمر إلّا بهذا الحديث، تفرّد به أحمد بن سعيد، انتهى۔

(۴) حديث: ”أوّل ما خلق الله نورى“

هذا حديث مشهور على ألسنة العوام يذكره القصّاص والوعّاظ، وقد ذكره علىّ القارى فى

المرقاة ولم يذكر من خرّجه۔

وذكر القسطلانی فی المواهب حديث جابر بن عبد اللهؓ قال: ’’قلت يارسول الله! –بأبی أنت وأمی– أخبرنی عن أوّل شیء خلقه الله تعالی قبل الأشياء؟ قال: يا جابر! إن الله تعالی قد خلق قبل الأشياء نور نبيك ﷺ من نوره‘‘، فذكرحديثاً طويلاً وعزاه لعبد الرزّاق، وركّة لفظه تدلّ علی أنه موضوع وإن سلّمه القسطلانی والزرقانی وذهبا يؤلَان ما ورد فی الأخبار الأخر فی أشياء أخری أنها أول المخلوقات۔

وذكر فی العرف الشذی أن حديث أوّلية النور أرجح من حديث ’’أوّل ما خلق الله القلم‘‘ الذی خرّجه الترمذی وغيره وهو من غير مسلم، وقدكنت أتقاعد عن حكم الوضع حتی وقفت علی التعليقات الحافلة للشيخ عبد الفتاح فقد صرّح فيها بكون الحديث موضوعاً، والعلم عند الله۔

(۵) حديث ’’موتوا قبل أن تموتوا‘‘

هذا الحديث من أحاديث المتصوفة، معناه: إماتة الشهوات والاِنقطاع عن لذائذ الدنيا، ولَا أعرفه من كلام النبی ﷺ، ثم رأيت السخاوی قال فی المقاصد: قال شيخنا –يعنی الحافظ ابن حجر–: أنه غير ثابت، انتهی۔

(٦) حديث ’’ربّ تالٍ يقرء القرآن والقرآن يلعنه‘‘

هذا الكلام اشتهر علی ألسنة القرّاء فی القرون المتأخرة، وقد أوغلت فی طلبه فلم أقف له علی سند ولَا ذكره أحد من المخرّجين غير قول الشيخ زكريا الأنصاری فی شرح المقدمة الجزرية المسمی بالدقائق المحكمة فی شرح المقدمة الجزرية فی خبر: ’’ربّ قارئ يقرء القرآن والقرآن يلعنه‘‘ وقول القاری فی المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية ’’روی عنه ﷺ ربّ قارئ للقرآن والقرآن يلعنه‘‘ ولكن لم يذكر من خرّجه۔

واستدلّ به غير واحد علی أن علم التجويد لَازم، وهذا الحديث وإن لم يثبت ولكن نصّ

العلماء المحققون على أصل المسئلة۔

قال الحافظ شمس الدين الجزری فی مقدمته المعروفة بالجزرية ۔

والأخذ بالتجويد حتم لَازم
مَن لم يجوّد القرآن آثم

قال القاری فی شرح المقدمة: ثم هذا العلم لَا خلاف فی أنّه فرض كفاية، والعمل به فرض عين فی الجملة على صاحب كلّ قراءة ورواية، ولو كانت القراء ة سنّة۔

وأما دقائق التجويد فإنما هو من مستحسناته، فإنّ اللحن على نوعين: جلیّ و خفیّ،

فالجلیّ خطأ يعرض اللفظ و يخلّ بالمعنى والاِعراب كرفع المجرور ونصبه ونحوهما سواء تغير المعنىٰ به أم لَا،

والخفیّ خطأ يخلّ بالحروف، كترک الاِخفاء، والقلب، والاِظهار، والاِدغام، والغنّة، وكترقيق المفخّم وعكسه، ومدّ المقصور، وقصر الممدود وأمثال ذلک، ولَا شکّ أن هذا النوع ممّا ليس بفرض عين يترتّب عليه العقاب الشديد، وإنما فيه خوف العقاب والتهديد، انتهىٰ باختصار۔

وما تعارفه قرّاء هذا الزمان من قراءة القرآن بالتمطيط حتى يخرج الحرف من هيئته فلا خلاف فی منعه۔

قال النووی فی كتابه التبيان: أجمع العلماء على استحباب تحسين الصوت بالقرآن ما لم يخرج عن حدّ القراءة بالتمطيط، فإن خرج حتى زاد حرفاً او أخفاه حرم، كذا نقله الحافظ ابن حجر فی الفتح (ص ٦٤/ ٩ وص ٧٢/ ٩ طبع ابن الباز)۔

أما القراء ة بالألحان فالخلاف فيه مشهور، ذكره النووی وابن القيم والحافظ ابن حجر والسيوطی والعينی وغيرهم، قال الحافظ ابن حجر بعد ذكر الاِختلاف: والذی يتحصّل من الأدلّة أن حسن الصوت بالقرآن مطلوب، فإن لم يكن حسناً فليحسنه ما استطاع كما قال ابن أبی مليكة، وقد أخرج ذلک عنه أبو داود بإسناد صحيح۔

ومن جملة تحسينه أن يراعىٰ فيه قوانين النغم فإن الحسن الصوت يزداد حسناً بذلک، وإن خرج عنها أثّر ذلک فی حسنه، وغير الحسن ربما انجبر بمراعاتها ما لم يخرج عن شرط الأداء المعتبر عند أهل القراءات، فإن خرج عنها لم يف تحسين الصوت بقبح الأداء، ولعل هذا مستند من كره القراءة بالأنغام، لأن الغالب على من راعىٰ الأنغام أن لَا يراعى الأداء، فإن وجد من يراعيهما فلا شکّ فی أنه أرجح من غيره لأنه يأتی المطلوب من تحسين الصوت ويجتنب الممنوع من حرمة الأداء، انتهی۔

(۷) حديث: "المؤمن أعظم حرمة من الكعبة"

لَا أعرفه بهذا اللفظ وورد معناه، أخرجه ابن ماجه (ص ۲۹۰) قال: حدثنا أبو القاسم ابن أبی ضمرة نصر بن محمد بن سليمان الحمصی، ثنا أبی، ثنا عبد الله بن أبی قيس النصری، ثنا عبد الله بن عمروؓ قال: "رأيت رسول الله ﷺ يطوف بالكعبة ويقول: ما أطيبکِ وأطيب ريحکِ، ما أعظمکِ وأعظم حرمتکِ، والذی نفس محمد بيده لَحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منکِ مالِه ودمِه، وأن نظنّ به الّا خيرًا" قال السندی (ص ۲/۲۳۹) وفی الزوائد فی إسناده مقال، ونصر بن محمد شيخ ابن ماجه ضعّفه أبو حاتم، وذكره ابن حبان فی الثقات۔

وله شاهد أخرجه ابن أبی شيبة من طريق مجالد عن الشعبی عن ابن عباسؓ أنّ النبی ﷺ نظر إلى الكعبة فقال: "ما أعظمکِ وأعظم حرمتکِ والمسلم أعظم حرمةً منکِ، قد حرّم الله دمه وماله وعِرضه وأن يظنّ به ظنّ السوء" و مجالد فيه مقال، وذكر السخاوی فی المقاصد: له شواهد۔

(۸) حديث: "من أرسل نفقة فی سبيل الله وأقام فی بيته فله بكلّ درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه فی سبيل الله وأنفق فی وجهه ذلک فله بكل درهم سبعمائة الف درهم، ثم تلا هذه الآية ﴿وَاللهُ يُضاعِفُ لِمَن يَّشَاءِ﴾"

أخرجه ابن ماجه حدّثنا هارون بن عبد الله الحمّال ثنا ابن أبی فديک عن الخليل بن عبد

الله عن الحسن عن عليّ بن أبى طالبؓ و أبى الدرداءؓ وأبى هريرةؓ وأبى أمامة الباهليؓ وعبد الله بن عمرؓ وعبد الله بن عمروؓ وجابر بن عبد اللهؓ وعمران بن الحصينؓ كلّهم يحدّث عن رسول الله ﷺ أنه قال: ”من أرسل“، الحديث۔

قال الذهبى فى الميزان: خليل بن عبد الله لَا يعرف ما روى عنه سوى ابن أبى فديک، وقال الحافظ ابن كثير (ص١٧/٣١): هذا حديث غريب، وعزاه لِابن أبى حاتم من حديث عمران بن الحصينؓ وإسناده إسناد ابن ماجه، وعزاه السيوطى فى الدرّ المنثور لِابن ماجه وابن أبى حاتم كليهما من حديث جماعة الصحابة المذكورين وسكت عنه، ونقل السندى (ص٩٠/٢) عن زوائد الحافظ البوصيرى أنّه قال: فى إسناده خليل بن عبد الله، قال الذهبى: لَا يعرف، وكذا قال ابن عبد الهادى۔

والتضعيف إلى سبع مائة ثابت بالقرآن والأحاديث الكثيرة التى ذكرها ابن كثير (ص١٦/٣١) والسيوطى والشوكانى وغيرهم، والزيادة على السبع مائة يؤيّده قوله تعالى ﴿وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَاء﴾ وقوله تعالى ﴿مَن ذا الذى يُقرِضُ اللّٰهَ قَرضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أضعَافاً كَثِيرَةً﴾۔

ولكن التحديد إلى السبعمائة ألف فى صورة الخروج وإلى السبعمائة فقط فى صورة عدم الخروج، لَا أعلمه فى غير هذا الحديث، وهو مراد الحافظ ابن كثير بقوله ”هذا حديث غريب“ والله أعلم۔

ومن الأحاديث الدالّة على الزيادة على سبعمائة ما أخرجه البخارى ومسلم (ص٧٨/١) عن ابن عباسؓ عن رسول الله ﷺ فى ما يروى عن ربّه عزّ وجلّ قال: ”إن الله كتب الحسنات والسيئات، ثم بيّن ذلک، فمن همّ بحسنة فلم يعملها كتبها الله له حسنة كاملة، فإن همّ بها فعملها كتبها الله له عشر حسنات إلى سبعمائة ضعف إلى أضعاف كثيرة“ الحديث۔

قال النووى: فيه تصريح بالمذهب الصحيح المختار عند العلماء أن التضعيف لَا يقف على سبعمائة ضعف۔

وما حكىٰ أبو الحسن أقضى القضاة الماوردى عن بعض العلماء أن التضعيف لَا يتجاوز

سبعمائة ضعف فهو غلط لهذا الحديث، انتهى۔

(۹) جوآدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے اور نہ جاسکے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔

قلت: لم أقف إلى الآن على ذلك صراحةً لأنى كتبت ذلك عجلاً، نعم ! هو داخل فى عموم حديث ”إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكلّ امرئ ما نوىٰ“ وحديث ”نيّة المؤمن خير من عمله“ ورد عن جمع ذكرهم السخاوى، وقال فى آخره: وهى –يعنى الطرق– وإن كانت ضعيفة فبمجموعها يتقوّى الحديث۔ وحديث: ”من طلب الشهادة صادقاً أعطيها ولو لم تُصبه“ أخرجه مسلم عن أنسؓ، وحديث سهل بن حنيفؓ ”من سأل الله الشهادة بصدق بلّغه الله منازل الشهداء وإن مات على فراشه“ أخرجه مسلم أيضاً۔

ومن أقرب ما يستدلّ به للمطلوب ما رواه البخارى عن أنس بن مالكؓ قال: ”رجعنا من غزوة تبوک مع النبى ﷺ فقال: إن أقواماً خلفنا بالمدينة ما سلكنا شعباً ولَا وادياً إلّا وهم معنا فيه حبسهم العذر“ ورواه أبو داود ولفظه: ”أنّ النبى ﷺ قال: لقد تركتم بالمدينة أقواماً ما سِرتم مسيراً ولَا أنفقتم نفقةً ولَا قطعتم وادياً إلّا وهم معكم فيه، قالوا: يا رسول الله ! يكونون معنا وهم بالمدينة؟ قال: حبسهم المرض“۔

وفى هذا الباب روايات كثيرة صحاح وحسان، مبسوطة فى كتاب الترغيب للمنذرى وغيره، والله أعلم۔

كتبه محمد يونس عفى عنه

۸ شوال ۱۳۸۷ھ چہارشنبہ

صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق

سوال: صلوٰۃ الأوّابین حین ترمض الفِصال۔ کس کتاب میں ہے؟ اور اگر یہ حدیث ثابت ہے تو رکعاتِ ستہّ بعدالمغرب (مغرب کے بعد چھ رکعات) کو اوّابین کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟ اوّابین کیوں کہتے ہیں؟

السائل (مولانا) عبداللہ طارق دہلوی

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین،

أما بعد۔

صلوٰۃ الأوّابین کی تفسیر میں علماء کے دو مشہور قول ہیں:

اول صلوٰۃ الضحیٰ، دوم نوافل فیما بین العشائین۔

قولِ اول متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

فأخرج الاِمام أحمد و مسلم (ص۲۵۷ ج۱) عن زید بن أرقمؓ "أنّہ رأی قوماً یصلّون من الضحیٰ فقال: أما لقد علموا أنّ الصلوٰۃ فی غیر ہذہ الساعۃ أفضل، إن رسول اللہ ﷺ قال: صلوٰۃ الأوّابین حین ترمض الفصال" وفی لفظ "حین رمضت الفصال"

وأخرج عبد بن حمید وسمویہ عن عبد اللہ بن أبی أوفیٰؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "صلوٰۃ الأوّابین حین ترمض الفصال"، کذا فی الحاوی (ص۴۳)۔

وأخرج حمزۃ بن یوسف السہمی فی تاریخ جرجان والبیہقی فی الشعب (ص۴۲۷/۲) فی الحادی والستّین، والثعلبی من طریق الیسع بن زید القرشی عن سفیان بن عیینۃ عن حمید الطویل عن أنس بن مالکؓ قال: "خدمت النبی ﷺ فما قال لی لشئ فعلتہ 'لِم فعلتَہ؟' ولَا قال

لشئ كسرتُه ’لِم كسرتَه؟‘ وكنت واقفاً على رأس رسول الله ﷺ أصبّ على يديه الماء فرفع رأسه إليّ فقال يا أنس بن مالك! هل أعلّمك ثلاث خصال تنتفع بهنّ؟ فقلت: بأبى أنت وأمّى يا رسول الله بلىٰ! فقال لى: من لقيت من أمّتى فسلّم عليهم يطل عمرک، وإذا دخلت إلى بيتک فسلّم عليهم يكثر خير بيتک، صلّ صلوٰة الضحىٰ فإنّها صلوٰة الأبرار الاَوّابين“۔

هكذا عزا الحافظ ابن حجر فى تخريج الكشاف (ص ۱۲۰) ولكن لم أر لفظ ”الأوّابين“ فى تاريخ جرجان فإنّه أخرجه فى ترجمة اليسع وليس هذا اللفظ هناک وليس هذا اللفظ فى شعب الإيمان أيضاً۔

ثم قال الحافظ ابن حجر: اليسع آخر من زعم أنّه سمع من ابن عيينة، مات بعد الثمانين والمائتين، وهو واهى الحديث۔

قال الحافظ ابن حجر: وأصل الحديث دون القصة التى فيه فى الصحيح من حديث أنس بن مالکؓ وباقيه مروى عن أنسؓ من أوجه۔

منها ماروٰه البزّار من طريق عويد بن أبى عمران الجونى عن أبيه عن أنسؓ قال: ”أوصانى النبى ﷺ بخمس خصال، قال: أسبغ الوضوء يزد فى عمرک، وسلّم علىٰ من لقيت من أمّتى تكثُر حسناتک، وإذا دخلت بيتک فسلّم علىٰ أهلک يكثُر خير بيتک، وصلّ صلوٰة الضحىٰ فإنّها صلوٰة الأوّابين، وارحم الصغير تكن من رفاقى“۔

وعويد قال ابن حبان: يروى من أبيه ما ليس من حديثه، ورواه أبو يعلىٰ من رواية عمرو بن أبى خليفة عن ضرار بن عمرو عن أنسؓ، وإسناده ضعيف جداً۔

وكذا رواه الطبرانى فى الصغير (ص ۱۶۸)من رواية عمرو بن دينار عن أنسؓ، والراوى عنه ساقط، ورواه العُقيلى من رواية الفضل بن العباس عن ثابت عن أنسؓ، والفضل مجهول، قال العقيلى لم يتابعه عليه إلّا من هو دونه أو مثله۔

ورواه ابن عدى من طريق أزور بن غالب عن سليمان التيمى عن أنسؓ، قال ابن طاهر: أزور منكر الحديث، وله طريق أخرىٰ عن أنسؓ أشدّ ضعفاً من هٰذا، انتهىٰ كلام الحافظ ابن حجر۔

وأخرج البخارى فى التاريخ (ص ۳۶۶ ج ۱) والحاكم فى المستدرک (ص ۳۰۴ ج ۱) من طريق إسماعيل بن عبد الله بن زُرارة الرقّى عن خالد بن عبد الله الطحان عن محمد بن عمرو

عن أبی سلمة عن أبی ہریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”لا یحافظ علیٰ صلوٰة الضحیٰ الّا أوّاب، قال وهی صلوٰة الأوّابین“۔

قال الحاکم: هٰذا حدیث صحیح علی شرط مسلم وأقرّه الذهبی، لکن قال المنذری: رواه الطبرانی وابن خزیمة فی صحیحه وقال: لم یتابع إسماعیل بن عبد الله یعنی ابن زرارة الرقّی علیٰ اتّصال هٰذا الخبر، ورواه الدراوردی عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة مرسلاً، ورواه حماد بن سلمة عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة قوله، انتهی کلام المنذری۔

قلت: وصوّب البخاری أنّه من قول أبی سلمة، لکن قال الحاکم فی جزء صلوٰة الضحیٰ فی ما نقل عنه ابن القیم فی الهدی (ص۹۳) هٰذا إسناد قد احتجّ بمثله مسلم بن الحجاج وأنّه حدّث عن شیوخه عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی ہریرةؓ عن النبی ﷺ ”ما أذن الله لشیء ما أذن لنبیّ یتغنّیٰ بالقرآن“ قال: ولعلّ قائلاً یقول :قد أرسله حماد بن سلمة وعبد العزیز بن محمد الدراوردی عن محمد بن عمرو، فیقال له خالد بن عبد الله ثقة، والزیادة عن الثقة مقبولة، انتهیٰ کلام الحاکم۔

وسکت علیه ابن القیم مع أنّ البخاری صوّب أنّه من قول أبی سلمة وقد تقدّم، وأیضاً إسماعیل بن عبد الله الراوی عن خالد وإن وثّقه ابن حبان فقد قال فیه الأزدی: منکر الحدیث، کما نقل عنه فی المیزان ۔

وأخرج ابن أبی شیبة عن أبی ہریرةؓ قال: ”أوصانی خلیلیﷺ أن أصلّی صلوٰة الضحیٰ فإنّها صلوٰة الأوّابین“ کذا فی الحاوی۔

وأخرج زاهر بن طاهر فی سُداسیّاته بإسناد صحیح عن أنسؓ مرفوعاً: ”صلّ الصبح والضحیٰ فإنّها صلوٰة الأوّابین“ (من الجامع الصغیر و شرحه للمناوی)۔

وأخرج الدیلمی فی مسند الفردوس عن أبی ہریرةؓ بإسناد ضعیف مرفوعاً: ”صلوٰة الضحی صلوٰة الأوّابین“ (من الجامع الصغیر وشرحه للمناوی)

وأخرج ابن أبی شیبة فی المصنف عن أبی رملة الأزدی عن علیؓ أنّه رآهم یصلّون الضحیٰ عند طلوع الشمس فقال: ”هلا ترکوها حتی إذا کانت الشمس قید رمح أو رمحین صلّوها فتلک صلوٰة الأوّابین“ کذا فی الحاوی۔

وأخرجه ابن جرير فی تهذيب الآثار كما فی منتخب الكنز (ص ۲۱۳ ج۳) بلفظ عن أبی رملة قال: ”خرج علیؓ فقال أين الناس؟ قالوا: فی المسجد من بين قائم يصلّی وقاعد، فقال نحروها نحرهم الله، ألّا تركوها حتی تكون قيد رمح أو رمحين ثم صلّوا ركعتين فتلك صلٰوة الأوّابين“۔

قولِ ثانی یعنی صلوة الأوّابين نوافل فيما بين العشائين کو کہتے ہیں،

یہ قول بعض مراسیل وآثار واقوالِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

فأخرج ابن المبارک فی الرقائق كما فی تخريج الاِحياء للعراقی (ص۱۷۷ ج۱) ومحمد بن نصر المروزی كما فی الاِتحاف وشرح النقاية للقاری عن محمد بن المنكدر قال: قال رسول الله ﷺ: ”من صلّی بين المغرب والعشاء فانها صلٰوة الأوّابين“ وهو مرسل۔

وقال البغوی فی تفسيره وروی عن ابن عباسؓ قال: إن الملائكة لتحفّ بالذين يصلّون بين المغرب والعشاء وهی صلٰوة الأوّابين۔

وأخرج البيهقی (ص ۱۹ ج۳) من طريق ابن لَهيعة قال: وقال أبو عُقيل زهرة بن معبد سمعت ابن المنكدر وأبا حازم يقولَان ﴿تتجافی جنوبهم عن المضاجع﴾: هی ما بين المغرب وصلٰوة العشاء صلٰوة الأوّابين۔

قال ابن الهمام: واعلم أنّه ندب إلی ستّ بعد المغرب لما روی ابن عمرؓ أنّه ﷺ قال: ”من صلّی بعدالمغرب ستّ ركعات كُتب من الأوّابين، وتلا قوله تعالی ﴿إنّه كان للاوّابين غفوراً﴾“۔

قلت: وهذا الحديث الذی ذكره ابن الهمام عن ابن عمرؓ مرفوعاً لم أجده، ولَا ذكره أحد من المفسرين كابن جرير وابن كثير والسيوطی والآلوسی والشوكانی وغيرهم فی تفسير الآية، والله أعلم۔

وفی المرقاة قال ابن الملک عن ابن عباسؓ: الصلٰوة بين المغرب والعشاء صلٰوة الأوّابين۔

قال ابن حجر: وفيها حديث آخر وهو” أنه ﷺ يصلّيها عشرين ويقول هذه صلٰوة الأوّابين فمن صلّاها غفر له“ انتهیٰ۔

قلت: لم أجد هٰذا الحديث، ولَا ذكره من جمع هدى النبیﷺ کابن القیّم والعسقلانی والزرقانی وغيرهم، والله أعلم۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث نوافل فیما بین العشائین کی فضیلت میں وارد ہیں اور صوفیاء ومحدثین نے اِحیاء ما بین العشائین کا مستقل عنوان قائم فرمایا ہے، اگر ان نوافل کا صلوٰۃ الاوّابین ہونا ثابت ہوجائے تو وہ ساری احادیث جن میں نوافل فیما بین العشائین کا ذکر ہے اس میں داخل ہوجائیں گی۔ حضرت حافظ ابن کثیرؒ نے جہاں ﴿إنّهٗ كانَ للأوّابين غَفُوراً﴾ کی تفسیر میں بہت سارے اقوال نقل فرمائے ہیں وہیں یہ دونوں مذکورہ بالا اقوال بھی ذکر فرمائے ہیں، لکھتے ہیں:

قال بعضهم: هم الذين يصلّون بين العشائين، وقال بعضهم: هم الذين يصلّون الضحىٰ۔

قولِ ثالث یہ ہے کہ صلوٰۃ الأوّابین رکعتین قبل الظہر ہیں، حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

أخرج محمد بن نصر فی كتاب الصلوٰة عن .... قال: يقال "صلوٰة الأوّابين وصلوٰة المنيبين وصلوٰة التوّابين" فصلوٰة الأوّابين ركعتان قبل الظهر، وصلوٰة المنيبين الضحىٰ، وصلوٰة التوّابين ركعتان قبل المغرب، كذا فی الحاوی۔

ہمارے فقہاء نے عامۃً اوّابین کے مصداق میں رکعات ستّہ بعد المغرب ہی کا ذکر فرمایا ہے، مگر روایات کے پیشِ نظر صلوٰۃ الضحیٰ کا اوابین ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ساری ہی نمازیں صلوٰۃ الأوابین کا مصداق ہوں، اس لیے کہ اوّاب صیغۂ مبالغہ ہے اَوب سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنے کے آتے ہیں، اور یہ معنی تینوں ہی نمازوں پر صادق آتے ہیں۔

صلوٰۃ الضحیٰ پر تو اس لیے کہ یہ وقت لوگوں کا اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کا وقت ہے، لیکن اوّابین یعنی راجعین إلى الله تعالىٰ بالتوبة والإنابة اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسکی طاعت وعبادت میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اور رکعات فیما بین العشائین پر اس لئے کہ یہ راحت وآرام اور کھانے پینے کا وقت ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

یہی بات تقریباً رکعتین قبل الظہر میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ وقت قیلولہ اور استراحت کا ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اسکی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، واللہ اعلم۔

قولِ رابع ان سب کے لکھ لینے کے بعد ایک چوتھا قول بھی معلوم ہوا، وہ یہ کہ **صلوٰۃ الأوّابین رکعتین عند دخول البیت وعند الخروج منہ** کو کہتے ہیں۔

ففی الجامع الصغیر وشرحہ للمناوی: ”صلوٰۃ الأوّابین وصلوٰۃ الأبرار رکعتان إذا دخلت بیتک ورکعتان إذا خرجت“، أخرجہ ابن المبارک عن عثمان ابن أبی أسود مرسلاً، انتھیٰ۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖

اس جواب کے بعد مکتوب الیہ کا دوسرا خط آیا جس میں اوّابین سے متعلق مزید استفسار تھا نیز چند سوالات اور بھی تھے، اسکا جواب حضرت الاستاذ مدّ ظلّہ نے حسبِ ذیل عنایت فرمایا۔(مرتب)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب ملا، ناشکری کے انداز والفاظ سے آپ کا شکریہ پہونچا، جس نے

ع درشتی ونرمی بہم روا است

کا مزہ دیا، آپ نے لکھا ہے کہ تمہارے مکتوب میں اشکال کی توضیح اور طرفین کے اقوال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، حالانکہ ضرورت فیصلہ اور ترجیح القوی علی الضعیف کی ہے۔

اے مخلص محترم! اقوال متعارضہ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہہ دیا جائے تو یہ اسوقت ہوسکتا ہے جب کہ دلائل سے ایک کی صحت اور دوسرے کا خطا ہونا واضح ہوجائے، اور یہ صورت یہاں ممکن نہیں۔

آخر ایک جماعت علماء کی صلوٰۃ الضحیٰ کو صلوٰۃ الاوّابین کا مصداق ٹھہراتی ہے، اور دلائل مذکورہ فی المکتوب السابق انکا مستدل ہیں، اور دوسری جماعت رکعات فی ما بین العشائین کو مصداق صلوٰۃ الاوابین قرار دیتے ہیں، اور انکی دلیل محمد بن المنکدر کی حدیث مرسل ہے، اور مراسیل جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہیں۔

لہٰذا جب انکے ہاتھوں میں ایک شئی قابل اعتماد ہے گو پہلے کے بنسبت کمزور ہی سہی تو بالکلیہ غلط کیسے کہہ سکتے ہیں؟ رہ گیا صرف نفس دلیل کے اعتبار سے رجحان! تو میں اسکو مکتوب سابق میں لکھ چکا ہوں۔

اور اگر ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ ایک کوقوی دوسرے کوضعیف قرار دیا جائے جیسا کہ آپ کی عبارت سے ظاہر ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ضعیف کا بالکل اعتبار نہ ہو اور متروک ہوجائے تو یہ تو عملاً شقّ اول میں داخل ہوگیا،

اور اگر اعتبار کیا جائے جیسا کہ ضابطہ کا تقاضہ ہے تو پھر جمع کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے،

اسکے بعد یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ترجیح وغیرہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں جمع ناممکن ہو اور یہاں ممکن ہے، لہٰذا کیا اشکال ہے، علاوہ ازیں میں مکتوبِ سابق میں لکھ چکا ہوں کہ از روئے دلیل صلوٰۃ الضحیٰ ہی راجح معلوم ہوتی ہے،

غالبًا آپ نے اس پر غور نہیں کیا، محض سرسری طور سے طالب علمانہ انداز میں دیکھ لیا جس کی وجہ سے توضیحِ اقوالِ طرفین کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئی، بندہ نے جو جمع کی صورت لکھی ہے اگر تلاش کریں گے تو اکابر کے یہاں بھی مل جائے گی۔

رہ گیا ہمارے بعض مشائخ سے جو صرف صلوٰۃ الضحیٰ ہی کا اَوّابین ہونا منقول ہے تو دوسرے مشائخ نے اس پر کلام کیا ہے۔

اس کے بعد میں اپنے مکتوبِ سابق کی بات پھر دہراتا ہوں کہ صلوٰۃ الضحیٰ دلائل کے پیشِ نظر صلوٰۃ الاوابین ہونے کے زیادہ لائق ہے، **قال الشیخ شھاب الدین القلیوبی الشافعی فی حاشیۃ شرح المنھاج للمحلّی (ص ۲۱۴ ج ۱)**

صلوٰۃ الضحیٰ ھی صلوٰۃ الأوّابین، وصلوٰۃ الاِشراق علی المعتمد عند شیخنا الرملی وشیخنا الزیادی، وقیل کذا فی الاِحیاء: ''أنھا صلوٰۃ رکعتین عند ارتفاع الشمس'' انتھیٰ۔ واللہ أعلم بالصواب۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟

بعدہ آپ نے لکھا ہے کہ کیا مشکوٰۃ کی شرح ابن حجر مکی کی ہے جیسا کہ صاحب اکلیل علی مدارک التنزیل کی عبارت سے ظاہر ہے یا غلطی سے ابن حجر عسقلانی کی شرح کو ابن حجر مکی کی طرف منسوب کردیا۔

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ بندہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات میں شرح مشکوٰۃ معلوم نہیں، ہاں انھوں نے مشکوٰۃ کی احادیث کی تخریج کی ہے جس کا نام **هداية الرواة فی تخريج احاديث المصابيح والمشكوٰة** ہے جو دراصل صاحبِ کشف الظنون کے بیان کے مطابق علامہ مناوی کی کتاب **لباب الصدر** کی تلخیص ہے، ہاں شیخ ابن حجر مکی کی شرحِ مشکوٰۃ کا ذکر مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی تالیفات (السعایہ ص ۱۲۷ ج ۲ وغیرہ) میں ملتا ہے، اسی طرح **دليل الفالحين شرح رياض الصالحين** میں جگہ جگہ اس شرح کا ذکر ملتا ہے اور اس کا نام **فتح الالٰه** لکھا ہے اور جہاں بھی ملّا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں قال ابن حجر کہتے ہیں اس سے ابن حجر مکی ہی مراد ہوتے ہیں اور اکثر انکی شرح مشکوٰۃ ہی سے لیتے ہیں، بخلاف حافظ ابن حجر کے کہ انکو العسقلانی سے یاد کرتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ ابن حجر مکی ہیتمی میں فرق یہ ہے کہ حافظ ابن حجر شیخ ابن حجر مکی کے استاذ الاستاذ ہیں،

حافظ ابن حجر کا سلسلۂ نسب انکے بیان کے مطابق یہ ہے: **أحمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن أحمد بن حجر الكنانی النسب العسقلانی الأصل المصری المولد والمنشأ،** حافظ ابن حجر نے یہ سلسلہ خود فتح الباری کے اخیر میں لکھا ہے، حافظ ابن حجر کی ولادت مصر میں شعبان کی ۱۳/ تاریخ ۷۷۳ھ میں ہوئی اور وفات ۲۸ ذی الحجہ کی شب شنبہ میں ۸۵۲ھ میں ہوئی۔

اور شیخ ابن حجر مکی کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: **أحمد بن محمد بدر الدين بن محمد شمس الدين بن علی نور الدين بن محمد،** اسی طرح یہ نسب انکے فتاویٰ کبریٰ کے مقدمہ میں انکے بعض تلامذہ نے لکھا ہے، شیخ ابن حجر کی ولادت ۹۰۹ھ میں محلہ ابی الہیتم میں ہوئی اور وفات دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ۱۳ رجب ۹۷۴ھ میں ہوئی اور مکہ میں مدفون ہوئے، مکی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکہ میں اقامت کرلی تھی جیسا کہ ملاعلی قاریؒ کو باوجود ہروی ہونے کے اقامت بمکۃ المشرّفۃ کی وجہ سے مکی کہتے ہیں، اور ہیتمی محلّہ ابوالہیتم کی طرف نسبت ہے۔

فتاوی کبریٰ کے ابتداء میں طابع نے شیخ ابن حجر مکی کا مختصر ترجمہ لکھنے کے بعد لکھا ہے (تنبیہ) **الهيتمی بالمثناة الفوقية نسبة إلى محلة أبی الهيتم قرية فی إقليم الغربية من أقاليم مصر خلافا لما اشتهر من قرائته بالمثلثة كما ذكره الفاكهی فی ترجمته، انتهی۔**

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ ابن حجر مکی کی نسبت میں جب ہیتمی کہیں گے تو بالتاء المثناۃ پڑھیں گے،

اور صاحبِ مجمع الزوائد حافظ علامہ علی ابن ابی بکر بن سلیمان ابوالحسن الہیثمی بالثاء المثلثہ ہے جیسا کہ حسن المحاضرہ وغیرہ میں ثاء سے لکھا ہے اور لحظ الالحاظ کے حاشیے میں الضوء اللامع للسخاوی سے بالثاء المثلثہ ہونا ضبط کیا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابن حجر مکی تو ہیتمی بالتاء المثناۃ ہیں اور حافظ نورالدین ہیثمی بالثاء المثلثۃ ہیں۔

حافظ نورالدین کی ولادت ماہ رجب ۷۳۵ھ میں ہوئی اور وفات منگل کی رات ۱۹/رمضان ۸۰۷ھ میں ہوئی اور یہ حافظ نورالدین الہیثمی صاحبِ مجمع الزوائد حافظ عراقی کے داماد اور حافظ ابن حجر کے استاذ ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟

بندہ کو اس وقت عجلت نیز عدیم الفرصتی کی وجہ سے مفحمات القرآن نہ مل سکی، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ ثعلبہ بن عنمہ بفتح العین المہملۃ ہے، اس لیے کہ ثعلبہ بن غنم کوئی صحابی نہیں ہے۔

ابن الاثیر نے ثعلبہ بن عنمہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ روىٰ أبو صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قوله تعالىٰ ﴿يَسـئـلُـو نکَ عن الأهِلّة﴾ قال: ”نزلت فی معاذ بن جبل، وثعلبة بن عنمة، وهما من الأنصار، قالَا: يا رسول الله! ما بال الهلال يبدو فيطلع رقيقاً، ثم يزيد حتىٰ يعظم ويستوى ويستدير، ثم لَا يزال ينقص حتىٰ يعود كما كان؟ فنزلت الآية“۔

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں ثعلبة بن عنمة بفتح المهملة و النون ابن عدی بن نائی بن عمرو بن سواد بن غنم بن كعب بن سلمة الأنصاری السلمی الخزرجی، ذكر ابن الكلبی أنّه ممّن سأل عن الهلال كيف يبدو صغيراً ثم يكبر، فنزل قوله تعالىٰ ﴿يسئلونک عن الأهلة﴾

یہاں پرایک بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ الاِستیعاب لِابن عبدالبرّ کے مطبوعہ نسخے میں اور اسی طرح أسد الغابة میں بعض جگہ ثعلبہ بن غنمة نقطہ کی زیادتی سے بالغین لکھا گیا ہے جو غلط ہے، حافظ ابن حجر کے کلام میں بالعین المهملة ہونا گزر چکا ہے۔

حافظ ذہبی تجرید میں لکھتے ہیں عنمة بمهملة، علامہ شیخ طٰہٰ بن مہنا شرح اسماء بدریین میں لکھتے ہیں: ثعلبة بن عنمة بعين مهملة ونون وميم وتاء تانيث بوزن قصبة، اور اتقان میں ثعلبۃ بن غنم جو واقع ہے اگر یہ کاتب کی غلطی نہ ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جد اعلیٰ کی طرف نسبت ہے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ کسی نے انکو جد اعلیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ کاتب کی غلطی ہے یا سبقت قلم ہے، واللہ اعلم۔

حرره العبد محمد يونس عفى عنه

ليلة الثلاثاء ۲۵ ذى القعده ۱۳۸۴ھ

حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟
صرف صومِ عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟

(سوال بنامِ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدّ ظلّہ)

آپ کا یہ خط جواب کے لئے عزیز مولوی محمد یونس صاحب سلمہ مدرس حدیث مظاہر علوم کے پاس بھیج رہا ہوں، آئندہ بھی حدیث کے سلسلے میں جو کچھ پوچھنا ہو عزیز موصوف سے براہ راست پوچھا کریں، اس نا کارہ کو ۶/۷/سال سے نزول آب کی شکایت ہے خط و کتابت بھی دوسرے ہی کرتے ہیں فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

بقلم عبد الرحیم ۱/صفر ۸۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفىٰ والصلوة والسلام على سيدنا محمد المصطفىٰ واله وصحبه نجوم الهدى

أما بعد!

جناب کا مکتوب حضرت اقدس سیدی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے بندہ کو عرصہ ہوا جواب کے لئے مرحمت فرمایا تھا مگر اپنے امراض ومشاغل کی وجہ سے تاخیر ہوگئی جس کی معافی چاہتا ہوں امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔

جناب کے ملفوف میں دو سوال مذکور ہیں۔

اول حدیث توسعہ علی العیال کے متعلق

اور ثانی کراہت صوم عاشوراء مفرداً کے بارے میں، ہر ایک کا جواب علی الترتیب درج ذیل ہے،

أما حديث التوسعة على العيال فأخرجه الطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب من حديث ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ: "من وسّع على عياله يوم عاشوراء، وسّع الله عليه سائر سنته" وفيه الهيصم بن شداخ، قال العقيلي: مجهول، والحديث غير محفوظ.

وقال الحافظ ابن حجر في أماليه: اتفقوا على ضعف الهيصم بن شداخ، وعلى تفرّده به.

وقال ابن طاهر المقدسی فی تذکرة الموضوعات: فیه الهیصم بن شداخ یروی الطامّات ولَا یحتجّ به۔

وأخرجه ابن عدی من حدیث أبی هریرةؓ، وفی سنده سلیمان بن أبی عبد الله، قال العقیلی: هومجهول والحدیث غیر محفوظ، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات من هٰذین الطریقین وذکر کلام العقیلی، وقال ابن تیمیة فی المنهاج (ص ۱۸۱ ج۴): هذا الحدیث کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال حرب الکرمانی سئل أحمد بن حنبل عن هذا الحدیث، فقال: لَا أصل له، والمعروف عند أهل الحدیث أنه یرویه سفیان بن عیینة عن إبراهیم بن محمد بن المنتشر عن أبیه أنه قال: ”بلغنا أنه من وسّع علی أهله یوم عاشوراء وسّع الله علیه سائر سنته“۔ قال ابن عیینة جرّبناه من ستین سنة فوجدناه صحیحاً۔

قال ابن تیمیة: ومحمد بن المنتشر هذا من فضلاء الکوفیین، لکن لم یکن یذکر ممّن سمعه ولَا عمّن بلغه، ولَا ریب أن هذا أظهره بعض المتعصّبین علی الحسین لیتّخذ یوم قتله عیداً، فشاع هذا عند الجهّال المنتسبین إلی السنّة حتی روی فی حدیث ”أنّ یوم عاشوراء جری کذا وجری کذا“ حتی جعلوا أکثر حوادث الأنبیاء کانت یوم عاشوراء، مثل مجئ قمیص یوسفؑ إلی یعقوبؑ، وردّ بصره، وعافیة ایوبؑ، وفداء الذبیح وأمثال هذا، وهذا الحدیث کذب موضوع۔

وقد ذکره ابن الجوزی فی الموضوعات وإن کان قد رواه هو فی کتاب النور فی فضائل الأیام والشهور، وذکر عن ابن ناصر شیخه أنه قال: حدیث صحیح وإسناده علی شرط الصحیح، فالصواب ما ذکره فی الموضوعات وهو آخر الأمرین منه، وابن ناصر راج علیه ظهور حال رجاله وإلّا فالحدیث مخالف للشرع والعقل لم یروه أحد من أهل العلم المعروفین فی شئ من الکتب، وإنما دلّس علی بعض الشیوخ المتأخرین کما جری مثل ذالک فی أحادیث أخری، انتهی۔

قلت: هکذا قال هؤلَاء أعنی ابن الجوزی وابن طاهر وابن تیمیة أن الحدیث موضوع۔

وقال الزركشی: لَا يثبت هذا الحديث، إنما هو من كلام محمد بن المنتشر۔

وتعقّب السيوطی على الزركشی فقال فی الدرر المنتثرة: كلا، بل هو ثابت صحيح۔

وأخرجه البيهقی فی الشعب من حديث أبی سعيد الخدریؓ وأبی هريرةؓ وابن مسعودؓ وجابرؓ، وقال: أسانيد كلّها ضعيفة ولكن إذا ضمّ بعضها إلى بعض أفاد قوّة، وهكذا نقل المنذری فی الترغيب كلام البيهقی، وكذا السخاوی فی المقاصد الحسنة (ص ۲۰۳)۔

وفی جواهر العقدين لنور الدين السمهودی: لَا يلزم من قول أحمد أنه لَا يصحّ أن يكون باطلا، فقد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به، إذ الحسن رتبة بين الصحيح والضعيف، انتهی۔

وفی تنزيه الشريعة: قول الإمام أحمد "لَا يصحّ" لَا يلزم منه أن يكون باطلاً كما فهمه ابن القيّم، فقد يكون الحديث غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به بأن يكون حسناً، اھ۔

ونقل الحافظ السخاوی فی المقاصد الحسنة عن شيخه الحافظ ابن حجر أنه تعقّب اعتماد ابن الجوزی فی الموضوعات قولَ العقيلی فی هيصم بن شداخ –راوی حديث ابن مسعودؓ– أنه مجهول بقوله: "بل ذكره ابن حبّان فی الثقات والضعفاء"۔

وقال الحافظ زين الدين العراقی فی أماليه: ورد هذا الحديث من طرق صحّح بعضها الحافظ أبوفضل بن ناصر وسليمان الذی قال فيه ابن الجوزی: "أنه مجهول" ذكره ابن حبّان فی الثقات، فالحديث حسن علیٰ رأيه۔

وقد روی من حديث أبی سعيد الخدریؓ عند البيهقی فی شعب الإيمان، وابن عمرؓ عند الدارقطنی فی الأفراد –إسناده فی ترجمة يعقوب بن خرة الدباغ من اللسان، قال الدارقطنی: الحديث منكر، وقال الذهبی: باطل ولعله وهم– وجابرؓ رواه البيهقی من رواية ابن المنكدر عنه، وقال: إسناده ضعيف، ورواه ابن عبد البرّ من رواية أبی الزبير عنه، وهی على شرط مسلم، ورواه أبو نعيم فی تاريخ أصبهان (ص ۱۹۸/ ۱) من حديث أبی هريرةؓ۔

قال البيهقی: هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهی إذا ضمّ إلى بعض أحدث قوة، هذا مع كونه لم يقع رواية أبی الزبير عن جابرؓ التی هی أصحّ طرق الحديث۔

وقد ورد موقوفاً على عمرؓ أخرجه ابن عبد البرّ بسند رجاله ثقات لكنه من رواية ابن المسيّب عنه، وقد اختلف سماعه منه، ورواه في الشعب من قول إبراهيم بن محمد بن المنتشر۔

وأما قول الشيخ تقي الدين ابن تيمية: أن حديث التوسعة ما رواه أحد من الأئمة وأنّ أعلىٰ ما بلغه من قول ابن المنتشر، فهو عجيب منه كما ترىٰ، وقد جمعت طرقه في جزء، انتهى۔

قلت: طريق أبي الزبير عن جابرؓ الذي قال فيه العراقي أنه على شرط مسلم ذكره الحافظ في اللسان وقال: إنه منكر، وقال عليّ القاري في جمع الوسائل: للحديث طرق، قال البيهقي: أسانيدها كلّها ضعيفة لكن إذا انضمّ بعضها إلى بعض أفاد قوة، وصحّح الحافظ ابن ناصر بعضها، وأقرّه الزين العراقي وقال: هو حسن عند ابن حبّان۔

وله طريق أخرىٰ علىٰ شرط مسلم، وهي أصحّ طرقه، فقول ابن الجوزي أنه موضوع، ليس في محله، على أن العمل بالضعيف في الفضائل جائز إجماعاً، انتهى۔

وقد تعقّب الحافظ السيوطي في كتبه كالتعقّبات واللآلي المصنوعة والنكت البديعات على ابن الجوزي وصرّح أن الحديث صحيح۔

وتناقض كلام الشوكاني في الفوائد المجموعة فقال أولاً: ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وابن تيمية في فتوىٰ له فحكما بوضع الحديث من تلك الطرق والحقّ ما قالَا۔ ثمّ قال في آخر كلامه: "وقد أطال الكلام عليه في اللآلي بما يفيد أن طرقه يقوّى بعضها بعضاً" وقد ردّ العلامة عبد الحيّ اللكهنوي في الآثار المرفوعة على الشوكاني وغيره۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث مختلف فیہ ہے، ابن الجوزی ابن تیمیہ ابن طاہر اس کو موضوع کہتے ہیں، زرکشی نے بے اصل کہا ہے اور حافظ ابن ناصر نے بعض طرق کو صحیح کہا ہے، عراقی بعض کو صحیح علی شرط مسلم کہتے ہیں اور بعض کو ابن حبان کی رائے پر حسن قرار دیتے ہیں، عقیلی غیر محفوظ کہتے ہیں جو حدیث ضعیف کی قسم ہے، اور کلامِ امام بیہقی مفید ثبوت ہے، حافظ منذری، سخاوی وسیوطی اور قسطلانی وغیرہم نے بیہقی کا کلام نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے، اور حافظ سیوطی نے اللآلي المصنوعة میں نقل کیا ہے کہ وعرفت جلالة البيهقي في كونه لَا يخرج في كتبه شيئاً من الموضوع كما التزمه۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث بیہقی کے نزدیک موضوع نہیں ہے، اور علامہ سیوطی کی رائے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، لہذا جب یہ اساطینِ امت اس کو موضوع نہیں قرار دیتے ہیں تو پھر وضع کا حکم مشکل ہے، اس لئے کہ ابن الجوزی وابن تیمیہ وغیرہما متشددین میں ہیں، اور ابن طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں موضوعات کے ساتھ ہی ضعاف کو بھی داخل کیا ہے۔

رہ گیا حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں سیئ الحفظ ہونے کا دعوی کرنا! یہ بڑی جسارت ہے، بلکہ وہ حفاظِ حدیث میں ہیں **کما لَا یخفی علی من طالع ترجمته من کتب الرجال** اور اگر محض دعوی نسیان سے ان کی اس حدیث کو رد کیا جاسکتا ہے تو پھر ان کی ساری حدیثوں میں یہی احتمال قائم ہوجاتا ہے، پھر حدیث تشہد بھی ناقابل اعتماد ہوجائے گی، حالانکہ وہ بالاتفاق صحیح ہے، لیکن احتمال سابق قائم ہے الا یہ کہ کوئی یہ ثابت کردے کہ سیئ الحفظ ہونے سے پہلے کی روایت ہے، **ودونه خرط القتاد** محض دعوی کافی نہ ہوگا۔

نیز حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہے کما سبق، اور ابن تیمیہ کا یہ دعوی کہ متعصبین حسینؓ کی من گھڑت ہے بے بنیاد ہے بلا دلیل معتبر نہیں ہے، جبکہ حدیث طرقِ متعددہ سے مروی ہے پھر ان کا دعوی کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

اور رہ گیا یہ دعوی کہ حنفیہ حدیث کو توسیع طعام پر حمل کرتے ہیں حالانکہ اس سے مراد توسیع نفقہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ توسیع نفقہ کے عموم میں توسیع طعام بھی داخل ہے، ہم نے کب طعام کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اور حنفیہ ہی اس پر عمل کی دعوت نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صاحب الروض المربع حنبلی اور علامہ دردیر مالکی بھی ہیں، اور علامہ عبد الملک بن حبیب مالکی کا اس کے بارے میں ایک قصیدہ بھی ہے جس کے نقل کے بعد سیوطی فرماتے ہیں: **وهذا من الإمام الجليل دليل على صحّة الحديث، والله أعلم۔**

۲ کراہتِ افرادِ صومِ عاشوراء کی دلیل ہمارے فقہاء نے تشبّہ بالیہود قرار دیا ہے، اور جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: **صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود،** اور اس میں تو ائمہٴ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نویں دسویں کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور ابن عباسؓ کی روایت مفیدِ مدعا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

من صلّی علیٰ رُوح محمّد فی الأرواح، الخ پوری حدیث لکھیں

سوال:

(بنام حضرت شیخ زکریا صاحب مدظلہ العالی)

آپ کی کتاب فضائل درود شریف مطبوعہ تحیوی کتب خانہ کے (ص ۶۲) پر قول بدیع سے جو ذیل کی حدیث نقل کی ہے اس کی عربی عبارت سے آگاہ فرما کر شکر گزار فرمائیں۔

'اور جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ مجھے قیامت میں دیکھے گا، اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی سفارش کروں گا، اور جس کی میں سفارش کروں گا وہ میرے حوض سے پانی پئے گا' الخ۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

جواب از حضرت سیدی شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون

عنایت نامہ پہونچا، یہ ناکارہ اپنی آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے اب خط و کتابت سے اور مراجعتِ کتب سے بالکل معذور ہوگیا ہے اس لئے آپ کا کارڈ مکرم مولانا محمد یونس صاحب مدرس حدیث مظاہر علوم کے حوالہ کر رہا ہوں، وہ اس کا جواب لکھیں گے۔ فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلمِ عبدالرحیم، ۱۴/شعبان ۸۸ھ

مکرم محترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب سیدی ومرشدی حضرت شیخ مدظلہ العالی نے بندہ کو حدیث پاک کے الفاظ نقل فرمانے کے لئے عنایت فرمایا، بندہ حضرت اقدس مدظلہ کی کتاب القول البدیع (ص ۳۴) سے اس کی عبارت نقل کرتا ہے:

وھی ھذہ:

ويروى عنه صلى الله عليه وسلم أنّه قال: من صلّٰى على روح محمد فى الأرواح وعلى جسد محمد فى الأجساد وعلى قبر محمد فى القبور رآنى فى منامه، ومن رآنى فى منامه رآنى يوم القيٰمة، ومن رآنى يوم القيٰمة شفعت له، ومن شفعت له شرب من حوضى وحرّم الله علٰى جسده النار۔

ذكره أبو القاسم البستى فى كتابه الدرّ المنظّم فى المولد المعظّم له، لكنى لم أقف على أصله إلى الآن، انتهى۔ والسلام

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۲؍شعبان ۱۳۸۸ھ

کیا انبیاء کرام صغائر وکبائر سے معصوم ہیں؟
کیا قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟

بسم الله الرحمن الرحيم ۔

الحمد لله الذى هدانا للإسلام، وأرسل الرسل والأنبياء لهداية الأنام، وختمهم بمحمد ﷺ فكان مسك الختام ﷺ. ما تعاقبت الليالى والأيام، وعلى آله وأصحابه الغرّ الكرام. الذين أحيوا سنّته واستهدوا بهديه فى كلّ مقام، من الأمصار والقرىٰ والبوادى والخيام.

أمّا بعد : فقد سئل شيخنا لَازالت عتبته مشفوهة الطالبين ومستعذبة الواردين .

ما حاصله:

١ : ما الدليل على عصمة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام عن الصغائر كما هوقول أهل الحق ؟ مع أنه ورد عند الترمذى مرفوعاً: " كل بنى آدم خطّاء وخيرالخطّائين التوّابون"

٢ : وهل يصل ثواب القرآن للأموات أم لَا ؟ فإن كان يصل فما الدليل على ذلک ؟

فأمرنى أن أكتب الجواب فبادرت امتثاله، فكتبت:

الجواب:

الحمد لله ملهم الصواب، والصلوة والسلام على من أوتى الحكمة و فصل الخطاب، وعلى جميع الآل والأصحاب ۔ أما بعد:

١ : حديث: "كلّ بنى آدم خطّاء وخيرالخطّائين التوّابّون"

أخرجه أحمد (ص١٩٨/٣) والدارمى (ص٣٦٦) والترمذى (ص٧٧/٢) وابن ماجه (ص٣٢٣) والحاكم (٢٤٤/٤) من طريق على بن مسعدة الباهلى عن قتادة عن أنسؓ به مرفوعاً، قال الترمذى: هذا حديث غريب لَانعرفه إلاّ من حديث علىّ بن مسعدة الباهلى عن قتادة ، وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، وتعقّبه الذهبى فقال: علىّ ليّن، وقال

العراقی فی تخریج الإحیاء :علیّ بن مسعدة الباهلی ضعّفه البخاری ، قلت: قال البخاری: فیه نظر، وقال أبوداود الطیالسی : ثقة ، وقال ابن معین :صالح، وقال مرّة :لیس به بأس فی البصریین، وقال أبوحاتم: لَابأس به ، وقال النسائی: لیس بالقوّی، وقال ابن عدی: أحادیثه غیرمحفوظة، وقال ابن حبّان: لَایحتجّ بما لَایوافق فیه الثقات، وذکره العقیلی فی الضعفاء تبعاً للبخاری، قال الحافظ فی التقریب :صدوق له أوهام ، وقال صاحب الإتحاف (ص ۸/۵۹٦)، وفی أمالی أبی زرعة : حدیث فیه ضعف، فکأنّه تبع فیه والده یعنی الحافظ العراقی ، ومال ابن القطّان إلی تصحیح الحاکم، وقال: ابن مسعدة صالح الحدیث وغرابته إنما هی فیماانفرد به عن قتادة۔

قلت : قال الحافظ فی بلوغ المرام: أخرجه الترمذی وابن ماجه وسنده قوّی.

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور علی ابن مسعدہ کو اسکے کسی لفظ میں وہم نہیں ہوا، تو اپنے عموم الفاظ کی بنا پر حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بھی شامل ہوگی۔

جولوگ انبیاءؑ کو صغائر سے معصوم نہیں مانتے ہیں وہ تو حدیث کو صغیرہ پر محمول کرلینگے، مگر قول مختار پر اشکال واقع ہوگا کیونکہ مختار یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سبھی سے پاک ہیں۔

قاضی عیاض مالکیؒ کتاب الشفاء میں طویل کلام کرتے ہوئے اور مخالفین کے استدلالات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

وقد استبان لک أیّها الناظر بما قرّرناه ماهوالحقّ من عصمته ﷺ عن الجهل بالله تعالی و صفاته أوکونه علی حالة تنافی العلم بشیء من ذلک کلّه جملة بعد النبوّة عقلاً وإجماعاً وقبلها سماعاً ونقلاً ، ولَابشیءٍ ممّا قرّرناه من أمورالشرع وأدّاه عن ربّه من الوحی قطعاً وعقلاً وشرعاً، وعصمته عن الکذب وخُلف القول منذ نبّأه اللّه تعالی وأرسله قصداً أوغیرقصد، واستحالة ذلک علیه شرعاً وإجماعاً ونظراً وبرهاناً، وتنزیهه عنه قبل النبّوة قطعاً، وتنزیهه عن الکبائر إجماعاً، وعن الصغائر تحقیقاً الخ۔

وقد استدلّ بعض الأئمة علی عصمتهم علیهم الصلوة والسلام من الصغائربالمصیرإلی امتثال أفعالهم واتّباع آثارهم وسیرتهم مطلقاً، وجمهور الفقهاء علی ذالک من أصحاب

مالک والشافعی وأبی حنیفة وإن اختلفوا فی حکم ذلک ، قال: فلو جوّزنا علیهم الصغائر لم یمکن الاِقتداء بهم فی أفعالهم إذ لیس کلّ فعل من أفعاله یتمیّز مقصده به من القربة أو الاِباحة أو الحظر أو المعصیة ، ولَا یصح أن یؤمر المرء بامتثال أمر لعلّه معصیة، اھ مختصراً وملتقطاً من موضعین. راجع شرح مسلم (ص۱۰۸/ ۱) حدیث الشفاعة، وفتح الباری (ص۳۸۳/ ۱۱) فی باب صفة الجنة والنّار والمواهب وشرحه للزرقانی (ص۴۵۴/ ۶).

اب جبکہ یہ بات محقق ہوگئی کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سبھی سے معصوم ہیں تو پھر حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

علامہ طیبی شرح مشکوۃ (ص۳۰۵/ ۳) میں فرماتے ہیں:

قوله: "خطّاء" فی النهایة یقال: "رجلٌ خطّاءٌ" إذا کان ملازماً للخطایا غیر تارک لها، وهو من أبنیة المبالغة.

أقول: إن أرید بلفظ: "الکلّ" الکلّ من حیث هو کلّ، کان تغلیباً، لأنّ فیهم الأنبیاء ولیسوا بمبالغین فی الخطاء.

وإن أرید به الاِستغراق، وأن کلّ واحد خطّاء، فلا یستقیم إلّا علی التوزیع، کما تقول: "هو ظلّام للعبید" ای یظلم کلّ واحد واحد، فهو ظالم بالنسبة إلیٰ کلّ واحد، فظلّام بالنسبة إلی المجموع، وإذا قلت "هو ظلّام لعبده" کان مبالغاً فی الظلم، قال المظهر: فیه تعمیم جمیع بنی آدم حتّٰی الأنبیاء لکنّهم خصّوا منه لکونهم معصومین.

واختلفوا فی أنهم معصومون عن الصغائر والکبائر أو عن الکبائر؟

فمن قال هم غیر معصومین عن الصغائر، استدلّوا بعصیان آدم وکذبات إبراهیم علیهما الصلوة والسلام، ومن قال هم معصومون عن الصغائر، حملوا زلّات الأنبیاء علیٰ النسیان والخطأ، وهذا هو الأولیٰ لما فیه من تعظیم الأنبیاءً وقد أمرنا بتعظیمهم.

قال الطیبی: أقول: إخراجه الأنبیاء من هذا الحدیث بالنظر إلیٰ بناء المبالغة، وإثبات الخطأ لهم بالنظر إلی التوزیع، انتهی.

وقال القاری فی المرقاة (ص۷۰/ ۳) قیل: أراد الکلّ من حیث هو کلّ أو کلّ واحد، وأمّا

الأنبياء عليهم الصلوة والسلام فإمّا مخصوصون عن ذلک، وإمّا أنهم أصحاب صغائر، والأوّل أولٰی، فإنّ ما صدر عنهم من باب ترک الأولٰی، أو من قبيل "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين" أويقال: الزلّاتُ المنقولة عن بعضهم محمولةٌ على الخطأ والنسيان من غير أن يكون لهم قصد إلى العصيان۔

وفی الکوکب الدری (ص١٠٧/٢): قوله "کلّ ابن آدم خطّاء" أی خطاء تنافی منزلته عندالله، فدخل فيه کلّ الناس حتّی الأنبياء عليهم الصلوة والسلام، قال شيخنا فی الحاشية: فإنّ ما يعدّ خطاءً فی حقّهم لَايجب أن يکون خطاءً فی حقّنا، فإنّه "حسنات الأبرار سيئات المقرّبين" ولذا قالوا فی شرح: قوله عليه الصلوة والسلام "إنه ليغان على قلبی": أی إنّه وإن لم يکن ذنباً لکنّه بالنسبة إلٰی سائر أحواله العالية هبوط ونزول فناسبه الاِستغفار۔

۲: السؤال الثانی فی وصول ثواب قراءة القرآن إلى الميت۔

فيه اختلاف بين العلماء، فمذهبنا ومذهب الاِمام أحمد جوازه، وعزاه ابن القيّم فی کتاب الروح (ص١٨٩) لجمهورالسلف، وبه قال بعض أصحاب الشافعی کما قال النوویؒ (ص١٣/١)، والمشهورمن مذهب الشافعی ومالک أن ذلک لَا يصل کما قال ابن القيّم، وقال السيوطی فی شرح الصدور (ص٢٠٩): جمهورالسلف والأئمة الثلاثة على الوصول، وخالف فی ذلک الشافعی، وفی العرف الشذی (ص٢٩٥) فی باب ما جاء فی المتصدّق يرث صدقته :ثم أفتی الشافعية بجواز إهداء ثواب التلاوة۔

واستدلّ المانعون بقوله تعالی﴿وَ أَن لَيسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعٰی﴾ وبقوله عليه الصلاة والسلام "إذا مات ابن آدم انقطع عمله الّا من ثلاث، صدقة جارية أوعلم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له"، رواه مسلم وغيره۔

وأجاب المثبتون عن الآية بأجوبة بسطها العينی (ص٨٧٦/١) وابن القيّم وغيرهما کالسيوطی فی شرح الصدور(ص٢٠٩) والزبيدی فی الاِتحاف (ص ٣٧٢/١٠)۔

منها: أنّه ليس له إلّا سعيه، غير أنّ الأسباب مختلفة، فتارة يکون سعيه فی تحصيل الشیء

بنفسه، وتارة يكون سعيه فی تحصيل سببه، مثل سعيه فی تحصيل قراء ة ولد يترحّم عليه وصديق يستغفر له، وتارة يسعٰی فی خدمة الدين والعبادة فيكتسب محبّة أهل الدين فيكون ذلک سبباً حصل بسعيه، حكاه أبوالفرج، عن شيخه ابن الزاغونی، ذكره العينی۔

قال ابن القيم(۲۰۵): قال أبوالوفاء بن عقيل: الجواب الجيّد عندی أن يقال: الاِنسان بسعيه وحسن عِشرته اكتسب الأصدقاء و أولد الأولَاد ونكح الأزواج وأسدی الخير وتودّد الی الناس، فترحّموا عليه وأهدوا له العبادات وكان ذلک أثرسعيه، كما قال عليه الصلوة والسلام: "إنّ أطيب ما أكل الرجل من كسبه وإنّ ولده من كسبه"۔

قلت: أخرجه أحمد (ص ۳۱/۶) والبخاری فی التاريخ (ص۴۰۷/۱) وأبو داود والدارمی وحمزة بن يوسف فی تاريخ جرجان وغيرهم يدل عليه قوله فی الحديث الآخر "إذا مات العبد انقطع عمله الّا من ثلاث، علم ينتفع به من بعده، وصدقة جارية عليه، أو ولد صالح يدعو له"

ومن هنا قال الشافعی إذا بذل له ولده طاعة الحجّ كان ذلک سبباً لوجوب الحجّ عليه، حتّی كأنّه فی ماله زاد وراحلة بخلاف بذل الأجنبی۔

قال ابن القيّم: وهذا جواب متوسط يحتاج إلی تمام، فإن العبد بإيمانه وطاعته للّٰه ولرسوله ﷺ قد سعٰی فی انتفاعه بعمل إخوانه المومنين مع عمله كما ينتفع بعملهم فی الحياة مع عمله، فإن المؤمنين ينتفع بعضهم بعمل بعض فی الأعمال التی يشتركون فيها، كالصلوٰة فی جماعة، فإن كلّ واحد منهم تضاعف صلوته إلٰی سبعة وعشرين ضِعفاً لمشاركة غيره له فی الصلوٰة فعمل غيره كان سبباً لزيادة أجره كما أن عمله سبب لزيادة اجرالآخر، بل قد قيل أن الصلوة يضاعف ثوابها بعدد المصلين۔

وكذالک اشتراكهم فی الجهاد والحجّ والأمر بالمعروف والنهی عن المنكر والتعاون علی البرّ والتقوٰی، وقد قال النبی ﷺ: "المؤمن للمومن كالبنيان يشدّ بعضه بعضاً، وشبّک بين أصابعه"۔ ومعلوم أن هذا بأمور الدين أولٰی منه بأمورالدنيا، فدخول المسلم مع جملة المسلمين فی عِقد الاِسلام من أعظم الأسباب فی وصول نفع كلّ من المسلمين إلی صاحبه فی

حياته وبعد مماته، ودعوة المسلمين تحيط من ورائهم۔

وقد أخبر الله سبحانه عن حملة العرش ومن حوله أنهم يستغفرون للمؤمنين ويدعون لهم، وأخبرعن دعاء رسله واستغفارهم للمؤمنين كنوح وإبراهيم ومحمد عليهم الصلوة والسلام، فالعبد بإيمانه قد تسبّب إلى وصول هذا الدعاء إليه فكأنّه من سعيه يوضحه أن الله سبحانه جعل الاِيمان سبباً لاِنتفاع صاحبه بدعاء إخوانه من المؤمنين وسعيهم، فإذا أتٰى به فقد سعٰى به فی السبب الذی يوصل إليه ذلک۔

وقد دلّ علٰی ذلک قول النبی ﷺ لعمرو بن العاصؓ : "إن أباک لو أقرّ بالتوحيد نفعه ذلک". يعنی العتق الذی فعل عنه بعد موته، فلوأتی بالسبب لكان قد سعٰی فی عمل يوصل إليه ثواب العتق، قال وهذه طريقة لطيفة حسنة جدّاً۔

ومنها: أن القرآن لم ينف انتفاع الرجل بسعی غيره، وإنما نفی ملكه لغير سعيه، وبين الأمرين من الفرق ما لَا يخفٰی، فأخبر تعالی أنه لَايملک الّاسعيه، وأمّا سعی غيره فهوملک لساعيه، فإن شاء أن يبذله لغيره وإن شاء أن يبقيه لنفسه، وهوسبحانه وتعالی لم يقل لَا ينتفع الّا بما سعی، قاله ابن القيم، وكان شيخنا يعنی شيخ الاِسلام ابن تيميةؒ يختار هذه الطريقة ويرجّحها۔

قلت حكی لی بعضهم عن بعض المشايخ وهو العارف الكبير والمحدث الشهيررشيد أحمد الجنجوهی أنّ المراد بالسعی فی الآية الاِيمان ۔

وللآية أجوبة كثيرة مبسوطة فی المطوّلَات، وفی هذا القدركفاية اِن شاء الله تعالی للطالب اللبيب۔

وأمّا الجواب عن ما استدلّوا به من قوله ﷺ "إذا مات ابن آدم انقطع عمله" الحديث، فبأن المتصف بالاِنقطاع العمل لَا الاِنتفاع، فإنه ﷺ لم يقل انقطع انتفاعه وإنما أخبرعن انقطاع عمله، وأمّا عمل غيره فهو لعامله، فإن وهبه له فقد وصل إليه ثواب عمل العامل، لَا ثواب عمله هو، فالمنقطع شیء، والواصل إليه شیء آخر، قاله ابن القيّم، وأجاب ابن القيم عن كلّ دليل المانعين۔

وأمّا المثبتون من أصحاب أبی حنيفة وأحمد فاستدلّوا بالمنقول و المعقول۔

أمّا المنقول فقال العينی فی شرح البخاری (ص۸۷۵/۱): روی أبو بكر النجّار فی كتاب السنن عن علی بن أبی طالبؓ أنّ النبی ﷺ قال: ’’من مرّ بين المقابر فقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ أحد عشر مرة ثمّ وهب أجرها للأموات أعطی من الأجر بعدد الأموات‘‘۔

قلت: حديث علیؓ هذا أخرجه أبو محمد السمرقندی فی فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ كما فی شرح الصدور، والرافعی كما فی كنز العمال و منتخبه، و فی الإتحاف (ص ۱۰/۳۷۱): رواه النسائی و الرافعی فی تاريخه، و أبو محمد السمرقندی فی فضائل سورة الإخلاص۔

وفی سنن أبی بكر النجّار أيضاً عن أنسؓ يرفعه: ’’من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفّف الله عنهم يومئذٍ‘‘۔

وعن أبی بكر الصديقؓ قال قال رسول الله ﷺ : ’’من زار قبر والديه أو أحدهما فقرأ عندهما أوعنده يٰسٓ غفر له‘‘۔

وأمّا المعقول: فلأنّ ثواب الصلوٰة والصوم والحجّ والصدقة يصل إلی الميّت فأیّ شیء يمنع عن وصول ثواب القراءة إليه، فكما أنّ الصوم والصلوٰة وغيرهما من أعمال البرّ يصل ثوابه فكذلک يصل ثواب القراءة أيضاً فإنّها أيضاً أحد أعمال البرّ۔

قال ابن القيم فی كتاب الروح (ص ۲۲۹): وسرّ المسئلة أن الثواب مِلک العامل فإذا تبرّع به وأهداه إلی أخيه المسلم أوصله الله تعالی إليه، فما الذی خصّ من هذا ثواب قراءة القرآن وحجر علی العبد أن يوصله إلی أخيه اهـ۔ والله تعالی أعلم۔

ثم وقفت علی حديث آخر فی الباب، قال البيهقی فی سننه الكبير (ص۴/۴۵۶): ’’أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا العباس بن محمد قال سألت يحی بن معين عن القراءة عندالقبرفقال حدثنا مبشر بن اسماعيل الحلبی عن عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه أنه قال لبنيه: إذا أدخلتمونی قبری فضعونی فی اللحد وقولوا: ’’بسم الله وعلی سنة رسول الله ﷺ، وسَنّوا علیّ التراب سنّا، واقرأوا عند رأسی أوّل البقرة وخاتمتها، فإنی رأيت ابن عمرؓ يستحبّ ذالک‘‘۔

وأخرجه الخلّال فی الجامع كما فی كتاب الروح (ص ۱۳) عن العباس بن محمد الدوری عن يحی بن معين به۔

وأخرجه أيضاً الطبرانی فی الكبير قال: حدثنا الحسين بن إسحاق التستری ثنا علی بن بحر ثنا علی بن بشر بن إسمعيل (هكذا فی نصب الراية ۔ وفی نسخة بحذفِ ’علی بن‘ والصواب عندی ’مبشر‘ اسم فاعل من التبشير ابن اسماعيل كما فی إسناد البيهقی) حدثنی عبد الرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال: قال لی أبی اللجلاج أبو خالد: ”يا بُنیّ إذا أنا متُّ فألحدنی فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله ثم شنّ علیّ التّراب شنّاً، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول ذالک، كذا فی نصب الرأية (ص ۲/۳۰۲)، قال الهيثمی فی المجمع (ص ۳/۱۰ ۵): رجاله موثّقون، وقال النيموی فی آثار السنن (ص ۱۲۵ /۲): إسناده صحيح، وذكره ابن رسلان (ص ۲ ۱ ۳/۳) فی باب الدعاء للميت إذا وضع فی قبره، وسكت عليه، والحافظ فی التلخيص كما فی شرح الصدور (ص ۶۸)، والإتحاف (ص ۳۷۰)۔

[قال المصحح: ”ثم شنّ علیّ التّراب شنّاً“ هكذا فی نصب الراية بالشين المعجمة، لكن الصواب ”ثم سنّ علیّ التّراب سنّاً“ بالسين المهملة، كما فی المعجم الكبير (ص ۲۲۰/۱۹) وآثار السنن وتاريخ دمشق (ص۲۹۷/۵۰) والمجمع (ص ۳۱۰/۵) والتلخيص (ص ۳۰۱/۲)]۔

قلت: وله شاهد أخرجه الطبرانی والبيهقی فی الشعب عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ”إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، (ولفظ البيهقی فاتحة البقرة) وعند رجليه بخاتمة سورة البقرة فی قبره“، قال النيموی (ص ۱۲۵) قال البيهقی والصحيح أنّه موقوف عليه ،اھ ۔ وكذا قال قبله صاحب المشكوة (ص ۱۴۹)، قلت: وفی الباب أحاديث أُخر۔

قال السيوطی فی شرح الصدور (ص ۳۱۰) و نقله عنه القاری فی المرقاة (ص ۳۸۲/۲): أخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال كانت الأنصار إذا مات لهم الميّت اختلفوا إلى قبره

يقرأون عنده القرآن ، كذا فی كتاب الروح (ص ۱۴)۔

قلت: أخرجه أبو بكر المروزی فی كتاب الجنائز كما فی التلخيص (ص ۱۵۳) بلفظ ”كانت الأنصار يستحبّون أن يقرأوا عند الميت سورة البقرة“، و كذلك رواه ابن أبی شيبة كما فی الاِتحاف (ص ۱۰/۲۷۹)۔

وأخرج أبو محمد السمرقندی فی فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾، فذكرحديث علیّ السابق فی كلام العينی۔

وأخرج أبو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائده عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب ﴿وقل هوالله أحد﴾ و﴿ألهٰكم التكاثر﴾ثم قال ’اللهم إنی جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لِاهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات‘ كانوا شفعاء له إلی الله تعالی۔

وأخرج القاضی أبوبكر بن عبد الباقی الأنصاری فی مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكی: ”خرجت ليلة إلی مقابرمكة فوضعت رأسی علٰی قبر فنمت فرأيت أهل المقابرحلقة حلقة، فقلت: قامت القيامة ؟ قالوا: لَا، ولكن رجل من إخواننا قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة“۔

وأخرج عبد العزيز صاحب الخلّال بسنده عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفّف اللّٰه عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات“۔

قال السيوطیؒ (ص ۲۰۹): وهذه الأحاديث وإن كانت ضعيفة فمجموعها يدلّ علٰی أنّ لذلك أصلاً ۔

فائده (۱): ثمّ هنا مسئلة أخری ينبغی الاِشارة إليها، وهی هل يشترط فی وصول الثواب أن يهديه بلفظٍ أم يكفی فی حصوله مجرد نية العامل أن يهديه إلی الغير؟

قال ابن القيّم فی كتاب الروح (ص ۳۲۶) قيل: السنّة لم تشترط التلفّظ بالاِهداء فی حديث واحد، بل أطلق ﷺ الفعل عن الغير كالصوم والحجّ والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك قل: اللهم هذا عن فلان بن فلان، والله سبحانه وتعالی يعلم نيّة العبد وقصده بعمله، فإن ذكره

جاز وإن ترک ذکره واکتفى بالنيّة والقصد وصل إليه ، راجع الإتحاف (ص ۱۰/۳۷۳).

فائده (۲): وهنا مسئلة أخرى وهى الإهداء إلى رسول الله ﷺ.

فيها اختلاف، فمن المتأخرين من استحبّه كالسبکی والحافظ ابن حجر العسقلانی والحافظ ابن حجر المکی، وإليه يشير کلام الحليمی والبيهقی والنووی وابن الهمام وغيرهم.

ومنهم من أنکره کشيخ الإسلام ابن تيمية وشيخ الإسلام السراج البلقينی وولده شيخ الإسلام علم الدين والشيخ الإمام ابن القيّم وغيرهم ، راجع کتاب الروح (ص ۲۳۹) والفتاوی الحديثية (من ص۸ الى ۱۴).

کتبه محمد يونس عفی عنه

۱۲ ربيع الأول ۱۳۸۳ھ

(اسی موضوع پر جواب کی مزید تشریح کرتے ہوئے دوسرا مکتوب تحریر فرمایا)

مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے سلسلے میں ہم پہلے جواب میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضراتِ محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صغائر وکبائر سے قبل النبوۃ وبعد النبوۃ بالکلّیہ معصوم ہیں، اور ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی کیا تحریر فرماتے ہیں،

حضرت امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر (ص ۴۰۸ ج۱) ﴿فأزلّهما الشيطانُ عنها فأخرجهما ممّا كانا فيه﴾ کی تفسیر میں اور کتاب الأربعين فی أصول الدين (ص ۳۳۰)، اور اپنی دیگر تالیفات میں، اسی طرح قاضی بیضاوی نے اور قاضی عضد الدین نے مواقف میں اور سید شریف وغیرہ نے شرح مواقف (ص ۲۶۳ ج۸) میں اور حافظ ابن حزم الظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل (ص ۲ ج۴) میں اور

دوسرے علماء نے اس مسئلے پر مفصل کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ ذکر فرمائے ہیں، اور مخالفین کے جوابات تحریر کئے ہیں، ان میں سے ہم صرف سات دلیلیں تحریر کرتے ہیں، والله الموفّق الهادى إلى السبيل القويم۔

الدليل الأول

لو صدر الذنب عنهم لكانوا أقلّ درجةً من عصاة الأمة، وذٰلک غير جائز،

بيان الملازمة أن درجة الأنبياء عليهم السلام كانت فى غاية الجلال والشرف، وكلّ من كان كذلک كان صدور الذنب عنه أفحش، ألَا ترى إلى قوله تعالىٰ ﴿ يٰنساءَ النّبىِّ من يّأتِ منكنّ بِفاحشةٍ مُبيِّنةٍ يُّضٰعَفْ لها العذابُ ضِعفَين﴾ والمحصَن يُرجم، وغيره يُحدّ، وحدّ العبد نصف حدّ الحرّ، وأمّا أنه لَا يجوز أن يكون النبىّ أقلّ حالاً من الأمّة فذاک بالاِجماع۔

الدليل الثانى

قوله تعالى: ﴿وَإنّهم عندَنا لَمِنَ المُصطَفَينَ الأخيَار﴾، وهذا يتناول جميع الأفعال والتروک بدليل جواز الاِستثناء، فيقال فلان من المصطفين الأخيار إلّا فى الفعلة الفلانية، والاِستثناء يخرج من الكلام ما لولَاه لَدَخلَ تحته، فثبت أنّهم كانوا أخياراً فى كلّ الأمور، وذلک ينافى صدور الذنب عنهم۔

وقال الله تعالىٰ: ﴿اللّٰهُ يَصطفِى مِنَ الملٰئكةِ رُسُلاً ومِنَ الناس﴾،

وقال الله: ﴿إنّ اللّٰه اصْطَفٰى آدمَ ونُوحاً وآلَ إبراهيمَ وآلَ عِمرانَ على العٰلمين﴾،

وقال فى إبراهيم: ﴿ولقد اصْطَفَيناه فى الدّنيا﴾،

وقال فى موسىٰ: ﴿ إنّى اصْطَفيتُک على الناسِ بِرسالَاتى وبِكلامى﴾،

وقال: ﴿ واذْكُر عِبادَنا إبراهيمَ وإسحٰقَ ويعقوبَ أولِى الأيدى والأبصار، إنّا أخلصناهم بخالصةٍ ذِكرى الدار، وإنّهم عندنا لَمِنَ المُصطَفَينَ الأخيار﴾،

فكلّ هذه الآيات دالّة على كونهم موصوفين بالاِصطفاء والخيريّة، وذلک ينافى صدور الذنب عنهم۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ اصطفاء گناہ کرنے کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ أورَثنا الكتابَ الذينَ

اصطَفینا مِن عِبادِنا فمنهم ظالمٌ لِّنفسِه ومِنهم مقتصد ومنهم سابقٌ بالخیرات﴾ الآیة۔

(ترجمہ: پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے ہم نے منتخب کیا، پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں، اور بعض ان میں وہ ہیں جو نیکیوں میں ترقی کرنے والے ہیں)

تو دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے مصطفین کو تین حصوں میں منقسم فرمادیا: ظالم، مقتصد، سابق بالخیرات۔

امام فخر الدین رازیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ فمنهم کی ضمیر مِن عِبادنا کی طرف راجع ہے اصطفینا کی طرف راجع نہیں ہے، کیونکہ جب ضمیر کے دو مرجع ہوں تو جو اقرب المذکورین ہوگا اس کی طرف عودِ ضمیر واجب ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ آیۃ کریمہ ﴿وإنّهم عندنا لَمِنَ المُصطَفَینَ الأخیار﴾ صرف حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے بارے میں ہے، لہٰذا اس سے سارے انبیاء کی عصمت کس طرح ثابت ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ آیۃ کریمہ ﴿اللّٰهُ یَصطَفِی مِنَ المَلٰئكة رُسُلاً وَّمِنَ الناس﴾ سارے رسولوں کے بارے میں ہے، اسی طرح دوسری آیۃ ﴿إنّ اللّٰهَ اصطفیٰ آدمَ ونوحاً وآلَ إبراهیمَ وآلَ عمرانَ علی العٰلمین﴾ میں آل ابراہیم اور آل عمران کی برگزیدگی کی خبر دی ہے، لہٰذا جو بھی آل ابراہیم میں داخل ہوں گے وہ سارے اس حکم میں داخل ہوں گے، اور اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ توصیف بوجہ نبوت کے ہے، اور نبوت میں سارے شریک ہیں، لہٰذا اس حکم میں سب داخل ہونگے۔

الدلیل الثالث:

قوله تعالی: ﴿إنّهم كانوا یُسارِعُون فی الخیرات﴾، ولفظ: الخیرات للعموم، فیتناول الكلّ، ویدخل فیه فعل ما ینبغی وترک ما لَا ینبغی، فثبت أنّ الأنبیاء كانوا فاعلین لكلّ ما ینبغی فعله، وتاركین كلّ ما ینبغی تركه، وذالک ینافی صدور الذنب عنهم۔

الدلیل الرابع:

إن اللّٰه تعالی حكیٰ عن إبلیس قوله: ﴿لأُغوِیَنَّهم أجمعین إلّا عبادَکَ مِنهُم المُخلَصِین﴾، فاستثنٰی من جملة من یُغویهم المخلصین وهم الأنبیاء علیهم السلام، قال تعالی فی صفة إبراهیم وإسحٰق ویعقوب: ﴿إنّا أخلصناهم بخالصةٍ ذكرَی الدار﴾، وقال فی یوسف: ﴿إنّه مِن

عِبَادِنا المُخلَصِين﴾، وإذا ثبت وجوب العصمة فى حق البعض ثبت وجوبها فى حقّ الكلّ۔

الدليل الخامس

قوله تعالى: ﴿ولقد صَدَّقَ عليهم إبليسُ ظَنَّهٗ فَاتّبعُوه إلّا فريقاً من المؤمنين﴾، فأولٰئک الذين ما تبعوه، فوجب أن يقال: ما صدر الذنب عنهم، وإلّا فقد كانوا متّبعين له، وإذا ثبت فى ذلک الفريق أنّهم ما أذنبوا، فذلک الفريق إما الأنبياء أو غيرهم، فان كانوا هم الأنبياء فقد ثبت فى النبىّ أنه لَا يذنب، وإن كانوا غير الأنبياء، فلو ثبت فى الأنبياء أنّهم أذنبوا، لكانوا أقلّ درجةً عند الله من ذلک الفريق، فيكون غيرُ النبى أفضل من النبى وذلک باطل بالاِتفاق، فثبت أن الذنب ما صدر عنهم۔

الدليل السادس

قال تعالىٰ فى حق ابراهيم عليه السلام: ﴿إنّى جاعِلُکَ لِلناس إماماً﴾، والاِمام من يؤتّم به، فأوجب على كل الناس أن يأتمّوا به، فلو صدر الذنب عنه لوجب عليهم أن يأتمّوا به فى ذلک الذنب، وذلک يُفضى إلى التناقض۔

الدليل السابع

أنّ محمداً ﷺ لو أتىٰ بالمعصية لوجب الاِقتداء به فيها، لقوله تعالى: ﴿فاتّبِعونى﴾ فيفضى إلى الجمع بين الحرمة والوجوب وهو محال، وإذا ثبت فى حق محمد ﷺ ثبت أيضا فى سائر الأنبياء ضرورةً، إذ لَا قائل بالفرق۔

علماء نے بالخصوص امام رازیؒ نے اس کے علاوہ بھی دلائل تحریر فرمائے ہیں جیسا کہ ہم ابتداء میں لکھ آئے ہیں، لہٰذا بسط کیلئے ان کتابوں کی مراجعت کی جائے،

قاضی عیاضؒ نے جو استدلال فرمایا تھا اسکو ہم سابقاً تحریر کر چکے ہیں، مگر پھر بھی اتماماً للفائدہ اسے یہاں لکھتے ہیں،

قاضی صاحب کتاب الشفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد استدلّ بعض الأئمّة علٰى عصمتهم من الصغائر بالمصير إلى امتثال أفعالهم واتباع آثارهم وسيرتهم مطلقاً، وجمهور الفقهاء على ذٰلک من أصحاب مالک والشافعى وأبى

حنيفة وإن اختلفوا فى حكم ذٰلك، قال فلو جوّزنا عليهم الصغائر لم يمكن الاِقتداء بهم فى أفعالهم، إذ ليس كلّ فعل من أفعاله يتميّز مقصده من القربة، أو الاِباحة أو الحظر أو المعصية، ولَا يصحّ أن يؤمر المرء بامتثال أمر لعلّه معصية، انتهىٰ۔

قاضی عیاض نے جو دلیل ذکر فرمائی ہے ان کے بعد والوں نے عام طور سے اسی کو ذکر فرمایا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے اور ان سے قبل امام نووی (ص۱۰۸ ج۱) حافظ ابن حجر (ص ۳۸۳ ج۱۱) وغیرہ نے اسی دلیل کو قاضی عیاض سے نقل فرمایا ہے۔

اور امام کبیر حافظ ابن حزم ظاہری کتاب الفصل (ص ۲۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

وأيضاً فإنّنا مندوبون إلى الاِقتداء بالأنبياء عليهم السلام وإلى الاِيتساء بهم فى أفعالهم كلّها، قال الله تعالى: ﴿لَقَد كان لكم فى رسولِ اللهِ اُسوةٌ حسنةٌ لِمَن كان يرجُو اللهَ واليومَ الآخرَ﴾ وقال تعالى: ﴿أولٰئك الذين هَدى اللهُ فبهدٰهم اقتَدِه﴾ فصحّ يقيناً أنّه لو جاز أن يقع من أحد من الأنبياء عليهم السلام ذنب تعمّد صغيراً أو كبيراً كان الله عز وجل قد حضّنا على المعاصى وندبنا إلى الذنوب، وهذا كفر مجرّد ممّن أجازه، وقد صحّ يقيناً أن جميع أفعال الأنبياء التى يقصدونها خير وحقّ۔

ایک دوسری جگہ حافظ مذکور کتاب مذکور (ص۲۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو جاز من الأنبياء عليهم السلام شىء من المعاصى وقد نُدِبنا إلى الاِيتساء بهم بافعالهم، لكنا قد أبيحت لنا المعاصى وكنا لَا ندرى لعلّ جميع ديننا ضلال وكفر ولعلّ كلّ ما عمله عليه السلام معاص، ولقد قلت يوماً لبعضهم ممّن كان يجيز عليهم الصغائر بالعمد: أليس من الصغائر تقبيل المرأة الأجنبية وقرصها؟ فقال: نعم، قلت: تجوّز أنه يُظنّ بالنبى ﷺ أنه يُقبّل امرأة غيره متعمّداً؟ فقال: معاذ الله من هٰذا، ورجع إلٰى الحقّ من حينه، والحمد لله رب العلمين۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مسئلہ حیاۃ الانبیاء پر علامہ تقی الدین سبکی اور علامہ نور الدین سمہودی اور علامہ مازری اور استاذ ابو منصور بغدادی اور حافظ ابن حجر عسقلانی (ص ۳۵۳/۶) اور علامہ عینی (ص ۵۴۲/۴) اور علامہ قسطلانی وغیرہم نے مفصل کلام فرمایا ہے، اور حافظ کبیر ابوبکر بیہقی اور حافظ جلال الدین سیوطی وغیرہما نے مستقل رسائل تالیف فرمائے ہیں، اس لئے اسپر کچھ لکھنے کی چنداں حاجت نہیں ہے اور علامہ سیوطی کے رسالہ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، تاہم مختصراً تحریر کیا جاتا ہے ممکن ہے اللہ تعالی کسی کو اس سے نفع پہونچائے، واللہ الموفق للصواب۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہیں جن سے قدر مشترک مسئلہ حیات متواتر ہو جاتا ہے، ہم یہاں پر بعض احادیث ذکر کرتے ہیں۔

الحدیث الأول

عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبیّ ﷺ قال: ’’الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلّون‘‘، رواہ أبویعلی والبیھقی فی کتاب حیاۃ الأنبیاء، والبزّار وغیرھم وصحّحہ البیھقی وشاھدہ، وقال الذھبی فی المیزان فی ترجمۃ حجّاج بن الأسود عن ثابت البنانی: نکرۃ، ماروی عنہ فیما أعلم إلّا مستلم بن سعید فأتی بخبر منکر عنہ عن أنس رضی اللہ عنہ فی ’’أن الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلّون‘‘ رواہ البیھقی، انتھٰی۔

قلت بسط الکلام علیہ السخاوی فی القول البدیع۔

الحدیث الثانی

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: ’’إنّ رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسٰی لیلۃ أسری بی عندالکثیب الأحمر وھو قائم یصلّی فی قبرہ‘‘ رواہ مسلم۔(ص ۸۰/ ۲)

الحدیث الثالث

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لقد رأیتنی فی الحِجر وقریش تسألنی عن مسرای إلی أن قال: وقد رأیتنی فی جماعۃ من الأنبیاء فإذا موسی علیہ السلام قائم یصلّی فإذا رجل ضرب جعد کأنّہ من رجال شنوءۃ، وإذا عیسٰی ابن مریم علیہ السلام قائم یصلّی، أقرب الناس

به شبهاً عروة بن مسعود الثقفیؓ، وإذا إبراهیم علیه السلام قائم یصلّی، أشبه الناس به صاحبکم –یعنی نفسهﷺ– فحانت الصلوة فأمّمتهم الحدیث، رواه مسلم وهو شاهد للحدیث السابق۔

الحدیث الرابع

عن أوس بن أوسؓ قال: قال رسول اللهﷺ :"إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخة، وفیه الصعقة، فأکثروا علیّ من الصلوة فیه، فإنّ صلوتکم معروضة علیّ، قالوا: یا رسول الله ! وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد أرِمتَ؟ قال: یقولون بلیتَ، قال؛ إن اللّٰه حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء" رواه أحمد وأبوداود والنسائی وابن ماجه وابن أبی شیبة و الحاکم وصحّحه علی شرط الشیخین، وأقرّه الذهبی والبیهقی فی البعث وکتاب حیاة الأنبیاء وأبو نعیم فی دلَائل النبوة، وقد صحّحه ابن خزیمة وابن حبّان والدارقطنی والنووی وحسّنه عبد الغنی، وقال ابن دحیة: إنه صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل۔

الحدیث الخامس

عن عبادة بن نسیّ عن أبی الدرداءؓ قال: قال رسول اللهﷺ:" أکثروا الصلٰوة علیّ یوم الجمعة، فإنّه مشهود یشهده الملا ئکة، وأنّ أحداً لم یصلّ علیّ إلّا عُرِضت علیّ صلٰوته حتّٰی یفرغ منها، قال قلت: وبعد الموت؟ قال: إن الله حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبیّ الله حیّ یُرزق" رواه ابن ماجه بإسناد جیّد قاله المنذری، وقال ابن کثیرفی تاریخه: هذا من أفراد ابن ماجه –رحمه الله–، وقال فی تفسیره: هذا حدیث غریب من هذا الوجه، وفیه انقطاع بین عُبادة بن نُسیّ وأبی الدرداءؓ فإنه لم یدرکه، وقال السبکی فی إسناده زید بن أیمن عن عبادة بن نُسیّ مرسل إلّا أنه یتقوّٰی باعتضاده بغیره۔

الحدیث السادس

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ : "صلّوا علیّ فإنّ صلوٰتکم تبلغنی حیثما کنتم"

رواه أحمد وأبوداود، قال النووی فی شرح المهذّب والأذکار: رواه أبوداود بإسناد صحیح، وقال الحافظ ابن القیم فی إغاثة اللهفان: رواه أبوداود وإسناده حسن، رواته کلّهم ثقات مشاهیر، وقال ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص۲۹۷): حدیث حسن جیّد الإسناد، وله شواهد کثیرة یرتقی بها إلٰی درجة الصحة، وقال الحافظ فی الفتح (ص ۶/۳۸۲) سنده صحیح۔

الحدیث السابع

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ :"من صلّٰی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلّٰی علیّ نائیاً بُلّغته"۔

رواه البیهقی فی شعب الإیمان، والأصبهانی فی الترغیب، قال ابن کثیر: فی إسناده نظر، تفرّد به محمد بن مروان السدّی الصغیر وهو متروک۔

قلت: وقال الحافظ فی الفتح: أخرجه أبوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جیّد۔

الحدیث الثامن

عن عمارؓ سمعت النبیﷺ یقول: "إن للّٰه ملَکاً أعطاه أسماع الخلائق قائم علی قبری فما من أحد یصلّی علیّ صلٰوةً إلّا بُلّغتها"۔

رواه البخاری فی التاریخ، وابن عساکر من طرق، وعیسٰی بن علی الوزیر، وعثمان بن فرزاز، والرویانی فی مسنده، قال ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص ۱۸۱): هو حدیث غریب، تفرّد به نعیم عن عمران بن الحمیری عن عمّارؓ۔

فائدہ: لوگوں کے کان عطا فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس کے اندر ایسی قوت رکھی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کے درود کو دنیا کے گوشے گوشے سے سن لیتا ہے، اور ایک روایت میں اسماء وارد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرشتے کو لوگوں کے نام بتا رکھے ہیں لہٰذا وہ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ان کے نام سے وہ درود پیش کرتا ہے۔

الحدیث التاسع

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ : ''إن للّٰه ملٰئكة سيّاحين فى الأرض يبلّغون عن أمّتى السلام'' رواه أحمد والنسائى والدارمى والحاكم وصحّحه، والبزّار برجال الصحيح كما قال السمهودى فى الوفاء۔

الحديث العاشر

عن الحسن البصرى قال: قال رسول الله ﷺ: ''لَا تأكل الأرض جسد من كلّمه روح القدس'' رواه إسمٰعيل القاضى، قال ابن كثير: مرسل حسن۔

تلک عشرۃ کاملہ

یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں، ان سے صاف اور واضح طور سے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی قبورِ مطہرہ کے اندر بجسد عنصری باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے، بعض میں تو صاف طور پر بجسد عنصری زندہ ہونے کی تصریح ہے اور بعض میں لوازمات حیات مذکور ہیں جیسے درود کا سننا جبکہ کوئی قریب سے پڑھے اور درود شریف کا پیش کیا جانا جبکہ کوئی دور سے پڑھے۔

لہٰذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ پر عرضِ اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود کے پیش ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا یہ سب خواصِ حیات میں سے ہیں۔

نیز آیاتِ قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، حق تعالیٰ شہداء کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَا تقولوا لِمن يُّقتل فى سبيل اللهِ أموات، بَل أحياءٌ﴾،

ترجمہ: ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، اب جبکہ نص قرآنی سے حیاتِ شہداء ثابت ہوتی ہے اور حضرات انبیاءؑ شہداء سے بدرجہا افضل ہیں، لہٰذا ان کو بدرجۂ اولیٰ حیات حاصل ہوگی،

پس حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں بحیاتِ جسمانی زندہ ہیں۔

علامہ اُبّی فرماتے ہیں (ص۱۶۷ج۶) ونصّ علىٰ حياتهم ابن عطية والقضاعى فى شرح موازنة الأعمال للحميدى۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

پہلا شبہ یہ ہے کہ پھر حیاتِ شہداء وحیاتِ انبیاءؑ میں کیا فرق ہے جبکہ دونوں کی حیات نصوص شرعیہ سے ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حیاتِ انبیاءؑ بہ نسبت حیاتِ شہداء کے قوی ہے جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے، مثلاً دو آدمی ہیں حیات کا تعلق دونوں سے ہے مگر ایک قوی ہے دوسرا ضعیف ہے، اسی طرح آنکھیں وغیرہ ہر شخص کو ہیں مگر ایک کی نظر تیز ہے دوسرے کی کمزور ہے،

یہیں سے ایک دوسرے شبہ کا بھی ازالہ ہوگیا کہ جسطرح نصوص شرعیہ سے حیات انبیاء وشہداء ثابت ہے اسی طرح عام اموات کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ ان کا منعَم ومعذَّب ہونا اور سلام کا سننا جواب دینا وغیرہ احادیث میں وارد ہے اور یہ لوازماتِ حیات میں ہیں اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ انواع حیات متفاوت ہیں، ایک حیات اشقیاءِ معذَّبین کی ہے، دوسرے حیات مومنینِ منعَمین کی ہے، اور تیسری حیات شہداء کی ہے، اور چوتھی حیات حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم کی ہے، اور ظاہر ہے کہ حیاتِ شہداء اکمل واعلیٰ ہے، اور حیات انبیاء ان سے اکمل واعلیٰ ہے، نیز حیاتِ انبیاء حیاتِ عنصری ہے، اور حیاتِ عامۂ مومنین وغیرہ برزخی ہے، (وراجع الفیض ص ۶۵ ج ۲)۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ نص قرآنی اس بات پر شاہد ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام زندہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ﴿إنّک میّت وإنّھم میّتون﴾، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”إنّی مقبوض“، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں: فإنّ محمّداً قد مات، نیز لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا کہ حضور عالی ﷺ کا انتقال ہوا اور مدینہ منوّرہ میں بیت عائشہ میں دفن ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان نصوص سے صرف موت ثابت ہوتی ہے استمرارِ موت ثابت نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری نصوص حیات کو مقتضی ہیں، پس لامحالہ کہا جائے گا کہ موت کے بعد پھر حیاتِ مستمرہ عطا فرمائی گئی۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ حدیثِ ابی ہریرہؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”ما من أحد یسلّم علیّ الّا ردّ الله علیّ روحی حتّی أردّ علیه السلام“ رواه أحمد وأبو داود والبیهقی فی الشعب والدعوات وحیاة الأنبیاء وصحّحه النووی فی الأذکار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شخص جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے مگر اللہ تعالیٰ میری روح مجھ کو لوٹاتے ہیں تا کہ میں اس کو سلام کا جواب دوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحِ مبارکہ جسدِ عالی میں نہیں ہوتی ہے بلکہ سلام کے وقت آجاتی ہے، اور موت تو یہی ہے کہ روح جسم میں باقی نہ رہے، تو اس حدیث سے صاف موت معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ حضور ﷺ زندہ نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مشاہدۂ جناب باری تعالی میں ہر وقت استغراق رہتا ہے، جب کوئی شخص سلام بھیجتا ہے اس وقت اس کیفیتِ استغراقیہ میں تخفیف ہوجاتی ہے تا کہ حضور اقدس ﷺ اس سلام پڑھنے والے کو جواب دیں، تو روح کے لوٹانے کا مطلب یہ ہیکہ اس کو حالتِ استغراقیہ سے لوٹایا جاتا ہے۔

علماء نے اس کے علاوہ دسیوں جوابات لکھے ہیں، بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو حیات کی دلیل قرار دیا ہے، اسلئے کہ عالم کے اندر کوئی آن (گھڑی) ایسی نہیں کہ جس میں حضور اقدس ﷺ پر کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھنے والا نہ ہو، پھر اب ردّ رُوح کا کیا مطلب ہے؟

فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب "الّا وقد ردّ الله إليّ روحی" یعنی سلام پڑھنے والے کا سلام پڑھنے سے پہلے روح لوٹائی جاچکی ہوگی اور پھر روح عالی ہر وقت جسدِ اطہر میں موجود ہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد سے ہر وقت کوئی نہ کوئی صلوۃ وسلام پڑھتا ہی رہتا ہے،

ورنہ اگر حدیث کا ظاہر مراد ہو تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ دن میں ہزاروں مرتبہ مرتے جیتے ہیں اور اس میں حضور ﷺ کے اعزاز کے بجائے حضور کو ایذاء وتکلیف دینی ہے، واللہ اعلم۔

چوتھا شبہ جس کا فی الجملہ مسئلہ مذکورہ سے تعلق ہے یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سارے لوگوں کے کیسے جواب دیتے ہیں؟ حالانکہ ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں، ایک شمال میں ہے تو دوسرا جنوب میں،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی استعجاب نہیں ہے، سورج و چاند آسمان میں ہیں اور ان کی کرنیں سارے عالم کو منور کئے ہوئے ہیں، اور حضور اقدس ﷺ کا حال سامی تو شمس وقمر سے بھی بڑھ کر ہے۔

پھر آخرت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، وہاں تو ساری چیزیں ہی خلافِ عادت ہوں گی، واللہ اعلم۔

مسئلۂ حیاۃ النبی ﷺ پر شیخ المشائخ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک مستقل رسالہ مسمّی بہ 'آبِ حیات' ہے، جس میں حضرتؒ نے مسئلۂ مبحوث عنہا کو عقلاً ونقلاً ثابت فرمایا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ کا رسالہ **تنویر الحلک فی رؤیۃ النبیّ و الملک** قابل مطالعہ ہے۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

سوال :

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟

جواب : ایک منقطع اثر میں اس کا ذکر آیا ہے۔

ففی المدخل (ص۱۲٦/۱) لاِبن الحاج قال الاِمام أبو عبد الله القرطبی فی تذکرته ولفظه ذکر: ابن المبارک أخبرنا رجل من الأنصار عن المنهال بن عمرو أنه سمع سعيد بن المسيّب يقول: ”ليس من يوم إلّا وتعرض على النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم أعمال أمّته غدوةً وعشيّةً فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم فلذلک يشهد عليهم، قال الله تعالى ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ﴾“.

قلت: هذا الأثرأخرجه ابن المبارک فی الزهد(ص۴۲ زوائد).

قال القرطبی: وقد تقدّم أنّ الأعمال تعرض علٰى اللّٰه تبارک وتعالى يوم الخميس ويوم الاِثنين وعلٰى الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة، ولَا تعارض، فإنه يحتمل أن يختصّ نبينا صلی اللہ علیہ وسلم بالعرض كلّ يوم ويوم الجمعة مع الأنبياء اهـ.

ثم رأيت الحافظ ابن كثير (ص۴۹۹/۱) ذكره فی تفسيرهذه الآية عن أبی عبدالله القرطبی وقال: إنه أثرفيه انقطاع، فإن فيه رجلاً مبهماً لم يسمّ، وهومن كلام سعيد بن المسيّب لم يرفعه وقد قبله القرطبی فقال بعد إيراده: وقد تقدّم...الخ فذكر كلام القرطبی المذكور.

فائدة : وقدورد عرض أعمال الأحياء على الأحياء ، راجع الاِتحاف (ص۱۰/۳۸۵) وفی شرح الصدور (ص ۱۱۰)۔ والله اعلم

كتبه محمد يونس عفی عنه

حضرت سعد بن معاذؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟

مکرمی مولانا محمد یونس صاحب سلّمکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک سوال حدیث کے متعلق ارسال ہے، اس کا جواب تحریر فرمادیں۔

سوال: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عذابِ قبر کیوں ہوا؟

بعض اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ وہ عذاب نہیں تھا بلکہ ضغطہ تھا یعنی دبوچنا تھا اور وہ ازروئے محبت تھا، جیسا کہ ماں اپنے بچے کو دبوچتی ہے اور یہ ہر مومن کو ہوگا۔

اس پر دوشبہ ہوتے ہیں، اول یہ کہ اگر ہر مومن کو ہوگا تو پھر حدیثِ پاک میں حضرت سعد بن معاذؓ کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ (یعنی اور کسی کی قبر پر جاکر تکبیر وتہلیل نہیں فرمائی اور نہ عذاب کی خبر اس طرح دی)۔

نیز بعض روایات میں عذاب کی تصریح ہے، اس تصریح کے ہوتے ہوئے ''اھتزّ له عرش الرحمٰن'' کے پیش نظر عذاب کی نفی کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ مفصّل جواب سے محظوظ وشاکر فرمائیے۔

حضرت مولانا (محمد یحییٰ) صاحب

جواب:

مکرمی زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عذاب قبراور ضغطۃ القبر میں فرق ہے، حضرت سعد بن معاذ ؓ کو ضغطۃ القبر ہوا تھا، نسائی میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں صاف وارد ہے:

هذا الذی تحرّک له العرش، وفتحت له أبواب السماء، وشهده سبعون ألفاً من الملائكة، لقد ضمّ ضمّة ثم فرّج عنه، بیہقی نے کتاب عذاب القبر میں اس کے آگے "**یعنی سعد بن معاذؓ**" کا اضافہ کیا ہے، اور یہ ضغطہ ہر شخص کے لئے عام ہے۔

عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال: "إنّ للقبر ضغطة، لو كان أحد منها ناجياً لنجا منها سعد بن معاذ" أخرجه أحمد وابن جرير فی تهذيب الآثار والبيهقی۔

ضمّۃ القبر کے متعلق بکثرت روایات وارد ہیں جن سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

طبرانی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینبؓ اور سنن سعید بن منصور میں حضرت رقیہؓ حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں کے متعلق ضغطۃ القبر کا ذکر ہے، اسی طرح بچوں کے ضغطہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۴۵) میں تفصیل سے لکھا ہے، اور بعض روایات زهر الربیٰ حاشیۂ نسائی میں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

چونکہ سعد بن معاذ ؓ سے پیشاب سے بچنے میں کوتاہی ہوگئی تھی اس لئے یہ ضغطہ ہوا تھا، جب کہ بعض روایات میں ہے جس کو ابن سعد نے بطریق ابی معشر سعید مقبری سے نقل کیا ہے کہ:

"لمّا دَفن رسول الله صلى الله عليه وسلم سعدَ بن معاذؓ قال: لو نجا أحد من ضغطة القبر لنجا سعد ولقد ضُمّ ضمّةً اختلفت عنها أضلاعه من أثر البول"

اور حکیم ترمذی اور امام بیہقی نے بطریق ابن اسحاق امیہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے "**أنّه سأل عن بعض أهل سعد ما بلغكم عن قول رسول الله ﷺ فی هذا؟ فقالوا: ذكر لنا أنّ رسول الله ﷺ سئل عن ذٰلک، فقال: كان يقصر في بعض الطهور عن البول"**

ابوالقاسم سعدی کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

لَا ینجو من ضغطة القبر صالح ولَا طالح، غير أن الفرق بين المسلم والكافر فيها دوام

الضغطة للكافر، وحصول هذه الحالة للمؤمن فی أوّل نزوله إلی قبره، ثم یعود إلی الاِنفساح له فیه، قال: والمراد بضغطة القبر التقاء جانبیه علی جسد المیّت۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

وسبب هذه الضغطة أنّه ما من أحد إلّا وقد ألمّ بخطیئة مّا وإن کان صالحاً، فجعلت هذه الضغطة جزاءً له، ثم تدرکه الرحمة، ولذالک ضُغط سعد بن معاذؓ فی التقصیر من البول۔

چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کبار صحابہ میں تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو خاص طور سے ذکر فرمایا کہ ضمّۃ القبر تو عام چیز ہے، اگر کوئی اس سے بچ سکتا ہے تو حضرت سعد بن معاذؓ اس کے مستحق تھے کہ ان کی موت پر تو عرشِ الٰہی بھی خوشی میں جھوم گیا مگر وہ بھی نہ بچ سکے، اور اگر کسی روایت میں عذاب کا ذکر ہے تو اس سے بھی ضغطۃ القبر ہی مراد ہے، متعارف عذاب جو فرشتوں کے ذریعہ اور آگ وغیرہ سے ہوگا وہ مراد نہیں۔

اور ابن ابی الدنیا نے جو محمد تیمی سے نقل کیا ہے 'کان یقال: إنّ ضمّة القبر إنّما أصلها أنها أمّهم ومنها خلقوا فغابوا عنها الغیبة الطویلة فلمّا رُدّوا إلیها أولادها ضمّتهم ضمّ الوالدة غاب عنها ولدها ثمّ قدم علیها، فمن کان لله مطیعاً ضمّته برأفة ورفق، ومن کان عاصیاً ضمّته ضمّة بعنف سخطاً منها علیه لربّها' یہ اثر حکیم ترمذی کے بیان کے خلاف نہیں ہے کیونکہ زمین کا محبت سے دبانا اس کے منافی نہیں ہے کہ سابقہ کوتاہیوں کا اس دبانے میں تدارک بھی ہوجائے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یونس عفی عنہ

شب سہ شنبہ ۳۰ ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا یہ کوئی حدیث ہے "أنا أحمد بلا میم"

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

یہ لفظ نہ تو کتبِ مشہورہ میں ہے اور نہ ہی کتبِ غیر مشہورہ میں، حتی کہ وہ کتابیں جو صرف احادیثِ موضوعہ کے لئے

خاص ہیں ان میں بھی اس کا وجودنہیں ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۸۸/۶/۲۵ھ

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭OOO٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق

(مسجد میں بحالتِ اعتکاف کسی برتن (پیشاب دانی وغیرہ) میں پیشاب کرنے کی گنجائش ہے یانہیں؟
یہ سوال حضرت اقدس شیخ مدظلہ نے کیا تھا جس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔)

بخدمت حضرت اقدس شیخی وسیدی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ علی کل حال! خیریت حضرت عالی مع جملہ رفقاء بدل نیک خواستگار ہوں۔

تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا حضرت عالی کا پرچہ مسئلہ بول فی المسجد فی الاناء کے سلسلے میں بہت تلاش کیا کہ کہیں بھی مل جائے۔

مگر یہ مسئلہ مفید جواز ملتا ہی نہیں ہے، بلکہ صاحبِ بحر نے الأشباہ والنظائر میں حرمت ہی لکھی ہے۔

احکام المساجد میں لکھتے ہیں "**منها تحريم البول فيه ولو فی إناء**" (ص۵۵۷)۔

خود حضرتِ عالی نے لامع الدراری (ص۱/۱۲۱) میں لکھا ہے:

قال صاحب الدر المختار (ص ۱/۶۱۴) : لَايجوز البول والفصد فيه ولو فی إناء.

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی (ص ۳/۱۵۲) میں لکھا ہے:

إذا أراد أن يبول فی المسجد فی طست لم يبح ذلک، لأنّ المساجد لم تبن لهذا، وهو ممّا يقبح و يفحش و يستخفیٰ به فوجب صيانة المسجد عنه، هكذا فی الشرح الكبير.

امام نووی شرح مسلم (ص ۱۳۹/۱) میں حدیث انسؓ "إن هذه المساجد لَا تصلح لشئ من هذا البول ولَا القذر، إنما هى لذكر الله والصلوٰة وقراءة القرآن" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وإن بال فى إناء فى المسجد ففيه وجهان، أصحّها أنّه حرام، والثانى مكروه۔

شرح مہذب (ص ۲/۹۲) میں لکھتے ہیں:

و يحرم البول فى المسجد فى غير إناء، و أمّا فى إناء ففيه احتمالَان لِابن الصبّاغ: أحدهما الجواز، و الثانية التحريم، لأن البول مستقبح فنزّه المسجد عنه، وهذا هو الذى اختاره الشاشى وغيره، وهو الأصح المختار، وجزم به صاحب التتمّة، ونقله العبدرى عن الأكثرين۔

رہ گئی سلَا جزور والی روایت، تو یہ مشرکین کا فعل ہے۔

اور مسجد میں اخراجِ ریح کا مسئلہ ہمارے یہاں مختلف فیہ ہے، صاحبِ بحر الأشباه میں لکھتے ہیں (ص ۵٦٠)

و إخراج الريح فيه من الدبر، قال الحموى: اى يكره، أقول: وفى شرح الجامع الصغير للتمرتاشى: اختلف السلف فى الذى يفسو فى المسجد، فلم ير بعضهم بأساً و بعضهم لَا يفسو بل يخرج إذا احتاج اليه وهو الأصحّ، انتهى۔

والعلّة "أنّ الملائكة تتأذّى بما تتأذّى به بنو آدم" كما ورد فى الحديث، وكذا نقله الشامى عن الأشباه والحموى، وكذا نقله فى الهندية (ص ۳۵۵) عن التمرتاشى ونقله فى الأوجز (ص ۱۲۷/۲) عن البحر والشامى وليراجع۔

البتہ امام نووی کے کلام سے جواز معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں (ص ۱۷۸/۲):

لَا يحرم للإنسان أن يخرج الريح فى المسجد من الدبر لكن الأولى اجتنابه، لقوله ﷺ: فإن الملائكة تتأذّى مما يتأذّى منه بنو آدم، وفى حاشية شرح المهذّب عن الأزرعى: وينبغى أن يكره ذلك إذا تعاطاه، لَاسيّما إذا كان عن غير حاجة بل ينبغى أن يحرم، والحديث نصّ فى النهى، وقال الحلبى فى الكبيرى (ص ۵٦٨/۱) بعد نقل كلام النووى: وقال السروجى: وهذا عندنا مكروه۔

یہ عبارات ساری کی ساری مفیدِ ممانعت ہیں سوائے ایک وجہ کے جو شافعیہ کے نزدیک ہے۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحب سے مراجعت کی انہوں نے فرمایا کہ گنجائش نظر نہیں آتی۔

خود فقہاء نے صبیان (بچوں) کو مساجد میں خوفِ تلویث کی وجہ سے لیجانے کو منع کیا ہے اور یہاں بھی یہ احتمال قائم ہے۔ والسلام۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖◯◯◯❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟

بخدمت شریف جناب حضرت استاذنا صاحب مدّ ظلّہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: گذارش خدمتِ اقدس یہ ہے کہ

ایک حدیث کے بارے میں معلوم کرنا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اس کی طرف سے فاقہ (بھوک) زیادہ دوڑتی ہے، أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام، یہ حدیث ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو مشکوۃ میں کہاں ہے؟ یا کون سی کتاب میں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب: عزیزم سلّمہٗ

حدیثِ مذکور مشکوٰۃ (ص ۴۴۸) باب فضل الفقراء میں وارد ہے اور وہ اس طرح ہے

”عن عبد اللہ بن مغفلؓ قال جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: إنی أحبّک قال: أنظر ما تقول؟ فقال: واللہ إنی لأحبّک ۔ ثلاث مرات ۔ قال: ”إن کنت صادقاً فأعدّ للفقر تجفافاً، لَلفقر أسرع إلٰی من یحبّنی من السیل إلٰی منتھاہ“ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، انتھیٰ۔

قلت: ورواہ أحمد والطبرانی، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖◯◯◯❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

’من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی ‘ کیا حدیث ہے؟

سوال: سئل شیخنا ۔ أدامه الله ۔ هل ورد فی الحدیث ”من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی“؟ فأمرنی بکتابة الجواب۔

الجواب:

فأجبت :بأنّی لم أر هذا اللفظ فی شئی من الکتاب، نعم ورد مایؤدی معناه۔

وهوما أخرجه البخاری (ص۲/۷۵۷) ومسلم (ص۱/۴۴۹) من حدیث أنس رضؓ فی حدیث”فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“ والمراد بالسنّة الطریقة لَا التی تقابل الفرض، والرغبة عن الشیء الاِعراض عنه، والمراد من ترک طریقتی وأخذ بطریقة غیری فلیس منّی۔

وفی قوله ”فلیس منّی“ تأویلان۔

الأول: من ترک سنّتی معرضاً عنها غیرمعتقد لها علی ما هی علیه فلیس علی ملّتی، أی فهو خارج عن الاِسلام۔

والثانی: من ترک سنّتی بالتکاسل أوبضرب من التأویل فلیس علی طریقتی، ولَایلزم أن یخرج عن الملّة، والله أعلم۔

ثم رأیت بعد برهة من الزمان قال الغزالی فی الاِحیاء (ص ۱/۷۲): قال رسول الله ﷺ: إن للّه عزّوجلّ ملَکاً ینادی کل یوم ”من خالف سنّة رسول الله ﷺ لم تنل شفاعته“ ۔

قال الحافظ العراقی مخرّج أحادیث الاِحیاء: لم أجد له أصلاً انتهی، وذکره التاج السبکی فی الطبقات (ص ۳/۱۴۶) فی فصل الأحادیث التی ذکرها الغزالی فی الاِحیاء ولَایوجد۔

ثم رأیت فی العرف الشذی (ص۵۲۳) قال تحت حدیث ”شفاعتی لِاهل الکبائرمن أمّتی“: استدلّ التفتازانی بحدیث الباب علی أن ترک السنّة کبیرة، لأن فی الحدیث ”من ترک سنّتی لَا یرد حوضی ولم ینل شفاعتی“ والشفاعة تکون لِأهل الکبائر۔ فهذا أفاد ورود الحدیث، ولکن فی طورالاِستدلَال نظر۔

ثـم رأيـت ابن عابدين الشامی نقل فی ردّالمحتار(ص ١٧١/١) عـن التلويح الحديث المذكور فی السؤال بلفظه، ولكن لم يذكر من خرّجه، ولم أقف إلى الآن على من خرّجه، والله أعلم۔

ثم وقفت على ذالک فذكره صاحب الدر المختار فی كتاب الكراهية، ولكن لم يذكر من خرّجه۔

كتبه العبد محمد يونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

السؤال:

کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

إن الـعبـد يدخل الجنة بفضل الله سبحانه وتعالى۔ فعاد قائلا۔ فما معنى النصوص التی نيط فيها دخول الجنة بالأعمال؟

فـأجبـت: بـأنّ تـعـلّق الأعمال بالجنّة كالأسباب بالمسبّبات، ولَايجب من تحقّقِ الأسباب تـحـقّقُ المسبّبات من دون إرادة الله وفضله، كالدواء سبب للشفاء ولكن لَايلزم من استعمال الدواء حصول الشفاء۔

ثـم رأيـت بـعـد شهـر الحافظ ابن القيم فی حادی الأرواح (ص ١٤١/١) قـال: وههنا أمر يـجـب التـنبيـه عـليـه وهـو: أن الـجـنـّة إنما تُدخل برحمة الله تعالى، وليس عمل العبد مستقلّاً بدخولها وإن كان سبباً، ولهذا أثبت الله تعالى دخولها بالأعمال فی قوله ﴿بِمَا كُنتُم تَعمَلُونَ﴾، ونفٰـی رسـول الـلـه ﷺ دخولها بالأعمال بقوله "لَن يدخل احد منكم الجنة بعمله" ولَا تنافی بين الأمرين لوجهين:

أحـدهـما ماذكره سفيان وغيره قال: كانوا يقولون: النجاة من النار بعفوالله تعالى، ودخول

الجنة برحمته، واقتسام المنازل والدرجات بالأعمال، ويدلّ علىٰ هذا حديث أبى هريرةؓ الذى سيأتى - إن شاء الله تعالى - أن اهل الجنة إذا دخلوها نزلوا فيها بفضل أعمالهم، رواه الترمذى.

والثانى: أن الباء التى نفت الدخول هى باء المعاوضة التى تكون فيها أحد العوضين مقابلا للآخر، والباء التى أثبتت الدخول هى باء السببية التى تقتضى سببية مادخلت عليه لغيره وإن لم يكن مستقلاً بحصوله، وقد جمع النبى ﷺ بين الأمرين بقوله "سدّدوا وقاربوا وأبشروا، واعلموا أن أحدا منكم لن ينجو بعمله، قالوا: ولَا أنت يا رسول الله؟ قال: ولَا أنا إلّا أن يتغمّدنى الله برحمته".

ومن عرف الله تعالى وشهد مشهد حقّه عليه وشهد تقصيره وذنوبه وأبصر هذين المشهدين بقلبه عرف ذلك وجزم به، والله سبحانه وتعالى المستعان، انتهى.

وراجع شرح المواهب (ص ۸/۴۰۵) وشرح المواقف.

كتب العبد محمد يونس عفى عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

(۱) "ما من دابّة فى البحر إلّا وقد ذكّاها" کی تحقیق

(۲) "لَا تتّخذوا شيئاً فيه الرّوح غَرَضاً" کی تحقیق

(۳) "مَنسَأة فى الأثر" والی حدیث کی تحقیق

سوال: ان تین حدیثوں کی تحقیق اوران کامفہوم کیا ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

(۱) حضرت جابرؓ کی حدیث ’’ما من دابّة فی البحر إلاّ وقد ذکّاها الله لبنی آدم‘‘ رواه الدارقطنی۔

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر دریائی جانور حلال ہے، مالکیہ کے نزدیک راجح یہی ہے،

حنفیہ، شافعیہ وحنابلہ نے اس میں تخصیص کی ہے۔

شافعیہ علی الوجہ الراجح ضفدع (مینڈک) کی تخصیص فرماتے ہیں اوراس کے ماسوا کو جائز بتاتے ہیں،

وجہِ تخصیص حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان کی یہ حدیث ہے

’’أنّ طبیباً سأل النبی صلّی الله علیه وسلم عن ضفدع یجعلها فی دواء، فنهاه النبی ﷺ عن قتلها‘‘ رواه الاِمام أحمد، وأبو داود، والنسائی، والطحاوی والحاکم وغیرهم۔

ممانعت کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں، کرامت، مضرت، نجاست،

ظاہر ہے کہ کرامت نہیں ہے، اب یا تو مضرت ہوگی یا نجاست، بہرصورت ضفدع (مینڈک) حرام ہوگا۔ کیونکہ مضرّ ونجس کا استعمال حرام ہے۔

حنابلہ ضفادع (مینڈک) کے ساتھ تمساح (مگرمچھ) اور حیہّ (سانپ) کی بھی تخصیص فرماتے ہیں، تمساح کو ذوناب ہونے کی وجہ سے اور حیہّ کو خبائث میں ہونے کے سبب۔

بعض حنابلہ نے اس کے علاوہ بھی کچھ استثناء کیا ہے جیسا کہ اوجز المسالک (ص۱۸۹/ ۴) میں بالتفصیل مذکور ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ دریائی جانوروں میں مچھلی کے علاوہ اور کوئی جانور حلال نہیں ہے، لحدیث ابن عمرؓ مرفوعاً ’’أحلّت لنا میتتان ودمان، المیتتان: الحوت والجراد، والدمان: الکبد والطحال‘‘

(یعنی ہمارے لئے دو مردہ اور دو خون حلال کئے گئے، دو مردہ جانور ایک تو مچھلی ہے اور دوسرے ٹڈی اور دو خون، جگر وتلّی)

رواه الاِمام الشافعی وأحمد وابن ماجه والدار قطنی والبیهقی وغیرهم ، وفی سنده

عبدالرحمن بن زيد بن أسلم وهو ضعيف، وتابعه أخوه عبدالله بن زيد بن أسلم وهو وإن ضعّفه ابن معين فقد وثّقه أحمد بن حنبل و علی بن المدينی، فالحديث حسن۔

اورحدیث ''والحلّ ميتته''، میں میتہ کا مصداق مچھلی کو بتاتے ہیں اوراس کے علاوہ جتنے دریائی جانور ہیں وہ آیت کریمہ ﴿ويحرّم عليهم الخبائث﴾ کے تحت داخل ہوکر محرّم الأكل ہیں، شافعیہ کی یہی ایک وجہ بھی ہے۔

(۲) حديث ابن عباسؓ مرفوعاً ''لاَ تتخذوا شيئاً فيه الرُّوح غَرَضاً'' رواه مسلم۔

مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار کونشانہ نہ بناؤ، یعنی کسی جاندار کو باندھ کراس پرنشانہ آزمائی نہ کرو، جیسے نشانہ درست کرنے کے لئے یا بطورِتفریح کے بعض حضرات خاص مقامات پر غُلّہ مارتے ہیں، ایسا کسی جانور کے ساتھ نہ کرو، کیونکہ اس میں تعذیبِ حیوان کے علاوہ اورکوئی فائدہ نہیں ہے۔

حضوراقدس ﷺ نے یہ ایک ادب سکھلایا ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ایسا دستور تھا کہ جانور کو باندھ کراس پرنشانہ آزماتے تھے، ففی المعجم الصغير للطبرانی(ص۸۲) عن سعيد بن جبير قال: ''كنت أمشی مع ابن عمرؓ فمرّ علىٰ قوم قد نصبوا طائراً اتخذوه غَرَضاً، فقال ابن عمرؓ: لعن الله من فعل هذا؟ سمعت رسول الله ﷺ ينهىٰ عن هذا''۔

بخاری شریف میں یہ روایت بایں الفاظ وارد ہے، عن سعيد بن جبير قال: كنت عند ابن عمرؓ، فمرّ بفتية أو بنفر نصبوا دجاجة يرمونها، فلمّا رأوا ابن عمرؓ تفرّقوا عنها، وقال ابن عمرؓ: من فعل هذا ؟ إن النبی ﷺ لعن من فعل هذا۔

ابن عباسؓ کی حدیث کاحلّت وحرمتِ صید سے کوئی تعلق نہیں ہے، رہی یہ بات کہ پھرصاحبِ مشکوٰۃ نے اسکوکتاب الصید میں کیوں ذکرفرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر شکاری لوگ ہی ایسا کرتے ہیں، نشانہ آزمائی کرتے ہیں، اس لئے کتاب الصید میں ذکرفرمایا۔

(۳) صلہ رحمی کوحدیث میں منسأۃ فی الاثر فرمایا گیا ہے، یہ لفظ ترمذی وحاکم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، صحیحین میں حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث ''من أحبّ أن يبسط له فی رزقه وينسأ له فی أثره فليصل

رحمه'' وارد ہے، نسأ لغت میں تاخیر کرنے کو کہتے ہیں، بولتے ہیں نسأت الشئ و أنسأته جب آپ کسی چیز کو مؤخر کردیں۔ اوراثر سے مراد اجل ہے کیونکہ موت عمر کے پیچھے آتی ہے، جیسے اثرِ شئ شئ کے پیچھے آتا ہے۔

کعب بن زہیر کہتا ہے:

یسعی الفتیٰ لِأمور لیس یدرکھا والنّفس واحدة والھمّ منتشر

والمرء ما عاش ممدود له أمل لَاینقضی العمر حتی ینتھی الأثر

اورفی الحقیقت اثر نشانات اقدام کو کہتے ہیں، کیونکہ جوشخص مرجاتا ہے اسکی حرکت ختم ہوجاتی ہے اسکے ساتھ نشاناتِ قدم بھی معدوم ہوجاتے ہیں، نیز بعض روایات میں اثر کے بجائے اجل کا لفظ وارد ہے،

فقد روی الطبرانی عن العلاء بن خارجة أنّ رسول الله ﷺ قال: ''تعلّموا من أنسابکم ما تصلون به أرحامکم، فإنّ صلة الرحم محبّة للأھل مثراة فی المال منسأة فی الأجل''،

قال الھیثمی (ص ۱۵۲/۸): رجاله قد وثّقوا۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ صلہ رحمی تأخیر موت کا سبب ہے یعنی زیادة فی العمر کا باعث ہے،

اس پر اشکال یہ ہے کہ حق تعالی فرماتے ہیں ﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُم لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْساً إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾

اسکے مختلف جوابات دئے گئے ہیں،

اول جواب یہ ہے کہ تأخیر اجل سے مراد برکت فی العمر ہے یعنی حق تعالی عمر میں برکت عطاء فرماتے ہیں ضائع نہیں جاتی، ہمہ اوقات عبادات وطاعات خیرات وبرّات میں گزرتے ہیں، جوکام مدتوں میں ہوتا ہے وہ تھوڑے دنوں میں انجام پاتا ہے، علامہ نووی (ص ۲/۳۱۵) نے اس جواب کو صحیح کہا ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد حقیقی زیادتی ہے مگر حدیث پاک کا محمل اور ہے اور قرآن پاک کا محمل اور ہے،

حدیث پاک کا محمل علمِ ملائکہ ہے جو اعمال پر مقرر ہے، اور قرآن پاک کا محمل علم الٰہی ہے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو لوح محفوظ وغیرہ میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مثلاً فلاں شخص کی عمر ۶۰ سال ہے اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو ۴۰ سال کا اور اضافہ ہوجائے گا، اور علمِ الٰہی میں یہ بات قطعی ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا اور اسکی عمر ۱۰۰ سال ہوگی یا قطع رحمی کرے گا اور اسکی عمر ۶۰ سال ہوگی، تو علم الٰہی کے اعتبار سے کوئی کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ علم ملائکہ کے اعتبار سے واقع ہوئی،

آیۃ کریمہ ﴿یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِندَہُ أُمُّ الْکِتَابِ﴾ میں علمِ ملائکہ ہی کی طرف اشارہ ہے، انہیں کے اعتبار سے محو واثبات واقع ہوتا ہے، شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اسی کو محقق قرار دیا ہے۔

تنبیہ۔ حنفیہ واشاعرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مقدرات میں تغیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور اشعریہ اسکے خلاف کہتے ہیں،

اشاعرہ. حدیث ابن مسعودؓ مرفوعاً: "إنّ أحدکم لیعمل بعمل أهل الجنة حتّی ما یکون بینه وبینها إلّا ذراع، فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل أهل النار فیدخلها، وإنّ أحدکم لیعمل بعمل أهل النار، حتّی ما یکون بینه وبینها الّا ذراع، فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل أهل الجنة فیدخلها، رواه البخاری ومسلم وأبوداود والترمذی وابن ماجه وأحمد ،اور اسکے امثال سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فیسبق علیه الکتاب" معلوم ہوا کہ جو کتاب میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اور حنفیہ آیۃ کریمۃ ﴿یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِندَہُ أُمُّ الکِتَابِ﴾ کے امثال سے استدلال فرماتے ہیں

مگر حق یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، علم الٰہی میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے تغیر مخلوق کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حدیث ابن مسعودؓ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (ص ۴۲۷/۱۱) "فالحق أن النزاع لفظی، وأن الذی سبق فی علم الله تعالی لَایتغیّر ولَایتبدل" وأنّ الذی یجوز علیه التغییر والتبدیل مایبدو للناس من عمل العامل، ولَایبعد أن یتعلق ذلک بما فی علم الحفظة والموکّلین بالآدمی فیقع فیه المحو والإثبات کالزیادة فی العمر والنقص ، وأمّا ما فی علم الله فلا محو فیه ولَا إثبات، والعلم عند الله، انتهی۔

تنبیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارا جواب ثانی میں یہ کہنا کہ کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا ہے حنفیہ کے خلاف ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کا ذکر جمیل باقی رہتا ہے، گویا کہ اس کی موت ہی نہیں ہوئی۔ امام نووی فرماتے ہیں: حکاه القاضی وهو ضعیف أو باطل،

مگر علامہ طیبی (ص ۳۵۹ ج ۵) میں فرماتے ہیں:

كأنّ هذا الوجه أظهر، فإنّ أثر الشئ هو حصول ما يدلّ على وجوده، فمعنىٰ يؤخّر فى أثره اى يؤخّر ذكره الجميل بعد موته أو يجرى له ثواب عمله الصالح بعد موته،

قال الله تعالىٰ: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ﴾ وعليه كلام صاحب الفائق حيث قال: ويجوز أن يكون المعنىٰ أن الله يُبقى أثر واصل الرحم فى الدنيا طويلاً فلا يضمحلّ سريعاً كما يضمحلّ أثر قاطع الرحم، ولمّا أنشد أبو تمّام أبا دلف ما رثىٰ به محمد بن حميد:

تُوفّيت الآمال بعد محمّد وأصبح فى شغل عن السفر السفر

(ترجمہ: محمد کے بعد تمام امیدیں ختم ہوگئیں اور سفر نے دوسرے اسفار سے غافل کردیا۔)

فقال له أبو دلف: لم يمت من قيل فيه، وعليه قول الخليل عليه وعلى نبينا صلوات الله وسلامه ﴿وَاجْعَلْ لِّى لِسَانَ صِدْقٍ فِى الآخِرِيْنَ﴾

اورزیادتی عمر کی تفسیر ایک حدیث میں ذرّیتِ صالحہ کے ساتھ وارد ہے،

عن أبى الدرداءؓ قال: ”ذكروا عند رسول الله ﷺ الأرحام، فقلنا: من وصل رحمه أنسئ له فى أجله، قال: إنه ليس زيادة فى عمره، قال الله تعالىٰ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ولٰكنه الرجل تكون له الذرّيّة الصالحة فيدعون له من بعده فيبلغه ذلك فذلك الذى ينسأ فى أجله“، رواه الطبرانى فى الصغير والأوسط بإسناد ضعيف، قال الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص ۱۵۳ ج ۱): ليس فى إسناده متروك ولكنهم ضعّفوا،

وأخرج ابن أبى حاتم كما ذكره ابن كثير (ص ۵۷۳ ج ۲) و(ص ۳۷۳ ج ۴) فى تفسير سورة النحل وسورة المنافقين عن أبى الدرداءؓ بلفظ: قال: ”ذكرنا عند رسول الله ﷺ الزيادة فى العمر فقال: إن الله لَا يؤخّر نفساً إذا جاء أجلها وإنما الزيادة فى العمر أن يرزق الله العبد ذرّيّة صالحة يدعون له فيلحقه دعاؤهم فى قبره“، قال الشوكانى فى تفسيره (ص ۱۹۴): فيه نكارة وقد جاءت الأحاديث الصحيحة فى الصحيحين و غيرهما۔

حافظ ابن حجر (ص ۳۴۹ ج ۱۰) میں فرماتے ہیں:

وجزم ابن فورک: بأن المراد بزيادة العمر نفى الآفات عن صاحب البرّ فى فهمه وعقله، وقال غيره: فى أعمّ من ذالک وفى وجود البركة فى رزقه وعمله ونحو ذلک، انتهىٰ۔

قلت : فيه نظر، فإنّ ابن فورک لم يجزم به بل حكاه عن قائلين كما حكى الأقوال الأخر عن قائلين آخرين، راجع مشكل الحديث (ص ۱۰۸)۔

بندہ کے نزدیک اس زیادتی کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلہ رحمی میں اپنے خویش واقارب کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے جوان کے بقاء ونمو کا سبب ہے، اور چونکہ خلق خدا عیال اللہ ہے جیسا کہ حدیث بیہقی وغیرہ میں وارد ہے، اور چونکہ صلہ رحمی کرنے والا خلق خدا کے بقاء کا سبب بنتا ہے اس لئے حق تعالیٰ بھی اس کو بقاء عمر وذکر وفہم وعلم وعمل کے ساتھ نوازتے ہیں، واللہ اعلم۔ حرره العبد محمد يونس غفر له

بأمر شيخنا ومولَانا محمد زكريا صاحب ۔ متّعنا الله ببقائه ۔

يوم الثلثاء ۱۹ جمادى الأولى ۱۳۸۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

تعلّمنا الاِيمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب: ابن ماجہ (ص ۷) نے اس طریق سے نقل کیا ہے، عن حمّاد بن نجيح عن أبى عمران الجونى عن جندب بن عبد اللهؓ قال: "كنا مع النبىﷺ ونحن فتيان حزاورة، فتعلّمنا الاِيمان قبل أن نتعلّم القرآن، ثمّ تعلّمنا القرآن فازددنا به إيماناً" وإسناده صحيح كما قال العراقى، و زاد الطبرانى فيه "وأنتم اليوم تعلّمون القرآن قبل الاِيمان" وهو صحيح أيضاً۔

وله شاهد من حديث ابن عمرؓ أخرجه الحاكم وصححه على شرط الشيخين والبيهقى "لقد عشنا برهة من الدهر وإنّ أحدنا يؤتى الاِيمان قبل القرآن"، كذا فى تخريج الاِحياء (ص ۱/۶۸) و راجع الاِتحاف (ص ۴۲۴)۔

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

۱۹ احادیث کی تحقیق

بھوپال کے ایک مشہور شاعر نے احادیث کے ایک اہم ذخیرہ کو منظوم کیا تھا، بعد میں انہوں نے ان احادیث کا مقام روایت ودرایت کے اعتبار سے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

اکثر روایات مل گئیں، چند روایات نہیں مل سکیں۔

ان سوالات کو نقل کیا جارہا ہے اور ہر سوال کیساتھ اسکا جواب بھی ہے۔

ان میں سے بہت سی روایات ہمارے پاس موجودہ کتابوں میں نہیں مل سکیں، اور جو ملی ہیں ان کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

سوال (۱): قال أبوذرؓ: ”أوصانی خلیلی ﷺ بأربع کلمات هنّ أحبّ إلیّ من الدنیا و مافیها، قال: یا أبا ذر! أحکم السفینة فإنّ البحر عمیق، واستکثر الزاد فإن السفر طویل، وخفّف ظهرک فإن العقبة کئود، وأخلص العمل فإن الناقد بصیر“۔

جواب (۱): یہ روایت اب تک باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی۔

....

سوال (۲): ”یا أیها الناس! أصلحوا بینکم وبین الله یصلح لکم وبین الناس“۔

جواب (۲): یہ روایت تو اس لفظ سے اب تک نہیں ملی، ہاں اس کے قریب قریب ایک دوسری روایت منتخب کنز العمّال میں نقل کی گئی ہے ولفظه: ”من أصلح فیما بینه و بین الله أصلح الله فیما بینه و بین الناس، و من أصلح جوّانیّه أصلح الله برّانیّه، و من أراد وجه الله أناله الله وجهه ووجوه الناس، ومن أراد وجوه الخلق منعه الله وجهه ووجوه الخلق“۔ الدیلمی عن قدامة بن عبدالله بن عمّار رجل له صحبة۔ (منتخب ص ۱/۱۳۶)۔

ایک روایت مستدرک (ص ۴/۴۵۶) میں حضرت انسؓ کی حدیث میں ” اتّقوا الله وأصلحوا ذات بینکم

فإن الله يصلح بين المسلمين'' وارد ہے۔

سوال (۳): ''أربع خصال من كنّ فيه كمل إيمانه، ولو كان له من قرنه إلى قدمه خطايا، الصدق والشكر والحياء وحسن الخُلق''۔

جواب (۳): یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی ہے۔

....

سوال (۴): ''إدخال السرور فى قلب مؤمن خير من عبادة ستّين سنة''۔

جواب (۴): یہ حدیث بایں لفظ تو اب تک نہیں ملی، ہاں ''إدخال السرور فى قلب المسلم'' کی روایتیں کتب حدیث میں وارد ہیں، امام زکی الدین المنذری نے الترغیب میں (ص ۱۴۶/ ۲) اور علی متقی نے منتخب الکنز (ص ۵۳۰/ ۲) اور عراقی نے تخریج احیاء میں اور نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد (ص ۱۹۳) میں ''إدخال السرور على المسلم'' کی فضیلت کی متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں، لیکن کسی حدیث میں اس حدیثِ مسئول کا مضمون نہیں ملا، غالباً یہ مضمون ایک حدیث سے مأخوذ ہے جسے المنذری نے الترغیب فی إطعام الطعام میں (ص ۶۵/ ۲) بحوالۂ ابن حبان ابوذرؓ سے روایت کیا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''تعبّد عابد من بنى إسرائيل فعبد الله فى صومعته ستّين عاماً، وأمطرت الأرض فاخضرّت، فأشرف الراهب من صومعته فقال: لو نزلت فذكرت الله فازددت خيراً، فنزل و معه رغيف أو رغيفان، فبينما هو فى الأرض لقيته امرأة، فلم يزل يكلّمها و تكلّمه حتى غشيها، ثمّ أغمى عليه فنزل الغدير يستحمّ، فجاء سائل، فأومأ إليه أن يأخذ الرغيفين، ثم مات فوزنت عبادة ستّين سنة بتلك الزنية، فرجحت الزنية بحسناته، ثمّ وضع الرغيف أو الرغيفان مع حسناته فرجحت حسناته فغُفر له'' رواه ابن حبان فى صحيحه۔

....

سوال (۵): قال: ''أنا قائد المرسلين ولَا فخر، وأنا خاتم النبيين ولَا فخر، وأنا أوّل شافع ومشفّع ولَا فخر''۔

جواب (۵): یہ حدیث دارمی (ص ۱۶) اور امام بخاری نے اپنی تاریخ (ص ۲۸۷/ ۲) میں روایت کی ہے۔

....

سوال (٦): ''إن اللـه تعالىٰ ينظر إلى وجه الشيخ صباحاً ومساءاً ويقول: عبدى! قد كبِر سنّك ورقّ جِلدك ورقّ عظمك واقترب أجلك وحان قدومك إلىّ، فاستحيِ من شيبتك أن أعذّبك فى النار''۔

جواب (٦): یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی۔

....

سوال (٧): ''الذنب لَاينسٰى، والبرّلَا يبلٰى، والديّان لَا يموت، فكن كما شئت''۔

جواب (٧): هذا الحديث أخرجه أبو نعيم والديلمى من طريق مكرم بن عبدالرحمن الجوز جانى عن محمد بن عبدالملك الأنصارى عن نافع عن ابن عمرؓ رفعه قال: ''البرّلَايبلٰى، والذنب لَاينسٰى، والديّان لَايموت، فكن كما شئت، فكما تدين تدان۔

و من هذا الوجه أورده ابن عدى فى الكامل وضعف محمداً وأخرجه البيهقى فى الأسماء والصفات (ص ٦٠) وفى الزهد من جهة عبدالرزاق عن معمر عن أيوب عن أبى قلابة مرسلاً وقال: والاِثم لَاينسٰى، ووصله أحمد فرواه فى الزهد (ص ۱۴۲) له من هذا الوجه بإثبات أبى الدرداء وجعله من قوله، وهو منقطع على وقفه وقال: ''والديّان لَا ينام'' كذا فى المقاصد (ص ۳۲۵) بزيادة۔

....

سوال (٨): قال: ''الفاجر الراجى برحمة الله تعالىٰ أقرب إلى الله تعالىٰ من العابد المقنط''۔

جواب (٨): هذا الحديث أخرجه الحكيم الترمذى والشيرازى فى الألقاب عن ابن مسعود بلفظ: الفاجر الراجى لرحمة الله تعالىٰ أقرب منها من العابد المقنط، كذا فى منتخب الكنز (ص ۱/۱۷۱)۔

....

سوال (٩): ''صل من قطعك، وعزّ من قنع''۔

جواب (۹): یہ حدیث اب تک اس لفظ سے نہیں ملی، مسند احمد میں (ص ۱۵۸/ ۴) حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مرفوعاً اس طرح منقول ہے: ''صل من قطعک، وأعط من حرمک، واعف عمّن ظلمک''۔

....

سوال (۱۰): ''أکرموا أولَادکم، فمن أکرم أولَادھم أکرمه الله فی الجنّة''۔

جواب (۱۰): یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی، ابن ماجہ اور حافظ خطیب بغدادی (ص ۸/۲۸۸) نے حارث بن نعمان لیثی کے طریق سے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے قال: قال رسول الله ﷺ: ''أکرموا أولَادکم، وأحسنوا أدبھم''۔

....

سوال (۱۱): ''الصدق یُنجی، والکذب یُھلک''۔

جواب (۱۱): یہ لفظ بھی تلاش کے باوجود اب تک نہیں ملا، مولانا الشاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے خطبۂ جمعہ میں یہ لفظ ذکر کیا ہے، حضرت کعبؓ کا غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا اور پھر سچ سچ خدمت نبویہ میں عرض کر دینا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں بحوالہ خطیب بغدادی ایک روایت نقل کی ہے: ''علیکم بالصدق، فإنه باب من أبواب الجنّة، وإیاکم والکذب فإنه باب من أبواب النار''، لیکن اس کی سند میں ایک راوی کذّاب ہے۔

اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معٰویہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''علیکم بالصدق، فإنه یھدی إلی البرّ وھما فی الجنّة، وإیاکم والکذب، فإنّه یھدی إلی الفجور وھما فی النار''،

قال المنذری سنده حسن۔

....

سوال (۱۲): ''سؤر المؤمن شفاء''۔

جواب (۱۲): یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے، ففی الصحیحین ''أنه ﷺ کان إذا اشتکی الإنسان الشئ أو کانت به قرحة أو

جرح قال بإصبعه هكذا، -يعنى وضع سبابته الأرض ثمّ رفعها- وقال: بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا ليشفٰى سقيمنا بإذن ربنا''۔

....

سوال (۱۳): ''الخُلق السيّئة يُفسد العمل كما يُفسد الخلّ العسل''۔

جواب (۱۳): هذا الحديث أخرجه الطبرانى فى الكبير والأوسط والبيهقى فى الشعب عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''الخُلق الحسن يذيب الخطايا كما يذيب الماء الجليد، والخُلق السوء يفسد العمل كما يفسد الخلّ العسل''۔

وفى إسناده عيسٰى بن ميمون المدنى، قال الهيثمى (ص ۸/۲۴): وهوضعيف، وأشار المنذرى فى الترغيب(ص ۲/۱۵۱) إلى كونه واهياً لأجل عيسٰى، قال البخارى: إنه منكر الحديث، وقال العراقى فى تخريج الاحياء (ص ۳/۴۴): أخرجه ابن حبان فى الضعفاء من حديث أبى هريرةؓ والبيهقى فى الشعب من حديث ابن عباسؓ وأبى هريرةؓ أيضا، وضعّفهما ابن جرير انتهى۔

....

سوال (۱۴): ''أنا حبيب الله ولَا فخر، وأنا حامل لواء الحمد يوم القيٰمة و لَا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين على الله ولَا فخر، و أنا أوّل شافع و أوّل مشفّع يوم القيٰمة ولَا فخر، وأنا أوّل من يحرّک حلق الجنّة يفتح الله لى فيه فيدخلنيها ومعى فقراء المؤمنين ولَا فخر''۔

جواب (۱۴): هذا الحديث أخرجه الترمذى (ص ۲/۲۰۲) والدارمى (ص ۱۶) وابن مردويه من طريق زمعة بن صالح عن سلمة بن وهرام عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال: ''جلس ناس من أصحاب النبى ﷺ ينتظرونه، فخرج حتّى إذا دنا منهم سمعهم يتذاكرون فتسمّع حديثهم، فإذا بعضهم يقول: عجباً إن الله اتّخذ من خلقه خليلاً فإبراهيم خليله، وقال آخر: ماذا بأعجب مِن ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْماً﴾؟ وقال آخر: فعيسٰى كلمة الله وروحه، وقال آخر: وآدم اصطفاه الله، فخرج عليهم، فسلّم وقال: قد سمعت كلامكم وعجبكم، إن ابراهيم خليل الله وهو كذلک، و موسى نجيّه وهوكذلک، وعيسٰى روحه و كلمته وهو كذلک،

وآدم اصطفاه الله تعالیٰ وهو كذلك، الا ! وأنا حبيب الله ولَا فخر، وأنا حامل لواء الحمد يوم القيامة تحته آدم فمن دونه ولَا فخر، وأنا أوّل شافع و أوّل مشفّع يوم القيامة ولَا فخر، وأنا أوّل من يحرّك بحلق الجنة ولَا فخر، فيفتح الله فيدخلنيها ومعى فقراء المؤمنين ولَا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين على الله ولَا فخر“۔

قال الترمذی: هذا حديث غريب، وقال ابن كثير (ص ١/١٧٠): غريب من هذا الوجه، وله شواهد من وجوه أُخر انتهى۔

....

سوال (١٥): ”السعيد من وعظ بغيره“۔

جواب (١٥): هذا الحديث أخرجه مسلم (ص ٢/٣٣٣) من حديث عمرو بن الحارث عن أبی الزبير المكی عن عامر بن واثلة عن ابن مسعودؓ قال: ”الشقیّ من شقی فی بطن أمّه والسعيد من وُعظ بغيره“ وأخرجه العسكری فی الأمثال والقضاعی والبيهقی فی المدخل مرفوعاً كما فی المقاصد، وأخرجه أحمد فی الزهد (ص ١٤١) موقوفاً على أبی الدرداءؓ وأخرجه الحاكم والبيهقی فی الدلائل وابن عساكر من حديث عقبة بن عامر مرفوعاً فی حديث طويل ذكره ابن القيّم فی الهدی (ص ٢/٧) والسيوطی فی الجامع الصغير۔

وأخرج البزار والطبرانی فی الصغير عن أبی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال: ”الشقیّ من شقی فی بطن أمّه، والسعيد من سعد فی بطنها“ قال الهيثمی (ص ١٩٣): رجال البزّار رجال الصحيح، وقال السخاوی سنده صحيح۔

....

سوال (١٦): ”من تزوّج لله توّجه الله تاج الملك“۔

جواب (١٦): هذا الحديث أخرجه أبوداود (ص ٥/٢٣٦ بذل) من طريق سويد بن وهب عن رجل من أبناء أصحاب النبیّ ﷺ عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ”من زوّج لله“ الحديث۔

....

سوال (۱۷): ''سيّد القوم خادمهم''۔

جواب (۱۷): هـذا الحديث أخرجه أبوعبد الرحمن السلمى فى آداب الصحبة عن عقبة بـن عامرؓ مرفوعاً، وفى سنده ضعف وانقطاع، كذا فى المقاصد (ص ۲۴۶)، وأخرجه الخطيب عن أبى قتادة وإسناده ضعيف۔

....

سوال (۱۸): ''لَافقـر أشـدّ مـن الـجهـل، ولَا مـال أعـود مـن العقل، ولَا وحشة أشدّ من العجب''۔

جواب (۱۸): هـذا الـحـديث أخرجه الطبرانى وابن حبّان فى الضعفاء (ص ۳۰۰/۲) من طـريـق الـحـارث الأعـور عـن عـلـىؓ مـرفوعاً فى حديث طويل ولفظه: ''ولَا وحشة أوحش من الـعـجب''، قال الهيثمى (ص ۳۸۳/۱۰): فيـه أبـورجـاء الـحـبـطـى واسـمه محمد بن عبدالله كـذّاب، وفـى تـرجمته ذكره ابن حبان فى الضعفاء والذهبى فى الميزان ولفظهما: ''ولَا وحدة أوحش من العجب''۔

....

سوال (۱۹): ''من عرف نفسه فقد عرف ربّه''۔

جواب (۱۹): هـذا الـحـديث ذكره الشيخ الأكبر فى الفتوحات (ص ۳/۵۰۳) وجعله حديثاً، ولكن قالت ائمة الحديث: لَاأصل له، قال أبوالمظفر بن السمعانى: إنه لَا يعرف مرفوعاً إنـمـا يـحـكـى عـن يـحـيـىٰ بن معاذ الرازى يعنى من قوله، وقال النووى: ليس بثابت، وقال ابن تـيـمـيـة: لـيـس هـذا مـن كلام النبىﷺ، ولَا هو فى شئ من كتب الحديث، ولَايعرف له إسناد، وقال الصغانى: موضوع، وقال السيوطى فى التدريب: باطل لَااصل له۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟

سوال: کتاب الشفاء (ص ۲۲۲) فصل.........التی یستحبّ فیها الصلوة والسلام علی النبیّ ﷺ، فصل کے بعد بیاض ہے، میرے نسخہ میں اسی طرح ہے۔

یہاں کیا لفظ ہے؟ نیز اسی صفحہ کے اخیر میں ''ثمّ یصلّی علی النبی ﷺ ثمّ یسأل حاجته فإنه ....ینجح'' اس بیاض (خالی جگہ) میں کیا لفظ ہے؟

محمد ابراہیم غازیپوری

جواب:

فصل کے بعد فی المواطن ہے، اسی طرح ملا علی قاری، علامہ خفاجی (ص ۳/۴۵۶) کے نسخہ میں ہے، اور دوسرے مقام میں بیاض کی جگہ أجدر ہے، ملا علی قاری کے نسخہ میں عبارت حسب ذیل ہے:

'' ثمّ یصلّی علی النبیّ صلی الله علیه وسلم ثمّ یسأل فإنه أجدر أن ینجح''، لیکن شہاب خفاجی کے نسخہ میں ''ثم یسأل'' نہیں ہے، قاضی عیاض نے ابن مسعودؓ کی روایت ذکر کی ہے اور اس میں یہ لفظ ہے۔

نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد (ص ۱۰/۱۵۵) میں یہ روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن عبداللہ بن مسعودؓ قال: ''إذا أراد أحدکم أن یسأل فلیبدأ بالمدحة والثناء علی الله عزّوجلّ بما هو أهله، ثمّ لیصلّ علی النبیّ ﷺ ثمّ لیسأل بعد، فإنّه أجدر أن ینجح''، رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح إلّا أن أبا عبیدة لم یسمع من أبیه، لیکن ایک دوسری جگہ (ص ۱۰/۱۷۰) فرماتے ہیں وهو حدیث جید۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حدیث قدسی کی تعریف

مکرمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث قدسی وہ احادیث ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں، کبھی تو خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتادی جاتی تھیں، اور کبھی بذریعۂ الہام معلوم ہوتا تھا، اور کبھی جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے علم ہوتا تھا، انہیں حدیثِ الٰہی اور حدیث ربّانی بھی کہتے ہیں،

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ سے نقل کی تصریح ہوتی ہے اور بقیہ احادیث میں اللہ تعالیٰ سے نقل کی تصریح نہیں ہوتی ہے، گو وہ بھی بمقتضائے ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحىٰ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

قرآن پاک اور حدیث قدسی میں فرق یہ ہے کہ قرآن تو لفظاً ومعنیً دونوں طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہے، بخلاف حدیث قدسی کے کہ اس میں الفاظ حضور پاک ﷺ کے ہوتے ہیں،

اسی لئے نماز قرآن کی تلاوت پر موقوف ہے، اگر کوئی حدیث قدسی پڑھے تو نماز نہیں ہوگی،

قرآن کو بلا وضو ہاتھ لگانا ائمۂ اربعہ کے یہاں جائز نہیں ہے، حدیث قدسی کو چھو سکتے ہیں،

اس کے علاوہ اور بھی وجوہ فرق علماء نے بیان فرمائے ہیں،

احادیث قدسیہ کے سلسلے میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے ابوالحسن مقدسی کی أربعین إلٰهيه، شیخ ابن العربی کی کتاب مشکٰوة الأنوار جس میں ایک سو ایک حدیثیں ہیں، اور شیخ محمد المدنی کی الاِتحافات السنية فی الأحاديث القدسية، جس میں ۸۵۸ حدیثیں ہیں، حیدرآباد سے طبع ہوچکی ہے، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب برہانپوری کی کتاب احادیث قدسیہ مشتمل بر ۱۲۶۸ احادیث مع ترجمہ ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتبائی سے شائع ہوئی تھی، اب معلوم نہیں دستیاب ہوتی ہے یا نہیں؟ اہل مطالعہ سے معلوم کرلیں، جس طرح دوسری حدیثیں بالأسانید مروی ہوتی ہیں اسی طرح احادیث قدسیہ بھی۔ فقط والسلام۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

بامر شیخنا ومولانا محمد زکریا صاحب مدّ ظلّہ

ابوداؤد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟

بخدمتِ اقدس حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدّ اللہ فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیم، ایک بات دریافت کرنا ہے، تکلیف معاف فرمائیں،

سوال: کیا ابوداؤد شریف کی سنن میں کوئی حدیث ثلاثی بھی ہے، جبکہ محدثین کے نزدیک سندِ عالی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

براہ کرم یہ بتلا کر مشکور فرمائیں کہ یہ حدیث ابوداؤد شریف کے کونسے نسخے میں ہے؟ مع عبارت جواب تحریر فرمادیں۔

احقر محمد سورتی

متعلّم دارالعلوم دیوبند

جواب: عزیزم سلمہ

بندہ کی طبیعت بہت خراب ہے اس لئے مفصل جواب سے معذوری ہے،

مختصر یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں صرف ایک حدیث رباعی فی حکم الثلاثی واقع ہوئی ہے۔

الحدیث الرباعی فی حکم الثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے سلسلۂ سند میں دو تابعی یا دو صحابی واقع ہوجائیں جن کو نفس تابعیت یا صحبت میں اشتراک کی وجہ سے ایک شمار کرلیا جائے،

وہ حدیث **کتاب السنّة** کے باب **فی الحوض** کی آخری حدیث ہے **قال أبو داود: حدثنا مسلم بن إبراهيم قال حدثنا عبد السلام بن أبی حازم أبو طالوت قال شهدت أبا برزة دخل على عبيد الله بن زياد فحدثنی فلان سمّاه مسلم وكان فی السماط، قال فلما رآه عبيد الله قال:" إن محمديكم هذا الدحداح، ففهمها الشيخ، فقال: ما كنت أحسب أن أبقى فی أمّة يعيّرونی بصحبة محمد ﷺ، فقال له عبيد الله: إن صحبة محمد ﷺ لک زين غير شين، ثم قال: إنما بعثت إليک لأسألک عن الحوض، سمعت رسول الله ﷺ يذكر فيه شيئاً؟ قال أبوبرزة: نعم، لَا مرّةً ولَا مرّتين ولَا ثلاثاً ولَا أربعاً ولَا خمساً، فمن كذب به فلا سقاه الله منه، ثم خرج مغضباً".**

یہ حدیث بظاہر ثلاثی معلوم ہوتی ہے لیکن واقع یہ ہے کہ رباعی فی حکم الثلاثی ہے، اس لئے کہ ابوطالوت نے براہ راست یہ حدیث ابو برزہ سے نہیں سنی بلکہ فرماتے ہیں: حدثنی فلان، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوطالوت ابو برزہ کے ساتھ سماط میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس نہیں گئے بلکہ کسی وجہ سے باہر ہی رہے جیسا کہ "فحدثنی فلان" کا تقاضہ ہے، مسند احمد میں اس رجل مبہم کی تعیین "حدثنا العباس الجریری" کے ساتھ واقع ہوئی، واللہ اعلم۔

کتبہ العبد محمد یونس عفی عنہ

۱۷ صفر ۱۳۹۰ھ

فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب

(حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے فضائل ذکر کی ایک حدیث پر کچھ نقد سا کیا، اس سلسلہ میں لکھا گیا)

باسمہ سبحانہ

حدیث عبداللہ بن أبی أوفیٰؓ قال؛ قال رسول اللهﷺ: "من قال لَا إله إلّا الله وحده لَا شريک له أحداً صمداً لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد، كتب الله له ألفی ألف حسنة".

رواه الطبرانی وفيه فائد أبو الورقاء وهو متروک، كذا فی مجمع الزوائد (ص ۸۵ ج ۱۰) وقال المنذری فی الترغيب (ص ۲۷۸ ج ۱): روی عن عبد الله بن أبی أوفیٰؓ فذكر الحديث وقال: رواه الطبرانی۔

حافظ منذری نے اس حدیث کو عام احادیث کے خلاف رُوِی سے شروع فرمایا اور اس کے بعد اس کی سند پر کوئی حکم نہیں لگایا، اس طریق کار کیلئے امام منذری نے مقدمۂ ترغیب وترہیب میں ایک ضابطہ لکھا ہے فرماتے ہیں (ص ۳):

وإذا كان فی الإسناد من قيل فيه كذّاب أو وضّاع أو متّهم أو مجمع على تركه أو ضعفه أو ذاهب الحديث أو هالک أو ساقط أو ليس بشئی أو ضعيف جداً أو ضعيف فقط أو لم أرَ فيه توثيقاً بحيث لَا يتطرّق إليه احتمال التحسين صدرتُه بلفظة "رُوی" ولَا أذكر ذلک الراوی ولَا ما قيل فيه البتة، فيكون للاسناد الضعيف دلَالتان، تصديره برُوی وإهمال الكلام عليه فی آخره، انتهی۔

ان کے اس ضابطہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث بھی ایسی ہے جو اس ضابطہ میں داخل ہے،

اس حدیث کے ضعیف ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے، اس لئے کہ فائد بن عبدالرحمٰن الکوفی ابوالورقاء کا ضعف

کلمۂ اجماع ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ حدیث فائد حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت کرتا ہے،

حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنے والد حافظ ابو حاتم سے نقل فرماتے ہیں: وأحاديثه عن ابن أبى أوفىٰ بواطيل لَا تكاد ترى لها أصلاً، كأنه لَا يشبه حديث ابن أبى أوفىٰؓ، ولو أن رجلاً حلف أن عامّة حديثه كذب لم يحنث، انتهىٰ۔

حافظ ابو حاتم کا یہ مقولہ حافظ جمال الدین المزی نے تهذيب الكمال میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تهذيب التهذيب میں نقل فرمایا ہے لیکن حافظ شمس الدین الذہبی نے ميزان الاِعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب میں حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ومع ضعفه يكتب حديثه۔

اس عبارت سے کچھ معاملہ اَہون ہو جاتا ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ حافظ زکی الدین منذری کا مرتبۂ نقد فی الحدیث معلوم ہے اور انہوں نے اس حدیث کو كتاب الترغيب میں ذکر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ قابل عمل ہے، حافظ منذری مقدمۂ ترغیب و ترہیب میں رقمطراز ہیں: وأضربت عن ذكر ما قيل فيه من الأحاديث المتحققة الوضع، اس سے پہلے لکھتے ہیں من تقدّم من العلماء أساغوا العمل فى أنواع من الترغيب والترهيب۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام منذری کے نزدیک مقطوع الوضع نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اور جب ضعیف ہی ٹھہری تو عمل میں تو گنجائش ہے ہی۔

امام نووی كتاب التبيان فى آداب حملة القرآن (ص۸) میں فرماتے ہیں: اعلم أن العلماء من أهل الحديث وغيرهم جوّزوا العمل بالضعيف فى فضائل الأعمال، اھ۔ اور شرح مہذب (ص ۱۲۴ ج ۳) میں لکھتے ہیں لكن الضعيف يعمل فى فضائل الأعمال باتفاق العلماء، اھ۔ وحكى نحو ذلك عن عبد الرحمٰن بن مهدى وأحمد بن حنبل وابن معين وابن المبارك والسفيانين كما بسط العراقى فى شرح الألفية (ص ۱۲۰)، ومنع ابن العربى العمل بالضعيف ۔

ممکن ہے کہ معترض کو یہ شبہ ہو کہ عمل قلیل پر ثواب کثیر کا وعدہ علاماتِ وضع میں سے ہے، حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں (ص ۱۱۴) قال ابن الجوزى: وكلّ حديث رأيته يخالف العقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع، فلا يتكلف اعتباره أى لَا تعتبر رواته ولَا تنظر فى جرحهم، أو يكون مما

یدفعه الحسّ والمشاهدة أو مباينًا لنصّ الكتاب أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعي حيث لَا يقبل شيء من ذلك التأويل أو يتضمّن الإفراط بالوعيد الشديد على الأمر اليسير أو بالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود فى حديث القُصّاص والطرقيّة، انتهى۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں پر ہے جہاں اس کے شواہد موجود نہ ہوں۔ ومن شواهده حديث تميم الداری رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ أنّه قال: ”من قال: أشهد أن لَا إلهَ إلّا الله وحده لَا شريك له إلٰهاً واحدًا أحدًا صمدًا لم يتّخذ صاحبةً ولَا ولدًا ولم يكن له كفوًا أحد عشر مرّات، كتب الله له أربعين ألف ألف حسنةٍ“ رواه الترمذی (ص ۲/۱۸۵) من طريق الخليل بن مرّة عن أزهر بن عبد الله عن تميم رضی اللہ عنہ، وقال هذا حديث غريب لَا نعرفه إلّا من هذا الوجه، والخليل بن مرّة ليس بالقوی عند أصحاب الحديث، وقال محمد بن إسماعيل هو منكر الحديث، انتهى۔

نیز حدیث متفق علیہ ”كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان، حبيبتان إلى الرحمٰن، سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم“۔ حدیث بالا کیلئے شاہدِ عظیم ہے، کیونکہ اس حدیث میں صرف ”سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم“ کو ثقل فى الميزان کا سبب قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ثقل فى الميزان حسناتِ کثیرہ کو مقتضی ہے، نیز حسنات میں بھی تو فرق ہوسکتا ہے، ممکن ہے کہ اعداد زیادہ ہوں قیمت کم ہو۔

جیسے کسی کے پاس دس لاکھ کی ایک بلڈنگ ہو اور دوسرے کے پاس ایک لاکھ کے دس مکانات ہوں، تو اول قیمتاً زائد عدداً کم اور ثانی اس کا عکس ہے۔

مقصود حدیث پاک میں ترغیب دینا ہے، باقی یہ شبہ کہ یہ بات تو ہم ہر جگہ کہہ سکتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مؤید اور شاہد کے بغیر یہ دعویٰ بلا دلیل اور ناقابلِ اعتبار ہوگا۔

تنبیہ: بندہ کے نزدیک یہ حدیث از قبیل حدیثِ مطروح معلوم ہوتی ہے، حدیثِ مطروح ضعیف سے کم درجہ اور موضوع سے اعلیٰ ہوتی ہے، حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں (ص ۱۱۵) تتمة: يقع فى كلامهم المطروح وهو غير الموضوع جزماً، وقد أثبته الذهبى نوعاً مستقلًا وعرّفه بأنّه ما نزل عن الضعيف وارتفع عن الحديث الموضوع، ومثّل له لحديثِ عمرو بن شَمّر عن جابر الجعفى عن الحسن عن علیّ رضی اللہ عنہ، وبجويبر عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، قال شيخنا: وهو المتروک فى

التحقیق یعنی الذی زادہ فی نخبتہ وتوضیحھا، وعرّفہ بالمتّھم راویہ بالکذب، انتھی۔
تعریف مذکور بعینہ اس حدیث پر صادق آتی ہے اسلئے کہ فائد اور جویبر اور عمرو بن شمر سب متروکین میں سے ہیں، واللہ اعلم۔ حررہ العبد محمد یونس عفی عنہ

اسکے بعد حضرت شیخ مدظلہ نے خود جواب لکھوایا جو بعینہ درج ذیل ہے۔

مکرم محترم مدفیوضکم، بعد سلام مسنون
اسی وقت گرامی نامہ پہونچا اس ناکارہ کو ماہ مبارک میں ڈاک کا وقت نہیں ملتا اور اس وقت اعتکاف کی حالت میں کتابوں کی مراجعت بھی مشکل ہے،
جناب نے بہت اچھا کیا کہ تنبیہ فرمادی کہ علامہ ابن جوزی کے مسلک کے حضرات کی بھی ضرورت ہے تاکہ اعتدال قائم رہے، لیکن اس پر تعجب ہوا کہ اس واعظ کو تو آپنے اتنی بات پر معاف فرمادیا کہ اس نے اس ناکارہ کی کتاب کا حوالہ آپ کو دکھلادیا، لیکن اس ناکارہ کو آپنے اس پر معاف نہ فرمایا کہ میں نے تو بہت اونچے شخص کا حوالہ یعنی ترغیب کا لکھ دیا تھا۔
ترغیب معتمد کتابوں میں ہے، فضائل میں اکابر کے یہاں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔
اس کے علاوہ اسلاف سے فضائل کے بارے میں ضعیف روایتوں پر عمل متعارف ہے، نیز فائد کے متعلق باوجود اس کے متروک ہونے کے ابن عدی کی رائے یہ ہے کہ ومع ضعفہ یکتب حدیثہ، ابن عدی خود بھی متشددین میں سے ہیں، اس کے علاوہ خود اس روایت کے متعدد شواہد اس جگہ پر موجود ہیں،
اور جو ثواب اس حدیث میں لکھا ہے وہ بھی کچھ اتنا نہیں جبکہ ''سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السماء والأرض'' وارد ہے، تو یہ مقدار تو اس سے بہت درجہ کم ہے، اگر غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، مگر ابتک ذہن میں یہ ہے کہ ان الفاظ کے فضائل اس کثرت سے ہیں کہ شواہد سے تائید بہت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ فقط والسلام۔

قدوتی وشیخی حضرت مولانا (محمد زکریا) صاحب شیخ الحدیث مدّظلّہم العالی
۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم

سوال:

آج کل خطیب خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھتے ہیں اس کا کسی صحیح روایت سے ثبوت ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

أخرج أحمد (ص ۲۱۲ ج۴) وأبویعلیٰ وأبوداود (ص ۱۸۲ ج۲) والبیهقی (ص ۲۰۶ ج۳) من طریق شهاب بن خراش حدثنا شعیب بن رزیق الطائفی قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله ﷺ یقال له الحکم بن حزن الکلفی، فأنشأ یحدثنا قال: ''وفدت إلی رسول الله ﷺ سابع سبعة أو تاسع تسعة فدخلنا علیه فقلنا؛ یا رسول الله! زُرناک فادع الله لنا بخیر، فأمر بنا وأمر لنا بشیء من التمر، والشأن إذ ذاک دُون، فأقمنا بها أیاماً شهدنا فیها الجمعة مع رسول الله ﷺ فقام متوکئاً علی عصاً أو قوس، فحمد الله وأثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات، ثم قال: ایّها الناس إنکم لن تطیقوا أو لن تفعلوا کل ما أمرتم به، ولکن سدّدوا وأبشروا''۔

شهاب بن خراش مختلف فیه، وثّقه الأکثرون، قال الحافظ فی التلخیص (ص ۶۴ ج۲): وقد صحّحه ابن السکن وابن خزیمة۔

وأخرج أحمد (ص ۲۸۲ ج۴) وابن أبی شیبة (ص۱۵۸ ج۲) وأبوداود (ص۲۰۴ ج۲) وعبد الرزاق (ص۲۸۷ ج۳) من طریق أبی جناب حدثنی یزید بن البراء عن أبیه قال: ''کنا جلوساً فی المصلی یوم أضحیٰ، فأتانا رسول الله ﷺ فسلّم علی الناس، ثم قال: إن أوّل نسک یومکم هذا الصلوة، قال: فتقدم فصلّی رکعتین ثم سلّم ثم استقبل الناس بوجهه، وأعطی قوسا

أو عصا فاتّكأ عليه، فحمد الله وأثنى عليه وأمرهم ونهاهم" الحديث۔

هذا لفظ أحمد ولفظ أبی داود: "أن النبیﷺ نوول یوم العید قوساً فخطب علیه" انتهی۔

وأخرج الطبرانی والبزار(ص۳۰۶) وابن سعد (ص۳۷۷) وأبوالشیخ بن حیان فی الأخلاق والبغوی فی شرح السنة (ص۲۴۳ ج۴) من طریق ابن لهیعة عن أبی الأسود عن عامر بن عبد الله بن الزبیر عن أبیه "أن رسول اللهﷺ کان یخطب بمخصره فی یده" ولفظ البزار "کان یشیر بمخصره إذا خطب"۔

وأخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباسؓ: "أن رسول اللهﷺ کان یخطبهم فی السفر متکئاً علی قوس" قال الهیثمی (ص ۱۸۷ ج۲): وفیه أبو شیبة وهو ضعیف۔

وأخرجه أبوالشیخ فی أخلاق النبیﷺ والبغوی فی شرح السنة (۲۴۸ ج۲) وفیه الحسن بن عمارة وهو متروک۔

وأخرج الطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی السنن (ص۲۰۶ ج۳) عن سعد القرظؓ مؤذن رسول اللهﷺ فی أثناء حدیث طویل "أن النبیﷺ کان إذا خطب فی الجمعة خطب علی عصاً" قال الهیثمی (ص ۱۸۷ ج۲): إسناده ضعیف۔

وأخرج عبد الرزاق (۱۸۵ ج۳) عن رجل من أسلم عن أبی جابر البیاضی عن ابن المسیّب "أن النبی ﷺ کان یتوکّأ علی عصاً وهو یخطب یوم الجمعة إذ کان یخطب إلی الجذع، فلما صنع المنبر قام علیه وتوکّأ علی العصا أیضا" وإسناده واہ، فإنّ الرجل الأسلمی هو ابن أبی یحییٰ شیخ الشافعی متروک، وأبو جابر البیاضی هو محمد بن عبد الرحمٰن مدینی لیس بثقة۔

وأخرج الشافعی فی الأم (ص ۲۳۸ ج ۱): أخبرنا ابراهیم عن لیث عن عطاء "أن رسول الله ﷺ کان إذا خطب یعتمد علی عنزته اعتماداً" إبراهیم هو ابن أبی یحییٰ الأسلمی متروک، ولیث هو ابن أبی سلیم مضعّف، قال الشافعی: وبلغنا "أن رسول اللهﷺ کان إذا خطب اعتمد علی عصاً" وقد قیل: "خطب معتمداً علی عنز ة وعلی قوس"۔

وأخرج الشافعی فی مسنده (ص۳۵۸ج۸) عن عبد المجید بن عبد العزیز عن ابن جریج قال قلت لعطاء: أکان النبیﷺ یقوم علی عصاً إذا خطب؟ قال: نعم، کان یعتمد علیها اعتماداً،

أخرجه البيهقى (ص ٢٠٦ ج٣) من طريق جعفر بن عون عن ابن جريج، وأخرجه عبد الرزاق فى مصنفه (ص ١٨٣ ج٣) عن ابن جريج، وأخرج (ص ٢٨٨ ج٣) عن معمر قال سمعت بعض أهل المدينة يذكر "أن النبىﷺ كان إذا خطب اعتمد على عصاه اعتماداً".

وأخرج أحمد (ص ٣٣٥ ج٤) وابن خزيمة فى صحيحه (ص ١٤١ ج٣) والبخارى فى تاريخه (ص ١٣٨ ج٢) عن عبد الله بن عبد الرحمٰن الطائفى عن عبد الرحمٰن بن خالد العدوانى عن أبيهؓ "أنه أبصر رسول اللهﷺ فى مشرق ثقيف وهو قائم على قوس أو عصا حين أتاهم يبتغى عندهم النصر، قال فسمعته يقرأ ﴿والسمَاءِ وَالطارِق﴾ حتى ختمها، قال: فوعيتها فى الجاهلية وأنا مشرك ثم قرأتها فى الإسلام، قال فدعتنى ثقيف فقالوا: ماذا سمعت من هذا الرجل؟ فقرأتها عليهم، فقال من معهم من قريش نحن أعلم بصاحبنا لو كنا نعلم ما يقول حقاً لتبعناه" عبد الرحمٰن بن خالد الطائفى قال الحسينى مجهول، قال ابن حجر: صحّح ابن خزيمة حديثه، ومقتضاه أن يكون عنده من الثقات، والطائفى يخطىء ويهم كما قال الحافظ، وترجم عليه ابن خزيمة استحباب الاعتماد فى الخطبة على القسىّ أو العصا استناناً بالنبىﷺ، انتهى.

وأخرج مسلم (ص ٤٠٥ ج٢) عن فاطمة بنت قيس فى قصة الجسّاسة قال رسول اللهﷺ وطعن بمخصرته فى المنبر :هذه طيبة هذه طيبة هذه طيبة -يعنى المدينة-.

اس باب کی جتنی روایات مجھے معلوم تھیں سب ہی لکھ دیں، ان کا مجموعہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خطبہ کے وقت حضور اکرمﷺ کی عادت تھی کہ کوئی لاٹھی یا کمان یا نیزہ دستِ شریف میں ہوتا تھا، اور یہ باتفاق المذاہب الاربعۃ مستحب ہے۔

بعض فقہاء احناف نے روایت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے استحباب کا انکار کیا ہے، لیکن محقق ابن امیر الحاج الحلبی وغیرہ نے اسکی تردید کی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شبِ سہ شنبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟

السائل-----------------

جواب: اولاً حدیث کی تخریج کرتا ہوں

أخرج أحمد في مسنده قال: حدثنا يزيد ثنا همام عن منصور عن سالم بن أبي الجعد عن جابان عن عبد الله بن عمروؓ عن النبي ﷺ قال: ”لَا يدخل الجنة منّان ولَا مدمن خمر“۔

ورواه عبدالرزاق: أنبأنا الثوري عن منصور به بلفظ: ”لَا يدخل الجنة عاقّ، ولَا مدمن خمر، ولَا منّان، ولَا ولد زنى، ولَا من أتى ذات محرم، ولَا من ارتدّ أعرابيّاً بعد هجرة“۔

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات وساق له طرقاً وأعلّها كلّها، وذكر من طريق عبد بن حميد حدثنا عبدالرحمٰن بن سعد الرازي حدثنا عمرو بن أبي قيس عن إبراهيم بن مهاجر عن مجاهد عن محمد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئاب عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال: ”لَا يدخل الجنّة ولد الزنا، ولَا شيء من نسله إلى سبعة آباء“۔

قال الدارقطني: اختلف على مجاهد في هذا الحديث على عشرة أوجه، فتارة يروى عن مجاهد عن أبي هريرةؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن عمرؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن أبي ذئاب، وتارة عن مجاهد عن ابن عمروؓ موقوفاً إلى غير ذلك، وكلّه من تخليط الرواة۔

قال السيوطي في اللآلي (ص ۱۶۴/۲) وكذا قال أبونعيم في الحلية: وسرد العشرة، وقال زيادةً على الخمسة المذكورة: وتارة عن مجاهد عن مولى لأبي قتادة عن أبي قتادة، وتارة عن مجاهد عن أبي سعيد الخدريؓ، وتارة عن مجاهد عن ابن عباسؓ، وتارة عن مجاهد عن أبي زيد الجرمي، وتارة عن مجاهد مرسلاً، ثم ذكر أسانيد العشرة فأفاد وأجاد، انتهى۔

قال ابن الجوزي: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول وأعظمها قوله تعالى ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾ انتهى۔

وقال الحافظ ابن حجر في القول المسدد (ص ۴۲) بعد رواية أحمد: و رواه أيضاً غندر وحجّاج عن شعبة عن منصور عن سالم عن نبيط بن شريط عن جابان به، ورواه النسائي من طريق شعبة كذلك، ومن طريق جرير والثوري كلاهما عن منصور كرواية همام، وقال: لَا

نعلم أحداً تابع شعبة على نبيط بن شريط، وذكر الدارقطنى الاِختلاف فيه فى كتاب العلل على مجاهد، وقال البخاریؒ فى التاريخ: لَا يعرف لجابان سماع عن عبدالله بن عمرو ولَا لسالم من جابان، انتهى۔

وأورده ابن الجوزى فى الموضوعات من طريق سفيان الثورى، تارةً كرواية النسائى، وتارةً من روايته عن عبدالكريم عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو، وأخرجه أيضاً من رواية عمر بن عبد الرحمٰن أبى حفص الأبار عن منصور عن عبد الله بن مرّة عن جابان، وأعلّه بما أشار إليه الدارقطنى من الاِضطراب، وليس فى شىء من ذلک ما يقتضى الحكم بالوضع ، انتهى۔

قلت: ليس حكم ابن الجوزى بسبب الاِضطراب الذى ذكره الدارقطنى، بل سببه ثلاثة أمور: الأوّل: الاِضطراب، والثانى: الكلام فى رُواته فإنه لَايخلوسند من أسانيده عن مقال، والثالث: مخالفتها للأصول وهوأعظم الأوجه ، ومن أعظم الأُصول قوله تعالى ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾ ۔

قال السيوطى فى اللآلى (ص ۲/۱٦۴): قال الرافعى فى تاريخ قزوين: رأيت بخط الاِمام أبى الخير أحمد بن إسمعيل الطالقانى سألنى بعض الفقهاء فى المدرسة النظامية ببغداد فى جمادى الأولى سنة ستّ وسبعين وخمسمائة عمّا ورد فى الخبر "إنّ ولد الزنا لَا يدخل الجنة" وهناک جمع من الفقهاء، فقال بعضهم: هذا لَا يصحّ ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾، وذكر أن بعضهم قال فى معناه: أنه إذا عمل عمل أصليه (أبويه) وارتكب الفاحشة لَا يدخل الجنة ، وزيف ذلک بأنّ هذا لَا يختصّ بولد الزنا بل حال الرشدة مثله۔

ثمّ فتح الله تعالى علىّ جواباً شافياً لَا أدرى هل سبقت إليه ؟ فقلت: معناه أنه لَا يدخل الجنة بعمل أصليه، بخلاف ولد الرشدة، فإنّه إذا مات طفلا وأبواه مؤمنان ألحق بهما وبلغ درجتهما بصلاحهما علٰى ما قال تعالى ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا واتَّبَعَتهُمْ ذُرِّيَتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾۔ وولد الزنا لَايدخل الجنة بعمل أصليه، أمّا الزانى فنسبه منقطع، وأمّا الزانية فشؤم زناها ، وإن صلحت يمنع من وصول بركة صلاحها إليه، انتهى۔

كتبه العبد محمد يونس عفى عنه

سوال:

کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

حدیث مسجد العشار کو امام ابوداود نے اپنی سنن مین روایت کیا ہے (ص۱۰۸/۵ بذل) فرماتے ہیں:

حدثنا محمد بن المثنى نا إبراهيم بن صالح بن درهم قال: سمعت أبى يقول: انطلقنا حاجّين فإذا رجل! فقال لنا: إلى جنبكم قرية يقال لها ''الأبّلة'' ؟ قلنا: نعم، قال: من يضمن لى منكم أن يصلّى فى مسجد العشّار ركعتين أو أربعاً، ويقول: ''هذه لِأبى هريرة'' سمعت خليلى أبا القاسم ﷺ يقول :''إن الله يبعث فى مسجد العشّار يوم القيامة شهداء، لَايقوم مع شهداء بدر غيرهم'' قال أبوداود: وهذا المسجد مما يلى النهر۔

قلت: محمد بن المثنى أخرج له الستّة، وإبراهيم بن صالح ابن درهم أبومحمد البصرى قال البخارى: لَا يتابع على حديثه، وقال العقيلى: إبراهيم وأبوه ليسا بمشهورين بنقل الحديث، والحديث غير محفوظ۔ وقال الدار قطنى: ضعيف۔ وذكره ابن حبّان فى الثقات۔ وقال الحافظ ابن حجر فى التقريب: فيه ضعف ، وأبوه صالح بن درهم أبو الأزهر البصرى ، قال الآجرى: قلت لِأبى داود: هو قدرى؟ قال:لَا أدرى، وقال عباس عن يحى: صالح بن درهم ثقة، وقال الدارقطنى فى ترجمة إبراهيم بن صالح: أبوه صالح ثقة۔

ان اقوال ائمہ کے نقل کرنے سے یہ محقق ہوگیا کہ قابل التفات کلام صرف ابراہیم بن صالح کے بارے میں ہے، مگر کسی نے ان کو وضّاع یا متّھم بالکذب وغیرہ نہیں کہا ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صرف امام بخاری کا قول 'لَا يتابع عليه' کہکر چھوڑ دیا ہے، اگرچہ دارقطنی نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے 'فيه ضعف' فرمایا ہے۔

لہذا قولِ فیصل حافظ ابن حجر کا قول ٹھہرا، اور یہ بات اصول حدیث میں ثابت ہے کہ محض راوی کا ضعیف ہونا یا

اسمیں کچھ ضعف ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا سبب نہیں ہے بلکہ احادیث کے موضوع ہونے کیلئے اسبابِ مخصوصہ ہیں، حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

فالقسم الأوّل: وهو الطعن بكذب الراوی فی الحديث النبوی هو الموضوع، والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظنّ الغالب لَا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب، لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قويّة يميّزون بها ذلک ، وقد يعرف الوضع بإقرار واضعه، قال ابن دقيق العيد: لكن لَا يقطع بذلک لِاحتمال أن يكون كذب فی ذلک الاِقرار، انتهی۔

قال الحافظ: ولَا يلزم من نفی القطع نفی الحكم، لأنّ الحكم يقع بالظنّ الغالب وهو هنا كذلک، ولو لَا ذلک لما ساغ قتل المقرّ بالقتل، ولَا رجم المعترف بالزنا، لِاحتمال أن يكونا كاذبين فيما اعترفا به، ومن القرائن التی يدرک بها الوضع ما يؤخذ من حال الراوی، كما وقع لمأمون بن أحمد أنّه ذكر بحضرته الخلاف فی كون الحسن سمع من أبی هريرة أو لَا ؟

فساق فی الحال إسناداً إلی النبی ﷺ أنّه قال: سمع الحسن من أبی هريرة۔

وكما وقع لغياث بن إبراهيم حيث دخل علی المهدی فوجده يلعب بالحمام، فساق فی الحال إسناداً إلی النبی ﷺ أنه قال : "لَا سبق إلّا فی نصل أو خفّ أو حافر أوجناح" فزاد فی الحديث "أو جناح"، فعرف المهدی أنّه كَذب لِأجله، فأمر بذبح الحمام۔

ومنها ما يؤخذ من حال المروی كأن يكون مناقضا لنصّ القرآن أو السنّة المتواترة أو الاِجماع القطعی أو صريح العقل، حيث لَا يقبل شیء من ذلک التأويل، انتهی۔

حافظ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسبابِ وضع معدود ہیں، اول راوی کا متہم بالکذب ہونا، ثانی اقرار وضع، ثالث حال راوی دلالت کرے، رابع مروی نص قرآن کے خلاف ہو، خامس سنۃ متواترۃ کے خلاف ہو، سادس اجماع قطعی کے خلاف ہو، سابع صریح عقل کے خلاف ہو اور تأویل ناممکن ہو، یہ سات اسبابِ وضع ہیں، انمیں سے کوئی بھی اس حدیث میں موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ اتنا ثواب اس عمل قلیل پر صریح عقل کے خلاف ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ خود اس قسم کا ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

صحیح مسلم ترمذی نسائی وغیرہ میں حضرت ابو مالک اشعریؓ کی روایت ہے،

قال رسول الله ﷺ : ”الطهور شطر الإيمان ، والحمدلله تملأ الميزان ، وسبحان الله والحمدلله تملآن أو تملأ مابين السماوات والأرض“ الحديث۔

وفی جامع الترمذی: عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جدهؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”من سبّح لله مائة بالغداة ومائة بالعشیّ كان كمن حجّ مائة حجّة،و من حمد الله مائة بالغداة ومائة بالعشیّ كان كمن حمل على مائة فرس فی سبيل الله ، ومن هلّل الله مائة بالغداة ومائة بالعشیّ كان كمن أعتق مائة رقبة من ولد إسمعيل، ومن كبّرالله مائة بالغداة ومائة بالعشیّ لم يأت فی ذلک اليوم أحد بأكثر مما أتى به إلّا من قال مثل ذلک أوزاد على ما قال“۔ قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب۔

قلت: فی إسناده الضحّاک بن حمزة، قال النسائی: ليس بثقة ، وقال البخاری : مُنكرُ الحديث مجهول، وقال ابن معين: ليس بشیء، وذكره ابن حبان فی الثقات، ورواه الذهبی فی الميزان فی ترجمته بإسناده وقال: رواه الترمذی وحسّنه، فلم يصنع شيئاً۔

قلت : وهو إذن ضعيف، شاهد فی أصل زيادة الثواب إلى هذا المقدار لحديث الباب، وأخرج الترمذی فی جامعه (ص ۱/۷٦) عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ”من صلّى الفجر فی جماعة، ثمّ قعد يذكر الله حتّى تطلع الشمس، ثم صلّى ركعتين كانت له كأجر حجّة وعمرة، قال: قال رسول الله ﷺ : تامّة، تامّة، تامّة “۔ قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب۔

وغير ذلک من الأحاديث كحديث الصحيحين المعروف : ”كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فی الميزان، حبيبتان إلى الرحمٰن، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم“۔

ائمۂ مذکورین یعنی حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ میں سے کسی نے بھی اسکو موضوع نہیں کہا ہے، اگر موضوع ہوتی تو حافظ ذہبی جیسا آدمی تو چوک ہی نہیں سکتا تھا، كما لَا يخفٰى علٰى من طالع كتبه۔

خود امام ابوداود نے اس حدیث کی تخریج کے بعد اس پر سکوت فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صالح ہے، كما صرّح به فی رسالته إلى أهل مكة۔

حافظ سیوطی حاوی (ص ۱/۳۳۸) میں تحریر فرماتے ہیں: **وقال أبوداود: إنّ ما رويته فى هذا الكتاب ولم أضعّفه فهو صالح يعنى للاحتجاج، والصالح له إمّا صحيح أو حسن۔**

نیز بغوی نے مصابیح میں ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث انکے نزدیک قابل اعتبار ہے، کیونکہ انہوں نے مقدمۂ مصابیح میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ مناکیر کو اپنی کتاب میں نہیں ذکر فرمائیں گے۔

اسی طرح محبّ طبری نے حدیث مذکور بحوالۂ ابوداود اپنی کتاب **القِرٰی لقاصد أم القُرٰی** (ص ٦٤٧) میں ذکر فرمایا ہے اور کوئی کلام نہیں کیا۔

رہ گیا عقیلی کا یہ کہنا **حديثه غير محفوظ**، اس سے وضع لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ محفوظ کا مقابل شاذ ہے، **كما هو المشهور، والشاذ لَايلزمه الضعف فضلًا عن أن يكون موضوعاً۔**

وبعد البحث المذكور فالظاهر عند هذا العبد: أنّ هذا الحديث من الضعيف المتماسك۔ والله أعلم۔

كتبه العبد محمد يونس

غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟

نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟

خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ

(۱) غزوات وسرایا میں جو لواء (جھنڈے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عنایت فرماتے تھے ان کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس کے اوپر کیا لکھا ہوا تھا؟

(۲) نیز عید کے موقع پر جب آپ ﷺ نماز عید کے لئے تشریف لے جاتے تھے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آگے جو عصا لے کر چلتے تھے بتایا جاتا ہے کہ اس پر رمح (نیزہ) لگا ہوا تھا، کیا اس کے اوپر کوئی جھنڈا بھی ہوتا تھا؟ اگر ہوتا تھا تو اس کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟

حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرماتے ہوئے اس حدیث کو عربی متن اور حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

(۳) علاوہ ازیں خلفاء راشدین کے زمانے میں کیا جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ اگر ایک ہی قسم کے تھے تو ان کا رنگ کیسا تھا؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا تھا؟ اور اگر الگ الگ تھے تو ان کی نوعیت کیا تھی؟

بیّنوا توجروا عند اللہ۔

عبدالکریم پاریکھ، ناگپور، الہند

۲۹/ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

جواب:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کے لئے کتب حدیث وسیر میں عام طور پر دو لفظ آئے ہیں لواء اور رایۃ،

ففی شرح المواهب (ص ٢٧٦ ج ٣): أول راية عقدها عليه الصلوٰة والسلام كانت لحمزة رضـ،

وأوّل سريّة بعثها كانت له لواء، كما جزم ابن عقبة وأبو معشر والواقدی وابن سعد فی آخرين، وصحّحه ابن عبد البر، انتهیٰ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ دونوں مترادف ہیں، لیکن قاضی ابن العربی کی رائے ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔

لواء وہ جھنڈا ہے جس میں نیزے کے اوپر کپڑا لپیٹ دیا جائے اور رایہ میں نیزہ یا کسی لمبی چیز میں کپڑا باندھ دیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑتا اور حرکت کرتا رہتا ہے۔ بعضوں نے اور بھی فرق کیا ہے، روایات کے عام الفاظ سے بھی تفریق ہی معلوم ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھنڈے صحابہ کو عنایت فرمائے اور ان کو لواء سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے تتبع و تلاش میں ایک روایت کو چھوڑ کر سب جگہ ان کا رنگ سفید ہی ملتا ہے۔

ابن سعد نے سریّۂ حمزہ (ص۶ ج۲) سریّۂ عبیدۃ بن الحارث (ص۷ ج۲) سریّۂ سعد بن ابی وقاص (۷ ص۷ ج۲) غزوۃ الابواء (ص۸ ج۲) غزوۂ بواط (ص۸ ج۲) غزوۂ طلبِ کرز بن جابر الفہری (ص۹ ج۲) غزوۂ ذی العشیرۃ (ص۹ ج۲) غزوۂ بنو قینقاع (ص۲۹ ج۲) غزوۂ خیبر (ص۱۰۶ ج۲) سریّۂ موتہ (ص۱۲۸ ج۲) سریّۂ عمرو بن العاص الی ذات السلاسل (ص۱۳۱ ج۲) سریّۂ علی بن ابی طاب الی الفلس صنم طی (ص۱۶۴ ج۲) میں لواء ابیض لکھا ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے، بعض جگہ ماتن نے تصریح کی ہے اور بعض جگہ شارح نے (ص۳۹۰/ ۳۹۱/ ۳۹۳/ ۳۹۴/ ۳۹۵/ ۳۹۷/ ۴۵۷ ج۱)، (ص۲۲۲/ ۲۶۹/ ۲۷۸ ج۲)، (ص۵۳ ج۳) اسی طرح غزوہ بنی سلیم (ص۴۵۵) میں بھی لکھا ہے، اور ابن ہشام (ص۵۱۳ ج۱) میں غزوۂ بدر میں اور رایات کے متعلق کتبِ سیر میں سیاہ رنگ وارد ہے، اور کتب حدیث میں سوداء صفراء حمراء بیضاء مختلف رنگ مذکور ہیں۔ اب آگے کچھ احادیث الویہ ورایات کے رنگ کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

(۱) عن جابرؓ: ”أنّ النبی ﷺ دخل مكة ولواؤه أبيض“. رواه الترمذی (ص۲۰۱ ج۱) وأبو داود (ص۴۳۸ ج۳ بذل) وابن ماجه (ص۲۰۷) والحاكم (ص۱۰۴ ج۱) والبيهقی (ص۳۶۲ ج۶) من طريق يحيى بن آدم عن شريک عن عمار الدهنی عن أبی الزبير عنه، قال الترمذی: هذا حديث غريب لَا نعرفه إلّا من حديث يحيى بن آدم عن شريک، وسألت محمداً (البخاری) عن هذا الحديث فلم يعرفه إلّا من حديث يحيى بن آدم عن شريک، و قال: حدثنا

غیر واحد عن شریک عن عمار عن أبی الزبیر عن جابرؓ: ’’أن النبی ﷺ دخل مکة وعلیه عمامة سوداء‘‘۔ قال محمد –البخاری– :والحدیث هو هذا، إنتهی۔

(۲) عن جابر بن عبد اللهؓ :’’أنّ رایة النبی ﷺ کانت سوداء‘‘۔ رواه الطبرانی فی المعجم الصغیر (ص ۱۱۱ ج۲) بسند حسن رجاله ثقات، وقال الهیثمی (۳۲۱ ج۵): رواه الطبرانی فی الثلاثة، وفی إسناد الکبیر شریک النخعی، وثّقه النسائی وغیره، وفیه ضعف، وبقیّة رجاله ثقات۔

(۳) عن یونس بن عبید مولٰی محمد بن القاسم قال: بعثنی محمد بن القاسم إلی البراء بن عازبؓ یسأله عن رایة رسول الله ﷺ فقال: ’’کانت سوداء مربّعة من نمرة‘‘۔ رواه أحمد (ص۲۹۷ ج۴) و أبوداود (ص۴۳۸ ج۳ بذل) والترمذی (ص ۲۰۱ ج ۱) والبخاری فی التاریخ والطبرانی فی الاوسط (ص۳٦۸ ج۵) والبیهقی (ص۳۹۳ ج۹)، قال الترمذی: هذا حدیث حسن، وکذا حسّنه الذهبی۔

(۴) عن الحارث بن حسان البکریؓ قال: ’’قدمنا المدینة فإذا رسول الله ﷺ قائم علی المنبر وبلال قائم بین یدیه متقلد السیف وإذا رایات سود، وسألت ما هذه الرایات؟ قالوا: عمرو بن العاصؓ قدم من غزاة‘‘۔ أخرجه أحمد (ص ۴۸۱ ج۳) وابن ماجه (ص۲۰۷) والبیهقی (ص۳٦۳ ج٦) من طریق أبی بکر بن عیاش عن عاصم عن الحارث به، قال البیهقی: ورواه سلام بن المنذر عن عاصم عن أبی وائل عن الحارث بن حسان، وقال فی متنه: ’’فإذا رایة سوداء تخفق، فقلت: ما شأن الناس؟ قالوا: هذا رسول الله ﷺ یرید أن یبعث عمرو بن العاص وجهاً‘‘۔ قلت: أخرجه احمد هکذا من هذا الوجه۔

وروی عبدالرزاق (۲۸۸ ج۵) عن ابن جریج قال: حدثت عن شقیق بن سلمة عن رجل ’’رأی رایة رسول الله ﷺ التی عقدها لعمرو بن العاصؓ سوداء‘‘۔

(۵) عن سماک عن رجل من قومه عن آخر منهم قال: ’’رأیت رایة رسول الله ﷺ صفراء‘‘۔ رواه أبوداود (ص۴۳۸ ج۳ بذل) والبیهقی (ص۳٦۳ ج٦) وفی إسناده مبهم۔

(٦) عن مزیدة العبدیؓ: ’’أن النبی ﷺ عقد رایات الأنصار فجعلهن صُفراً‘‘۔ رواه

الطبرانی (ص۳۴۷ج۲) وفیه محمد بن اللیث ولم أعرفه، وبقیة رجاله ثقات، کذا فی مجمع الزوائد (ص۳۲۱ج۵)۔

قلت: فیه هود العقری مجهول الحال۔

(۷) عن کریز بن سامة: "أنّ النبی ﷺ عقد رایة لبنی سلیم حمراء"۔ رواه الطبرانی (ص۱۸۹ج۱۹) وفیه من لم أعرفهم، کذا فی المجمع (ص۳۲۱/۵)۔

قلت: ورواه أبونعیم فی الصحابة من طریق الرحال بن المنذر العامری حدثنا أبی عن أبیه عن کریز کما فی الإصابة، قال ابن عبد البر (ص۲۳۴ج۱): حدیثه یدور علی هذا الإسناد۔

قلت: والرحال بن المنذر وأبوه وجده لَا یعرفون، لم یذکرهم أحد فی الرجال۔

(۸) عن ابن جریج قال: أخبرنی رجل من أهل المدینة أن رایة النبی ﷺ کانت تکون بیضاء، ولواءه أسود"۔ رواه عبد الرزاق (ص۲۸۹ج۵)۔

(۹) عن ابن عباسؓ قال: "کانت رایة النبی ﷺ سوداء، ولواؤه أبیض"۔ رواه الترمذی (۲۰۱ج۱) وابن ماجه (ص۲۰۷) والحاکم (ص۱۰۵ج۲) والبیهقی (۳۶۳ج۶) من طریق یحیی بن إسحاق السیلحینی عن یزید بن حیان عن أبی مجلز عنه، قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه من حدیث ابن عباسؓ، انتهی۔ وقال الذهبی: یزید بن حیان ضعیف، قلت: قال ابن الجنید عن ابن معین: لیس به بأس، وقال البخاری: عنده غلط کثیر، وذکره ابن حبان فی الثقات، وقال: یخطئ، ورواه أبویعلیٰ والطبرانی من طریق حیان بن عبید الله عن أبی مجلز عن ابن عباسؓ به، قال ابن أبی حاتم فی حیان هذا سمعت أبی یقول: هو صدوق، وسیأتی فیه بقیة کلام الأئمة فی الحدیث الذی بعده۔

(۱۰) عن بریدةؓ: "أنّ رایة رسول الله ﷺ کانت سوداء، ولواؤه أبیض"۔ رواه أبو یعلیٰ والطبرانی وابن عدی من طریق حیان بن عبیدالله المذکور فی الحدیث السابق عن عبدالله بن بریدة عن أبیه، قال البخاری فی راویه حیان: ذکر الصلت منه الاختلاط، وذکره ابن عدی فی الضعفاء، وقال: عامة حدیثه أفراد انفرد بها، وذکر العقیلی له حدیثاً، وقال: لَا یتابع علیه۔ وقال أبوحاتم: صدوق۔ وقال إسحاق بن راهویه: حدثنا روح بن عبادة ثنا حیان بن عبید الله وکان

رجل صدق۔ وذكره ابن حبان فى الثقات۔

(تنبيه) كلّ من أخرج هذا الحديث فجمعه مع حديث ابن عباسؓ، لأنهم أخرجوه من طريق حيان المذكور، قال: حدثنا أبو مجلز عن ابن عباسؓ، وحدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه،

قال الهيثمى رواه أبو يعلى والطبرانى، وفيه حيان بن عبيد الله، قال الذهبى: بيّض له ابن أبى حاتم فهو مجهول، وبقية رجال أبى يعلىٰ ثقات، انتهى۔

قلت: الذى قال فيه الذهبى: بيّض له ابن أبى حاتم، هو رجل آخر، وهو حيان بن عبدالله أو عبيد الله المروزى، والراوى للحديث حيان بن عبيدالله بن حيان أبو زهير العدوى البصرى، ونقل فيه الذهبى قول البخارى، وقال فيه ابن أبى حاتم عن أبيه: صدوق، كما تقدّم، وذكر الذهبى هذا الحديث فى الميزان، فلعلّه أشار إلى ضعفه، والله أعلم۔

(۱۱) عن ابن عباسؓ قال: ”كان مكتوباً على راية رسول الله ﷺ لَا إله إلّا الله محمد رسول الله“، رواه أبوالشيخ وسنده واهٍ، كذا فى الفتح۔

(۱۲) عن ابن عباسؓ قال: ”كانت راية رسول الله ﷺ سوداء، ولواؤه أبيض، مكتوب عليه ’لَا إله إلّا الله محمد رسول الله“۔ رواه الطبرانى فى الأوسط (ص ۱۷۱ / ۱) وفيه حيان بن عبيدالله المذكور سابقاً، وبقية رجاله رجال الصحيح، قال الهيثمى: رواه الترمذى وابن ماجه انتهى، فكأنه أشار إلى شذوذ ذكر الكتابة۔

وقال ابن سعد فى غزوة خيبر (ص ۱۰۶ / ۲): ”ولم تكن الرايات إلّا يوم خيبر، إنما كانت الألوية، فكانت راية النبى ﷺ سوداء من برد لعائشةؓ تدعىٰ: العقاب ولواؤه أبيض“۔

ولمّا بعث عليّاؓ إلى اليمن عقد له لواء، قال الواقدى: ”أخذ عمامةً فلفّها مثنية مربعة فجعلها فى رأس الرمح ثمّ دفعها إليه“۔ كذا فى شرح المواهب (ص ۱۰۳ / ۳)۔

وقال فى سريّة عمرو بن العاصؓ إلى ذات السلاسل (ص ۱۳۱ / ۲): ”فدعا رسول الله ﷺ عمرو بن العاصؓ، فعقد له لواءً أبيض، وجعل معه راية سوداء“۔

وقال فى سرية على بن أبى طالبؓ إلى القلس صنم طىّ (ص ۱۶۴ / ۲): ”بعث رسول الله ﷺ على بن أبى طالبؓ فى خمسين ومائة رجل من الأنصار على مائة بعير وخمسين فرساً

ومعه راية سوداء، ولواء أبيض"۔

وقال ابن إسحاق فی غزوة بدر: "ودفع اللواء إلی مصعب بن عمیرؓ"۔ قال ابن هشام (ص ۱/۶۱۲): "وكان أبيض" قال ابن إسحاق: "وكان أمام رسول الله ﷺ رايتان سوداوان، أحدهما مع علی بن أبی طالبؓ يقال لها: العقاب، والأخرى مع بعض الأنصار"۔ وقال ابن هشام: وكانت راية الأنصار مع سعد بن معاذؓ۔

ان تمام روایات سے آں حضرت ﷺ کے الویہ ورایات کے الوان کی تفصیل معلوم ہوگئی اور حدیث نمبر ۱۱ اور ۱۲ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رایہ پر "لَا إله إلّا الله محمد رسول الله" لکھا ہوا تھا۔

(۲) کسی روایت میں یہ نہیں ملا کہ حضرت بلالؓ عصا لیکر عید کے موقع پر آپ ﷺ کے آگے چلتے تھے، ہاں نیزہ کا تذکرہ ضرور وارد ہے۔

اتنا تو صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ عید میں آپ ﷺ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا،

ولفظه: "أن رسول الله ﷺ إذا خرج يوم العيد أمر بالحربة فتوضع بين يديه، فيصلّی إليها والناس وراءه، وكان يفعل ذلك فی السفر، فمن ثمّ اتّخذها الأمراء" قال الحافظ: وقد روى عمر بن شبّة فی أخبار المدينة من حديث سعد القرظؓ: "أن النجاشی أهدى إلی النبی ﷺ حربةً فأمسكها لنفسه فهی التی يمشی بها مع الإمام يوم العيد" انتهی۔

وأخرج الطبرانی فی الكبير من حديث سعد القرظؓ: "أن النجاشی بعث إلی النبی ﷺ بثلاث عنزات فأمسكها النبی ﷺ واحدة لنفسه، وأعطی علياًؓ واحدة، وعمرؓ واحدة، وكان بلَالؓ يمشی بها بين يديه فی العيدين فيصلّی إليها" قال الهيثمی (ص ۲/۵۸): فی إسناده من لم يسمّ۔

کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس پر کوئی جھنڈا لگا ہوا تھا، بظاہر جھنڈا وغیرہ کچھ نہیں تھا اور نہ ہی اس پر کچھ لکھا ہوا تھا، والعلم عند الله سبحانه وتعالی۔

(۳) خلفاء راشدین کے جھنڈے کس رنگ کے تھے؟ اس کے متعلق کہیں کوئی چیز نظر سے نہیں گذری،

ان حضرات کی سیر وسوانح دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے یا کسی اور سے معلوم کرلیا جائے، صرف ایک روایت سے کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

قال سعيد بن منصور في سننه (ص ٢/٢٢٢): حدثنا عبدالله بن وهب أخبرني عمرو بن الحارث أن يزيد بن أبي حبيب حدثه: "أن أوّل من عقد اللواء الأبيض معاوية بن أبي سفيان، إنما كانت الرايات سُوداً" انتهى.

لیکن یہ حدیث بظاہر مشکل ہے، ماقبل میں متعدد روایات سے دورنبوی میں الویہ کا ابیض ہونا معلوم ہو چکا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر محمد یونس عفی عنہ

شب ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک روایت میں ابن عُمر یا ابن عَمرو کیا صحیح ہے؟

سوال: ایک حدیث کے سلسلے میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

حضرت حسن بصری متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت فرماتے ہیں:

"من أرسل نفقة في سبيل الله و أقام في بيته......" الخ رواه ابن ماجه (ص ۲۰۳)

اس روایت میں ترغیب (ص ۲/۲۵۳) جمع الفوائد (۲/۳) درمنثور (ص ۱/۳۳۶) تفسیر فتح القدیر (ص ۱/۲۵۸) روح المعانی (ص ۳/۲۸) وغیرہ میں متعدد صحابہ کے ناموں میں عبداللہ بن عمرؓ کا ایک نام ہے، مگر ابن ماجہ اور مشکوٰۃ شریف (ص ۳۳۵) میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو دونوں ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے ایک نام لکھا ہے ان مین کسی نے 'عبداللہ بن عمر' لکھا ہے اور کسی نے 'عبداللہ بن عمرو' دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس روایت میں دونوں صحیح ہیں یا ایک؟ اور ایک ہے تو کونسا؟

(مولانا) محمد عبداللہ طارق (صاحب)

۷/صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

جواب:

احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں ہی حضرات سے مروی ہے، اور صاحب مشکوٰۃ کی نقل راجح ہے اور اس کے کئی قرائن ہیں۔

پہلا تو یہ کہ اصل سنن ابن ماجہ میں دونوں کا تذکرہ ہے،

اور دوسرا یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ حدیث النکت الظراف علی الأطراف میں مسانید ابن عمر (ص ۳۳۲/۵) اور مسانید عبداللہ بن عمرو بن العاص (ص ۲۸۵/۶) دونوں ہی میں ذکر کی ہیں اور حافظ جمال الدین المزی کے تحفۃ الاشراف میں ذکر نہ کرنے پر نقد کیا ہے،

اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ علامہ علی المتقیؒ نے منتخب کنز العمال میں (ص ۲۶۴/۲) میں دونوں کا نام ذکر کیا ہے،

اور چوتھا قرینہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں (ص ۱۹۹/۴) میں صاحب مشکوٰۃ پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شب شنبہ ۱۱/صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

**************○○○**************

اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟

سوال:

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی جنات صحابی سے ملاقات ہوتی ہے اور ان سے وہ لوگ بیعت واکتساب فیض کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان سے بشکل انسانی کوئی آدمی ملاقات کرے تو وہ تابعین میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور ان سے دینی فیض بذریعہ بیعت وغیرہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور خیر القرون میں باہم جنات وانسان میں اس طرح بیعت اور رشد وہدایت اور فیض رسانی کا سلسلہ قائم ہوا ہے یا نہیں؟ اور اب ہوسکتا ہے یا نہیں؟

ظہور الحسن سالیروی سہارنپور

مقیم جامع مسجد نجیب آباد

جواب:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ”صلّی النبی ﷺ صلوٰة العشاء فی آخر حیاته فلمّا سلّم قام النبی ﷺ فقال: أرأیتکم لیلتکم هذه ! فإنّ رأس مائة سنة لَا یبقی ممّن هو الیوم علی ظهر الأرض أحد“۔ رواه البخاری (ص ۸۴) ومسلم (۲/۳۱۰)۔

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: ”لمّا رجع النبی ﷺ من تبوک سألوه عن الساعة، فقال رسول الله ﷺ: لَا تأتی مائة سنة وعلی الأرض نفس منفوسة الیوم“۔ رواه مسلم۔

اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ”سمعت النبی ﷺ یقول قبل أن یموت بشهر: ما علی الأرض من نفس منفوسة تأتی علیها مائة سنة“۔ رواه مسلم (۲/۳۱۰)۔

ان احادیث کی وجہ سے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ جو شخص وفاتِ نبوی کے سوسال بعد صحابیت کا دعوی کرے وہ کاذب ہے، حضرت عیسی علیہ السلام چونکہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ فرما کر مہلت دیدی اس لئے ان کا استثناء ذکر کیا ہے، اسی طرح حضرات صوفیہ اور بعض محدثین جیسے ابوالقاسم السہیلی، حافظ ابن الصلاح، امام نووی حضرت خضر علیہ السلام کو مستثنیٰ مانتے ہیں کیونکہ ان حضرات کی رائے پر وہ زندہ ہیں، امام نووی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر ارشاد نبوی کے وقت سمندر میں ہوں۔

جنات بھی اس قسم کی احادیث کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟

کسی روایت سے اس کی نفی یا اثبات معلوم نہیں ہوتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی داخل ہیں لہٰذا محدثین کے اصول کے مطابق کسی جن کا مدت مذکورہ کے بعد صحابیت کا دعوی غیر معتبر ہے، اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جن حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہیں اس لئے کہ حدیث میں بظاہر انسانوں کو مراد لیا گیا تو جن کا قول مانا جاسکتا ہے۔

لیکن جنّات بکثرت دروغ گوئی کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کے صدق وکذب کا کوئی قطعی قرینہ نہیں ہے اس لئے اس میں توقف کرنا چاہئے، ہاں قرائن سے تصدیق وتکذیب کا رجحان حاصل ہوسکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے، اس لئے جیسے آدمیوں کو آپ ﷺ کی صحبت سے صحابیت کا رتبۂ عالیہ حاصل ہوا اسی طرح جنات کو بھی یہ مرتبہ ملا، اسی لئے محدثین نے ان بعض جن صحابہ کے اسماء اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں جن کا کسی طرح پتہ چل گیا، اب جس طرح انسانی صحابی کی رویت وصحبت سے تابعیت کا شرف حاصل ہوجاتا ہے اسی طرح جن صحابی کی رویت وصحبت سے بھی یہ شرف حاصل ہوگا۔

لیکن قرنِ صحابہ گذر جانے کے بعد کسی جن صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیرِ صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے ساتھ خاص ہے جو ایک مخصوص زمانہ چالیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال پر علی اختلاف الاقوال بولا جاتا ہے، اور بعض کی رائے پر قرن ایک زمانہ کے ان متقارب لوگوں پر بولا جاتا ہے جو کسی امر مقصود میں شریک ہوں،

ان دونوں تفسیروں پر حدیث ''**خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**'' کی فضیلت مابعد کے زمانوں میں بظاہر حاصل نہ ہوگی، ہاں ملاقات موجب برکت ہوگی۔

جنات سے بیعت وغیرہ کی ہمارے علم میں کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی پتہ چلتا ہے، ویسے کسی جن سے اعتماد ویقین وتجربہ کے بعد اکتسابِ علوم وفوائد میں بظاہر کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے۔

والعلم عنداللہ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۱/صفر المظفر ۱۳۹۸ھ

بعض روایات کی تحقیق وتخریج

ایک سوال آیا تھا اور اس میں بہت سی روایات کتابوں کے نام کے ساتھ تھیں، اور بعض کا حوالہ نہیں تھا، سائل نے یہ معلوم کیا تھا کہ یہ روایتیں مذکورہ کتابوں میں کس صفحہ اور کس باب میں ہیں؟
اور جن کا مخرج مذکور نہیں ان کا حوالہ چاہئے۔

اس میں بعض متقدمین کی ایسی کتابوں کے حوالے تھے جو اپنے پاس نہیں ہیں اس لئے ان کتابوں کے متعلق کوئی بات نہیں کہی جاسکتی، اور جو روایتیں مل سکیں وہ درج کی جاتی ہیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فضل المدينة

سوال (۱): فی صحيح البخاری من حديث ابن عمرؓ : "أن النبی ﷺ قال: رأيت امرأة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدينة حتى نزلت بمهيعة، فتأوّلتها أن وباء المدينة نقل إلى مهيعة"۔

الجواب (۱): أخرجه البخاری فی التعبير (ص ۱۰۴۲) فی باب المرأة السوداء، وكذا فی الباب الذی قبله، والباب الذی بعده۔

....

سوال (۲): وفی رواية: "لـمّا أمره بالهجرة إليها قال: أللهم إنک أخرجتنی من أحبّ بلادک إلیّ، فأسكنّی فی أحبّ بلادک إليک"۔

الجواب (۲): الحديث الثانی أخرجه الحاكم فی مستدركہ (ص ۳/۳) فی كتاب الهجرة عن أبی هريرةؓ أن رسول اللهﷺ قال: "اللهم إنک أخرجتنی من أحبّ البلاد إلیّ، فأسكنّی أحبّ البلاد إليک، فأسكنه الله المدينة"۔ قال الحاكم: رواته مدنيون من بيت أبی سعيد المقبری،

قال الذهبی: لكنه موضوع، فقد ثبت أنّ أحبّ البلاد إلى الله مكة، وسعد ليس بثقة۔

....

سوال (٣): وفی روایة لِابن زبّالة: ”إن المدینة تنفی خبث الرجال كما ینفی الكیر خبث الحدید“۔

الجواب (٣): الحدیث الثالث لم أقف علیه، فإن كتاب ابن زبالة لیس عندنا، وأشار إلی هذه الروایة السمهودی فی وفاء الوفاء (ص ١/٢٩)۔ وقد ورد معناه فی الصحیحین من حدیث أبی هریرةؓ قال: قال رسول ﷺ : ”أمرت بقریة تأكل القریٰ یقولون: یثرب –وهی المدینة– تنفی الناس كما ینفی الكیر خبث الحدید“۔ رواه البخاری فی باب فضل المدینة، وأنّها تنفی الناس۔ ومسلم فی الحج (ص ٤٤٤)۔ وفی البخاری فی باب المدینة تنفی الخبث من حدیث زید بن ثابت قال: قال النبیﷺ :” إنها تنفی الرجال كما تنفی النار خبث الحدید“۔

....

سوال (٤): روی ابن النجار عن محمد بن عبد الرحمٰن بن زید بن أسلم عن أبیه فی قوله تعالیٰ ﴿وقُلْ رَبِّ أدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ وأخْرِجْنِی مُخْرَجَ صِدْقٍ و اجْعَلْ لِّی مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِیْراً﴾۔

الجواب (٤): الحدیث الرابع لم أصادفه فی كتاب، ولیس كتاب ابن النجار عندی.

وقد أخرج معنیٰ ذلک الزبیر بن بكار كما نقل عنه السیوطی فی الدر المنثور (ص ١/١٩٩) عن زید بن أسلم فی الآیة قال: ”جعل الله ﴿مُدخلَ صدق﴾ المدینة، ﴿ومُخرجَ صدق﴾ مكة، ﴿سلطاناً نصیراً﴾ الأنصار“۔

وأخرج الحاكم فی مستدركه (ص ٣/٣) عن ابن عباس قال: ”كان رسول اللهﷺ بمكة فأُمر بالهجرة، وأُنزل علیه ﴿وقُل رَبّ أدخِلنی مُدخل صِدق وأخرِجنِی مُخرج صدقٍ واجعل لی من لّدنکَ سلطاناً نصیراً ﴾“۔ قال الحاكم: صحیح الاِسناد وأقرّه الذهبی۔

قلت: فیه نظر، فإن مداره علی قابوس بن أبی ظبیان، وقابوس فیه لین ،كما قال الحافظ ابن حجر فی التقریب، وقال أحمد: لم یكن بذاک ولم یكن من النقد الجیّد، وأحسن أحوال هذا الاِسناد أن یكون حسناً۔

وأخرج الحاكم أیضاً (ص ٣/٣) والبیهقی فی الدلائل عن قتادة قوله تعالیٰ ﴿قُلْ رَبِّ

أَدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ وأَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ فأخرجه اللّٰه من مكة إلى المدينة مُخرج صدق وأدخله المدينة مُدخل صدق، قال: ونبى اللّٰه ﷺ قد علم أنّه لَا طاقة له بهذا الأمر الّا بسلطان، فسأل سلطاناً نصيراً لكتاب الله وحدود الله ولفرائض الله ولاِقامة كتاب الله، وأن السلطان عزّة من الله جعله بين أظهر عباده، ولولَا ذلك لأغار بعضهم على بعض وأكل شديدهم ضعيفهم۔

....

سوال (۵): عن أم المؤمنين عائشة رضی اللہ عنہا قالت: ”كلّ البلاد فتحت بالسيف وافتتحت المدينة بالقرآن“۔

الجواب (۵): الحديث الخامس أخرجه البيهقى فى الشعب، كما فى منتخب الكنز فى فضائل المدنية (ص۳۵۳/۵)، وكذا أخرجه البزار، وفيه محمد بن الحسن بن زبالة وهو ضعيف، كما فى مجمع الزوائد (ص۲۹۸) فى باب فضل المدينة۔

....

سوال (۶): سالم بن عبد الله بن عمر قال: سمعت أبىؓ يقول: اشتدّ الجهد بالمدينة وغلا السعر فقال رسول الله ﷺ: ”اصبروا يا أهل المدينة وأبشروا فإنى قد باركت علىٰ صاعكم و مدّكم، كلوا جميعاً ولَا تفرّقوا، فإنّ طعام الرجل يكفى الاِثنين، فمن صبر على لَاوائها وشدّتها كنت له شفيعاً وكنت له شهيداً يوم القيامة، ومن خرج عنها رغبة عمّا فيها أبدل الله عزوجل فيها من هو خير منه، ومن نواها أو كادها بسوء أذابه الله كما يذوب الملح فى الماء“۔

الجواب (۶): الحديث السادس ذكره صاحب منتخب الكنز (ص۳۵۶/۵) وقال: تفرّد به عمرو بن دينارالبصرى، وهو لين، وسقط اسم المخرج، وذكرالهيثمى فى مجمع الزوائد (ص۳۰۵/۳) فى آخر الحج فى باب الصبر على جهد المدينة عن مسند البزار بنحوه وقال: رجاله رجال الصحيح۔

....

سوال (۷): نقل ابن النجّار أن النبى ﷺ قال: ”من أخاف أهل المدينة ظلماً أخافه الله

وعليه لعنة الله والملئكة والناس أجمعين''۔

الجواب (٧): الحديث السابع هكذا نقله السمهودى فى وفاء الوفاء (ص ٣٢/ ١) عن ابن النجار۔

....

سوال (٨): وفى رواية: ''من أخاف أهلها فقد أخاف ما بين هٰذين ووضع يديه على جنبيه تحت ثدييه''۔

الجواب (٨): الحديث الثامن لم أصادفه فى كتاب۔

....

سوال (٩): وفى رواية ابن زبالة: ''من أخاف أهل المدينة أو ظلمهم أخافه الله يوم الفزع الأكبر وعليه لعنة الله'' الحديث۔

الجواب (٩): الحديث التاسع لم أرهٗ، وروي معنىٰ الحديث فى أحاديث اُخر۔

....

سوال (١٠): ابن النجار عن معقل بن يسار رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ''المدينة مهاجَرى فيها مضجعى''۔

الجواب (١٠): هذالحديث ذكره السمهودى فى الفصل الثالث من الباب الأوّل من وفاء الوفاء (ص٣٣/ ١) وزاد: ''ومنها مبعثى، حقيق علىٰ اُمتى حفظ جيرانى ما اجتنبوا الكبائر، فمن حفظهم كنت لهٗ شهيداً أوشفيعاً يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقى من طينة الخبال''

قيل للمزنى ماطينة الخبال؟ قال: عصارة أهل النار، انتهىٰ۔

قيل المراد بالمزنى معقل بن يسار الصحابى راوى الحديث۔

....

سوال (١١): عن على بن أبى طالب رضی اللہ عنہ قال: ''خرجنا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتى إذا كنّا بحرّة السقيا التى كانت لسعد بن أبى وقاص رضی اللہ عنہ فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إيتونى بوَضوء! فلمّا توضأ قام واستقبل القبلة ثم كبّر، قال: اللّهم إن ابراهيم كان عبدك وخليلك دعاك لأهل

مكة بالبركة وأنا محمد عبدك ورسولك أدعوك لأهل المدينة أن تبارك لهم فى مدّهم وصاعهم مثل ما باركت لأهل مكة ومع البركة بركتين“۔

الجواب (۱۱): الحديث الحادى عشر أخرجه أحمد (ص۱۱۵/۱) والترمذى (ص۲۳۰/۱) ولفظهما ”مثلَى ماباركت“ قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح، وذكر السمهودى فى وفاء الوفاء ألفاظه المختلفة (ص۳۷/۱)۔

....

سوال (۱۲): وفى رواية ابن زبالة ”فيها قبرى وفيها مبعثى حقيق على أمّتى حفظ جيرانى ما اجتنبوا الكبائر، من حفظهم كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة، ومن لم يحفظهم سقى من طينة الخبال“۔

سئل المزنى عن طينة الخبال؟ قال: عصارة أهل النار۔

الجواب (۱۲): الحديث الثانى عشر ذكره السمهودى فى وفاء الوفاء (ص۳۳/۱) برواية ابن زبالة وهو الحديث العاشر المتقدم۔

....

سوال (۱۳): نقل ابن زبالة عن سعيد بن المسيّب: ”أن رسول الله ﷺ أشرف على المدينة فرفع يديه حتى رُؤى عفرة إبطيه، ثم قال: اللهم من أرادنى وأهل بلدى بسوء فعجّل هلاكه۔

الجواب (۱۳): الحديث الثالث عشر نقله السمهودى فى وفاء الوفاء(۳۱/۱) فى الفصل الثانى من الباب الأوّل برواية ابن زبالة۔

....

فى فضل المسجد النبوى

سوال (۱۴): فى رواية عن عائشةؓ: ”أنا خاتم الأنبياء ومسجدى خاتم مساجد الأنبياء، أحقّ المساجد أن يزار، وتركب إليه الرواحل، صلوٰة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلوٰة فيما سواه من المساجد إلّا المسجد الحرام“۔

الجواب (١٤): الحديث الرابع عشر أخرجه البزّار ولفظه: "يشدّ إليه الرواحل، المسجد الحرام ومسجدى وصلوة الخ". كذا نقله العلامة السمهودى فى وفاء الوفاء (١/٢٩٨) فى الفصل الخامس من الباب الرابع، قال الهيثمى (ص٤/٤): فيه موسى بن عبيدة وهو ضعيف.

....

سوال (١٥): نقل ابن زبالة: "هو مسجدى هذا وفى كل خير".

الجواب (١٥): الحديث الخامس عشر لم أقف على هذا اللفظ، وليس عندى كتاب ابن زبالة، ولم أقف عليه فى كتاب آخر، وقد سرّحت النظر فى وفاء الوفاء من مواضع شتّٰى.

....

سوال (١٦): روينا من حديث أحمد أن رسول الله ﷺ قال: "من صلّى فى مسجدى أربعين صلٰوة كتب له براءة من النار، وبراءة من العذاب، وبَرِئَ من النفاق".

الجواب (١٦): الحديث السادس عشر أخرجه أحمد (ص١٥٥/٣) عن أنس بن مالكؓ عن النبى ﷺقال: "من صلّى فى مسجدى أربعين صلوة لَا تفوته صلوة كتبت له براءة من النار، ونجاة من العذاب، وبرئ من النفاق". قال الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص٨/٤) فى كتاب الحج فى باب من صلّى بالمدينة أربعين صلوة، رواه أحمد والطبرانى فى الأوسط، ورجاله ثقات.

....

سوال (١٧): روينا فى تحفة الذاكرين لِابن عساكر من حديث عطاء عن جابرؓ أن رسول الله ﷺ قال: "صلٰوة فى مسجدى أفضل من ألف صلٰوة فيما سواه إلّا المسجد الحرام، وصلٰوة فى المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلٰوة فيما سواه.

الجواب (١٧): الحديث السابع عشر أخرجه أحمد (٣/٣٤٣) وابن ماجه (ص١٠٢) وإسناده صحيح.

....

سوال (١٨): وفى رواية: "صلٰوة فى مسجدى أفضل من ألف صلٰوة فى غيره إلّا

المسجد الحرام، وصلٰوۃ فی المسجد الحرام تعدل مائة ألف صلٰوۃ"۔

الجواب (۱۸):الحديث الثامن عشر لم أقف على لفظه، وقد تقدم معناه فی الحديث السابع عشر۔

....

سوال (۱۹): ابن النجار عن أبی أمامة بن سهل بن حنيف رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من خرج على طهر لَا يريد إلّا الصلٰوۃ فی مسجدی حتی يصلی فيه كان بمنزلة حجّة"۔

الجواب (۱۹): الحديث التاسع عشر ذكره السمهودی فی وفاء الوفاء (۱/۳۰۱) وقال أسند ذلک ابن زبالة ومن طريقه ابن النجار، وفی إسناده يوسف بن طهمان، وهو ضعيف عند البخاری وابن عدی، وذكره ابن حبان فی الثقات إنتهی۔ وقال الذهبی فی الميزان: هو واهٍ۔

....

سوال (۲۰): وبه إلی سهل بن سعد رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من دخل مسجدی هذا يتعلّم فيه خيراً أو يعلّمه كان بمنزلة المجاهد فی سبيل الله، ومن دخله لغير ذلک من أحاديث الناس كان كالذی يرىٰ ما يعجبه وهو لغيره"۔

الجواب (۲۰): الحديث العشرون أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من دخل مسجدی هذا ليتعلّم خيراً أو يعلّمه كان بمنزلة المجاهد فی سبيل الله، ومن دخله بغير ذلک من أحاديث الناس كان بمنزلة الذی يری مايعجبه وهو شئ لغيره"، وفيه يعقوب بن حميد بن كاسب، قال الهيثمی (۱/۱۲۳): وثّقه البخاری وابن حبان، وضعّفه النسائی وغيره، ولم يستندوا فی ضعفه إلّا إلی أنه محدود وسماعه صحيح، انتهی۔

واللفظ الذی ذكر فی السوال عزاه السمهودی فی الوفاء (ص ۱/۳۰۱)لِابن زبالة ويحيی بن الحسين، وللحديث شاهد من حديث أبی هريرة رضی اللہ عنہ أخرجه ابن ماجه (ص ۲۰)۔

....

فی فضل ما بين القبر والمنبر

سوال (۲۱): وفيهما من حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ما بين قبری ومنبری

روضة من رياض الجنة".

الجواب (٢١): الحديث الحادی والعشرون هكذا نقله نور الدين السمهودی فی وفاء الوفاء (ص ٣٠٢/ ١) وعزاه للشيخين، وهو وهم، فإنّهما لم يخرجاه من حديث ابن عمرؓ بل أخرجاه (ص ١٥٩ و ٤٤٦) من حديث عبد الله بن زيد بن عاصم المازنیؓ وأبی هريرةؓ، وليس عندهما لفظ قبری بل عندهما لفظ بيتی، وزاد ابو هريرةؓ فی روايته "ومنبری علیٰ حوضی"، وحديث ابن عمرؓ بلفظ "ما بين قبری" أخرجه الطبرانی كما فی فتح الباری (٤/٤٧١)، ولكن نقل الحافظ نور الدين الهيثمی فی مجمع الزوائد حديث ابن عمرؓ معزيّا للطبرانی بلفظ "ما بين بيتی ومنبری"، فالله أعلم.

والظاهر أن لفظ قبری غير ثابت عنه ﷺ، لأنه قاله فی حيٰوته، ولو كان قال لفظ "قبری" لَاحتجّ الصحابة علیٰ دفنه فی حجرته بهٰذا اللفظ، ولم ينقل احتجاج أحد بهٰذا اللفظ، والله أعلم. وقد جزم القرطبی وابن تيمية وابن حجر العسقلانی بأن لفظ "قبری" خطأ من بعض الرواة.

....

سوال (٢٢): وبه إلی جابر بن عبد اللهؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: "ما بين حجرتی إلیٰ منبری روضة من رياض الجنة، وإن منبری علیٰ ترعة من ترع الجنة".

الجواب (٢٢): الحديث الثانی والعشرون أخرجه أحمد (٣/٣٨٩) بلفظ "أن ما بينی منبری إلی حجرتی". وفی إسناده علی بن زيد بن جدعان، وفيه كلام من جهة حفظه وقد وثّق.

....

سوال (٢٣): ما نقله رزين من حديث أم سلمةؓ أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول يعنی وهو علی المنبر: "إنی لَعلیٰ حوضی الآن".

الجواب (٢٣): الحديث الثالث والعشرون لم أقف عليه تامّاً، وأشار إليه نورالدين السمهودی (ص ٣٠٣ ج ١) وعزاه لِابن عساكر ويحيی بن الحسين.

....

فى فضل أهل قباء و مسجدهم

سوال (٢٤): روى ابن النجار بسنده إلى عويم بن ساعدةؓ أن النبى ﷺ قال لِاهل قباء: ”إن الله قد أحسن الثناء عليكم فى كتابه العزيز فقال ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ أَنْ يَتَطَهَّرُوْا﴾ الآية۔

الجواب (٢٤): الحديث الرابع والعشرون أخرجه أحمد (ص ٣/٤٢٢)، وابن خزيمة (ص١/٤٥)، والطبرانى (ص٢/٢٣)، والحاكم (١/١٥٥) من طريق شرحبيل بن سعد عن عويم بن ساعدة الأنصارى أن النبىﷺ قال لأهل قباء: ”إن الله قد أحسن الثناء عليكم فى الطهور وقال ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ أَنْ يَتَطَهَّرُوْا﴾ حتّٰى انقضت الآية، فقال لهم: ما هذا الطهور؟ فقالوا: ما نعلم شيئا إلّا أنّه كان لنا جيران من اليهود وكانوا يغسلون أدبارهم من الغائط، فغسلنا كما غسلوا“۔ صحّحه الحاكم وأقرّه الذهبى۔

قلت شرحبيل بن سعد قال ابن معين والنسائى: ضعيف، وقال الدارقطنى: ضعيف يعتبر به، وذكره ابن حبان فى الثقات، وقال الحافظ فى التقريب: صدوق اختلط بآخرة، وقال فى تهذيب التهذيب: وفى سماعه من عويم بن ساعدة نظر، لأن عويما مات فى حياة رسول الله ﷺ ويقال: فى خلافة عمر، انتهىٰ۔

قلت: هذا الثانى هو الراجح، فقد أخرج البخارى (ص١٠٠٩) فى قصة سقيفة بنى ساعدة حين توفّى الله نبيه ﷺ ”أن الأنصار اجتمعوا فى سقيفة بنى ساعدة فقلت لِابى بكر: انطلق بنا إلى إخواننا من الأنصار، فانطلقنا فلمّا دنونا منهم لقيَنا منهم رجلان صالحان“۔ الحديث۔ والرجلان هما عويم بن ساعدةؓ ومعن بن عدىؓ كما فى حديث السقيفة، هذا عند أحمد (ص١/٥٦) وابن سعد (ص٣/٤٦٠) وابن حبان (ص١/٢٩٢)۔

....

سوال (٢٥): وفى رواية ابن حبان ”كلّ يوم سبت“۔

الجواب (٢٥): الحديث الخامس والعشرون ذكره السمهودى فى وفاء الوفاء (٢/١٩) برواية ابن حبان۔

....

سوال (۲۶): حکی ابن النجار: أن عمر بن الخطابؓ کان یأتی قباء یوم الاِثنین ویوم الخمیس، فجاء یوماً فلم یجد فیه أحداً من أھله، فقال: ”والذی نفسی بیده لقد رأیت رسول الله ﷺ و أبا بکرؓ فی أصحابه ننقل حجارته علی بطوننا ویؤسُّسه رسول الله ﷺ و جبریلُ یؤمّ به البیت“۔

الجواب (۲۶): الحدیث السادس والعشرون نقلهٗ نورالدین السمھودی فی وفاء الوفاء (ص۲۰/ج۲) فی الفصل الثانی من الباب الخامس، وعزاه لیحییٰ بن الحسین بروایته عن أبی غزیّة قال: ”کان عمر بن الخطابؓ یأتی قباء یوم الاِثنین ویوم الخمیس، فجاء یوماً من تلک الأیام فلم یجد فیه أحداً من أھلهٖ فقال: والذی نفسی بیدهٖ لقد رأیت رسول الله ﷺ وأبا بکرؓ فی أصحابهٖ ننقل حجارته علی بطوننا یؤسّسه رسول الله ﷺ بیدهٖ وجبریل یؤمّ بهٖ البیت، ومحلوف عمر بالله لو کان مسجدنا ھذا بطرف من الأطرافِ لضربنا إلیه أکباد الاِبل، ثم قال: اکسروا لی سعفة واجتنبوا العواھن أی ما یلی القلب من السعف، فقطعوا السعفة فأتی بھا فأخذ رزمة، فربطھا فمسحه، قالوا: نحن نکفیک یا أمیر المؤمنین قال لَا تکفونیه“۔ انتھی۔

....

سوال (۲۷): روی البخاری فی الصحیح: ”کان سالم مولی أبی حذافةؓ یؤمّ المھاجرین الأوّلین من أصحاب النبی ﷺ فی مسجد قباء فیھم أبوبکرؓ و عمرؓ“۔

الجواب (۲۷): الحدیث السابع والعشرون أخرجه البخاری فی الأحکام فی باب استقضاء الموالی (ص۱۰۶۴)۔

....

سوال (۲۸): عن (أبی أمامة بن) سھل بن حنیف عن أبیهؓ أن النبی ﷺ قال: ”من توضّأ فأسبغ الوضوء وجاء مسجد قباء فصلّٰی فیه رکعتین کان له أجر عمرة“۔

الجواب (۲۸): الحدیث الثامن والعشرون أخرجه ابن ماجه (ص۱۰۳) فی الصلٰوة فی باب ما جاء فی الصلٰوة فی مسجد قباء وأحمد فی مسنده (ص۴۸۷/۳) من طریق محمد بن سلیمان الکرمانی عن أبی أمامة بن سھل بن حنیف قال: قال سھل بن حنیفؓ: قال رسول الله

ﷺ: "من تطهّر فی بیته ثم أتیٰ مسجد قباء فصلّی فیه صلوٰة کان له کأجر عمرة".

محمد بن سلیمان ذکره ابن حبان فی الثقات، وأخرجه الحاکم فی المستدرک (۳/۱۲) من هذا الوجه بنحوه وصحّحه، وأقرّه الذهبی، وأخرجه النسائی أیضاً (ص۱/۱۱۳ کتاب المساجد، فضل مسجد قباء والصلوة فیه) من هذا الوجه بنحوه.

واللفظ المذکور فی السؤال کأنه لِابن زبالة أو غیره ولم أجده۔

....

سوال (۲۹): نقل الطبرانی فی معجمه عنه أن رسول الله ﷺ قال: "من توضّأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء یرکع فیه أربع رکعات کان ذلک عدل رقبة".

الجواب (۲۹): الحدیث التاسع والعشرون أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن سهل بن حنیفؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "من توضأ فأحسن وضوءه ثم دخل مسجد قباء فرکع فیه أربع رکعات کان ذلک عدل رقبة".

قال الهیثمی فی المجمع (۴/۱۱): فی إسناده موسی بن عبیدة وهو ضعیف، قلت: رواه ابن أبی شبّة من طریق موسی بن عبیدة بلفظ: "کان له عدل عمرة". کذا نقله السمهودی (۲/۱۸).

....

سوال (۳۰): روت عائشة بنت سعد بن أبی وقاص عن أبیهاؓ قال: "والله لأن أصلّی فی مسجد قباء رکعتین أحبّ إلیّ من أن آتی بیت المقدس مرّتین، ولو یعلمون ما فیه لضربوا إلیه أکباد الاِبل".

الجواب (۳۰): الحدیث الثلاثون أخرجه ابن شبّة فی أخبار المدینة بسند صحیح کما فی وفاء الوفاء (۲/۱۹) فی الفصل الثانی من الباب الخامس ولیس فیه "والله".

....

سوال (۳۱): روی نافع عن ابن عمرؓ: "أنّ النبی ﷺ صلّی إلی الأسطوان".

الجواب (۳۱): الحدیث الحادی والثلاثون الظاهر أنّ هذا الحدیث مختصر من حدیث

ذكره العلامة نور الدين السمهودى فى وفاء الوفاء (ص ٢/٢١)، وعزاه لعمر بن شبّة مؤرخ المدينة عن ابن رقيش قال: "بنىٰ رسول الله ﷺ مسجد قباء وقدم القبلة إلى موضعها اليوم، وقال: جبرئيل يؤمّ بى البيت"، قال ابن رقيش: فحدثنى نافع: أن ابن عمرؓ كان بعدُ إذا جاء مسجد قباء صلّى إلى الأسطوان المخلّقة يقصد بذلك مسجد النبى ﷺ الأول۔

متفرقات

سوال (٣٢): نقل رزين عن نعيم بن عبد الله عن أبيهؓ أنّه سمع رسول الله ﷺ يقول وهو على منبره: "إن قدمى الآن على ترعة من ترع الجنة، أتدرون ما الترعة؟"

الجواب (٣٢): الحديث الثانى والثلاثون لم أره، ولعل صاحب جامع الأصول نقله عن رزين۔

....

سوال (٣٣): ورواه أبوداود فى سننه، وقيل: عمله غلام لسعيد بن العاصؓ يقال له 'باقول' وقيل: عمله غلام لرجل من بنى مخزوم، حكاهما ابن زبالة أيضاً۔

الجواب (٣٣): الحديث الثالث والثلاثون الذى أشير إليه بقول السائل: أخرجه أبو داود، هو ما أخرجه فى الجمعة فى باب اتّخاذ المنبر (ص١٧٧/٢) من طريق أبى عاصم عن ابن أبى روّاد عن نافع عن ابن عمرؓ أنّ النبى ﷺ لما بدن قال لهُ تميم الدارى ألَا أتخذ لك منبراً يا رسول الله! يجمع أو يحمل عظامك؟ قال بلىٰ، فاتّخذ لهُ منبراً مرقاتين۔

قال السمهودى فى الفصل الرابع من الباب الرابع من وفاء الوفاء (ص ١/٢٨٠): نقل ابن زبالة الإختلاف فى الذى عمل المنبر، فقيل: غلام نصيبة المخزومى، وقيل: غلام للعباسؓ، وقيل: غلام لسعيد بن العاصؓ يقال لهُ 'باقول' (بموحّدةٍ وقاف مضمومة)، وقيل: غلام لِامرأة من الأنصار من بنى ساعدةَ، أو لِامرأةٍ لرجلٍ منهم يقال لهُ 'مينا'۔

وقوله "يقال لهُ مينا" يحتمل المولىٰ وزوج المرأة، لكن عند يحىٰ قال إسماعيل بن عبد الله: الذى عمل المنبرغلام الأنصارية واسمه 'ميناء'، وعند ابن بشكوال عن ابن أبى أويس:

عمل المنبر غلام لِامرأة من الأنصار من بنی سلمة أو بنی ساعدة أو امرأة لرجل منهم يقال لهٗ 'مينا'، وهذا محتمل كالأوّل، وقيل: عمله تميم الداری، هذا حاصل ما ذكرهٗ ابن زبالة، انتهیٰ۔

وفی اسم صانع المنبر أقوال ذكرها السمهودی، وقبلهٗ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی الجمعة فی باب الخطبة علی المنبر (ص۳/۴۸)، ورجّح الحافظ ابن حجر أن اسمه ميمون، كما وقع فی رواية قاسم بن أصبغ وأبی سعد فی شرف المصطفیٰ۔

....

سوال (۳۴): أخرجه أبوداود، وروی البيهقی أيضا من حديث أنسؓ قال قال رسول الله ﷺ: إنّ أقربكم منّی يوم القيامة فی كلّ موطن أكثركم علیّ صلوٰة فی الدنيا، فمن صلّی علیّ يوم الجمعة وليلة الجمعة قضی الله له مائة حاجة، سعبين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنيا۔

الجواب (۳۴): الحديث الرابع والثلاثون الذی أشير إليه فی قول السائل: أخرجهٗ أبو داود، لم يتعيّن ما أراد بهٖ، وليس عندی الكتاب الذی نقلت عبارة السؤال منه۔

وظنّی أنهٗ أراد به حديث أبی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: لَا تجعلوا بيوتكم قبوراً، ولَا تجعلوا قبری عيداً، وصلّوا عليّ فإن صلوٰتكم تبلغنی حيث كنتم۔

أخرجه أبو داود فی آخر الحجّ فی باب زيارة القبور (ص۳/۲۰۷ بذل) وأحمد (ص۲/۳۶۷)، قال النووی فی الأذكار وشرح المهذب (ص۹/۲۷۵) والحافظ ابن حجر فی الفتح (ص۷/۲۹۷): إسنادهٗ صحيح، وقال ابن القيم فی إغاثة اللهفان: إسناده حسن رواتهٗ كلهم ثقات مشاهير، وتبعهٗ ابن عبد الهادی فی الصارم المنكی (ص۱۷۴)، وقال فی موضع آخر من الصارم (ص۲۹۷): وهو حديث حسن جيد الاِسناد، وله شواهد كثيرة يرتقی بها الیٰ درجة الصحة۔

(تنبيه) هذا الحديث عزاه صاحب المشكوٰة (ص۸۶)للنسائی وهو وهم، فإنّ النسائی لم يخرجه۔

وحديث أنسؓ أخرجه البيهقی فی حياة الأنبياء بسند ضعيف، وكذا ابن بشكوال وأبو اليمن

بن عساکر وھو عند التیمی فی ترغیبہٖ، والدیلمی فی مسند الفردوس له وأبی عمرو بن مندة فی الأول من فوائدہٖ بلفظ: ’’من صلّی علیّ یوم الجمعة ولیلة الجمعة مأة من الصلوٰة قضی الله له مأة حاجة، سبعین من حوائج الآخرة وثلاثین من حوائج الدنیا، ووکّل الله بذلک ملکاً یدخلہٗ علی قبری کما تدخل علیکم الهدایا، إن علمی بعد موتی کعلمی فی الحیاة‘‘، کذا فی القول البدیع (ص ۱۵۶) فی الباب الرابع۔

....

سوال (۳۵): روینا فی سنن أبی داود قال: ’’کنت قاید أبی کعب بن مالک رضی حین ذهب بصره، فکنت إذا خرجت به إلی الجمعة فسمع الأذان بها صلّی علیٰ أبی أمامة أسعد بن زرارة رضی، فمکثت حیناً علی ذلک لَا یسمع الأذان للجمعة إلّا صلّی علیه واستغفر له، فسألته عن ذلک‘‘، الخ۔

الجواب (۳۵): الحدیث الخامس والثلاثون أخرجه أبو داود (ص ۱۷۱/۲ بذل) فی أبواب الجمعة فی باب الجمعة فی القریٰ من طریق محمد بن إسحاق عن محمد بن أبی أمامة بن سهل عن أبیه عن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک، وکان قائد کعب أبیه بعد ما ذهب بصرہٗ، عن أبیه کعب بن مالک رضی ’’أنّه کان إذا سمع النداء یوم الجمعة ترحّم لأسعد بن زرارة رضی، فقلت لہٗ: إذا سمعت النداء ترحّمت لأسعد بن زرارة رضی؟ قال: لأنہٗ أول من جمع بنا فی هزم النّبیت من حرّة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات، قلت: کم أنتم یومئذ؟ قال: أربعون‘‘، وصحّحہٗ ابن خزیمة وابن حبان وابن حزم، وقال البیهقی (ص ۱۷۷/۳) هذا حدیث حسن الإسناد صحیح، واللفظ المذکور فی السوال أخرجه ابن اسحاق فی سیرته (ص ۲۳۷ تهذیب السیرة لِابن هشام) إلّا قولہٗ ’’فسألته عن ذلک‘‘، فکأنه مختصر من لفظ ابن اسحاق، والله أعلم۔

....

سوال (۳۶): وفی روایة النسائی ’’یأتینی وهو معتکف فی المسجد فیتّکئ علیٰ عتبة باب حجرتی فأغسل رأسه وأنا فی حجرتی وسائره فی المسجد‘‘۔

الجواب (٣٦): الحديث السادس والثلاثون أخرجه أحمد (ص ٦/٨٦) حدثنا أبو المغيرة ثنا الأوزاعی قال ثنا الزهری عن عروة عن عائشةؓ قالت: ”كان رسول اللهﷺ يأتينی وهو معتكف فی المسجد حتیٰ يتّكئ علی باب حجرتی فأغسل رأسه وأنا فی حجرتی وسائر جسده فی المسجد“، وأخرجه أيضاً (ص ٦/٢٧٢) من وجه آخر قال حدثنا يعقوب أنا ابن أخی ابن شهاب عن عمّه قال أخبرنی عروة عن عائشةؓ: ”أنها كانت ترجّل رسول اللهﷺ وهی طامث ورسول اللهﷺ عاكف فی المسجد، فيتّكئ إلی أسكفّة باب عائشةؓ فتغسل رأسه وهی فی حجرتها“۔

الإسنادان صحيحان، ولم أجده فی السنن الصغریٰ للنسائی ولعله فی السنن الكبریٰ له فی الاِعتكاف۔

....

سوال (٣٧): وروی من حديث الدار قطنی عن ابن عمرؓ أن رسول اللهﷺ قال: ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“۔

الجواب (٣٧): الحديث السابع والثلاثون أخرجه الدارقطنی فی كتاب الحجّ من سننه (ص ٢٨٠)، من طريق موسی بن هلال العبدی عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ مرفوعاً، وكذا أخرجه العقيلی وابن عدی والبيهقی من هذا الوجه، ولكن اختلفت الرواة فقال بعضهم: عن عبيد الله بن عمر مصغراً كما فی الدار قطنی والعقيلی، وقال بعضهم: عن عبد الله بن عمر مكبراً۔

وأخرجه ابن عدی والبيهقی بالوجهين، ورجّح ابن عدی أنه من رواية عبد الله المكبر المضعّف لَا من رواية عبيد الله المصغّر الثقة، قال البيهقی: هوعلی الوجهين منكر عن نافع عن ابن عمرؓ، ورواه ابن خزيمة فی صحيحه من طريق موسی بن هلال وقال: إن صحّ الخبر فإنّ فی القلب من إسناده، ثم رجّح أنه من رواية عبد الله بن عمر العمری المكبّر لَا المصغّر، وصرّح بأن الثقة لَا يروی هذا الخبر المنكر، وقال العقيلی: لَا يصح حديث موسی ولَا يتابع عليه، والرواية فی هذا الباب فيها لين، وجعله الذهبی فی الميزان منكراً فقال فی ترجمة موسیٰ

المذكور: أنكر ما روى فذكر هذا الحديث، وكذا عدّهٔ ابن عبد الهادى منكراً، لكن صحّحه ابن السكن فى إيراده إياه فى أثناء السنن الصحاح له، وعبد الحق فى الأحكام فى سكوته عنه، والشيخ تقى الدين السبكى من المتأخرين باعتبار مجموع طرقه، وبسط الكلام عليها ابن عبد الهادى فى الصارم المنكى والحافظ ابن حجر فى التلخيص الحبير (ص ۲۲۱).

....

سوال (۳۸): وفى الحديث: "فإن صلوٰتكم تبلغنى أينما كنتم".

الجواب (۳۸): الحديث الثامن والثلاثون طرف من حديث أبى هريرةؓ المتقدم فى الرابع والثلاثين بلفظ "حيث كنتم"، وأخرجه أحمد بلفظ "حيثما كنتم"، وأما لفظ "أينما كنتم" فلم أقف عليه فى هذا الحديث.

نعم ولفظ "أينما" فى حديث آخرأخرجه أبويعلى فى مسنده حدثنا أبوبكر بن أبى شيبة حدثنا زيد بن الحباب حدثنا جعفر (وهو جعفر بن إبراهيم بن محمد بن على بن عبدالله بن جعفر ابن أبى طالب ذى الجناحين، روى عن على بن عمر بن على بن الحسين، روى عنه زيد بن الحباب و إسمعيل بن أبى أويس سمعت أبى يقول ذلک، كذا فى الجرح والتعديل) بن إبراهيم من ولد ذى الجناحين حدثنا على بن عمر عن أبيه عن على بن الحسين: أنه رأى رجلاً يجيئ إلى فرجة كانت عند قبر النبى ﷺ يدخل فيها فيدعو فنهاه فقال: "ألَا أحدثک حديثاً سمعته من أبى عن جدى عن رسول الله ﷺ قال: لَا تتخذوا قبرى عيداً ولَا بيوتكم قبوراً فإن تسليمكم تبلغنى أينما كنتم".

وهذا الحديث هكذا نقله الحافظ ابن عبدالهادى فى الصارم المنكى (ص ۱۰۹) والحافظ نورالدين الهيثمى فى مجمع الزاوائد (ص ۴/۳) عن مسند أبى يعلى، وقال: فيه جعفر بن إبراهيم الجعفرى، ذكره ابن أبى حاتم (ص ۱/۴۷۴) ولم يذكرفيه جرحاً وبقية رجاله ثقات، ونقله الحافظ ابن حجر فى المطالب العالية (ص ۱/۳۷۲)عن مسند ابن أبى شيبة بلفظ: "وصلّوا علىّ، فإن صلوٰتكم وتسليمكم يبلغنى حيثما كنتم"، وذكر أن أبا يعلى رواه عن ابن أبى شيبة، ونقله السخاوى فى القول البديع عن ابن أبى شيبة بلفظ: "وسلّموا علىّ فإن

تسليمكم يبلغنى أينما كنتم“۔

قلت: ورواه ابن أبى شيبة فى مصنفه(٢/٣٧٥) بلفظ صلّوا علىّ فإن صلوٰ تكم تبلغنى حيث ما كنتم، ورواه القاضى إسمعيل فى فضل الصلوٰة على النبى ﷺ (ص ٣٦) بلفظ: ”وصلّوا علىّ وسلّموا حيثما كنتم فسيبلغنى سلامكم وصلوتكم، ورواه الخطيب فى الموضح (ص٢/٥٣) بلفظ: ”وصلّوا علىّ حيثما كنتم فإن صلوتكم وتسليمكم يبلغنى حيثما كنتم“۔

قال ابن عبد الهادى: هذا الحديث مما أخرجه الحافظ أبوعبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسى فيما اختاره من الأحاديث الجياد الزائدة على ما فى الصحيحين، وهو أعلى مرتبة من تصحيح الحاكم، وهو قريب من تصحيح الترمذى وأبى حاتم البستى ونحوهما، فإن الغلط فى هذا قليل ليس هو مثل صحيح الحاكم، فإن فيه أحاديث كثيرة يظهر أنها كذب موضوعة، فلهذا انحطّت درجته عن درجة غيره، انتهى۔

وقال فى موضع آخر (ص ٢٨١): وهو حديث محفوظ عن على بن الحسين زين العابدين وله شواهد كثيرة، وقال السخاوى: هذا حديث حسن وله شواهد۔

قلت: ومنها حديث أبى هريرة المذكور فى الرابع والثلاثين، قلت: على بن عمر وعمر بن على ذكرهما أبوحاتم الرازى ولم يذكر جرحاً، (ص١٢٤ و ٣/١٩٦)۔

....

سوال (٣٩): وحديث: ”ما من أحد يسلّم علىّ إلّا ردّ الله علىّ روحى حتى أردّ عليه“۔

الجواب (٣٩): الحديث التاسع والثلاثون أخرجه أحمد (ص٢/٥٢٧) حدثنا عبد الله بن يزيد ثنا حيوة ثنا أبو صخر أن يزيد بن عبدالله بن قسيط أخبره عن أبى هريرةؓ عن رسول الله ﷺ قال: ”ما من أحد يسلّم علىّ إلّاردّ الله إلىّ روحى حتى أردّ عليه السلام“۔

وأخرجه البيهقى (ص٢٤٥/ ٥) من طريق المقرى بهذا اللفظ، وأخرجه أبوداود (ص٣/٢٠٧) من هذا الوجه بلفظ: ”ردّ الله علىّ روحى“ وسكت عنه ، وقال النووى فى شرح المهذب(ص ٨/٢٧٤) والسبكى فى شفاء السقام: إسناده صحيح، وقال الحافظ ابن حجر فى الفتح (ص٧/٢٩٧): رواته ثقات، وقال السخاوى فى القول البديع (ص١٥٥): إسناده

حسن، قال ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص ١٧٥): هذا الحدیث هو الذی اعتمد علیه الإمام أحمد وأبوداود وغیرهما من الأئمة فی مسئلة الزیارة، وهو أجود ما استدلّ به فی هذا الباب، ومع هذا فلا یسلم من مقال فی إسناده ونزاع فی دلَالته۔

ثمّ تکلّم علی إسناده مطوّلًا بما حاصله أنه تفرّد به أبو صخر عن ابن قسیط، وتفرّد به ابن قسیط عن أبی هریرةؓ، وأبو صخر هو حمید بن زیاد مولیٰ بنی هاشم وهو ابن أبی المخارق الخراط صاحب العباء سکن مصر، قال البخاری قال بعضهم: حماد، وقال بعضهم: حمید بن صخر، وقال أبومسعود الدمشقی: حمید بن صخر أبومودود الخراط ویقال: إنهما اثنان، والصحیح أنه واحد، وهو حمید بن زیاد أبوصخر، وهو مختلف فیه، فوثقه بعضهم وتکلّم فیه آخرون، واختلفت الروایة عن یحیٰی بن معین، فقال فی روایة بن أبی مریم وإسحق بن منصور: ضعیف، وقال فی روایة عثمان الدارمی عنه: لیس به بأس، وحکی الدارمی فی موضع آخر عنه: ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبیه: لیس به بأس، وحکی العقیلی عن أحمد قال: حمید بن صخر ضعیف، وکذا نقل جماعة کالدولَابی وابن عدی عن النسائی قال: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل ضعیف، لکن الذی فی الضعفاء للنسائی: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل لیس بالقوی، وقال فی کتاب الکنیٰ: أبوصخر حمید بن زیاد المدنی لیس بالقوی، وقال ابن عبدالبر: أبوصخر الخراط حمید بن زیاد المصری هو حمید بن أبی المخارق لیس به بأس عند جمعیهم۔

وقال ابن عدی بعد أن روی له ثلاثة أحادیث: هوعندی صالح الحدیث، إنما أنکر علیه هذان الحدیثان "المؤمن یألف"، وفی القدریة، وسائر حدیثه أرجو أن یکون مستقیما، وقال فی موضع آخر: حمید بن صخر یروی عنه حاتم بن إسماعیل ضعیف قاله النسائی، وروی له ثلثة أحادیث غیرما ذکرفی حمید بن زیاد، ثم قال: ولحاتم بن إسمعیل عن حمید أحادیث غیرما ذکرته، وفی بعض هذه الأحادیث عن المقبری ویزید الرقاشی مالَا یتابع علیه، قال ابن عبد الهادی: هکذا فرّق ابن عدی بینهما، والصحیح أنهما رجل واحد، وهو أبوصخر حمید بن زیاد، لکن حاتم بن إسماعیل کان یسمّیه حمید بن صخر وسمّاه بعضهم حماداً۔

وقد روى له الجماعة كلهم، أمّا البخارى ففى الأدب المفرد والنسائى فى مسند عليؓ، وقد عرف اختلاف الأئمة فى عدالته واسمه وكنيته واسم أبيه ، فما تفرد من الحديث ولم يتابعه عليه أحد لَا ينهض إلى درجة الصحيح بل يستشهد به ويعتبر به۔

وقد ذكر بعض الأئمة أنه على شرط مسلم، وفى ذلك نظر، فان ابن قسيط وإن كان مسلم قد روى فى صحيحه من رواية أبى صخر عنه لكنه لم يخرج من روايته عن أبى هريرةؓ شيئاً ، فلو كان قد أخرج فى الأصول حديثاً من رواية أبى صخر عن ابن قسيط عن أبى هريرةؓ أمكن أن يقال فى هذا الحديث أنه على شرطه، وأورد مسلم رواية أبى صخر متابعة، وهكذا عادة مسلم غالباً إذا روى لرجل قد تكلم فيه ونسب إلى ضعف لسوء حفظه وقلة ضبطه أنما يروى له فى الشواهد والمتابعات، ولَا يخرج له شيئا انفرد به ولم يتابع عليه، فعلم أن هذا الحديث الذى تفرد به أبوصخر عن ابن قسيط عن أبى هريرةؓ لَا ينبغى أن يقال: هو على شرط مسلم، وإنما هو حديث إسناده مقارب، وهو صالح لأن يكون متابعاً لغيره وعاضداً له، انتهى ملخصاً ۔

قلت: أبوصخر حميد بن زياد هذا قال البغوى: مدنى صالح الحديث، وقال الدار قطنى: ثقة، وذكره ابن حبان فى الثقات، ونقل ابن أبى حاتم (ص ٢٢٢/ ١) عن عثمان الدارمى عن ابن معين: ثقة لَا بأس به، فحديثه لَا ينحط عن درجة الحسن، وقد قال ابن عبد البر إنه لَا بأس به عند جميعهم، والله أعلم۔

....

سوال (٤٠): وروى مالك بسنده إلى سويد بن النعمانؓ أنه خرج مع النبى ﷺ عام خيبر فنزل فصلّى العصر ثمّ دعا بالأزواد، فلم يؤت الّا بالسويق، فأكل وأكلنا، ثم قام إلى المغرب، فمضمض ومضمضنا، ثم صلّى ولم يتوضأ۔

الجواب (٤٠): الحديث الأربعون حديث سويد بن النعمان أخرجه مالك فى الموطا فى باب ترك الوضوء مما مست النار(ص ٥٦/ ١)، وأخرجه البخارى فى باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ(ص ٣٤)۔

....

سوال (۴۱): وفی روایة: ”إن الأنبیاء لَا یترکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة ولکنهم یصلّون بین یدی الله حتی ینفخ فی الصور“، وله شواهد فی الصحیح، منها قوله علیه الصلوٰة والسلام: ”مررت بموسیٰ وهو قائم یصلّی فی قبره“۔

الجواب (۴۱): الحدیث الحادی والأربعون أخرجه البیهقی فی حیاة الأنبیاء من طریق محمد بن عبد الرحمٰن بن أبی لیلٰی عن ثابت عن أنسؓ عن النبی ﷺ قال: ”إن الأنبیاء لَا یترکون فی قبورهم بعد أربعین لیلة ولکنهم یصلّون بین یدی الله تعالیٰ حتی ینفخ فی الصور“، ومحمد أحد فقهاء الکوفة صدوق ولکنه سئ الحفظ، قال البیهقی: إن صح بهذا اللفظ فالمراد –والله أعلم– لَا یترکون یصلّون إلّا هذا المقدار، ثم یکونون مصلین فیما بین یدی الله تعالیٰ، کذا فی فتح الباری(ص ۲۹۶/۷) ووفاء الوفاء (ص۴۰۵/۲) وغیرهما۔

(تنبیه) ذکر الغزالی ثم الرافعی حدیثاً مرفوعاً: ”أنا أکرم علی ربّی من أن یترکنی فی قبری بعد ثلاث“، قال الحافظ ابن حجر (ص۲۹۶/۷): ولَا أصل له إلّا أن أخذ من روایة ابن أبی لیلیٰ هذه ولیس الأخذ بجیّد، لأن روایة ابن أبی لیلیٰ قابلة للتأویل أی کما تقدم۔

وأما الشاهد الذی أشیر إلیه فی السوال، فأخرجه مسلم فی الفضائل(ص ۲۶۸/۲) من طریق حماد بن سلمة عن ثابت وسلیمان التیمی عن أنسؓ أنّ رسول الله ﷺ قال: ”مررت علی موسیٰ لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلّی فی قبره“۔

....

سوال (۴۲): وفی حدیث أبی ذرؓ فی صفة المعراج: ”أنه لقی الأنبیاء فی السمٰوات وکلّموه وکلّمهم“۔

الجواب (۴۲): الحدیث الثانی والأربعون حدیث أبی ذرؓ فی صفة المعراج أخرجه البخاری فی کتاب الصلوة فی ’باب کیف فرضت الصلوة لیلة الاِسراء‘ ومسلم فی الاِیمان فی أحادیث الاِسراء (ص۹۲/۱) مطوّلاً، وفیه ذکر لقاء النبی ﷺ آدم وعیسیٰ و إدریس و موسیٰ وإبراهیم علیهم الصلوٰة والسلام وسلامه علیهم وجوابهم، وقول إبراهیم و آدم علیهما السلام مرحباً بالنبی الصالح والاِبن الصالح وقول غیرهما مرحباً بالنبی الصالح والأخ الصالح، وکلام

موسیٰ معه فی مراجعة ربه فی تخفیف الصلوٰة، وذكر فی حدیث مالک بن صعصعةؓ عند الشیخین لقاءه ﷺ یوسف وهارون علیهما السلام أیضاً۔

....

سوال (۴۳): وفی الصحیح: ''أن رسول الله ﷺ قد مرّ بوادی الأزرق فقال: كأنی أنظر إلی موسیٰؑ هابطاً من الثنیّة وله جُؤار إلی الله بالتلبیة، ثم أتیٰ علی ثنیة هرشیٰ فقال: كأنی أنظر إلی یونس بن متّیؑ علیٰ ناقة حمراء جعدة''، الحدیث۔

الجواب (۴۳): الحدیث الثالث والأربعون أخرجه مسلم فی الایمان فی أحادیث الإسراء (ص ۹۴/ ۱) عن ابن عباسؓ: ''أن رسول الله ﷺ مرّ بودای الأزرق فقال: أی واد هذا؟ فقالوا: هذا وادی الأزرق، قال: كأنی أنظرإلی موسیٰؑ هابطاً من الثنیة وله جوار إلی الله بالتلبیة، ثم أتیٰ علی ثنیة هرشیٰ فقال: أی ثنیة هذه؟ قالوا: ثنیة هرشیٰ، قال ؛كأنی أنظر إلی یونس بن متّیؑ علی ناقة حمراء جعدة علیه جبّة من صوف خطام ناقته خلبة وهو یلبّی۔

هذا الحدیث تفرد به مسلم عن البخاری۔

....

سوال (۴۴): روینا فی صحیح البخاری من حدیث أنسؓ بن مالک قال: ''كان أبو طلحةؓ أكثر أنصاریّ بالمدینة مالاً من نخل، وكان أحبّ أمواله إلیه بیرحاء وكانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله ﷺیدخلها ویشرب من ماء فیها طیب''، الحدیث۔

الجواب (۴۴): الحدیث الرابع والأربعون أخرجه البخاری فی الزكوٰة فی باب الزكوٰة علی الأقارب، والوكالة والوصایا والتفسیر وغیرها، ومسلم فی الزكوٰة(ص ۳۲۳/ ۱) عن أنسؓ قال: ''كان أبو طلحةؓ أكثر أنصاریّ بالمدینة مالاً وكان أحبّ أمواله إلیه بیرحاء و كانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله ﷺ یدخلها ویشرب من ماء فیها طیب، فلما نزلت ﴿لَن تَنالُوا البِرَّ حتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قام أبوطلحةؓ إلی رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله ! إن الله یقول فی كتابه ﴿لَن تَنالُوا البِرَّ حتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وإن أحبّ أموالی إلیّ بیرحاء و إنها صدقة لله أرجوا برّها وذخرها عند الله، فضعها یا رسول الله حیث شئت، فقال: بخ ذلک

مال رابح، ذلک مال رابح، قد سمعت ما قلت فيها وإنى أرىٰ أن تجعلها فى الأقربين، قال: أفعل يا رسول الله! فقسمها أبوطلحة فى أقاربه وبنى عمّه۔

....

سوال (۴۵): روينا فى صحيح البخارى من حديث أبى عبد الرحمٰن السلمى أن عثمانؓ حيث حوصر أشرف على الناس وقال: ”أنشدكم ولَا أنشد الّا أصحاب النبى ﷺ، ألستم تعلمون“، الخ۔

الجواب (۴۵): الحديث الخامس والأربعون أخرجه البخارى فى الوقف فى باب إذا وقف أرضاً أوبئراً(ص ۳۸۹) عن أبى عبد الرحمن أن عثمانؓ حيث حوصر أشرف عليهم فقال: ”أنشدكم بالله ولاأنشد إلّا أصحاب النبى ﷺ، ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ قال:من حفر بئر رومة فله الجنة، فحفر تها، ألستم تعلمون أنه قال :من جهّز جيش العسرة فله الجنة“ ، فجهّزتهم، قال فصدّقوه بما قال۔

....

سوال (۴۶): وفى الصحيح من حديث عائشةؓ ”أنها دخلت عليه فسألها عن كفن النبى ﷺ فأخبرته، وسألها عن وفاته فى أى يوم؟ فذكرت له يوم الاِثنين وكان سؤاله يوم الاِثنين فعرف به، وقال: أرجو فيما بينى وبين الليلة، وكان عليه ثوب يمرّض فيه ردع من زعفران“۔

الجواب (۴۶): الحديث السادس والأربعون أخرجه البخارى مفصّلاً فى أواخر الجنائز فى ’باب موت يوم الاِثنين‘ (ص ۱۸۶)۔

....

سوال (۴۷): وفى الصحيح من قوله ﷺ ”إن أمنّ النّاس علىّ فى صحبته وماله أبو بكر، ولوكنت متّخذاً من أمتى خليلاً لَاتّخذت أبا بكرخليلاً، ولكن أخوّة الاِسلام ومودّته، لَا يبقينّ فى المسجد“، الخ۔

الجواب (۴۷): الحديث السابع والأربعون أخرجه البخارى فى المساجد فى ’باب الخوخة والممرّ فى المسجد‘ (ص۶۷/ ۱) ومسلم فى الفضائل (ص ۲۷۲/ ۲) عن أبى سعيد

الخدری رضی قال: "خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: إن الله سبحانه خيّر عبداً بين الدنيا وبين ما عنده، فاختار ما عند الله، فبكى أبو بكر رضی، فقلت فی نفسی: ما يبكی هذا الشيخ؟ إن يكن الله خيّر عبداً بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ما عندالله عزوجل، فكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هو العبد، وكان أبوبكر رضی أعلمنا، فقال يا أبابكر! لَا تبک، إن أمنّ الناس علیّ فی صحبته و ماله أبوبكر، ولو كنت متخذاً من أمتی خليلاً لَا تّخذت أبا بكر، ولكن أخوّة الاِسلام ومودّته، لَا يبقينّ فی المسجد باب إلاّ سدّ إلّا باب أبی بكر"، هذا لفظ البخاری، وأخرجه البخاری فی الهجرة (ص ۵۵۲) بلفظ قريب منه، وبذلک اللفظ أخرجه مسلم۔

....

سوال (۴۸): وفی الصحيح من حديث الجذع ما فيه كفاية، قيل: وكان موضعه عند الأُسطوانة التی تلی القبر، وهی عن يسار الأُسطوانة المخلّقة۔

الجواب (۴۸): الحديث الثامن والأربعون أخرجه البخاری فی الجمعة فی 'باب الخطبة على المنبر' (ص ۱۲۵) عن جابر رضی قال: "كان جذع يقوم عليه النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلما وضع له المنبر سمعنا للجذع مثل أصوات العشار، حتى نزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع يده عليه"، انتهى۔

وفی حنين الجذع أحاديث كثيرة۔

(۱) عن ابن عمر رضی أخرجه البخاری، (۲) وبريدة رضی أخرجه الدارمی، (۳) وابن عباس رضی أخرجه أحمد وابن سعد والدارمی وابن ماجه وأبونعيم والبيهقی، (۴) وأنس رضی أخرجه الدارمی والترمذی وابن خزيمة وأبويعلیٰ و أبوعوانة والبيهقی وأبونعيم، (۵) وأبی سعيد رضی أخرجه ابن أبی شيبة والدارمی وأبونعيم، (۶) وسهل بن سعد رضی أخرجه ابن سعد وإسحق بن راهويه والبيهقی، (۷) وأم سلمة رضی أخرجه البيهقی وأبونعيم، (۸) وأبیّ بن كعب رضی أخرجه الدارمی وابن ماجه وابن سعد وأبو يعلیٰ والبيهقی والبغوی وأبونعيم، (۹) وعائشة رضی أخرجه الطبرانی وأبونعيم وغير ذلک من الأحاديث۔

وذكر هذه الأحاديث السيوطی فی الخصائص الكبریٰ (ص۷۶/۲) والحافظ ابن حجر فی الفتح (ص ۴۱۵/۷)، قال البيهقی: قصة حنين الجذع من الأمور الظاهرة التی حملها الخلف

عن السلف، ورواية الأخبار الخاصة فيها كالتكلف۔

....

سوال (۴۹): روينا فى صحيح مسلم من حديث عائشةؓ قالت: ''كان رسول اللهﷺ كلّما كانت ليلتها يخرج آخر الليل إلى البقيع فيقول 'السلام عليكم دار قومٍ مؤمنين أتاكم ما توعدون غداً مؤجّلون وإنّا''، الخ

الجواب (۴۹): الحديث التاسع والأربعون أخرجه مسلم فى أواخر الجنائز (ص ۱/۳۱۳) تاماً، وبعد سبعة منه ينتهى كتاب الجنائز۔

....

سوال (۵۰): وفيه أيضاً عن عائشةؓ قالت: ''الا أحدّثكم عن رسول اللهﷺ وعنّى؟ قلنا: بلى! قالت: لما كانت ليلتى التى كان رسول اللهﷺ فيها عندى، انقلب فوضع رداءهٗ وخلع نعليه فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه فاضطجع، فلم يلبث الّا أن ظنّ أنى قد رقدت، فأخذ رداءهٗ رويداً''، الخ۔

الجواب (۵۰): الحديث الخمسون أيضاً أخرجه مسلم تامّاً فى أواخر الجنائز (ص ۱/۳۱۳) بعد الحديث المتقدم۔

سوال (۵۱): روينا فى صحيح مسلم من حديث عمر بن الخطابؓ قال: ''سمعت رسول اللهﷺ يقول بوادى العقيق: أتانى اليلة آتٍ فقال: صلّ فى هذا الوادى المبارك وقل 'عمرة فى حجة' وكان عبد الله ينيخ بالوادى يتحرّٰى معرّس النبىﷺ ويقول: هو أسفل من المسجد الذى ببطن الوادى''۔

الجواب (۵۱): الحديث الحادى والخمسون أخرجه البخارى فى الحجّ، فى 'باب قول النبى صلى الله عليه وسلم العقيق وادٍ مبارك' عن عمرؓ قال: ''سمعت النبىﷺ بوادى العقيق يقول: أتانى الليلة آتٍ من ربّى فقال: صلّ فى هذا الوادى المبارك وقل 'عمرة فى حجّة''، وهذا الحديث مما تفرّد به البخارى عن مسلم، ومن عزاه لمسلم فوهم۔

وأما قوله وكان عبد الله بن عمرؓ ينيخ فأخرجه البخارى (ص۲۰۸) فى الباب المذكور

ومسلم فی الحجّ (ص ۴۳۵)۔

....

سوال (۵۲): وبسند ابن النجّار إلی سعد بن أبی وقاصؓ قال: ”رکب رسول الله ﷺ إلی العقیق ثم رجع فقال: یا عائشة ! جئنا من هذا العقیق فما ألین موطئه وأعذب ماءهٗ فقلت: یا رسول الله! أفلا ننقل إلیه؟ فقال: کیف وقد ابتنی الناس“۔

الجواب (۵۲): الحدیث الثانی والخمسون ذکره العلّامة نورالدین السمهودی فی الفصل الأول من الباب السابع (ص ۱۸۷/ ۲) بروایة ابن زبالة عن عامر بن سعدؓ: ”أن رسول الله ﷺ رکب إلی العقیق ثم رجع فقال: یا عائشة ! جئنا من هذا العقیق، فما ألین موطئه وأعذب ماءہ، قالت: فقلت یا رسول الله! أفلا ننتقل إلیه، قال: کیف وقد ابتنی الناس“، انتهی، ولیس عندی کتاب ابن النجار۔

....

سوال (۵۳): عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت بها، فإن من مات بالمدینة شفعت له یوم القیامة“۔

الجواب (۵۳): الحدیث الثالث والخمسون أخرجه أبوالقاسم البغوی حدثنا الصّلت بن مسعود الجحدری حدثنا سفیان بن موسیٰ حدثنا أیوب عن نافع عن ابن عمرؓ قال: ”قال رسول الله ﷺ: من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت، فإن من مات بالمدینة أشفع له یوم القیامة“، هکذا نقله الحافظ ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی (ص ۴۰)،

والحدیث أخرجه أحمد (ص ۱۵۴/ ۲) والترمذی (ص ۲۳۱/ ۲) بلفظ: ”من استطاع أن یموت بالمدینة فلیمت فإنی أشفع لمن یموت بها“، وله شواهد من حدیث سبیعة الأسلمیةؓ أخرجه الطبرانی فی الکبیر، وفیه عبد الله بن عکرمة لَا یعرف حاله، و عن امرأة یتیمة کانت عند النبی ﷺ أخرجه الطبرانی فی الکبیر بإسناد حسن کما فی مجمع الزوائد فی باب فی من یموت بالمدینة، جعلنا الله منهم۔

....

سوال (۵۴): وفی روایة: ”غبار المدینة یطفئی الجزام“.

الجواب (۵۴): الحدیث الرابع والخمسون ذکره السمهودی فی وفاء الوفاء (ص ۴۸/ ۱) فی الفصل السادس من الباب الأول، وظاهر کلامه أن هذا اللفظ أخرجه ابن زبالة، والله أعلم۔

محمد یونس عفی عنہ
یوم الجمعہ ۱۴/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟

مکرم محترم مدفیوضکم وعافاکم وسلمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

بذل المجہود (ص ۱۱۲/ ۴) إن رباب بن حذیفة الخ اس حدیث سے کیا مسئلہ ثابت ہوا؟ یہ حدیث جمہور کے خلاف ہے یا موافق؟ جمہور کیا فرماتے ہیں؟

ان شاءاللہ آپ کے یہاں اس پر کچھ لکھا ہوا ہوگا۔ فقط والسلام جزاکم اللہ خیرالجزاء

(مولانا) محمد عاقل غفرلہ ۶/ رجب ۹۸ھ

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے، اسی لئے حضرت عمرؓ نے عصبة الابن کے لئے ولاء کا فیصلہ کیا، لیکن یہ اگرچہ امام احمد کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے مگر ائمۂ ثلاثہ اور خود امام احمد کے راجح مذہب کے خلاف ہے۔ ولاء میں حدیث ”الولاء لحمة کلحمة النسب لایباع ولا یورث“ کی وجہ سے میراث جاری نہیں ہوتی ہے۔ اور ولاء کے مستحق عصبة الدم یعنی اس کے بھائی مستحق ہوں گے، اور ابوداود کی روایت میں بظاہر عمرو بن شعیب کو وہم ہوگیا، کما أشار إلیه أبو داود ناقلاً عن حمید قال: ”الناس یتّهمون عمرو بن

شعيب (أى ينسبونه إلىٰ الوهم والغلط) فى هذا الحديث، قال أبو داود: وروى عن أبى بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم خلاف هذا، إلّا أنه روى عن على بن أبى طالبؓ بمثل هذا.انتهىٰ. لیکن حضرت علیؓ سے جمہور کے موافق بھی نقل کیا گیا ہے اور امام احمد کے توریثِ ولاء کی جو روایت نقل کی جاتی ہے بظاہر ناقلین کا وہم ہے۔ كما يستفاد من المغنى (ص ۷/۲۴۴) وأصل المسئلة فى المغنى (ص ۷/۲۷۰) ، ثم رأيت شيخنا ذكر هذه المسئلة فى الأوجز (ص ۴/۵۰۸) عن المغنى ، فليراجع۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ترمذی کی ایک عبارت کا حل

بخدمت محترم حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب زیدت معالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

كتاب العلل للترمذی کی عبارت ذیل کا حل مطلوب ہے،

كان يقول حدثنا أشياخنا أبو سلمة ويحيىٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب (ص ۲۳۷)، محمد بن عمرو کی اس عبارت سے یحیی بن سعید کس طرح علت نکالتے ہیں؟ چند سطروں قبل ابو عوانہ کا کلام أبان بن أبى عياش پر گذرا ہے اس میں جو ضعف اخذ کیا ہے اس کی طرف ذہن جاتا ہے، لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا، آپ زحمت فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

میں نے آپ کے جواب کے موصول ہونے تک طلبہ سے وعدہ کیا ہے، جزاكم الله عنّا خيراً۔

(مولانا) محمد ابراہیم پٹنی

دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

جواب:

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عبارت میں نسخ ترمذی میں اختلاف ہے،

اصل عبارت نقل کی جاتی ہے اس کے بعد اختلافِ نسخ پر تنبیہ آتی ہے پوری عبارت یہ ہے:

"قال عليّ : قلت ليحيىٰ: محمد بن عمرو كيف هو؟ قال: تريد العفو أو تشدّد؟ قال: لَا، بل أشدّد، قال: ليس هو ممّن تريد، كان يقول أشياخنا أبو سلمة ويحيىٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب"۔ اس خط کشیدہ عبارت میں اختلاف ہے، بعض میں تو اسی طرح ہے اور بعض میں "حدّثنا أشياخنا" ہے جیسا کہ آپ نے نقل فرمایا ہے اور دونوں ہی طرح اہل رجال نقل کرتے ہیں۔

الذہبی نے میزان الاعتدال اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں "حدثنا" کے اضافہ سے نقل کیا، اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (ص ۳۱/۴) بغیر "حدثنا" کے۔

ظن غالب یہ ہے کہ اس کا تضعیف سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ صرف افادہ ہے یعنی وہ فلاں فلاں سے روایت کرتے ہیں اور نسخۂ اول سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور سارے ہی ارباب رجال ان دونوں کو محمد بن عمرو بن علقمہ کے اساتذہ میں لکھتے ہیں جیسے ابن ابی حاتم، حافظ مزی، حافظ ابن حجر وغیرہم۔

اور اگر تضعیف مقصود ہو تو یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ قوی الحافظہ نہیں ہیں، مشائخ کی روایات ملا کر بیان کرتے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ اس کے الفاظ کیا ہیں؟

لیکن اس پر اشکال ہے کہ ابن شہاب وغیرہ مشہور محدثین نے ایسا کیا ہے کہ متعدد مشائخ کی روایات کو ملا کر بیان کیا، ابن شہاب نے حدیث الاِفک متعدد مشائخ سے سنی کسی سے مطوّلاً کسی سے مختصراً اور سب کو ایک ترتیب سے نقل کردیا ہے، اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابن شہاب نے الفاظِ شیوخ کو واقعہ کو ترتیب وار نقل کرنے کیلئے ملا کر بیان فرمایا ہے، نہ کہ ان کو مشائخ کے الفاظ یاد نہیں اور ان کا مضمون محفوظ نہیں، والعلم عند الله۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۴ رجب ۱۳۹۸ھ

اطلبوا العلم ولو بالصين حدیث ہے یا نہیں؟

سوال:

"اطلبوا العلم ولو بالصين" حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا درجہ ہے؟

السائل ....

الجواب :

یہ حدیث بیہقی نے **شعب الاِیمان** اور الخطیب نے **الرحلة** اور ابن عبدالبر نے **الجامع** میں حضرت انسؓ سے تخریج کی ہے، لیکن اسکی سند غیر معتبر ہے، ابن حبان کہتے ہیں: **باطل لَا أصل له** اور ابن جوزی نے **موضوعات** میں ذکر کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۴ شعبان ۱۳۹۸ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖◯◯◯❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک دعا کا ثواب اور اس کی تحقیق

قبلہ الحاج مولانا محمد یونس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت عالیہ میں گذارش یہ ہے کہ میں ماہ فروری میں ایک چلہ کے لئے جماعت میں گیا تھا میرا پورا وقت گجرات میں پالن پور کے پاس علاقوں میں لگا، پالن پور کے گودھرا کے اجتماع سے ایک ہفتہ پہلے ایک جوڑ تھا، اس جوڑ میں شرکت کے لئے عرب کی بھی ایک جماعت آئی تھی، جناب مولوی احمد لاٹ صاحب اس کے امیر تھے، اس جماعت میں تیونس کے رہنے والے ایک شخص محمد یونس تھے جو کہ پیرس میں انجینئر ہیں انہوں نے اپنے بیان کے دوران ایک دعا بتلائی:

"یا ربّ لک الحمد کما ینبغی لجلال وجهک ولعظیم سلطانک"۔

اس کی فضیلت انہوں نے اس طرح بیان کی کہ اس کو ایک بار پڑھنے کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ فرشتے اس کو لکھتے لکھتے تھک جاتے ہیں اور اللہ تعالی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم تو تھک گئے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثواب لکھتے ہی رہو، میں آپ سے اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث اسی طرح کی ہے؟ اگر ہے تو کس کی حدیث ہے؟

میں نے دارالعلوم میرٹھ کے صدر مدرس سے اس بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے آپ کیلئے بتایا کہ تم اس کی تصدیق سہارنپور سے کرلو ہمارے سامنے تو یہ حدیث آئی نہیں ہے، اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس کے بارے میں لکھیں، عین نوازش ہوگی۔

نعیم الدین امیر الدین

جنرل مرچنٹ، دہلی بازار، میرٹھ سٹی

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی آپ کا خط ملا،

پوری روایت کے الفاظ نقل کرتا ہوں، آپ کسی عالم سے ترجمہ معلوم کرلیں۔

عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ حدّثهم: ’’أن عبداً من عباد الله قال: يا ربّ لک الحمد كما ينبغی لجلال وجهک، ولعظيم سلطانک، فعضلت بالملكين فلم يدريا كيف يكتبانها فصعدا إلى السماء فقالَا: يا ربّنا إن عبدک قد قال مقالةً لَا ندری كيف نكتبها؟ قال الله وهو أعلم بما قال عبدهٗ: ماذا قال عبدی؟ قالَا يا ربّ إنه قد قال: ياربّ لک الحمد كما ينبغی لجلال وجهک وعظيم سلطانک، فقال الله لهما: أكتباها كما قال عبدی حتی يلقانی فأجزيه بها‘‘.

رواه أحمد وابن ماجه وإسناده متصل ورواته ثقات، إلّا أنه لَا يحضرنی الآن فی صدقة بن بشير مولی العمريين جرح ولَا عدالة،

وقوله ’’عضلت بالملكين‘‘ بتشديد الضاد المعجمة أی اشتدّ عليهما وعظمت واستغلق عليهما معناها، كذا فی الترغيب (ص ۲۸۵).

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں

سوال:

الہ آباد سے ایک ماہانہ رسالہ معرفت حق کے نام سے جاری ہے، اس کا ایک پرانا شمارہ دسمبر ۶۹ء دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا، اس میں لکھا ہے کہ کتاب سراج الہدایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراءؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا اور ان کو حضرت علیؓ کے گھر رخصت فرمانے لگے تو اس رات ان کو گیارہ نصیحتیں فرمائیں، امت کے لئے ان میں بہترین سبق ہے۔

فرمایا کہ بیٹی جب علی کے گھر میں داخل ہونا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

دوسرے یہ کہ مکان کے صحن میں جاکر کسی لکڑی پہ بیٹھنا اور سر پر بھنے ہوئے دھان (یعنی دھان کا لاوا) بکھیر لینا۔

تیسرے یہ کہ علی سے کہنا کہ تمہارے دونوں پاؤں دھوکر اس کا غسالہ مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دیں۔

پانچویں یہ کہ ہمیشہ سرمہ لگایا کرنا۔

چھٹے یہ کہ بغیر تیل لگائے سر اور بدن نہ دھونا، اگر چہ دن میں دوبار یا زائد بار غسل کرنا پڑے، اور جب علی تمہاری جانب دیکھیں تو تم اپنی نگاہ نیچی رکھنا۔

ساتویں یہ کہ غلام زرخرید کی طرح (شوہر کی) تابعدار اور فرمانبردار ہوکر رہنا۔

آٹھویں یہ کہ اپنے لئے خوشبو اور عطر کا استعمال برابر رکھنا۔

نویں یہ کہ جب علی کے ساتھ گفتگو کی نوبت آئے تو مسکرادیا کرنا۔

دسویں یہ کہ ایک ہفتہ تک کوئی چیز سرکہ و ترشی نہ کھانا۔

گیارہویں یہ کہ ایک ہی جگہ سات رات و دن نہ رہنا، انتہی۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا مقام ہے؟ نیز یہ کتاب سراج الہدایہ کس درجہ کی ہے؟

شریف احمد بریلوی

ضیاء العلوم ملیان (سنڈیلہ) ضلع ہردوئی

جواب: سراج الہدایہ کے متعلق تحقیق نہیں ہے، اور یہ روایت بے اصل ہے، اس کا کچھ مضمون ایک روایت میں وارد ہے، مگر ابن حبان نے اسے بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ ۲۵ شعبان ۹۸ھ

کنگھا کرنے کی ہیئت

سوال: (۱) کنگھا کھڑے ہوکر کرنا چاہئے یا بیٹھ کر؟ ایک امیرِ جماعت نے بتایا کہ کھڑے ہوکر کنگھا کرنے سے مفلسی آتی ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کھڑے ہوکر بیٹھ کر دونوں طرح کر سکتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ بال کیسے ہوں؟ کیا کچھ چھوٹے بڑے بال رکھ سکتے ہیں یا پورے بال یکساں ہوں؟ اور ہپی کٹ بال رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

اشتیاق احمد

امام جامع مسجد نلگنڈہ

جواب: (۱) کنگھا کرنا ہر طرح جائز ہے، چاہے کھڑے ہوکر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر، کسی معتبر روایت میں کوئی صورت ہمارے علم میں منقول نہیں ہے۔

صرف ایک غیر معتبر روایت میں یہ آیا ہے کہ ''من امتشط قائماً رکبه الدین''، رواه ابن عدی فی الکامل عن عائشةؓ مرفوعاً یعنی اگر کوئی کھڑے ہوکر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لد جاتا ہے۔ لیکن یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔ اس کی سند میں احمد بن عبداللہ الہروی الجویباری اور وہب بن وہب ابوالبختری ہیں، اور دونوں کذاب دروغ گو ہیں اور موضوع (جعلی) روایتیں بنانے والے ہیں، اسی لئے حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوعات (ص ۵۴ / ۳) میں داخل کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعة (ص ۲۶۸ / ۱) اور اپنی دیگر تالیفات میں اور علامہ ابن عراق نے تنزیه الشریعة (ص ۲۶۹ / ۲) میں ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) بال برابر رکھنا چاہئے، سامنے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے کرانا انگریزوں کا طریقہ ہے۔ ہپی کٹ بال بھی آزاد طبع لوگوں کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں کو ان کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

احادیث میں تین طرح کے بال آئے ہیں۔ وفره، لمّه، جمّه۔

وفرہ وہ بال کہلاتے ہیں جو کانوں کی لو تک ہوں اور لمّہ جو کانوں سے نیچے ہو جائیں اور جمّہ جو مونڈھوں تک پہنچ جائیں، لیکن بال برابر ہوتے تھے آگے سے بڑے اور پیچھے سے چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔

محمد یونس عفی عنہ

۵ رشعبان ۱۳۹۸ھ

چند احادیث کا ثبوت

سوال:

مخدوم ومکرم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج والا بعافیت ہوں، چند باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

(۱) سیدنا موسیٰ ؑ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہونے کی تمنا کی، اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔

(۲) سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ؑ نے لیلۃ المعراج میں حضور اکرم ﷺ سے اس امت کو سلام پہنچانے کے لئے فرمایا۔ یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

(۳) ''أوتيت علم الأوّلين والآخرين يا عُلّمت علم الأوّلين والآخرين'' أو كما قال۔ یہ حدیث کہاں ہے؟

(۴) ''علّمني ربّي فأحسن تعليمي، أدّبني ربّي فأحسن تأديبي'' أوكما قال عليه الصلوٰة والسلام۔ یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

(۵) کعب بن اشرف نے جو حضور اکرم ﷺ کے قتل کی سازش کی اس میں یہ حصہ کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو بلایا اور اپنے ساتھیوں کو پہلے سے قتل کرنے کو کہہ دیا تھا مگر حضور ﷺ ان کی نظروں سے مستور ہو گئے، اور جب بھی وہ قتل کا ارادہ کرتے تو ان کو کعب بن اشرف کی صورت نظر آتی اس لئے قتل نہ کر سکے۔ اس کے حوالہ کی ضرورت ہے۔ جو غالباً فتح الباری یا عینی میں ہے۔ میرے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں۔

(۶) ''رأيت ظلّي وظلّ قومي في النار'' أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام، یہ جملہ حدیث کی کس کتاب میں ہے اور کہاں ہے؟

(۷) ''لولاك لما خلقت الأفلاك والأرضين''، حوالہ کی ضرورت ہے۔

(مفتی) محمد فاروق

مدرسہ دارالعلوم جامع مسجد شہر میرٹھ

جواب: (۱) سیدنا موسیٰ ؑ کا امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کرنا حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل روایت میں وارد ہے جس کو ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں (ص ۱۴) پر روایت کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے تورات میں اس امت کے بہت سے فضائل دیکھے تو یہ خواہش کی کہ یہ امت ان کی امت بنادی جائے، ارشاد ہوا ''تلك أمّة أحمد ﷺ''، جب بار بار یہی جواب ملا تو پھر حضرت موسیٰ ؑ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ ''يا ربّ فاجعلني من أمّة أحمد ﷺ''، اس کی سند میں جبارہ بن المغلس الحمانی الکوفی

ہے، جوضعیف ہے۔ ابن معین سے منقول ہے کہ کذّاب، لکن قال ابن نمیر: هو صدوق يوضع له الحديث فيرويه ولا يدرى، وقال أبونعيم: هذا الحديث من غرائب حديث سهيل لا أعلم أحداً رواه مرفوعاً إلّا من هذا الوجه، تفرّد به الربيع بن النعمان وبغيره من الأحاديث عن سهيل وفيه لين۔

(۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لیلۃ المعراج میں اس امت کوسلام پہنچانا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں وارد ہے۔ قال: قال رسول الله ﷺ: "لقيت إبراهيم ليلة أسرى بى، فقال: يا محمد! إقرء أمّتك منّى السّلام، وأخبرهم أن الجنّة طيبة التربة عذبة الماء وإنها قيعان وإن غراسها سبحان الله والحمد لله ولا إله إلّا الله والله أكبر"۔

رواه الترمذى (ص ۱۸۴/ ۲) والطبرانى فى الصغير (ص ۱۹۶/ ۱) من طريق سيار بن حاتم عن عبد الواحد بن زياد عن عبدالرحمٰن بن إسحق عن القاسم بن عبد الرحمٰن عن أبيه عنه، قال الترمذى: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، وقال الطبرانى: لم يروه عن القاسم إلّا عبدالرحمٰن ولا عنه إلّا عبد الواحد، ولم يروه عن عبد الواحد مرفوعاً إلّا سيار بن حاتم، انتهى۔ وزاد الطبرانى فى المتن "ولا حول ولا قوّة إلّا بالله"۔

(۳) کسی حدیث میں اب تک "أوتيت علم الأولين والآخرين" یا "عُلّمت علم الأولين و الآخرين"، نظر نہیں پڑا۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں (ص ۱۹۳/ ۲) ایک باب منعقد فرمایا ہے "اختصاصه ﷺ بالنصر بالرعب مسيرة شهر وإيتائه جوامع الكلم وعلم كل شئ إلّا الخمس الخ.."

اوراس کے تحت جہاں اور حدیثیں جزء اول کے موافق ذکر فرمائی ہیں وہیں ایک حدیث جزء اخیر کے متعلق ذکر کی ہے، عن ابن عمرؓ عن النبى ﷺ قال: "أوتيت مفاتيح كلّ شئ إلّا الخمس إن الله عنده علم الساعة الأية"، أخرجه أحمد والطبرانى بسند صحيح۔

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بحوالہ مسند احمد ومسند ابی یعلیٰ نقل کی ہے مسند احمد (ص ۲۴۳/ ۵) میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ کا ایک خواب منقول ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ "فإذا أنا بربّى تبارك وتعالىٰ فى أحسن صورة فقال: يا محمد! قلت: لبّيك ربّى،

قال: فيم يختصم الملاء الأعلىٰ؟ قلت: لَا أدرى، قالها ثلاثا قال: فرأيته وضع كفيه بين كتفيّ حتى وجدت برد أنامله بين ثديى فتجلّىٰ لى كل شئ وعرفت''، الحديث۔

ترمذی شریف میں (ص ۱۵٦/ ۲) پر اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ 'فعلمت ما بين المشرق والمغرب'' ہیں۔ اور دارمی میں (ص ۲۷۴) یہی روایت عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے نقل کی گئی ہے، اس میں ''فعلمت ما فى السماوات والأرض'' ہے۔

تنبیہ: ان روایات سے بعض ناواقفوں نے حضور اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ ابن عمرؓ وابن مسعودؓ کی روایات میں پانچ کا استثناء وارد ہے، اور معاذ بن جبلؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبدالرحمٰن بن عائشؓ کی روایتوں میں ان امور کا علم مراد ہے جن کی امت کو ضرورت ہے، ورنہ تو آپ کی امت کو بھی عالم غیب تسلیم کرنا پڑے گا۔

علامہ سیوطی نے الخصائص الکبریٰ (ص ۱٦۱/ ۲) میں ایک مستقل باب ''اختصاصه ﷺ بأن أمته أوتيت العلم الأول والعلم الآخر'' قائم کیا ہے۔ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کی طرف جواب اول میں اشارہ کیا جا چکا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''يارب إنّى أجد فى الألواح أمة يؤتون العلم الأول والعلم الآخر''۔

(۴) حدیث ''علّمنى ربّى فأحسن تعليمى، أدّبنى ربّى فأحسن تاديبى'' کا جملہ اول تو کہیں نہیں دیکھا، ہاں دوسرا جملہ بعض ضعیف روایتوں میں وارد ہوا ہے۔

فأخرج العسكرى فى الأمثال من جهة السدّى عن أبى عمارة عن علىؓ قال: ''قدم بنو نهد بن زيد على النبى ﷺ فقالوا: أتيناك من غورى تهامة وذكر خطبتهم وما أجابهم به النبى ﷺ، قال: فقلنا يا نبى الله! نحن بنوأب واحد ونشأنا فى بلد واحد وإنك لتكلم العرب بلسان مانفهم أكثره، فقال: إن الله عزو جل أدّبنى فأحسن أدبى ونشأت فى بنى سعد بن بكر''۔ وسنده ضعيف جداً۔

وأخرج أبوسعد السمعانى فى أدب الإملاء بسند منقطع فيه من لم أعرفه عن عبدالله أظنه ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''إن الله أدّبنى فأحسن تاديبى، ثم أمرنى بمكارم الأخلاق فقال: ﴿خُذالعَفْو وأمُرْ بِالعُرْفِ وأَعْرِضْ عَنِ الجٰهِلِيْنَ﴾۔

وأخرج ابن عساكر وثابت السرقسطي في الدلائل بسند واہٍ من حديث جد محمد بن عبد الرحمٰن الزهري قال: "قال رجل من بني سليم للنبي ﷺ: يا رسول الله! أيُدالك الرجل امرأته؟ قال: نعم إذا كان مفلجا، قال: فقال له أبو بكرؓ يا رسول الله! ماقال لك؟ قال: قال لي أيُماطل الرجل امرأته؟ قلت: نعم إذا كان مفلسا، قال: فقال أبو بكرؓ: ما رأيت أفصح منك، فمن أدّبك يا رسول الله؟ قال: أدّبني ربّي و نشأت في بني سعد". و بالجملة فهو كما قال ابن تيمية(ص ۱۸/۳۷۵) لَايعرف له إسناد ثابت. كذا في المقاصد الحسنة (ص ۲۹) بتصرف۔

(۵) حضور اکرم ﷺ کا کعب بن اشرف اور اسکے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہوجانا کہیں نظر نہیں پڑا۔ علامہ سیوطی نے بھی خصائص کبری میں یہ واقعہ نہیں لیا، فاللہ اعلم۔

ہاں سیوطی نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ مارنے چلی تھی، صدیق اکبرؓ آپکے پاس تھے، گھبرا گئے، لیکن جب وہ آئی تو حضور اکرم ﷺ اسکو نظر نہیں آئے۔

(۶) حديث "رأيت ظلّي وظلّ قومي في النار" أخرجه عبد الله بن وهب قال أنبأنا معاوية بن صالح عن عيسىٰ بن عاصم عن زرّبن حبيش عن أنس بن مالكؓ قال: "صلّى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم صلوة الصبح ثم مدَّ يده ثمّ أخّرها، فلما سلّم قيل له يا رسول الله! لقد صنعت في صلوتك شيئاً لم تصنعه في غيرها، قال: إنّي رأيت الجنّة فرأيت فيها دالية قطوفها دانية حبّها كالدُبّاء، فأردت أن أتناول منها فأوحي إليّ أن استأخر، فاستأخرت ثم رأيت النار فيما بيني و بينكم حتى لقد رأيت ظلّي وظلّكم فأومأت إليكم أن استأخروا، فأوحي إليّ أقرّهم فإنك أسلمت وأسلموا وهاجرت وها جروا جاهدت وجاهدوا، فلم أرلي عليكم فضلا إلّا بالنبوة". كذا في حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح للحافظ ابن القيم (ص ۱/۴۲)۔

(۷) حديث "لولَاك لماخلقت الأفلاك"، قال الصغاني في الأحاديث الموضوعة له: موضوع، قال علي القاري في موضوعاته الكبير(ص ۵۹): لكن معناه صحيح،

فقد روى الديلمي عن ابن عباسؓ مرفوعاً "أتاني جبريلؑ فقال: يا محمد! لولَاك ما خلقت الجنة و لولَاك ما خلقت النار"، و في رواية ابن عساكر "لولَاك ما خلقت الدنيا"، انتهى۔

قلت: هذا المعنى يروى عن ابن عباسؓ و عمر بن الخطابؓ وسلمان الفارسیؓ وغيرهم لَايثبت ذلک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

فأما حديث ابن عباسؓ فأخرجه الحاكم فی مستدركه (ص ۶۱۵/ ۲) من طريق عمرو بن أوس ثنا ابن أبی عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباسؓ قال: ”أوحى الله إلى عيسیٰؑ: يا عيسیٰ! آمن بمحمد وأمر من أدركه من أمتک أن يؤمنوا به، فلولَا محمد ما خلقت آدم ولولَا محمد ماخلقت الجنة ولَا النار، ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه لَا إله إلّا الله محمد رسول الله فسكن“، وعزاه فی شرح المواهب (ص ۴۴/ ۱) لأبی الشيخ فی طبقات الأصفهانيين و قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاِسناد ولم يخرجاه، وأقره التقی السبكی فی شفاء السقام (ص ۱۶۲) والبلقينی فی فتاويه، لكن قال الحافظ الذهبی فی مختصره: أظنّه موضوعاً على سعيد،

وأورده فی الميزان فی ترجمة عمروبن أوس وقال: يجهل حاله والخبر منكر وأظنه موضوعاً، وأقرّه الحافظ ابن حجر فی اللسان ولم ينفرد به عمر وبن أوس فقد أخرجه أبو الشيخ فی طبقات الأصفهانيين(ص ۲۸۷/ ۳) من طريق سعيد بن أوس الأنصاری عن سعيد بن أبی عروبة ولكنه موقوف عنده،

وأما حديث عمر بن الخطابؓ فأخرجه الطبرانی فی الصغير(ص ۸۳/ ۲) والحاكم فی المستدرک (ص ۶۱۵/ ۲) والبيهقی فی الدلَائل (ص ۴۸۹/ ۵) من طريق أبی الحارث عبد الله بن مسلم الفهری عن إسمعيل بن مسلمة عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن جدّه عن عمرؓ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ”لمّا اقترف آدم الخطيئة قال: ياربّ! أسألک بحقّ محمد لما غفرت لی، فقال الله يا آدم! وكيف عرفت محمداً ولم أخلقه، قال: يا ربّ: لأنک لمّا خلقتنی بيدک ونفخت فیّ من روحک رفعت رأسی فرأيت على قوائم العرش مكتوباً ”لَا إله إلّا الله محمد رسول الله“ فعلمت أنک لم تضف إلى اسمک إلّا أحبّ الخلق إليک، فقال الله: صدقت يا آدم! إنه لأحبّ الخلق إلیّ ادعنی بحقّه فقد غفرت لک ولولَا محمدماخلقتک“۔

قال الطبرانی: لَايروى عن عمرؓ إلّا بهذا الاِسناد، قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاِسناد،

وتعقّبه الذهبی فی مختصر المستدرک فقال: بل موضوع ، و عبد الرحمٰن واهٍ، وعبد الله بن مسلم الفهری لَاأدری من ذا؟ وقال فی المیزان فی ترجمة الفهری: خبرباطل رواه البیهقی فی دلَائل النبوة، وأقرّه ابن حجر فی اللسان، و نقل ابن القیم فی رسالة له(ص ۷۸) عن الإِمام ابن تیمیة أنه موضوع ووافقه۔

تنبیه: صورة الإِسناد هکذا فی المستدرک، وأما الطبرانی فقال: حدثنا محمد بن داؤد بن أسلم الصدفی المصری حدثنا أحمد بن سعید المدنی الفهری حدثنا عبد الله بن إسمعیل المدنی عن عبد الرحمن الخ، وکأنه وقع سقوط فی هذ الإِسناد، والله أعلم۔

وأما حدیث سلمانؓ فأخرجه ابن الجوزی فی الموضوعات (ص ۲۸۹/ ۱) وهو حدیث طویل فی صفحة، وفی آخره ”ولولَاک یا محمد! ماخلقت الدنیا“، ثم قال: هذا حدیث موضوع لَا شک فیه، و فی إسناده مجهولون وضعفاء، والضعفاء أبو السکین یعنی محمد بن عیسی المدائنی وإبراهیم بن الیسع ویحیٰی البصری، قال الدارقطنی: أبو السکین ضعیف وإبراهیم ویحیٰی البصری متروکان، قال أحمد بن حنبل: خرّقنا حدیث یحی البصری، وقال الفلاس: کان کذّابا یحدّث أحادیث موضوعة، وقال الدار قطنی: متروک، انتهی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۵رشعبان ۱۳۹۸ھ

ملاحظة : ولیس شیء من الخلق سبباً لتخلیق الخلق، بل السبب الأصلی لذلک اتّصافه تعالیٰ بصفات عالیة، فلا بدّ من ظهورتلک الصفات وظهور أثرها، وذلک بإیجاد الخلق والله علی ما یشاء قدیر، والله سبحانه وتعالیٰ أعلم۔

جن کی صحابیت کی غلط افواہ

سوال:

ایک اشتہار اس طرح کا شائع ہوا ہے۔ جس میں ایک جن صحابی کا حسب ذیل مضمون ہے، کیا یہ درست ہے؟

من أمیر المومنین خلیفة المسلمین سلطان الأجنّة سیّدنا حضرت عمر بن خیامؓ سمعت رسول الله ﷺ قال: أصحابی کلّهم کنجوم السماء المشرقة وواحد منهم یعیش طویلاً ویجعل خلیفةً فی الناس فی أواخر أربعمائة وألف من الهجرة النبویة، فهو یظهر بسنتی وتفترق أمتی علی ثلث و سبعین فرقة کلّهم فی النار إلّاواحدة، فقالوا: ومن ذاک یا رسول الله! قال: هو من سنّ بسنّتی وسنّة خلیفتی، أصحابی کالنجوم فبأیّهم اقتدیتم اهتدیتم، أجزت الحکیم إحسان الٰهی أن یروی هذا الحدیث عنّی۔

السائل ــــــــــــــــ

جواب:

یہ حدیث جوعمر بن خیام جنّی کے نام سے شائع کی جارہی ہے متعدد وجوہ سے غیر معتبر ہے۔

(۱) اولاً تو اسلئے کہ جن محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں جنات صحابہ کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس نام کا کوئی صحابی ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح جن روایات میں جنات کے وفد کا ذکر ہے اور ان میں بعض جنات کے نام ملتے ہیں ان میں بھی یہ نام نہیں ہے۔

(۲) ثانیاً اسلئے کہ حدیث ''أصحابی کالنجوم فبأیّهم اقتدیتم اهتدیتم'' متعدد صحابہ حضرت جابر، ابن عمر، ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عباس، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیجاتی ہے اور کسی صحابی کی روایت میں ''وواحد منهم یعیش طویلاً الخ'' کا اضافہ نہیں ہے۔ کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زیادتی صرف اسی جن سے بیان فرمائی اور کسی سے نہیں بیان فرمائی؟

(۳) ثالثاً اسلئے کہ اس میں ''أواخر أربعمأة وألف من الهجرة النبویة'' یعنی چودھویں صدی ہجری کا آخر ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ سنین ہجریہ سے تاریخ کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی جب سلطنت اسلامی وسیع ہوگئی اور دارالخلافہ مدنیہ منورہ سے آنے جانے والے بعض فرامین وخطوط میں اور بعض دیگر دستاویزوں میں تاریخ نہ

ہونے کی وجہ سے بعض اوقات دشواریاں پیش آئیں، اسوقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے ہجرت سے تاریخ کی ابتداء فرمائی اسلئے کہ ہجرت فروغ اسلام کا پیش خیمہ بنی۔ اسکی تفصیل فتح الباری (ص ۲۷۰/۸) وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۴) رابعاً اسلئے کہ حافظ ابن القیم وغیرہ نقادفن نے تصریح کی ہے کہ کسی حدیث میں کسی واقعہ کے وقوع کی تاریخ کا ہونا اسکے موضوع ہونے کی علامت ہے۔ قال (ص ۶۳): ومنها أن يكون فى الحديث تاريخ كذا وكذا مثل قوله "إذاكان سنة كذا وكذا وقع كيت وكيت، وإذا كان شهر كذا وكذا وقع كيت وكيت"، علامہ ملاعلی قاری نے موضوعات کبری میں (ص ۹۵) یہ قاعدہ ابن القیم سے بلاکسی نکیر کے نقل کیا ہے۔

(۵) خامساً اسلئے کہ اس میں "يجعل خليفة فى الناس" ہے، اور خلیفہ بننے کی دوصورتیں ہیں، یا تو خلیفہ سابق نامزد کردے، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد فرمادیا تھا، یا اہل الحل والعقد یعنی علماء یا اہل الرائے کی ایک جماعت خلیفہ منتخب کردے جیسے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر بہت سے خلفا کی تعیین میں ہوا۔

ایک تیسری صورت علماء نے تغلّب کی لکھی ہے، قال فى الدرالمختار: "وتصحّ سلطنة متغلّب للضرورة" یعنی اگر کوئی زبردستی اپنی طاقت اورزور سے بغیر اہل حل وعقد کی بیعت کے امام الناس بن جائے تو بضرورت دفع فتنہ وفساد جائز ہے، لیکن جو صحابیت کا دعویدار ہے اس سے یہ تیسری شکل بعید ہے اور پہلی دونوں صورتیں یہاں موجود نہیں۔

(۶) سادساً اسلئے کہ خلافت کیلئے خاندانِ قریش کا فرد ہونا ضروری ہے، قال النبی ﷺ: "الأئمة من قريش"، رواه أحمد و فى رواية: "الأمراء من قريش"، رواه أبو يعلىٰ و الطبرانى۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں (ص ۱۰۵۷) ایک مستقل باب الأمراء من قريش منعقد کیا ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: واشتراط كون الاِمام قرشياً هو مذهب العلماء كافّة وقد احتجّ به أبو بكرؓ وعمرؓ على الأنصار يوم السقيفة فلم ينكره أحد، وقد عدّها العلماء فى مسائل الاِجماع ولم ينقل عن أحد من السلف قول ولافعل يخالف ماذكرنا، ولا اعتداد بقول النّظام و من وافقه من الخوارج وأهل البدع أنه يجوز كونه من غير قريش، یعنی امام المسلمین کا قریشی ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور بعض اہل بدعت جو غیر قریشی کی امامت کے قائل ہیں اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، اب جب کہ غیر قریشی انسان ہونے کے باوجود امام نہیں بنایا جاسکتا ہے تو جنات کا کیا سوال ہوتا ہے۔

ان امور مذکورہ کے علاوہ اس شائع شدہ پوسٹر میں ایسے لفظی نقائص بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی بعد کے شخص کا خود ساختہ ہے۔مزید یہ ہے کہ یہ اعلان ۱۳ ر صفر ۱۳۹۸ھ .کا ہے اور آج ۳۰ ر شعبان ۱۳۹۸ھ ہے خلیفہ صاحب بزعم خود خلیفہ ہو گئے، اور امور مسلمین کی تدبیر و اصلاح کا اب تک کوئی کام انجام نہیں دیا۔

(بلکہ اب تو چودھویں صدی ختم ہو کر پندرھویں کا افتتاح ہو گیا، اور اب تک نہ مسلمین کا غلبہ ہوا نہ خلیفہ صاحب رونما ہوئے)۔

اب اسکے بعد یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: **''من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّأ مقعده من النار''، رواه البخاری و مسلم من حدیث أبی هریرةؓ۔**

یعنی جو آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اسکا ٹھکانا جہنم ہے، علماء نے تصریح کی ہے کی آپ ﷺ کی طرف سے اس طرح جعلی روایت نقل کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور ایک جماعت کا تو خیال یہ ہے کہ ایسا شخص دائرہ ایمان ہی سے نکل جاتا ہے، اور جمہور کے نزدیک اگر چہ آدمی ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا لیکن یہ کم ہلاکت کی بات نہیں کہ گناہ کبیرہ بلکہ بہت بڑے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جائے اور جہنم کی وعید کا مورد بنے، اور اگر کسی شخص نے جعلی روایت آپ ﷺ کی طرف منسوب کی تو ایسا شخص محدثین کے یہاں ہمیشہ کیلئے مردود الروایۃ ہو جاتا ہے۔ اسکی ساری روایتیں غیر معتبر ہو جاتی ہیں۔لہذا اس طرح کی روایات کے نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم اور اس سے بچنا واجب ہے۔نگاہ شارع میں ایسا شخص لائق قتل ہے۔

عبدالرزاق المصنف (ص ۳۰۸ /۵) میں روایت کرتے ہیں،

عن ابن التیمی عن أبیه أن علیاًؓ قال: ''فیمن کذب علی النبی ﷺ یضرب عنقه''۔

عبدالرزاق کی ایک دوسری روایت میں ہے **عن معمر عن رجل عن سعید بن جبیر: ''أن رجلاً کذب النبی ﷺ فبعث علیاًؓ و الزبیرؓ فقال: اذهبا فان أدرکتماه فاقتلاه''۔**

اسی طرح مصنف عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں **کذب النبی ﷺ** واقع ہوا ہے، لیکن عبدالرزاق نے اس پر **عقوبة من کذب علی النبی ﷺ** کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں ''**من کذب علی النبی ﷺ**'' ہے۔فقط

محمد یونس عفی عنہ

۳۰ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

’’من ضارّ ضارّ اللہ بہ‘‘ الحدیث۔ کی تخریج

سوال:

مخدومی حضرت اقدس شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا) صاحب مدظلہ کی طرف سے ایک گرامی نامہ ملا تھا، اس میں حضرت والا نے ایک ملفوظ تحریر فرمایا تھا جو مجھے بہت ہی پسند آیا اور دل میں یہ خیال ہوا کہ اسے عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے شائع کرادوں،

بندہ نے حضرت والا سے اجازت طلب کی، حضرت والا نے اجازت مرحمت فرمادی لیکن ساتھ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ اس میں ایک حدیث پاک ہے اس لئے شائع کراتے وقت اس حدیث پاک کا حوالہ ضرور شائع کریں کہ بغیر حوالہ کے حدیث شائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

وہ ملفوظ اور حدیث یہ ہے۔

’’دوستوں کو کس طرح یہ بات سمجھائی جائے کہ دوسروں کو تکلیف پہونچانے میں اس کو تو نقصان کم ہوتا ہے اپنے کو زیادہ، حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کی نہ قدر ہے نہ معلومات،

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے جو دوسرے کو مضرت پہونچائے اللہ تعالی اسکو مضرت پہونچائے اور جو دوسرے کو مشقت میں ڈالے اللہ تعالی اسکو مشقت میں ڈالے‘‘

اس حدیث کی تخریج سے مطلع کریں، تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں، محتاج دعا۔

بندہ محمد یعقوب غفرلہ

خادم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

بمبئی نمبر ۲

جواب:

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی آپ کا خط ملا، خیر وعافیت معلوم ہو کر مسرت ہوئی، یہاں بھی بحمد اللہ سب طرح عافیت ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی نے جو حدیث تحریر فرمائی ہے وہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے، اس کے الفاظ صحابی کے نام

کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

عن أبی صرمةؓ أن النبی ﷺ قال: "من ضارّ ضارّ الله به و من شاقّ شاقّ الله علیه"،

رواه أحمد (ص ۳/۴۵۳) والترمذی (ص ۲/۱٦) وابن ماجه (ص ۱۷۰) وقال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب.

اور یہ حدیث مشکوۃ شریف (ص۴۲۸) پر بھی ہے۔

اس احقر نا کارہ کیلئے بھی دعائے فلاح دارین کرتے رہیں، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۷ر شوال ۱۳۹۸ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم

سوال:

حضرت! میں نے ایک دفعہ پہلے بھی لکھا تھا کہ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن ابی الحسن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے ابوداؤد شریف کی نو حدیثوں پر وضع کا حکم لگایا ہے، وہ کون سی احادیث ہیں؟ نشاندہی فرمادیں۔

شروع سال میں بذل کے مطالعہ کی فرصت ہوتی ہے لیکن پھر پورے سال مطالعہ کی فرصت و نوبت نہیں آتی۔

براہِ کرم نشاندہی فرمادیں۔ فقط والسلام۔

ننگ خادمان عبدالواحد مدناپوری

۱۵ شوال ۱۳۹۸ھ

جواب:

تم نے ابوداؤد شریف کی ان نو احادیث کے متعلق اس سے قبل بھی لکھا تھا جن کے متعلق علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق ابن الجوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، لیکن وہ احادیث کسی کے کلام میں یکجا موجود نہیں ہیں، اور تلاش کرنا دقت طلب تھا اور اُدھر طبیعت کی ناسازی کے ساتھ مشغولی بھی، اس لئے جواب کی ہمت ہی نہ ہوئی،

علامہ سیوطی نے کون سی احادیث مراد لی ہیں واللہ اعلم، ہمیں تو کتاب الموضوعات پر نظر ڈالنے سے ابوداؤد کی جو روایتیں ملی ہیں وہ ذکر کرتے ہیں اور صفحہ بذل المجہود کا ہے۔

الموضوعات لِابن الجوزی	بذل المجہود (طبع ہند)	
	(ص ۲۷۵/۲)	(۱)حديث صلوة التسبيح
(ص ۲۳۶/۲)	(ص ۵۴/۳)	(۲)للسائل حقّ وإن جاء على فرس
(ص ۲۳۰/۳)	(ص ۱۱۱/۴)	(۳)الاِسلام يزيد ولَا ينقص
(ص ۳۰۳/۲)	(ص ۳۵۲/۴)	(۴)لَا تقطعوا اللحم بالسكين
(ص ۲۱۳/۳)	(ص ۲/۵)	(۵)حديث النهى عن الحجامة يو م الثلثاء
		(۶)يكون قوم يخضبون بهذا السواد
(ص ۵۵/۳)	(ص ۸۲/۵)	كحواصل الحمام
(ص ۶۰/۲)	(ص ۱۰۸/۵)	(۷)إن الناس يمصرون أمصاراً
(ص ۲۱۲/۴) عن جابرؓ	(ص ۲۱۱/۳)	(۸)لَا تمنع يد لَامس (ابن عباسؓ)
		(۹)إن من إجلا ل الله إكرام ذى الشيبة
(ص ۱۸۲/۱) عن ابن عمرؓ و جابرؓ	(ص ۲۴۸/۵)	المسلم (عن أبى موسىؓ)

ان میں اکثر روایتوں میں صحابی کا اتحاد ہے، اخیر دو میں نہیں ہے۔

محمد یونس

۲۸؍شوال ۱۳۹۸ھ

قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل

داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ﷺ ہے

سوال (۱):

ایک مبتدع واعظ نے اپنا دامنِ تزویر پھیلاتے ہوئے درمیان وعظ قیام مروجہ کے اثبات میں یوں کہا کہ کعبہ کے احترام سے سرکار مدینہ ﷺ کا احترام ہزار ہا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور کعبہ کا احترام جب اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ کعبہ سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی دوفٹ کی طویل وعریض کوٹھری میں بھی استقبال عندالحاجات کا خیال کیا جاتا ہے تو آپ کو اگر حاضر وناظر نہ مانا جائے تب بھی اس احترام کے تقاضے کے مطابق غائبانہ قیام تعظیمی کیا جاسکتا ہے، اس کا جواب احقر کے ذہن میں آیا لیکن خود اس پر شرح صدر نہیں ہوتا ہے، حضور ہی کوئی ایسا جواب مرحمت فرمائیں جو حریف کو لامحالہ ماننا پڑے۔

سوال (۲):

یہاں کے انٹر کالج میں لکچرر محمد حنیف نام کے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ آپ لوگ داڑھی کیوں رکھتے ہیں؟ میں نے اولاً ان کو سنت مرسلین ہونے پر متوجہ کیا تو انہوں نے کہا یہ حکم اور یہ سنت سرآنکھوں پر، لیکن انہوں نے حکمت دریافت کی، میں نے ان کو چہرہ کے حسین ہونے کی طرف موڑا، تو اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے، انہوں نے کہا کہ شریعت کے تمام احکام میں کوئی خاص حکمت مضمر ہوتی ہے جو اس کے علاوہ ہے، میری مراد وہی ہے کہ چہرہ چھوڑنے کا حکم ہوا سر کا کیوں نہیں ہوا یا دونوں کے چھوڑنے کا حکم کیوں نہ ہوا؟ اس میں کوئی خاص حکمت غامضہ ہے، جس سے میں تو واقف ہی نہیں شاید آپ صرف حکم سمجھ کر رکھتے ہیں، آپ بھی واقف نہیں ہے، میں اس کو جاننا چاہتا ہوں، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ میں صاف گوئی سے کام لوں، میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا اس لئے ان صاحب سے بھی صاف کہہ دیا کہ اپنے اکابرین سے رجوع کرکے بتاؤں گا، آدمی بہت ذکی ہیں، امید ہے کہ اگر جواب سے مطمئن ہوگئے تو داڑھی رکھ لیں گے، اردو عربی سے ناواقف تھے ایک صاحب سے اردو اور قاعدہ شروع کیا ہے پڑھ رہے ہیں باقی حالات الحمدللہ ٹھیک ہیں۔ فقط والسلام

طالب دعا: سکندر مظاہری غفرلہ

خادم مدرسہ زینت العلوم بنکٹی ڈاکخانہ کوڑیا گونڈہ

جواب :

(ا) کسی مبتدع کا یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ کا درجہ کعبہ سے بڑھا ہوا ہے، اور جب کعبہ کا قضائے حاجت کے وقت ہر جگہ احترام ملحوظ ہوتا ہے تو آپ کو بھی حاضر وناظر ماناجائے ، ایسا ہی ہے جیسا کسی نے کہا تھا: ؎

'کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا'

کہاں تو دعوی ہے کہ آپ ﷺ حاضر وناظر ہیں اور کہاں دلیل کا رخ ہے۔ہم نے کب کعبہ کو حاضر وناظر مانا ہے ہم نے تو صرف آپ ﷺ کے ارشاد "إذا أتی أحدکم الغائط فلا یستقبل القبلة ولَا یستدبرها" کی بناء پر جہتِ قبلہ کی طرف استقبال واستدبار عند قضاء الحاجۃ سے منع کیا ہے۔اور پھر اگر یہی دلیل رہی تو ہر مومن کو حاضر وناظر ماننا ہوگا۔

ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد طواف کعبہ کرتے ہوئے منقول ہے:

"ما أعظمکِ وأعظم حرمتکِ، والذی نفس محمد ﷺ بیده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منکِ ماله ودمه وأن نظنّ به إلّا خیراً"۔ لیجئے اس حدیث میں مومن کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے۔

(۲): داڑھی رکھنا سنت محمد یہ ہے۔اس کے بعد کسی حکمت کی ضرورت نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ احکام میں عقلی حکمتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اصل چیز حکم شرعی ہے، ورنہ اگر حکمت عقلی کی ہی بناء پر کوئی شرعی کام کیا جائے تو منشاءِ عمل وہ حکمت اور فائدہ ہوا،تعمیل ارشاد شریعت منشاء نہ ہوا، حالانکہ بندہ تو اوامر ونواہی شرعیہ کا تابع ہونا چاہیئے ،حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ،

داڑھی رکھنے کی ایک حکمت تو یہی ہے کہ یہ مرد وعورت میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ چہرہ اس سے حسین معلوم ہوتا ہے۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ داڑھی رکھنے سے پائریا کے فاسد مواد بالوں کے ساتھ باہر نکل آتے ہیں جیسا کہ بعض ڈاکٹروں سے سنا گیا ہے۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ اس سے گلے اور گردن کی حفاظت ہوتی ہے۔

مزید تحقیق کے لئے حضرت مدنی ؒ کا رسالہ ’داڑھی کا فلسفہ‘ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کا رسالہ ’داڑھی کی قدر و قیمت‘ نیز حضرت اقدس حضرت شیخ مدظلہ کی کتاب ’ڈاڑھی کا وجوب‘ دیکھ لیں۔

حکمت نمبر (۴) میری پڑھی ہوئی نہیں ہے لیکن سنی ہوئی ہے۔ اور سنا ہے کہ بعض لوگ اطراف کے بال رکھتے ہیں صرف ٹھوڑی کے بال ترشواتے ہیں جس سے شکل بھی بری لگتی ہے، مزید دیگر اکابر اہل علم سے تحقیق کرلو، والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ

حدیث لولاک لما خلقت الأفلاک

مولانائے محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

سوال:

ایک تکلیف آپ کو دے رہا ہوں۔ ’فضائل ذکر‘ مولفہ حضرت الحاج الحافظ مولانا زکریا صاحب دام فیضہم کے مطالعہ کے دوران ایک اشکال سامنے آیا، مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں آپ سے رجوع کروں۔ آپ ان شاء اللہ اس اشکال کو رفع کریں گے، اسی وجہ سے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، مجھے آپ سے قوی امید کہ آپ اس اشکال کو رفع فرما کر مجھے ایک خلجان سے نجات دیں گے اور عند اللہ ماجور ہوں گے۔ اشکال یہ ہے کہ

فضائل ذکر فصل سوم حدیث نمبر ۲۸۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدمؑ سے جب وہ گناہ صادر ہو گیا جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیجے گئے تو ہر وقت روتے تھے ....وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں تمہاری اولاد میں سے ہیں لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں أخرجه الطبرانی فی الصغیر والحاکم وأبونعیم والبیهقی کلاهما فی الدلائل، وابن عساکر فی الدرّ، و فی مجمع الزوائد رواه الطبرانی فی الأوسط والصغیر، وفیه من لم أعرفهم، قلت: ویؤید الأخر الحدیث المشهور ”لولاک لما خلقت

الأفلاک"، قال القاری فی الموضوعات الکبیر: موضوع، لکن معناه صحیح، وفی التشرف معناه ثابت ۔

مشہور حدیث "لولاک لما خلقت الأفلاک" کو سب ہی نے موضوع کہا ہے، بلکہ مشہور محدث شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فتاوی عزیزی میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے یہ حدیث نہیں دیکھی، یہاں تک تو درست، مگر یہ کیا کہ حدیث تو موضوع جیسا کہ حضرت ملاعلی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں تحریر فرمایا مگر مضمون جو اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ثابت ہے، یہ ہے اشکال جو درپیش ہے۔

اس حدیث کے مضمون کی صحت کے اثبات میں کیا کوئی نص قطعی ہے قرآن سے یا حدیث سے؟ اگر ہے تو ازراہ نوازش بیان فرما کر مشکور فرمائیں، چونکہ یہ معاملہ عقائد سے متعلق ہے، اس لئے نص قرآنی یا حدیث متواتر کا حوالہ درکار ہوگا۔نص قرآنی کی صورت میں متقدمین کی کسی تفسیر سے وضاحت مزید تقویت کا باعث ہوگی۔

نیازمند خاکپائے علماء

سید شاکر علی نقوی

گلی سادات مسجد سادات محلّہ سوتھ بدایوں یوپی

جواب :

حدیث لولاک بلفظہ کہیں نہیں ملتی، اسی لئے حسن بن محمد صغانی لاہوری نے اس کو موضوع کہا ہے۔لیکن ملاعلی قاریؒ اور اسمٰعیل بن محمد عجلونی کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ صحیح ہیں۔عجلونی کہتے ہیں أقول: معناه صحیح وإن لم یکن حدیثاً۔ اور ملاعلی قاری نے اس کے معنی کی صحت کا اس لئے دعوی کیا ہے کہ متعدد روایتوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ بندہ کی معلومات میں یہ مضمون حضرت ابن عباس وحضرت عمر وحضرت سلمان رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں وارد ہے۔

ابن عباسؓ کی حدیث جس کو حاکم نے المستدرک میں "فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار" کے لفظ سے وارد ہے روایت کی ہے، حاکم کہتے ہیں هذا حدیث صحیح الإسناد، لیکن حافظ ذہبی نے ان پر نقد کیا ہے اور فرماتے ہیں: أظنّه موضوعاً۔ اور میزان الاعتدال میں اس روایت کے راوی عمرو بن اوس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: یجهل حاله والخبر منکر، وأظنه موضوعاً۔ اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں اس پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

اور حضرت عمرؓ کی حدیث طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے، اور اس میں ''ولولا محمد ما خلقتک'' کا لفظ وارد ہے۔ حاکم کہتے ہیں صحیح الاِسناد لیکن ذہبی ان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں بل موضوع، اور اس کے راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے متعلق لکھتے ہیں واہٍ یعنی بہت ضعیف ہیں، اور عبداللہ بن مسلم فہری کے متعلق فرماتے ہیں: لاأدری من ذا؟ اور میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: خبر باطل، ورواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں ذہبی کا کلام نقل فرمایا ہے لیکن اس پر بھی کوئی نقد نہیں کیا،

اور سلمان فارسیؓ کی حدیث ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں روایت کی ہے اور ان کے الفاظ ''لولاک یامحمد ما خلقت الدنیا'' ہیں۔ فرماتے ہیں: ھذا حدیث موضوع لاشک فیہ، وفی إسنادہ مجھولون وضعفاء، قال الدار قطنی: أبوالسکین ضعیف، وإبراھیم بن الیسع ویحیی البصری متروکان۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ یہ روایت محدثانہ حیثیت سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، مگر ملاعلی قاری کے سامنے چونکہ ان روایات کی اسانید نہیں ہیں اسی لئے انہوں نے حسن ظن بالمخرّجین کرتے ہوئے حدیث مشہور کی صحت کا دعوی کردیا، اور جن حضرات نے بھی صحت کا دعوی کیا ہے ان کو بھی یہی صورت پیش آئی، یا پھر ملاعلی قاری پر اعتماد کیا،

اب اس کے بعد یہ عرض ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو کسی نے عقیدہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اگر ثابت ہو تو اس سے آپ کی أوّلیت فی الخلق کا علم ظنی ہوتا ہے۔ عقیدہ کیلئے دلیل کی قطعیت ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہ۔

محمد یونس عفی عنہ

''أوّل ما خلق اللہ نوری'' کی تحقیق
''لولاک لما خلقت الأفلاک'' کی تحقیق

’’میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا‘‘ کی تحقیق

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ ودہر؟

نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟

سوال:

چند حدیثوں کے متعلق تحقیق کرنا تھا کہ یہ ثابت ہیں یا نہیں؟ اس لئے احقر آپ کے پاس یہ لکھ رہا ہے۔

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ’’أوّل ما خلق الله نوری‘‘، یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) ’’لولاک لما خلقت الأفلاک‘‘۔

(۳) میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور میرے نور سے ساری دنیا پیدا کی گئی، کیا یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے؟

(۴) کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمّ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے؟ اگر ثابت ہے تو ہم بھی عمل کریں؟

(۵) کیا ابوداؤد شریف کی کسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کو کاٹ کاٹ کر درمیان سے نہ پڑھنا چاہئے، جیسا کہ عام طور سے دیہات کے حافظ ومولوی کرتے ہیں، کہیں سے ایک رکوع پڑھا، اس میں دو رکعت کر لی۔ اگر کاٹ کر پڑھنا منع ہو تو یہاں ہم لوگ بھی عمل کی کوشش کریں اس لئے کہ اتباع سنت ہی میں کامیابی ہے، حضرت جواب مرحمت فرما کر دارین کی کامیابی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مستمرہ عطا فرمائے۔

فقط والسلام

آپ کا احسان مند محمود خاں

موضع سیور ڈاکخانہ کورے بھار ضلع سلطان پور

جواب

(۱): یہ حدیث ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں (ص ۱/۱۴۰)، اور شیخ نجم الدین نے جیسا کہ علامہ زبیدی نے اتحاف (ص ۱/۴۵۳) میں نقل کیا ہے، بے سند نقل کی ہے،

لیکن کتب حدیث میں ہماری معلومات میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے، فرماتے ہیں:

روی عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد اللهؓ قال: ''قلت یا رسول الله ! بأبی أنت وأمّی أخبرنی عن أول شیء خلقه الله تعالیٰ قبل الأشیاء؟ قال: یاجابر! إن الله تعالیٰ قد خلق قبل الأشیاء نورنبیّک من نوره، فجعل ذلک النور یدور بالقدرة حیث شاء الله، ولم یکن فی ذلک الوقت لوح ولَا قلم ولَا جنّة ولَانار ولَاملک ولَاسماء ولَا أرض ولَا شمس ولَا قمر ولَاجنّی ولَا إنسی، فلما أراد الله أن یخلق الخلق قسم ذلک النور أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثانی اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول حملة العرش، ومن الثانی الکرسی، ومن الثالث باقی الملائکة، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول السماوات، ومن الثانی الأرضین، ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول نورأبصار المؤمنین، ومن الثانی نور قلوبهم، ومن الثالث نورانسهم لَا إله إلّا الله محمد رسول الله'' الحدیث، انتهی۔

اتنی ہی حدیث قسطلانی نے ذکر کی ہے اوراس کے شارح علامہ زرقانی نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔یعنی حدیث مکمل نہیں کی اور نہ ہی اس کی سند کے متعلق کچھ لکھا ہے،الفاظ کی ترتیب سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے۔شیخ عبدالفتاح ابوغدہ الحلبی نے التعلیقات الحافلة علی الأجوبة الفاضلة (ص ۱۲۹) میں اپنے شیخ علامہ احمد بن الصدیق الغماری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے المغیرعلی الأ حادیث الموضوعة فی الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اس کے وضع کا حکم لگایاہے۔ فرماتے ہیں: وهو حدیث موضوع تقع فی ورقتین بالقطع الکبیر مشتملة علی ألفاظ رکیکة ومعانی منکرة ۔

اوردوسری روایات معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوقات دوسری اشیاء ہیں۔حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث میں مسنداحمدوترمذی وغیرہ میں ''إن أوّل ما خلق الله القلم'' واردہوا ہے۔امام احمد،ابن جریرطبری ،ابن الجوزی وغیرہ اسی روایت کی بناپر أول المخلوقات قلم کو مانتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ عرش قلم سے بھی پہلے پیدا کیا گیا،حافظ ابوالعلاء الہمدانی نے یہ قول جمہور سے نقل کیاہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث میں صحیحین میں ''کان اللّٰہ ولم یکن شیء غیرہ وکان عرشہ علی الماء'' وارد ہے۔ اور مسند احمد وترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ''خلق عرشہ علی الماء'' وارد ہے، اس کی بناء پر ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

بہر حال قدماء محدثین میں سے ابن جریر طبری وغیرہ نے اور ان کے بعد حافظ ابن تیمیہ (ص ۱۰۰/۱)، حافظ ابن کثیر (ص ۸/۱) اور حافظ ابن حجر (ص ۹۸/۷) وغیرہ نے أوّل المخلوقات کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس حدیث سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیاء میں سب سے مقدم ہیں، اگر چہ بعثت میں سب سے مؤخر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''کنت أوّل النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث''، أخرجه الحسن بن سفیان وابن أبی حاتم وابن مردویه وغیرهم، کما فی الدر المنثور (ص ۱۸۴/۵)، قلت: فیه سعید بن بشیر وهو ضعیف، وقدرواه سعید بن أبی عروبة عن قتادة مرسلاً وهو أشبه، قاله ابن کثیر (ص ۴۶۹/۳)، قلت: هذا المرسل أخرجه ابن جریر الطبری کما فی الدر المنثور۔

(۲): ''لولاک لما خلقت الأفلاک'' یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ بلکہ صغانی فرماتے ہیں کہ موضوع ہے۔ ملا علی قاری اور اسمٰعیل جراحی کہتے ہیں کہ اس کے معنی صحیح ہیں۔ پھر ملا علی قاری نے بعض ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی روایت اس مضمون کی ثابت نہیں ہے۔ ابن عباسؓ کی ایک حدیث مستدرک حاکم میں وارد ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں: منکر وأظنّه موضوعاً۔ حافظ ابن حجر نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث طبرانی صغیر اور مستدرک وغیرہ میں ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ باطل ہے۔ حضرت سلمانؓ کی حدیث ابن الجوزی نے الموضوعات میں روایت کرکے اس کے وضع کا حکم لگایا ہے۔

(۳): یہ مضمون حضرت جابرؓ کی حدیث میں گذر چکا (جو نمبر ۱ کے تحت ہے)۔

(۴): ہاں یہ حدیث ثابت ہے، عن أبی هريرةؓ قال: ”کان النبی ﷺ یقرأ فی الفجر یوم الجمعة آلم تنزیل فی الرکعة الأولیٰ و فی الثانیة هل أتی علی الإنسان“، متفق علیه.
آپ کو بھی عمل کرنا چاہئے۔

(۵): مجھے ابوداؤد کی کوئی روایت معلوم نہیں ہے۔ سورۃ اور بعض سورۃ دونوں جائز ہے۔ اور درمختار میں اس صورت میں بعض سورۃ کو پوری سورۃ پر ترجیح دی ہے جب کہ سورۃ کاملہ سے بعض السورۃ کی آیات زیادہ ہوں۔ شامی (ص ۱/۳۶۷)

محمد یونس عفی عنہ

کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟
بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟
حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟

سوال (۱):
ضروری عرض یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے امامت کرائی اور قرأت طویل کی، آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے سختی سے منع فرمایا تھا کہ جب امامت کراؤ تو مختصر کرو۔ ان صحابی کے نام، نیز کون سی نماز تھی؟ اور کن کن سورتوں کی تلاوت فرمائی تھی؟ تحریر فرمائیں۔

سوال (۲):
بزرگوں کے مزارات پر محض زیارت کی وجہ سے جانا کیسا ہے۔ اگر جانے میں کوئی قباحت ہو تو بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ مستقل مزارات پر مثلاً سرہند شریف وغیرہ سفر کرتے ہیں، اس کی کیا شکل ہے؟

سوال (۳):
حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ کسی اور صحابی نے بھی امامت کرائی

ہے یا نہیں۔ فقط والسلام۔

طالب دعا:۔خادم مختار احمد غفرلہ
مدرسہ نورانیہ ضیاء القرآن پوردہ الٰہی بخش شہر میرٹھ
۱۱؍محرم ۱۳۹۹ھ

جواب

(۱): حضرت معاذ بن جبلؓ نے عشاء کی نماز میں تطویل کی تھی اور سورہ بقرہ شروع کردی تھی، ایک آدمی نے نماز الگ پڑھ لی۔حضور ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے عتاب فرمایا اور فرمایا: ’’یا معاذ! أفتّان أنت؟ اقرأ و الشمس وضحٰها،والضحی، واللیل إذا یغشیٰ وسبّح اسم ربّک الأعلیٰ‘‘ اور ایک روایت میں ’’اقراء والشمس وضحٰها وسبّح اسم ربّک الأعلیٰ واقرء باسم ربّک واللیل إذا یغشی‘‘ ہے۔ یہ دونوں مسلم (ص ۱/۱۸۷) کے الفاظ ہیں۔بخاری شریف میں (ص ۹۸) ’’فلو لَا صلّیت سبّح اسم ربّک الأعلیٰ والشمس وضحٰها واللیل إذا یغشی‘‘ وارد ہے۔اور مسند حمیدی میں ان تین کے ساتھ ’’والسماء ذات البروج والسماء والطارق‘‘ بھی ہے ۔ (فتح ۲/۳۳۷)۔

(۲): زیارۃ القبور اعمال مسنونہ میں سے ہے۔احادیث میں اس کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کو مذکّر آخرت بتایا گیا ہے۔اگر بزرگوں کے مزارات کی زیارت ہو تو اور بھی قابل اعتناء ہے۔

لیکن بالقصد شدّ رحال الی القبور کی مجھے کوئی اصل خاص معلوم نہیں ہے۔ہاں ’’زوروا القبور‘‘ وغیرہ کے عموم سے استدلال کیا جا سکتا ہے،لیکن اس حدیث سے شدّ الرحال کے ثبوت میں تأمل ہے،لیکن کوئی صریح ممانعت بھی ثابت نہیں ہے۔اس لئے ’’شدّ الرحال إلی ما سوی المساجد الثلاثة‘‘ سے ممانعت کی حدیث مختلف المحامل ہے۔ لہٰذا یہ سفر بظاہر مباح ہے،مگر اس طرح اسفار کی عادت بنانا اور میلہ کی شکل دینا مفاسد محتملہ کی وجہ سے بظاہر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی صاحب حال ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے،ارباب فتاویٰ سے استفسار کرو۔

اور شدّ رحال لزیارۃ القبور کا مسئلہ مختلف فیہ ہے،

ابومحمد الجوینی ،قاضی عیاض،ابن بطّہ،ابن عقیل حنبلی،شاہ ولی اللہ منع کرتے ہیں۔قاضی حسین نے جو بغوی کے استاذ ہیں اسی طرف کچھ اشارہ کیا ہے،لیکن امام الحرمین،امام غزالی،ابوالحسن بن عبدوس الحرانی،علامہ موفق الدین

ابن قدامہ حنبلی (ص ۱۰۳/ ۲) شمس الدین ابن ابی عمر المقدسی صاحب الشافی (ص ۹۳ / ۲) جواز کے قائل ہیں۔امام نووی بھی فرماتے ہیں(ص ۴۳۳): وهو الصحيح عند أصحابنا يعنى الشافعية واختاره المحققون، انتهى۔ ومال ابن تيمية فى الاِقتضاء (ص ۳۲۸)إلى المنع ۔

(۳): حضرت صدیق اکبرؓ کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے بھی آپ نے غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے فجر کی نماز ادا فرمائی ہے، مسلم شریف میں مفصل قصہ مذکور ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۵ر محرم ۱۳۹۹ھ

غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟
”المعاصی برید الکفر“ کیا حدیث ہے؟
”تسعة أعشار الرزق فی التجارة“ کیسی حدیث ہے؟

سوال (۱):

اگر ہو سکے تو براہ کرم الفاظ ذیل کے ضبط سے مطلع فرمائیں۔انتہائی تتبع کے باوجود حاصل نہ ہو سکے۔وہ الفاظ یہ ہیں۔غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی۔

سوال (۲):

اور کیا ”المعاصی بریدالکفر“ حدیث یا مفہوم حدیث ہے؟

سوال (۳):

اور حدیث ”تسعة أعشار الرزق فی التجارة“ کس درجہ کی حدیث ہے۔؟

محمد اسماعیل ۲۴ پرگنہ ۱۵ر محرم ۹۹ھ

جواب:

(۱):امام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد بن أحمد الغزالی کی ولادت شہر طوس میں جسکواب مشہد کہا جاتا ہے ۴۵۰ھ میں ہوئی اوروفات طوس ہی میں بروز دوشنبہ ۱۴/ جمادی الآخرۃ ۵۰۵ھ میں پچپن سال کی عمر میں ہوئی،

غزالی زای مفتوحہ کی تشدید اور تخفیف دونوں کیساتھ نقل کیا گیا ہے۔

ملاعلی قاری شرح شفاء میں (ص ۴۹۴/ ۴) میں لکھتے ہیں: الغزالی بتشدید الزای وتخفيفها نسبة إلى غزاله قرية من قریٰ طوس، أو إلى بنت كعب الأ حبار فإنها جدّته، وقيل كان والده غزالاًيغزل الصوف ويبيعه، انتهى۔

ترجیح میں اختلاف ہے،بعض حضرات تخفیف کو راجح قرار دیتے ہیں،اس لئے کہ خود غزالی اوران کے بعض اخلاف سے اسی کی تصحیح منقول ہے۔ قال النووی فی التبيان (ص ۱۲۳): الغزالی يقال: بتشديد الزای وقد روی عنه أنه أنكر هٰذا وقال: "إنماأنا الغزالی" بتخفيف الزای منسوب إلى قرية من قرى طوس يقال لها "غزالة"، انتهى ۔ وقد جزم به العلامة الفيومی فی المصباح المنير فقال: غزالة قرية من قریٰ طوس و إليهاينسب الإمام أبو حامد الغزالی، أخبرنی بذلک الشيخ مجدالدين محمد بن محمدبن محی الدين محمد بن أبی طاهر شروان شاه بن أبی الفضائل فخراور بن عبيد الله بن ستّ النساء بنت أبی حامدالغزالی ببغداد سنة عشر وسبعمائة، وقال لی: أخطأ الناس فی تثقيل اسم جدّنا، وإنما هو مخفف نسبة إلى غزالة قرية بطوس، انتهى ۔

اورایک دوسری جماعت کا رجحان یہ ہے کہ تشدید ہی راجح ہے۔ قال ابن خلّكان فی وفيات الأعيان (ص ۲۹/ ۱): الغزالی بفتح الغين المعجمة وتشديد الزای المعجمة وبعد الألف لَام، هذه النسبة إلى الغزال على عادة أهل خوارزم وجرجان، فإنهم ينسبون إلى القصار القصاری، وإلى العطار العطاری، وقيل: بزای مخففة نسبة إلى غزالة، وهی قرية من قریٰ طوس، وهو خلاف المشهور، لكن هكذا قاله السمعانی فی كتاب الأنساب، إنتهیٰ۔ قلت: لم أجده فی نسخة الأنساب المطبوعة بالطبع القديم۔

وقال الخفاجی فی نسيم الرياض شرح الشفاء للقاضی عياض (ص ۴۹۴/ ۴): هو بتشديد الزای المعجمة فی المشهور، وأصله الغزال بغير نسبة فزادوا فيه ياء النسبة تاكيداً كالعصاری

علـى عـادة أهـل جـرجـان وخـوارزم، وقيـل: نسبة لغزالة بنت كعب الأحبار جدّته، وقيل: إنه بتـخـفيف الـزاى نسبـة لـغـزالـة قرية من قرى طوس، كما ذكره النووى فى التبيان۔ وأنكر ابن الأثيرتخفيفه، إنتهٰى۔

وقـال السيـوطـى فـى لبـاب الأنسـاب: الـغـزالـى بـالتشـديـد إلى الغزل كالغزال، وقيل هو بالتخفيف إلى غزالة قرية بطوس، إنتهى۔

وذكر الزبيدى فى الاِتحاف (ص۱۸/۱)عن الذهبى فى العبر وابن خلّكان فى التاريخ عادة أهـل خوارزم وجرجان فى زيادة ياء النسبة فى آخر صيغة الفعال للصنعة كالقصارى والخبازى والشـحـامـى، ومثلها الغزالى، قال: وأشار لذلك ابن السمعانى أيضا، وأنكر التخفيف، وقال سـالـت أهـل طـوس عن هذه القرية فأنكروها، وزيادة هذه الياء قالوا للتاكيد، وفى تقرير بعض شيـوخـنـا للتمييز بين المنسوب إلى نفس الصنعة وبين المنسوب إلى من كان صنعته كذلك، وهـذا ظـاهر فى الغزالى، فإنه لم يكن ممن يغزل الصوف ويبيعه، وإنما هى صنعة والده وجدّه، ثـم ذكـرقـول الـزبيـدى الفيومى، ثم قول من قال أنه منسوب إلى غزالة بنت كعب الأحبار، ثم قـال: هـذا إن صحّ فلا محيد عنه، والمعتمد الآن عند المتأخرين من أئمة التاريخ والأنساب أن القول قول ابن الأثير أنه بالتشديد، وسمعت شيخنا القطب السيد العيد روس نفع الله به يقول: أنـه هكذا سمعهٗ من لسان النبى ﷺ فى واقعة منامية، وعليه أنشدنا شيخنا المرحوم عبدالخالق بن أبى بكر المزجاحى بزبيد لأحد شعراء اليمن وقد أجاد ؎

مـالـلـعـواذل فى هواك ومـالى روحـى فـداك يـاحبيب ومـالى

غـزال طـرفك إن أنـا أحيـابـه غـزال طـرفك إن أنـا أحيـابـه

....

قـاضـى أبـوالـفـضل عياض بن موسىٰ اليحصبى الأندلسى السبتى الدار والمنشاء کی ولادت شعبان ۴۷٦ھ میں ہوئی اوروفات مراکش میں جمادی الآخرۃ یارمضان میں ۵۴۴ھ میں ہوئی۔

قـال ابن فرحون فى الديباج المذهّب (ص ۱۷۲): عيـاض بكسر العين المهملة وفتح الياء الـمثـنـاة مـن تـحت، وبعدالألف ضاد معجمة، واليحصبى بفتح الياء المثناة من تحت وسكون

الحاء المهملة وضم الصاد المهملة وفتحها وكسرها وبعدها باء موحدة نسبة إلى يحصب بن مالك قبيلة من حمير، إنتهىٰ۔

....

العلّامة شمس الدين محمد بن يوسف بن علی بن سعيد الكرمانی ثم البغدادی کی ولادت جمادی الآخرۃ بروز پنج شنبہ ۷۱۷ھ میں ہوئی، اور وفات حج سے واپس ہوتے ہوئے مقام روض مہنا میں پنج شنبہ کی صبح کو ۷۸۶ھ میں ہوئی، اور جنازہ بغداد منتقل کیا گیا۔ كما فی الدرر الكامنة (ص ۴/۳۱۰) وغیرھا،

کرمانی کرمان کی طرف نسبت ہے جو ایک وسیع علاقہ ہے، اور بہت سے شہروں پر مشتمل ہے۔ کاف کا فتحہ وکسرہ دونوں ہی منقول ہیں۔ قال النووی (ص ۱/۲۵۵) كرمان بفتح الكاف وكسرھا، لیکن فتحہ اشہر ہے، كما فی معجم البلدان لياقوت الرومی الحموی۔

....

العلّامة محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد شهاب الدين بن محمد الزرقانی المالكی کی وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی، موصوف کی اس نسبت کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ حموی نے معجم البلدان میں زرقان نامی دو مقاموں کا تذکرہ کیا ہے، ایک بفتح الزای اور دوسرا بالضم، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے کسی مقام کی طرف منسوب ہے۔ اپنے اساتذہ ومشائخ سے بضم الزای ہی سنا ہے۔ اوراسی طرح رسالہ مستطرفہ کے اس نسخہ میں زای پر ضمہ لگا ہوا ہے جس کی محمد المنتصر بن محمد الزمزمی بن العلامہ محمد بن جعفر الکتانی نے تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم

(۲): ''المعاصی بريد الكفر'' قال الجراحی فی كشف الخفاء (ص ۲/۲۱۳): ''المعاصی بريدالكفر'' أی تجرّ إليه، لم أره من ذكره غير أن ابن حجر المكی فی شرح الأربعين قال: أظنّه من قول السلف، وقيل إنه حديث وهو معنى ماقيل الصغيرة تجرّالكبيرة وهی تجرّالكفر وهو معنىٰ بريد الكفر، فافهم، انتهىٰ۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، اور محض کسی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہے کافی نہیں ہے جب تک کہ اس کا مخرج معلوم نہ ہو جائے۔

(۳): حدیث ”تسعة أعشار الرزق فی التجارة والعشرفی المواشی“، علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں بروایت ابویعلی نعیم بن عبدالرحمان الأزدی اور یحیٰ بن جابر الطائی سے مرسلاً نقل کی ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں (ص۲۴۵/۳): ورواہ أیضاً إبراهیم الحربی فی غریب الحدیث عن نعیم المذکور، قال الحافظ العراقی: رجاله ثقات، ونعیم هذا قال فیه ابن مندة: ذکر فی الصحابة ولا یصح، وقال أبوحاتم الرازی وابن حبان: تابعی، فعلیٰ هذا الحدیث مرسل، انتهیٰ۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۲۹/محرم ۹۹ھ

صومِ رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟

سوال:

عرض ضروری اینکہ مشکوٰۃ شریف کی تیسری حدیث وعن ابن عمرؓ قال: ”قال رسول الله ﷺ: بنی الإسلام علی خمس، شهادة أن لا إله إلا الله وأنّ محمداً عبده ورسوله وإقام الصلوة وإیتاء الزکاة والحجّ وصوم رمضان“، متفق علیه میں صوم رمضان کو حج سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے، جبکہ روزے کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی صوم کو زکوٰۃ اور حج کے درمیان بیان کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

فقط والسلام

العارض محمد عبداللہ پورنوی

۲۷/۴/۷۹ء

جواب :

مکرم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث دوطرح مروی ہے، ایک **بتقدیم صوم رمضان علی الحجّ**، دوسرے بالعکس، دوسری صورت متفق علیہ ہے۔ پہلی افراد مسلم میں سے ہے۔

بظاہر دوسری روایت تصرّفِ راوی ہے، اس نے تقدیم وتاخیر میں کوئی فرق خاص نہیں سمجھا ہے، لیکن فہم راوی دوسرے پر حجت نہیں ہے۔

یہاں تین وجہ سے صوم مستحقِ تقدیم ہے، اول تو اس لئے کہ صوم کی فرضیت حج کی فرضیت سے مقدم ہے، اور دوسرے صوم عبادتِ بدنی ہے، اور حج عبادت بدنی ومالی سے مرکب ہے، تو صوم کا درجہ مفرد جیسا ہے اور حج کا مرکب جیسا، **والمفرد مقدم علی المرکّب**، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں یہ وارد ہے کہ جب ابن عمرؓ نے حدیث بیان کی اور ''**وصیام رمضان والحج**'' ذکر کیا تو ایک شاگرد نے روایت دہراتے ہوئے **والحج وصیام رمضان** کہہ دیا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ''**لَا، صیام رمضان والحجّ، هکذا سمعته من رسول الله ﷺ**''۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ ابوعوانہ کی روایت میں اس کا عکس واقع ہوا ہے، **یعنی بتقدیم الحجّ علٰی رمضان** اور شاگرد نے دہرایا تو صوم کو مقدم کردیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا: ''**اجعل صیام رمضان آخر هنّ کما سمعت من فی رسول الله ﷺ**''، اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں: **لَا یقاوم هذه الروایة مارواه مسلم، والله أعلم**۔ اور فقہائے کرام نے صوم رمضان کو مقدم فرمایا ہے اور یہی عامۂ محدثین کا طرز ہے، لیکن بعض صوم کو حج سے مؤخر ذکر کرتے ہیں جیسے امام بخاری، اس لئے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج عباداتِ فعلیہ ہیں اور صوم عبادتِ ترکیہ ہے اور فعل ترک سے مقدم ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۵/ج۲/۱۳۹۹ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

''إذا أحبّ الله عبداً'' الخ کا حوالہ

سوال : گرامی قدر شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

السلام علیکم مزاج گرامی

رسالہ فضائل رمضان میں آیت کریمہ ﴿إنّ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودّاً﴾ کے ذیل میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے، جسکا مضمون یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست بنالیتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان والوں کو آواز دیتے ہیں کہ تم سب بھی فلاں بندے کو دوست رکھو، پھر زمین والوں کو آواز دیجاتی ہے اور وہ سب بھی دوست رکھتے ہیں، حتی کہ خشکی کے علاوہ دریاؤں کی مچھلیاں بھی دوست رکھتی ہیں اور دعاء مغفرت کرتی ہیں، اس حدیث پاک کیلئے کتاب، باب اور صفحہ کے حوالہ کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ ازراہ کرم تحریر فرمائیں گے، احسان وکرم ہوگا۔ فقط والسلام

طالب خیر سید حمید اشرف علی گڈھ

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حدیث مسئول کا ترجمہ فضائلِ رمضان کی فصل اول کی حدیث نمبر دو کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے۔

ترجمہ 'جب حق تعالیٰ شانہ سے' شروع ہوتا ہے اور 'پھر اسکے لئے زمین پر قبولیت رکھدی جاتی ہے' پر ختم ہوتا ہے۔

آگے مؤلف کا کلام ہے، یہ حدیث امام بخاری نے کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ میں (ص ۴۵۶) پر روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

''إذا أحبّ الله العبد نادیٰ جبرئیل إن اللّٰہ یحبّ فلاناًفأحببه فیحبّه جبرئیل، فینادی جبرئیل فی أھل السماء: إن اللّٰه یحبّ فلاناًفأحبّوہ، فیحبّه أھل السماء، ثم یوضع له القبول فی الأرض''،

مچھلیوں کا صائم کیلئے دعاءِ مغفرت کرنا حدیث (۲) میں مذکور ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶ر شعبان ۹۹ھ

"طلب العلم فريضة" الخ میں مسلمة کی زیادتی

سوال:

حدیث "طلب العلم فريضة" میں 'مسلمة' کی زیادتی اگرچہ معنیً ثابت ہے، مگر روایۃً ثابت نہیں ہے جیسا کہ سخاوی وغیرہ نے لکھا ہے، ملا علی قاری نے مرقاۃ میں جو لکھا ہے کہ بعض روایات میں یہ زیادتی ثابت ہے، کیا کسی اور نے بھی اس کو روایت قرار دیا ہے؟ بظاہر تو علی قاری کا خیال درست نہیں ہے، مولانا سنبھلی کی شرح مسند امام اعظم دستیاب نہ ہو سکی، خیال پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔

والسلام (مولانا) عبداللہ دہلوی

جواب:

حدیث "طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم" اگرچہ متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر کسی کی روایت میں 'ومسلمة' کا لفظ نہیں ہے، اگرچہ آج کل زباں زد ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے (بستان ص ۳) میں اور امام نووی نے اپنی اربعین کی شرح میں بطور روایت کے نقل کیا ہے، لیکن اس کا کوئی ثبوت روایۃً نہیں ہے۔ كما صرّح به السخاوی فی المقاصدالحسنة، وتبعه من جاء بعده كالعلامة الجراحی فی كشف الخفاء (ص ۴۵/۲)، والزبيدی فی الاِتحاف (ص ۹۸/۱)۔

اور ملا علی قاری کا کلام مختلف ہے۔ مرقاۃ میں (ص ۲۳۳/۱) اولاً تو لفظ حدیث "طلب العلم فريضة على كل مسلم" کے بعد 'ومسلمة' كما فی رواية لکھا ہے، لیکن آگے چل کر خود ہی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، فرماتے ہیں: وقد ألحق بعض المصنفين بآخر الحديث 'ومسلمة'، وليس لها ذكر فی شیء من طرقه۔

یہ بعینہٖ سخاوی کی عبارت ہے جو ملا علی قاری نے بلا نسبت کے ذکر کر دی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات التنقيح (ص ۲۷۴/۱) میں یہ زیادتی امام ابو حنیفہ کی روایت کی طرف منسوب کی ہے۔ اسی حدیث کی شرح میں آخر میں لکھتے ہیں وهذا الحديث مارواه الإمام أبو حنيفة قال: سمعت أنس بن مالكؓ يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة"، لمعات کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح یہ زیادتی یعنی 'ومسلمة' اس روایت میں ہے، مگر شیخ موصوف نے یہی روایت سفر السعادۃ کی شرح میں (ص ۵۱۴) پر امام صاحب کے حوالہ سے اس زیادتی کے بغیر نقل کی

ہے۔اور یہی صواب ہے۔

اسی طرح **مسند الاِمام أبی حنیفة** میں (ص ۲۰) جس پر علامہ سنبھلی کی شرح چڑھی ہوئی ہے اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث موجود ہے۔ظن غالب یہ ہے کہ لمعات کے نسخہ میں 'مسلمة' کی زیادتی کاتب کی غلطی ہے، **والعلم عند اللّٰہ سبحانہ**۔

مولانا سنبھلی نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ تو کیا ہے مگر اس زیادتی سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہیں کیا۔

محمد یونس عفی عنہ

۵ رصفر الخیر ۱۴۰۰ھ

اصیلی کی تحقیق

ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟

مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟

سوال:

۱: نسّاخِ بخاری میں سے ایک 'اصیلی' ہیں۔آیا یہ لفظ بفتح الہمزہ ہے یا بضمہا؟

۲: 'ابن المنیر' کو اسباق میں تو ہم نے حضرت والا سے بتشدید الیاء المثناة ضبط کیا ہے، مگر اب حوالہ کی ضرورت ہے۔کسی موقعہ پر مقدمہ لامع کا حوالہ دیا تھا مگر ہماری تلاش میں نہیں ملا۔

۳: حضرت مطر بن عکامس کی صحابیت مختلف فیہ ہے اس میں قول فیصل کیا ہے۔

محمد اسمعیل

چوبیس پرگنہ بنگال

جواب:

اُصیلی کے ہمزہ پر ضمہ زباں زد ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہ بفتح الہمزہ ہے جو اَصیلۃ کی طرف نسبت ہے، قالہ ابن الفرضی، اور بعض نے اصیل ذکر کیا ہے، علامہ ابن الاثیر الجزری نے لباب الانساب میں اور ابن فرحون نے الدیباج میں (ص ۱۳۸) ان کا تذکرہ کیا ہے لیکن ضبط نہیں کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ بفتح الہمزہ ہے، ورنہ اگر بضم الہمزہ ہوتا تو خلاف اصل ہونے کی وجہ سے ضبط کرتے، علامہ یاقوت الحموی نے معجم البلدان میں اصیل کے تحت ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: **أصيل ياء ساكنة ولام بلد بالأندلس، قال سعد الخير: ينسب إليه أبو محمد عبدا لله بن إبراهيم الأصيلي محدّث متقن فاضل معتبر، تفقّه بالأندلس، فانتهت إليه الرياسة، وصنّف كتاب الآثار والدلائل فى الخلاف، ثم مات بالأندلس فى نحو سنة تسعين وثلاث مائة۔**

اس کے بعد ابن الفرضی سے نقل کیا ہے اَصیلی اَصیلۃ کی طرف نسبت ہے، اور ان کی وفات ۳۹۲ھ میں بتائی ہے، علامہ یاقوت کا رجحان یہی ہے کہ یہ اصیلۃ کی طرف نسبت ہے جو بلاد بربر میں سے ہے، بہر حال یہ اصیلہ کی طرف نسبت ہو یا اصیل کی طرف بظاہر حموی کے نزدیک بھی بفتح الہمزہ ہے، اسلئے کہ ان کی عادت ہے کہ جو لفظ تصغیر کے ساتھ ہوتا ہے اس کو ضبط کرتے ہیں، جیسے اتیم، اجیر، ازینہ، ارین، ارینہ، اریکہ۔ اور جو لفظ فعیل یا فعیلہ کے وزن پر بفتح الاول ہوتا ہے اس کا اول کلمہ ضبط نہیں کرتے ہیں، الا یہ کہ ایک ہی لفظ دو طرح وارد ہو، ایک مقام کے لئے بفتح الاول اور دوسرے کے لئے بضم الاول تو دونوں کو ضبط کرتے ہیں، جیسے اثیل مکبراً واثیل مصغراً دو مقامات کے الگ الگ نام ہیں تو دونوں جگہ ضبط فرمایا ہے۔ ویسے اب تک کسی کے کلام میں صراحۃً ضبط نہیں ملا۔

اس کے بعد ملا علی قاری کی شرح شفاء میں وہی ملا جو احقر نے اپنے ظن سے لکھا تھا فرماتے ہیں:

الأصيلى بفتح و كسر ۔

۲: ابن المنیر کی تحقیق، ابن المنیر جن کا شروح و دروس میں تذکرہ آتا ہے دو ہیں، اور دونوں بھائی ہیں، بڑے علامہ ناصر الدین احمد بن محمد الجذامی ہیں، جن کی ۶۸۳ھ میں وفات ہوئی، اور چھوٹے علامہ زین الدین علی بن محمد ہیں جن کی وفات ۶۹۵ھ میں ہوئی۔

اول نے تراجم بخاری پر کام کیا تھا اور ثانی نے بخاری شریف کی بڑی ضخیم شرح لکھی تھی۔

قال ابن فرحون فى الديباج المذهّب (ص ۷۳): **والمنير بضم الميم وفتح النون وياء مثناة من**

تحت مشددة مكسورة، وقال الحافظ فی الفتح: المنير بتثقيل الياء ونون مفتوحة۔

مقدمۂ لامع طبع اول میں تو اس کا ضبط نہیں ہے لیکن طبع ثانی وثالث میں شروح کے ذیل میں نمبر ۱۳ پر ضبط موجود ہے۔

۳: مطر بن عکامس کی صحبت میں اختلاف ہے۔ **كما صرّح به الطبرانی وأبوأحمد العسكری،** امام احمد، یحییٰ بن معین، ابوبکر البردیجی انکار کرتے ہیں، اور ابن حبان (ص ۳۹۱/۳) فرماتے ہیں: **له صحبة،** یہی حاکم صاحب المستدرک کی رائے ہے۔ اسی لئے ان کی حدیث کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کو اصابہ کی قسم اول میں (جن میں انہیں کو ذکر کرتے ہیں جن کی صحبت راجح ہے)، اور تقریب التہذیب میں بلا کسی اختلاف کے '**صحابیّ سكن الكوفة**' لکھا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۷/صفر ۱۴۰۰ھ

کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟

سوال:

زید کہتا ہے صحیح بخاری شریف میں کچھ ضعیف حدیثیں بھی موجود ہیں۔ اور بکر کا قول زید کے برعکس ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ضعیف حدیثیں موجود نہیں ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعۃً زید جو کہتا ہے وہ قول صحیح ہے یا بکر کا قول؟

اگر زید کا قول صحیح ہے تو وہ ضعیف حدیثیں بخاری شریف کے کس پارہ میں اور کس باب میں درج ہیں؟

برائے کرم ان ضعیف حدیثوں کا حوالہ مدلل تحریر فرمائیں۔

فقط والسلام

احقر عبدالسمیع القاسمی غفرلہ

جامع مسجد پوسٹ سلطانہ ضلع جھنجھور راجستھان

جواب :

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بخاری ومسلم کی حدیثیں دوطرح کی ہیں۔اول وہ روایات جو بالسند المتصل نقل کی گئی ہیں،اوردوسرے تعلیقات ہیں جو بخاری شریف میں کافی مقدار میں ہیں،لیکن مسلم شریف میں معدودے چند روایات ہیں۔

قسم اول کی روایتیں ہی دونوں کتابوں کا موضوع ہیں،اورانہیں کے لئے بالقصد دونوں کی تالیف عمل میں آئی۔ **كما صرّح به الحافظ ابن حجر فى مقدمة الفتح (ص١٠٥/ ٢)، وقبله ابن الصلاح (ص٢٣)**۔اوریہ قسم ساری ہی امام بخاری ومسلم کے نزدیک صحیح ہے۔

ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں: **سمعت محمد بن إسمعيل يقول: ما أدخلت فى كتابى الجامع إلّا ما صحّ وتركت من الصحاح لحال الطول۔**

عمر بن محمد بجیری فرماتے ہیں: **سمعت محمد بن إسمعيل يقول: صنّفت كتابى الجامع فى المسجد الحرام، وما أدخلت فيه حديثاً حتى استخرت الله تعالىٰ وصلّيت ركعتين وتيقّنت صحّته۔**

حسین بن محمد الماسرجسی فرماتے ہیں: **سمعت أبى يقول: سمعت مسلم بن الحجاج يقول: صنّفت هذاالمسند الصحيح من ثلاث مأة ألف حديث مسموعة ۔**

مکی بن عبدان فرماتے ہیں: **سمعت مسلماً يقول: عرضت كتابى هذا على أبى زرعة، فكلّ ما أشار أنّ له علة تركتهٗ، وكل ماقال أنّه صحيح وليس له علة خرّجته۔**

اوردوسرے ائمہ نے بھی سب کوصحیح قراردیاہے ۔ امام ابوعبداللہ الحمیدی الاندلسی اپنی کتاب "**الجمع بين الصحيحين**"میں لکھتے ہیں **لم نجد من الأئمة الماضيين من أفصح لنا فى جميع ماجمعه بالصحّة إلّا هذين الإمامين ۔**

پھر یہ قسم دوقسموں پر منقسم ہیں **كما ذكره ابن الصلاح (ص ٤٢) وابن حجر (ص١٠٥/ ٢)**۔

قسم اول وہ روایات ہیں جن کی امت نے تلقّی بالقبول کی ہے اوراس کی صحت کوتسلیم کیا ہے،اوریہی قسم دونوں کتابوں کا بڑااور معظم حصہ ہے۔

دوسری قسم وہ روایات ہیں جن کوامت میں تلقّی بالقبول کا یہ مقام حاصل نہیں ہوا، بلکہ بعض ناقدین جیسے دارقطنی ،

ابومسعود الدمشقی، ابوعلی غسانی نے اس پر کلام کیا ہے، اوران کا خیال ہے کہ وہ روایتیں شیخین کی شرط کے مطابق صحیح نہیں ہیں۔ دوسرے علماء نے یہ اعتراض تسلیم نہیں کیا، اوران روایات پر جوکلام کیا گیا ہے اس کا جواب دیا ہے۔

امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں، **قد استدرک جماعة علی البخاری ومسلم أحادیث أخلّا بشرطهما فیها ونزلت عن درجة ما التزماه، وقد ألّف الإمام الدار قطنی فی بیان ذلک کتابه المسمّیٰ بالاِستدراکات والتتبع وذلک فی مأیتی حدیث، ولأبی مسعود الدمشقی أیضاً علیهما استدراک، ولأبی علی الغسانی فی تقیید المهمل فی جزء العلل منه استدراک أکثره علی الرواة عنهما وفیه ما یلزمهما، وقد أجیب عن کل ذلک أو أکثره، انتهی۔**

حافظ عراقی نے مستقل ایک کتاب لکھی تھی جس میں ان روایات کوجمع کرکے ناقدین کے اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جیسا کہ خود ہی **التقیید والاِیضاح** (ص ۴۲) میں لکھا ہے لیکن وہ کتاب تبییض سے قبل ہی معدوم ہوگئی، **کما قاله السخاوی** (ص ۱/۵۲)۔

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں بخاری شریف کی **منتقد علیه** روایات کوجمع فرما کرناقدین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اسی طرح فتح الباری میں ان احادیث کی شرح میں اور امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں مسلم کی روایات پر جوجرح کی گئی ہے اس کا جواب دیا ہے۔

اجمالی طور پر دو جواب دئے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ شیخین کو احادیث صحیحہ ومعلولہ کی معرفت اورخطا وصواب میں امتیاز دینے میں اپنے معاصرین اور بعد کے ائمہ فن پر فوقیت حاصل ہے۔ اوران دونوں ائمہ نے اپنی کتاب میں اپنی ہی تصریح کے مطابق صرف احادیث صحیحہ جمع کی ہیں۔ اب دوسرے ائمہ کا نقد شیخین کی تصحیح کے معارض ہوگا، اور شیخین کا فیصلہ ان کے مسلّمہ تفوق وتبحر کی بناء پر دوسروں کے نقد پر مقدم ہوگا، مگر انصاف یہ ہے کہ ہرجگہ یہ جواب کام نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ بعض اوقات کوئی متأخر فرد بڑے کے مقابل میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جوزیادہ وزن دار ہوتی ہے، اور یہ صرف احتمال عقلی ہی نہیں ہے بلکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ بعض جگہ ناقدین کی بات بہت قوی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ناقدین کے اعتراضات بعض ایسے قواعد ضعیفہ پر مبنی ہیں جن کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے جو جمہور فقہاء واہل اصول کے مسلک کے خلاف ہیں اس لئے ان کا اعتبار نہیں۔

قال النووی فی مقدمة شرح البخاری: قد استدرک الدارقطنی علی البخاری ومسلم

أحاديث فطعن فی بعضها، وذلک الطعن مبنی علی قواعد لبعض المحدثين ضعيفة جداً مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم، فلا تغترّ بذلک، انتهی۔

لیکن کلی طور پر یہ جواب بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔بعض اعتراضات مسلم اصولی قواعد کے پیش نظر وارد ہوئے ہیں جن کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں۔ کما اعترف بذالک الحافظ ابن حجر فی مقدمة الفتح (ص۲/۱۰۵) ، وقال قول النووی فی مقدمة شرح مسلم، وقد أجيب عن ذالک أو أكثره هو الصواب، فإن منها ما الجواب عنه غير منتهض۔

تنبیہ : صحیحین کی جن روایات پر ائمہ فن نے نقد کیا ہے ان کی مجموعی تعداد ۲۱۰ ہے۔ ۳۲ متفق علیہ ہیں اور ۷۸ بخاری میں اور ۱۰۰ مسلم شریف میں ہیں۔کسی شاعر نے حروف ابجد کے حساب سے ان کی طرف ایک شعر میں اشارہ کیا ہے

فدعد لجعفی وقاف لمسلم　　　وبل لهما فاحفظ وقيت من الردیٰ

۷۸　　　۱۰۰　　　۳۲

فائدہ : بعض متشددین جیسے ابن حزم اور ابن الجوزی نے صحیحین کی بعض روایات پر وضع تک کا حکم لگایا ہے مگر یہ قول غلط ہے۔حافظ عراقی ،حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے اپنی کتابوں میں ان پر رد کیا ہے۔

تنبیہ : کسی حدیث کی صحت کے لئے اس کا معمول بہا ہونا لازم نہیں، مثلاً بخاری شریف (ص ۴۳) میں حضرت عثمانؓ کی حدیث میں عدم انزال کی صورت میں صرف وضوء کا حکم وارد ہے، اور مسلم شریف میں "إنما الماء من الماء" وارد ہے جو جمہور کے یہاں منسوخ ہے۔اسی طرح حدیث "الوضوء مماَمَسّتهُ النار"،مسلم شریف میں ہے اور جمہور کے نزدیک منسوخ ہے۔اسی طرح حدیث "یقطع صلوته المرءة والحمار والکلب الأسود" مسلم میں ہے اور جمہور کے نزدیک منسوخ ہے۔

دوسری قسم تعلیقات ہیں۔ان کی دو قسمیں ہیں، اول وہ روایتیں ہیں جن کو صاحب کتاب نے ایک جگہ تو معلقاً اور دوسری جگہ موصولاً ذکر کیا ہے، یہ قسم تو ساری ہی صحیح ہے إلّا أن يكون منتقداً۔

دوسری قسم وہ حدیثیں ہیں جن کو بخاری ومسلم نے دوسری جگہ موصولاً روایت نہیں کیا۔

پھران کی دوقسمیں ہیں۔

ایک تووہ روایات جن کو بصیغہ جزم ویقین جیسے قال وذکر وغیرہ بصیغۂ معروف ذکر کیا ہے، یہ توساری صحیح ہیں۔ لیکن صحت کی ضمانت صرف مضاف الیہ تک ہے یعنی اگر کسی کا نام لے کر تعلیق کی ہے، مثلاً یوں کہا **وقال بهز عن أبيه عن جده** تو بھز تک سند صحیح ہے آگے کی ضمانت نہیں۔

اوردوسری قسم وہ تعلیقات ہیں جن کو بصیغۂ تمریض یعنی بصیغہ مجہول ذکر کیا ہے ان میں تفصیل ہے۔ بعض توصحیح ہیں جن کوامام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً روایت کیا ہے مگر یہاں بصیغہ تمریض اس لئے ذکر کردیا کہ اس کواختصار سے پیش کیا ہے، اوراختصارِ حدیث روایت بالمعنی کی ایک صورت ہے، اورروایت بالمعنی میں اختلاف ہے، اس لئے صیغۂ تمریض سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اوربعض تعلیقات میں ضعف ہے تو صیغہ تمریض سے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **كما نبّه على ذلك العراقي في نكته على ابن الصلاح (ص۳۶) وتبعه الحافظ في الفتح والسخاوي في شرح الألفية (ص ۵۳)۔**

لیکن امام بخاری کا ایسی تعلیقات کواپنی کتاب 'الجامع الصحیح' میں لانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے، بالکل واہی اورساقط الاعتبار نہیں ہے، **كما صرّح به ابن الصلاح (ص ۲۱) والنووي والعراقي وغيرهم۔**

خاص طورسے تعلیقات بخاری پر تفصیلی کلام مقدمہ فتح الباری میں نہایت مفصل طورسے مذکور ہے۔ امام نووی نے تعلیقات مسلم کومقدمہ شرح مسلم میں (ص ۱۴) پر ذکر کیا ہے، اوران کے متعلق شروح مسلم میں کلام دیکھا جاسکتا ہے، واللہ اعلم۔

کتبہ محمد یونس عفی عنہ

۷؍صفرالخیر ۱۴۰۰ھ

جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم

سوال :

مشکوۃ شریف کی ایک حدیث ہے، غالبًا کتاب المزارعۃ میں ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی جائداد غیر منقولہ فروخت کرے تو اس کو اس جیسی جائداد غیر منقولہ میں لگادے ورنہ برکت نہ ہوگی۔

ایک صاحب کہتے ہیں کہ جائداد فروخت کر کے کوئی کاروبار بھی نہ کرے اور بجز اس کو اس کے مثل میں لگانے کے اور کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی غیر منقولہ جائداد اس نیت سے فروخت کرے کہ اس سے تجارت کروں گا یا اور کوئی خاص ضرورت ہو تو کیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب :

عزیز مکرم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث مذکور صاحب مشکوۃ نے باب الشفعہ کی فصل ثانی میں ذکر کی ہے۔

عن سعید بن حریثؓ قال: "سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من باع منکم داراً أو عقاراً قَمِنٌ أن لَا یبارک لہ إلّا أن یجعلہ فی مثلہ"، رواہ ابن ماجہ (ص ۱۸۲) والدارمی، وھو حدیث ضعیف، لأن راویہ إسمعیل بن إبراھیم بن مھاجر البجلی الکوفی ضعیف، ضعّفہ غیر واحد، وقال البخاری: فی حدیثہ نظر، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے، من مناکیرہ ھذا الحدیث۔

ولہ شاھد من حدیث حذیفۃؓ بلفظ: "من باع داراً ولم یجعل ثمنھا فی مثلھا لم تبارک لہ فیھا"، رواہ ابن ماجہ (ص ۱۸۲)، وفیہ أبومالک النخعی متروک، ویوسف بن میمون جرحہ کثیر من الأئمۃ ولکنّہ صدوق، ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن حذیفۃؓ وعمرو بن حریثؓ۔ قال الھیثمی فی المجمع (ص ۱۱۱/ ۴): وفیہ الصباح بن یحییٰ وھو متروک۔

اس کے علاوہ اور بھی اس مضمون کی روایات ہیں، لیکن کسی کی سند علت سے خالی نہیں ہے۔

اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس سے بےضرورت فروخت کرنا مراد ہے، معقل بن یسارؓ کی روایت میں جسے طبرانی نے

معجم اوسط میں روایت کیا ہے "من غیر حاجة" کی قید وارد ہے، حضرت ابوطلحہؓ نے جب اپنا باغ بیرحاء صدقہ کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اقرباء کو دیدو، انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت حسانؓ کو دیدیا، امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں حضرت حسانؓ نے اپنا حصہ امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور یہ کہیں بھی وارد نہیں ہے کہ انہوں نے اس کے بدلے میں کوئی دوسری زمین خریدی۔ اس لئے میرے ناقص خیال میں اگر کوئی بلا ضرورت زمین فروخت کرے تو حدیث کی رو سے اس میں بے برکتی ہوگی ورنہ ضرورت میں تو بہت گنجائش نکل آتی ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۱۷ ربیع ۲ / ۱۴۰۰ھ

ایمان کی تجدید کر لیا کرو توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں

سوال:

حضرت شیخ الحدیث نے اپنی تصنیف فضائل ذکر میں دو احادیث نبوی ﷺ کے ترجمے درج فرمائے ہیں، مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ان دونوں احادیث کے اصل الفاظ کی ضرورت ہے، اگر آپ ازراہ مہربانی ان احادیث کا اصل متن اور پورا حوالہ عنایت فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

پہلی حدیث کتاب مذکور کے (ص ۴۷) پر درج ہے کہ ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ جل شانہ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔

دوسری حدیث کتاب مذکور کے (ص ۱۰۴) پر درج ہے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ وہ گناہ کراماً کاتبین کو بھلا دیتے ہیں اور اس گنہگار کے ہاتھ پاؤں کو بھی بھلا دیتے ہیں اور زمین کے اس حصہ کو بھی جس پر وہ گناہ کیا گیا ہے حتی کہ کوئی بھی اس گناہ کی گواہی دینے والا نہیں رہتا ہے۔

والسلام احقر محمد عزیز حسن
چوکی حسن خان مرادآباد

جواب:

مکرم ومحترم السلام علیکم ابھی آپ کا خط ملا۔

دونوں حدیثوں کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

(۱) عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ قال: "قال رسول الله ﷺ: إنّ الاِیمان لیخلق فی جوف أحدکم کما یخلق الثوب، فاسئلوا الله أن یجدّد الاِیمان فی قلوبکم"،

رواه الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک (ص ۱/۴)۔ قال الحاکم: رواته مصریون ثقات۔ وأقرّه الذهبی، وقال الهیثمی فی مجمع الزوائد (ص ۱/۵۲): إسناده حسن۔

(۲) عن أنسؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: "إذا تاب العبد أنسی اللّٰه الحفظة ذنوبه وأنسیٰ ذلک جوارحه ومعالمه من الأرض حتی یلقی اللّٰه لیس علیه شاهد من الله بذنب"۔

رواه الاِصبهانی فی ترغیبه، وابن عساکر فی تاریخه، وأعلم علیه السیوطی فی الجامع الصغیر (ص ۳۱۳) بعلامة الضعیف، وأشار المنذری (ص ۴/۹۵) إلی ضعفه ووهائه إذ قال ورُوی عن أنسؓ فذکر الحدیث۔

محمد یونس عفی عنہ
۲۳/ذی القعدۃ ۱۴۰۰ھ

❖❖❖

باجماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے

سوال:

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب دام ظلہم العالی فضائل نماز (ص ۴۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں

پچیس درجہ المضاعف جماعت کا ثواب جو بتایا گیا ہے اس کے متعلق شراح نے عجیب بات لکھی ہے کہ اس حدیث کا ثواب ستائیس درجہ والی حدیث سے بہت زیادہ ہے، یعنی با جماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس درجہ ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ ستائیس درجہ والی حدیث سے پچیس درجہ والی حدیث کا ثواب اتنی زائد مقدار میں کیونکر ہوا؟ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کس عدد کا ضرب کس سے دیا گیا؟

فقط

مبذل حسین

یکے از خدام احادیث نبویہ

مدرسہ دار الحدیث بدر پور کچھاڑ آسام

جواب :

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نماز با جماعت کا ثواب منفرد کی نماز سے بہت زیادہ ہے، اب وہ فضیلت پچیس درجہ ہے یا ستائیس؟ دونوں طرح احادیث میں وارد ہے،

ابو سعید خدریؓ سے بخاری میں "صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذِّ بخمس وعشرین درجۃً" مروی ہے۔ اور ابن عمرؓ سے "بسبع وعشرین درجۃً" مروی ہے۔

بعض نے ستائیس والی روایت کو زیادتی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے راجح کہا ہے، اور دوسرے بعض علماء پچیس والی کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ عام طور سے صحابہ یہی نقل کرتے ہیں۔ ستائیس والی صرف ابن عمرؓ سے مروی ہے،

اور بعض دوسرے حضرات نے دونوں روایتوں میں مختلف طرح سے جمع فرمایا ہے، مثلاً یہ کہ اولاً پچیس کا علم ہوا پھر ستائیس کا، یا یہ کہ اختلافِ احوال پر یہ اختلاف مبنی ہے، بعض کو پچیس درجہ اور بعض کو خشوع واخلاص کی زیادتی کی وجہ سے ستائیس درجہ، اور بھی مختلف طرح سے جمع کیا گیا ہے۔

پچیس والی احادیث میں سے بخاری شریف میں ابو ہریرۃؓ کی حدیث میں حسب ذیل الفاظ آئے ہیں۔

"صلوۃ الرجل فی الجماعۃ تضعّف علی صلوتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسۃ وعشرین

ضعفاً"۔

علامہ ابن رسلان نے اس کی شرح میں رمادی سے نقل کیا ہے یحتمل أن تضعّف الصلوة فتصیر ثنتین، ثم تضعّف الاِثنان فتصیر أربعة، ثم تضعّف الأربعة فتصیر ثمانیة، وهكذا إلى أن ینتهی إلى خمسة وعشرین ضعفاً، قال: وذلک شیئی کثیر من فضله تعالیٰ، قال ابن رسلان: وحمله على هذا أجود۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہی مطلب نقل فرمایا ہے، اور حساب لگا کر پچیس مرتبہ تضعیف یعنی دو چند کرنے کا خلاصہ تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس لکھا ہے، اور اس صورت میں یقیناً پچیس ضعف والی کا ثواب ستائیس درجہ والی حدیث سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔

اشکال تضعیف کا مطلب ذہن میں نہ ہونے سے ہوا ہے۔ تضعّف تضعیف باب تفعیل سے صیغۂ مضارع مجہول ہے، تضعیف کے معنی دوگنا کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز سے پچیس مرتبہ المضاعف یعنی دوگنا کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دوگنا کرنے پر دو ہو جائے گا اور دوبارہ دوگنا کرنے پر دو کا چار اور سہ بارہ چار کا آٹھ اور چوتھی مرتبہ آٹھ کا سولہ ہو جائے گا۔ اسی طرح پچیس مرتبہ کرنے پر عدد مذکور فی الفضائل حاصل ہو جائے گا۔

اور اس میں کیا استبعاد ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل اس امت پر روز افزوں رہا ہے۔ کما صرّح الشیخ فی الفضائل۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

"خلقت النخلة والرمّانة والعنب" یہ حدیث کہاں ہے؟

سوال:

تفسیر مظہری پارہ ۱۶؍ آیت ﴿منها خلقنكم وفيها نُعيدُكم﴾ کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی گئی ہے۔

أخرج ابن عساکر عن أبی سعید الخدریؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "خلقت النخلة

والرمّانة والعنب من فضلة طينة آدم“۔

حضرت! حدیث مذکور کیسی ہے؟

نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں، چونکہ رمّانہ اور عنب کا ذکر اسی حدیث میں ملا اور اس کی روایت کے متعلق کچھ علم نہیں، لہٰذا اس کی تحقیق تحریر فرمائی جائے۔ والسلام

حبیب اللہ بستی

جواب :

عزیزم سلمہ بعد سلام مسنون

تم نے اپنے خط میں ایک سوال کیا اس کا جواب لکھنا یاد نہ رہا۔

حديث: ”خلقت النخلة والرمّان والعنب من فضل طينة آدمؑ“، رواه المحاملی فی الأمالی وعنه ابن عساكر فی تاريخه عن الحاكم بن عبد الله الكلبی أبی سالم من أهل قزوين عن يحيىٰ بن سعيدالبحرانی من أهل غطيف عن أبی هارون العبدی عن أبی سعيدالخدریؓ قال: ”سألنا رسول الله ﷺ ممّاذا خلقت النخلة فذكره“۔

أبو هارون العبدی اسمه عمارة بن جوين ضعيف متروك، قال ابن حبان: يروی عن أبی سعيدؓ ما ليس من حديثه، وكذّبه صالح جزرة والجوزجانی وغيرهما۔

تم نے لکھا ہے نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں ہے،

یہ تو بہت ہی تعجب خیز امر ہے، غالباً شہرت کی وجہ سے تمہارے ذہن میں اس کا ثبوت راجح ہے ورنہ وہ حدیث تو اور بھی واہی ہے، بلکہ ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے۔

فقد روی ابن عدی فی الكامل والباطرقانی فی جزء من حديثه وابن الجوزی فی الموضوعات كلّهم عن جعفربن أحمد بن علی الغافقی حدثنا أبو صالح كاتب الليث حدثنا وكيع عن الأعمش عن مجاهد عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ: ”أحسنوا إلی عمّتكم النخلة، فإنّ الله تعالی خلق آدم ففضل من طينتها فخلق منها النخلة“۔

جعفر بن أحمد بن علی الغافقی وضّاع، نسبه إلی وضع الحديث أبو سعيد بن يونس وابن عدی والدارقطنی وغيرهم، قال ابن عدی: لاشک أنّه وضع هذا الحديث، وأقرّه الحافظ ابن

حجر فی اللسان۔

وله طريق آخر أخرجه أبويعلىٰ فی مسنده وابن أبی حاتم وابن مردويه فی التفسير لهما وابن السنّی فی الطبّ والعقيلی فی الضعفاء وابن عدی فی الكامل وابن حبان فی الضعفاء وأبو نعيم فی الطبّ والحلية والسياق له والرامهرمزی فی الأمثال وابن عساكر من طريق مسرور بن سعيد التميمی عن الأوزاعی عن عروة بن رويم عن علیؓ مرفوعاً: "أكرموا عمّتكم النخلة فإنّها خلقت من فضلة طينة أبيكم آدم، وليس من الشجر شجرة أكرم على الله من شجرة ولدت تحتها مريم بنت عمران، فأطعموا نساء كم الولّد الرطب، فإن لم يكن رطبا فتمر"۔

قال السخاوی فی المقاصد(ص ٧٩) : فی سنده ضعف وانقطاع، وقال العقيلی: غريب من حديث الأوزاعی عن عروة، تفرّد به مسرور بن سعيد، وقال العقيلی: حديثه غيرمحفوظ ولَايعرف إلّا به، وقال ابن عدی: هذا منكر عن الأوزاعی وعروة عن علیؓ مرسل، ومسرور غير معروف، لم أسمع بذكره إلّا فی هذا الحديث، وقال ابن عساكر: عروة لم يدرك علياًؓ۔ والحديث غريب، والتميمی مجهول، وقال الحافظ ابن كثير: هذا حديث منكر جداً، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات، وقال: لَا يصحّ، مسرور منكرالحديث يروی عن الأوزاعی المناكير، وقال ابن حبان: مسرور بن سعيد التميمی يروی عن الأوزاعی المناكير التی لَا يجوز الاِحتجاج بمن يرويها، ثم ذكر هذا الحديث ۔

حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث ابن حبان وابن عدی وابن کثیر کے نزدیک منکر ہے، عقیلی غیر محفوظ کہتے ہیں، اور ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ سیوطی نے اپنی عادت کے موافق ابن الجوزی پر تعقب کیا ہے لیکن کوئی زوردار تائید نہیں پیش کر سکے۔

بہر حال یہ روایت اگر موضوع نہ بھی ہو تو قابل استناد نہیں ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۵/ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا

أصحابی کالنجوم کی سند کیسی ہے؟

سوال :

(۱) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جنازہ میں تاخیر ہوئی تو ہاتھ کی ایک انگلی میں سیاہ دھبہ آگیا تھا، یہ ایک صاحب کا بیان ہے، ناکارہ کو معلوم نہیں۔

مہربانی فرماکر اس مقام کی عبارت نقل فرماکر روانہ فرمائیں۔

(۲) نیز ''أصحابی کالنجوم'' کی روایت میں سند میں اگر کچھ کلام ہو تو مختصراً تحریر فرمائیں۔

دعاجو ودعاگو (مولانا) عبدالجبار الاعظمی غفرلہ

۲ر صفر ۱۴۰۱ھ

جواب :

مخدوم ومکرم مدفیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ابن سعد کی روایت مع السند والمتن درج کرتا ہوں۔

قال (ص ۲/۲۷۴): أخبرنا وكيع بن الجراح قال أخبرنا ابن أبی خالد عن البهیّ قال: ''ترک رسول الله ﷺ بعد وفاته يوماً وليلة حتی ربا قميصه ورئی فی خنصره انثناء''۔ قلت: هذا حديث مرسل لأن البهیّ عبد الله بن يسار تابعی، روی له مسلم والأربعة والبخاری فی الأدب المفرد، قال الحافظ ابن حجر فی التقريب: صدوق يخطئ، ووكيع وشيخه إسمعيل بن أبی خالد ثقتان۔

قال الذهبی فی الميزان فی ترجمة عبد المجيد بن عبد العزيز بن أبی رواد (ص ۲/۶۴۹): قال عباس بن مصعب فی تاريخ مرو: جاور عبد المجيد مع أبيه بمكة وسمع كتب ابن جريج وغيره من المشائخ، وكان صاحب عبادة، نعم، نقم عليه قوله ''الإيمان قول''، وقال ابن معين: كان عبد المجيد أصلح كتب ابن علية عن ابن جريج، فقيل ليحيیٰ: كان عبد المجيد بهذا المحل؟ فقال:

كـان عـالـمـاً بكتب ابن جريج إلّاأنه لم يكن يبذل نفسه للحديث، ونقم على عبدالمجيد أنه أفتى الـرشيـد بـقـتـل وكـيـع لحديث حدثناه قتيبة حدثنا وكيع عن إسمعيل بن أبى خالد عن عبد الله البهيّ: ”أن رسول الله ﷺ لمامات لم يدفن حتى ربابطنه وانثنت خنصراه“، قال قتيبة : حدّث بـه وكـيـع بـمـكـة وكـان سـنة حجّ فيها الرشيد فقدّموه إليه فدعا الرشيد سفيان بن عيينة وعبد المجيـد، فـقال: يجب أن يقتل فإنه لم يروهذاإلّا وفى قلبه غشّ للنبى ﷺ، فسأل الرشيد سفيان، فـقـال: لَا يـجـب عليه القتل، رجل سمع حديثاً فرواه، والمدينة شديدة الحر، توفّى النبى ﷺ يوم الاِثنين، فترک إلى ليلة الأربعاء، فمن ذلک تغيّر۔

ولوكيع قصة آخرى فى هذاالحديث ذكرها يعقوب بن سفيان فى تاريخه (ص١٧٥/١) ومن طريقه الخطيب فى الجامع (ص٢٠٥/٢)۔

قـال الـذهبى: قـلـت: النبى ﷺ سيّد البشر وهوبشر يأكل ويشرب وينام ويقضى حاجته ويـمـرض ويتـداوى ويتسـوّک ليـطيب فمه، فهو فى هذا كسائر المؤمنين، فلما مات بأبى هو وأمى ﷺ عمل به كما يعمل بالبشر من الغسل والتنظيف والكفن واللحد والدفن، لكن مازال طيّبـاً مطيّباً حيّاً وميّتاً، وارتخاء أصابعه المقدسة وانثناء ها وربوّبطنه ليس معنا نص على انتفائه، والـحـىّ قـد يـحصل له ريح وينتفخ عنه جوفه فلا بعد، هذا إن كان قد وقع عيباً، وإنما معنا نص عـلـى أنه لَا يبلىٰ و أن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجسادالأنبياء عليهم الصلوة والسلام، بل ويقع هذا لبعض الشهداء رضى الله عنهم۔

أما من روى حديث عبد الله البهى ليغض به من منصب رسول الله ﷺ فهذا زنديق، بل لو روى الشـخص حديث أن النبى ﷺ سُحر وحاول بذلک تنقّصاً كَفَر وتَزندقَ، وكذا لو روى حـديـث أنّـه سـلّم من اثنتين وقال مادرىٰ كم صلى؟ يعضد بقوله شينه، ونحو ذالک كفر، فإن النبى ﷺ قال: ”إنماأنا بشرأنسى كما تنسون“۔

فالغلوُ والاِطراء منهىّ عنه، والأدب والتوقيرواجب، فإذا اشتبه الاِطراء بالتوقيرتوقّف العالم وتـورّع وسـأل مـن هـو أعـلم منه حتى يتبيّن له الحق فيقول به، وإلّافالسكوت واسع له ويكفيه التوقير المنصوص عليه فى أحاديث لَاتحصىٰ ۔

وكذا يكفيه مجانبة الغلوّ الذى ارتكبه النصارىٰ فى عيسٰى ؑ، مارضوا له بالنبوّة حتى رفعوه إلى الالٰهية وإلى الولدية، وانتهكوا رتبة الربوبية الصمدية فضلّوا وخسروا، فإن إطراء رسول الله ﷺ يؤدّى إلى إساء ة الأدب على الربّ، نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا بالتقوى وأن يحفظ عليناحبّنا للنبى ﷺ كما يرضى ۔ انتهى۔

قال العبد الضعيف المقرّ بالسيئات –تجاوز الله عنها وعصمنا فيما بقى مما لَا يُرضيه–: والحديث مع ذالک مرسل كما قد قدّمت، وعبد الله البهيّ صدوق يخطى، والمرسل وإن قبلهٗ أبو حنيفة ومالک وأكثر الفقهاء المتقدمين، ولكن قال الإمام الشافعي وجمهورالمحدثين لَاحجة فيه، والصدوق الذى يخطئ إذا انفردبالشىء ولم يأت ما يؤيّده ينبغى أن يتأنّىٰ فيه وإلّا فروايته ضعيفة۔

وذكر ابن سعد قال: أخبرنا محمد بن عمر حدثنى قيس يعنى ابن الربيع عن جابر عن القاسم بن محمد قال: ”لم يدفن رسول الله ﷺ حتى عرف الموت فيه فى أظفاره اخضرّت“

قلت: محمدبن عمر هو الواقدى، قال الذهبى فى المغنى: مجمع على تركه، وقال ابن عدى: يروى أحاديث غير محفوظة والبلاء منه، وقال النسائى: يضع الحديث، وقال ابن ماجه: حدثنا ابن أبى شيبة حدثنا شيخ لنا حدثنا عبد الحميد بن جعفرفذكر حديثاً فى لباس الجمعة، وحسبک لَايجسرأن يسمّيه ابن ماجه، انتهى ۔ وقال الحافظ فى التقريب: متروک مع سعة علمه۔

وقيس بن الربيع الأسدى قال الذهبى فى المغنى: صدوق سيئى الحفظ، وكان شعبة يُثنى عليه، وقال أبوحاتم: محله الصدق وليس بالقوى، وقال ابن معين وغيره: ليس بشىء، وقال ابن عدى: عامّة روايا ته مستقيمة، وقال الحافظ ابن حجر فى التقريب: صدوق تغيّر لمّا كبر وأدخل عليه ابنه ما ليس من حديثه فحدّث به۔

وجابر فيما أظن ابن يزيد الجعفى ضعيف رافضى كان يؤمن بالرجعة۔

والقاسم بن محمد هو ابن أبى بكر الصديقؓ تابعى، فا لحديث مع سقوط إسناده مرسل ۔

”أصحابی کالنّجوم“ کی سند

(۲)”أصحابی کالنجوم بأیّھم اقتدیتم اھتدیتم“، أخرجه عبد بن حمید فی مسنده، والدارقطنی فی الفضائل، وابن بطّة فی الاِبانة من طریق حمزة بن أبی حمزة النصیبی عن نافع عن ابن عمرؓ به مرفوعاً، وحمزة ضعیف جداً، أورده الذھبی فی المیزان فی ترجمته، فأشار إلی نکارته، وقال ابن عبد البرّ: ھذا إسنادلَا یصحّ، لَایرویه عن نافع من یحتجّ به۔

وأخرجه الدار قطنی فی المؤتلف، وابن عبد البر فی جامع بیان العلم (ص ۱۱۱/۲)، وابن حزم فی الأحکام من حدیث سلام بن سلیم عن الحارث بن غصین عن الأعمش عن أبی سفیان عن جابرؓ، قال ابن عبد البر: ھذا إسنادلَا تقوم به حجّة، لأن الحارث بن غصین مجھول، وذکره الحافظ فی اللسان فقال: الحارث بن غصین ذکره الطوسی فی رجال الشیعة، وذکره ابن حبان فی الثقات، قلت: والراوی عنه سلام بن سلیم وھو أیضاً ضعیف، وقال ابن حزم: ھذه روایة ساقطة، أبوسفیان ضعیف، والحارث بن غصین ھذا ھو أبووھب الثقفی مجھول، وسلام بن سلیم یروی الأحادیث الموضوعة وھذا منھا۔

ورواه الدارقطنی فی غرائب مالک من طریق جمیل بن زید عن مالک عن جعفربن محمد عن أبیه عن جابرؓ، قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص (ص ۱۹۰/۴): جمیل لَایعرف، ولَا أصل له فی حدیث مالک ولَا من فوقه، وقال الدارقطنی: لَا یثبت عن مالک، ورواته دون مالک مجھولون۔

وأخرجه الخطیب فی الکفایة (ص ۶۲)، والبیھقی فی المدخل (ص ۱۶۲)، وابن عساکرمن طریق نعیم بن حماد عن عبد الرحیم بن زید العمی عن أبیه عن سعید بن المسیب عن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”سألت ربّی فیما اختلف فیه أصحابی من بعدی، فأوحی الله إلیّ: یا محمد! إن أصحابک عندی بمنزلة النجوم، بعضھم أضوأمن بعض، فمن أخذبشئی مما ھم علیه من اختلافھم فھو عندی علی ھدیً“۔

قال أبوبکر أحمد بن عمر و بن عبد الخالق البزّار:ھذا الکلام لَا یصحّ عن النبی ﷺ، رواه عبد الرحیم بن زید العمّی عن أبیه عن سعید بن المسیب عن عمرؓ عن النبیﷺ ، وربما رواه

عبد الرحيم عن أبيه عن عمرؓ، وإنما أتى ضعف هذا الحديث من قبل عبد الرحيم بن زيد، لأنّ أهل العلم قد سكتوا عن الرواية لحديثه، والكلام أيضاً منكر عن النبى ﷺ۔

وقد روى عن النبى ﷺ بإسنادصحيح: ”عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى فعضّوا عليها بالنواجذ“، وهذاالكلام يعارض حديث عبد الرحيم لوثبت، فكيف ولم يثبت، والنبى ﷺ لَا يبيح الاِختلاف بعده من أصحابه، والله أعلم۔ هذا آخركلام البزار، وقال ابن حزم :هذاخبر مكذوب موضوع باطل، وقال الذهبى: هذا باطل، عبد الرحيم تركوه، ونعيم صاحب مناكير۔

وقال الملامعين السندى فى الدراسات (ص ٢٤٠): إنّه حديث موضوع، وقال صاحب الاِستفسارعن صاحب المعيار (ص ١٢): قد صرّح القاضى ثناء الله الفانى فتى المحدث فى السيف المسلول أن متنه مشهور، وقدرواه البيهقى بأسانيد متنوعة يرتقى بها إلى درجة الحسن اهـ كذا نقله العلامة محمدعبد الرشيدالنعمانى فيما كتب كالمقدمة للدراسات ومؤلّفها (ص ٩٠)، وعندى فى دعوى الحسن نظر۔

وقال ابوحيّان فى البحر المحيط (ص٥/٥٢٨): وهو حديث موضوع لَا يصحّ بوجه عن رسول الله ﷺ، وقال ابن تيمية فى المنهاج (ص ٤/٢٣٩) : هذا الحديث ضعيف، ضعّفه أهل الحديث، قال البزار :هذا حديث لَا يصح عن رسول الله ﷺ انتهىٰ۔

قال ابن عبد البر رادّاً على البزار: كلامه لَا يصح على كل حال ، لأن الاِقتداء بأصحاب النبى ﷺ منفردين إنما هو لمن جهل ما يسأل عنه، ومن كانت هذه حاله فالتقليد لَازم له، ولم يأمر أصحابه بأن يقتدى بعضهم ببعض إذا تأوّلوا تأويلاً سائغاً جائزاً ممكناً فى الأصول، وإنما كل واحد منهم نجم جائزأن يقتدى به العامى، والجاهل بمعنى ما يحتاج إليه من دينه وكذالک سائر العلماء مع العامة، انتهى۔

محمد یونس عفی عنه

شب دوشنبه ٦ ؍صفر ١٤٠١ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عمرؓ کا جمع احادیث کے ارادہ کو فسخ کرنا

سوال :

مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وصیۃ الاخلاق (ص ۲۳) میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سنن رسول اللہ ﷺ کے جمع کرنے کی تمنا فرمائی اور اسکے لئے ایک ماہ تک استخارہ کیا، آخر ایک روز صبح کے وقت اس کے خلاف فیصلہ کیا اور فرمایا کہ ہمیں ایک قوم یاد آئی جس نے خود کتاب لکھی اور اس میں پھنس گئی اور کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔

مطلب یہ تھا کہ اگر سنن جمع کر دی جائیں تو ممکن ہے کہ لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔

اب یہ سوال ہے کہ سننِ رسول قرآن کے لئے بمنزلہ شرح کے ہیں، اور خود احادیث میں اسکی تصریح ہے کہ ایک قوم آئے گی جو کتاب اللہ کو قابل عمل ضروری قرار دے گی اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو ترک کر دے گی، غرض یہ کہ حدیث وسنن کی اسلام میں بڑی رکنیت حاصل ہے تو کس مصلحت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارادہ کو فسخ کر دیا۔ عبدالرحیم مظاہری

جواب:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ کتاب اللہ کو جس اہتمام سے جمع کیا گیا ہے اگر اسی اہتمام سے سنن کو بھی جمع کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کو غلط فہمی ہو اور وہ سنن کو قرآن کا درجہ دینے لگیں، جیسے یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کے ارشادات کے ساتھ کیا اور یہ گمراہی ہے۔

حضرت عمرؓ احادیث کو نا قابلِ عمل اور غیر معتبر قرار نہیں دیتے تھے، ورنہ وہ احادیث روایت ہی کیوں کرتے؟ حالانکہ ان سے حدیثوں کی ایک خاصی مقدار مروی ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے تنقیح میں (ص ۱۸۴) انکی پانچ سو سینتیس (۵۳۷) حدیثیں بیان کی ہیں۔ ابونعیم الاصبہانی کہتے ہیں کہ طرق کی کثرت سے قطع نظر ان سے دوسو سے زائد متونِ حدیث مروی ہیں، اور اگر ان کے نزدیک حدیثیں نا قابل عمل ہوتیں تو احادیث پر عمل کیوں کرتے؟ عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت پر اعتماد کر کے مجوس سے جزیہ کیوں لیتے؟

والسلام محمد یونس عفی عنہ

۸ صفر ۱۴۰۱ھ

نقضِ وتر کا مسئلہ کیا ہے؟

مفتی یحییٰ صاحب

جواب:

إن عثمانؓ قال: ''إنّی أوتر أول اللیل فإذا قمت من آخر اللیل صلّیت رکعة فما شبّهتها إلّا بقلوص أضمّها إلی الاِبل''، (طحاوی شریف ص ۱/۱۶۸)

اس اثر کا تعلق مسئلہ نقض الوتر سے ہے، اس میں اختلاف ہے۔

صحابۂ کرام کی ایک جماعت جن میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۵، طحاوی شریف ص ۱/۱۶۸) سعد ابن ابی وقاصؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) عمار بن یاسرؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، طحاوی ص ۱/۱۶۸) ابوہریرہؓ (طحاوی ۱/۱۶۹) ابن عباسؓ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۰ و۳/۳۱، طحاوی ص ۱/۱۶۸) عائذ بن عمروؓ (بخاری ص ۲/۶۰۰، ابن ابی شیبہ ص ۱/۲۸۴) رافع بن خدیج ؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۵، طحاوی ص ۱/۱۶۸) عائشہؓ (ابن ابی شیبہ ۲/۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۱، طحاوی ص ۱/۱۶۹) اور فقہاء کرام میں سے علقمہ، طاؤس، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوحنیفہ، مالک، اوزاعی، شافعی، ابویوسف، محمد، ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اول شب میں وتر پڑھ لی اور پھر آخر شب میں بیدار ہوگیا اور تطوع ونوافل پڑھنا چاہتا ہے تو بلا کسی شرط وقید کے پڑھ سکتا ہے۔

حضرات صحابہ کی دوسری جماعت جن میں حضرت عمرؓ، علیؓ (مصنف عبدالرزاق ص ۳/۳۰، طحاوی ص ۱/۱۶۷) عثمانؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، طحاوی ص ۱/۱۶۷) اسامہؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) ابن عمرؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴، مصنف عبدالرزاق ص ۳/۲۹، طحاوی ص ۱/۱۶۸) ابن مسعودؓ بلکہ سعدؓ وابن عباسؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲/۲۸۴) کا نام بھی لیا گیا ہے کہتی ہے کہ پہلے ایک رکعت نقض الوتر کی نیت کر کے پڑھے اور پھر نوافل پڑھے اور اخیر میں وتر پڑھے، کیونکہ ابتداءِ شب کی وتر ایک رکعت نقضِ وتر کی نیت سے پڑھنے کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک رکعت رات کے ابتداء میں پڑھی گئی ہے رات کے آخر میں دوسری رکعت اسکے ساتھ کیسے ملائی جاسکتی ہے؟

حضرت عثمانؓ اسکے متعلق ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس میں کیا اشکال ہے؟ میں تو اولِ لیل میں وتر پڑھ لیتا ہوں اور پھر آخرِ لیل میں جب اٹھ جاتا ہوں تو ایک رکعت نقضِ وتر کی نیت سے پڑھ لیتا ہوں، اور یہ ایک رکعت اس اونٹنی کے

مثل ہے جو عام اونٹوں سے الگ ہو اور پھر اسکو لاکر اونٹوں میں ملا دیا جائے، جیسے اونٹنی اونٹوں میں ملا دینے سے ان کے ساتھ شامل ہوگئی اسی طرح جب وتر کے ساتھ ملانے کی نیت سے دوسری رکعت بعد میں پڑھ لی گئی تو وہ اسکے ساتھ شامل ہوکر بجائے وتر کے الگ شفعہ ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

امام احمد نقض وتر کے قائل تو نہیں ہیں لیکن نقض کرنے والوں پر تنگی بھی نہیں کرتے ہیں۔

قال الموفّق (ص ۷۹۵ / ۱) قیل لأحمد: ولَا تری نقض الوتر؟ فقال: لَا ، ثم قال: وإن ذهب إلیه رجل فأرجو لأنه قد فعله جماعة، اس کے بعد مذکورہ بالا صحابہ کے اسماء شریفہ ذکر فرمائے ہیں۔ موفق فرماتے ہیں: **ولعلهم ذهبوا إلی قول النبی ﷺ "اجعلوا آخر صلوتکم با للیل وتراً"**، اور پھر جمہور کی طرف سے حضرت طلق بن علیؓ کی روایت پیش کی ہے۔ **قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول:" لَا وتران فی لیلة"، رواه أبوداود والترمذی وقال: حدیث حسن۔**

محمد یونس عفی عنہ

۴ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖ ◯◯◯ ❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح

جو مفتی یحییٰ صاحب کے سوال پر لکھا گیا

إنّ أبا هریرةؓ قال: "لو جئت بثلاثة أبعرة فأنختها، ثم جئت ببعیرین فأنختهما ألیس کان یکون ذلک وتراً ؟ قال: وکان یضربه مثلاً لنقض الوتر"۔ (طحاوی شریف ص ۱۶۹ / ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے نقضِ وتر میں دو متعارض روایتیں منقول ہیں، ایک روایت نقض کی جو طحاوی نے اولاً نقل کی ہے، اور دوسری عدمِ نقض کی جو سوال میں مذکور ہے،

اصل میں نقض وتر کے قائلین کا مسلک جیسا کہ طحاوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھا کہ اگر وتر کے بعد نوافل پڑھ لئے جائیں تو وتر ٹوٹ جائے گی، اس لئے وہ یہ کہتے تھے کہ ایک رکعت وتر کو شفع کرنے کی نیت سے پڑھی جائے پھر نوافل پڑھ کر اخیر میں دوبارہ وتر پڑھی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس کے متعلق نقد وتبصرہ کررہے ہیں کہ بھلا اگر کسی نے تین رکعت پڑھ لی اور پھر دو رکعت اس کے بعد پڑھ لی تو اس سے وتر کیسے ٹوٹ جائے گی؟ کیونکہ تین اور دو کا مجموعہ مل کر پانچ ہوگا جو وتر ہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے تلمیذ عمر بن الحکم فرماتے ہیں: ”وكان أبو هريرةؓ يضربه أى يذكره مثلاً لنقض الوتر أى معارضة لمسئلة نقض الوتر، یعنی ابو ہریرہؓ نقض وتر کی تضعیف بیان کرنے کے لئے بطورِ مثال کے اونٹوں کے جمع کرنے کی صورت ذکر کرتے تھے اور معارضہ کرتے تھے کہ جیسے اونٹوں میں تین کے بعد دو کا اضافہ کرنے سے ان کے طاق و وتر ہونے پر اثر نہیں پڑتا اسی طرح وتر میں بھی تین کے بعد دو پڑھنے سے وتر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے ابن ماجہ (ص ۳۸) میں ہے کہ جب ابو ہریرہؓ نے فرمایا :إنّ النبی ﷺ قال: ”توضؤا ممّا غيّرت النار“ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”أتوضأ من الحميم؟“ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: يا ابن أخى! ”إذا سمعت عن رسول الله ﷺ حديثاً فلا تضرب له الأمثال“، قال السندى (ص ۱/۹۲) قوله :”أتوضأ من الحميم“ أى الماء الحار، أى ينبغى على مقتضى هذا الحديث أن الإنسان إذا توضأ بالماء الحارّ يتوضأ ثانياً بالماء البارد، فردّ عليه أبو هريرةؓ بأن الحديث لا يعارَض بمثل هذه المعارضة المدفوعة بالنظر فيما أريد بالحديث، فإن المراد أن أكل ما غيّرت النار يوجب الوضوء لا ممن مسّته الأعضاء. انتهى.

محمد یونس عفی عنہ

۵ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟

سوال:

مکرم ومحترم بندہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پوچھا تھا کہ سورۂ واقعہ میں ﴿فأمّا إنْ كانَ من المقرّبين الخ﴾ کے بارے میں بیان القرآن اور معارف القرآن وغیرہ میں بتایا ہے کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے، لیکن سیرۃ النبی (ج ۴) میں غالباً سید سلیمان ندوی

صاحب نے اس کو موت کے وقت کے بارے میں لکھا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ موت کے وقت سے اس کا تعلق کسی تفسیر میں ہو تو صرف ان تفسیروں کا آپ نام لکھدیں، تا کہ اگر ہم بیان میں اس کو موت کے وقت سے جوڑیں اور کوئی پوچھے تو جواب دینا آسان ہو، اور اگر کسی نے بھی موت سے نہیں جوڑا تو یہ بھی لکھدیں تا کہ ہم اسے بیان نہ کریں۔ فقط والسلام

جواب لکھ کر یوسف کو دیدیں وہ مجھ پہ بھیج دے گا۔

از (مولانا) محمد عمر مرکز دہلی

۲۹/ربیع الاول ۱۴۰۱ھ، ۵/فروری ۱۹۸۱ء جمعرات

جواب :

مخدوم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی پرچہ ملا،

بیان القرآن وغیرہ میں جو تفسیر بیان کی گئی ہے صاحبِ روح المعانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور سید صاحب نے جو تفسیر اختیار کی ہے درمنثور وغیرہ میں سلف سے نقل کی گئی ہے۔

قال السيوطی (ص۱۶۶/۶): أخرج ابن أبی شيبة وأحمد فی الزهد وعبد بن حميد وابن المنذرعن الربيع بن خثيم فی قوله تعالى﴿فأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ ورَيْحَانٌ﴾ قال: هذا له عند الموت، ﴿وجَنّةُ نَعِيمٍ﴾ قال: تخبأله الجنّة إلى يوم يبعث، ﴿وأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلّيْنَ فنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ قال: هذا عند الموت، ﴿وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ﴾ قال: تُخبأله الجحيم إلى يوم يبعث.

وأخرج أبوالقاسم بن مندة فی كتاب الأهوال والإيمان بالسئوال عن سلمانؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''إنّ أوّل ما يبشّر به المؤمن عند الوفاة بروح وريحان وجنّة نعيم، وإن أوّل ما يبشّر به المؤمن فی قبره أن يقال أبشربرضا الله تعالىٰ والجنّة، قدمتَ خير مقدم، قد غفر الله لمن شيّعک إلى قبرک وصدّق من شهدلک ويستجاب لمن استغفرلک''۔

وأخرج عبد بن حميد وابن جرير وأبوالقاسم بن مندة فی كتاب السؤال عن الحسن فی قوله تعالىٰ: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ﴾ قال: ذلک فی الآخرة، فاستفهمه بعض القوم فقال: أما والله

إنهم ليسرّون بذلک عند الموت۔

وأخرج المِروزی فی الجنائز وابن جریر عن الحسن قال: تُخرج روح المؤمن من جسده فی ریحانة ثمّ قرأ ﴿فأمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ﴾

اس مضمون کی تفسیر متعدد تابعین قتادہ، ابوعمران الجونی، ابوالعالیہ وغیرہ سے نقل کی ہے ۔

وأخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی ﴿فَسَلَامٌ لَّکَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ قال: تأتیه الملائكة بالسّلام من قِبل الله تُسلّم علیه وتُخبره أنه من أصحاب الیمین ۔

وأخرج ابن أبی حاتم عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ ﴿وأَمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ قال: لَایخرج الكافر من دارالدنیاحتی یشرب كأساً من حمیم۔

وأخرج ابن مردویه عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن بعض أصحاب النبیﷺ ﴿فأمّاإنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَان﴾ قال: هذافی الدنیا، ﴿وأَمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ وَتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ﴾ قال: هذافی الدنیا۔

وأخرج أحمد وابن المنذروابن مردویه عن عبد الرحمن بن أبی لیلیٰ قال: حدثنی فلان بن فلان سمع رسول اللهﷺ یقول: ”من أحبّ لقاء الله أحبّ الله لقاء ه، ومن كره لقاء الله كره الله لقاء ه فأكبّ القوم یبكون،فقال: ما یبكیكم؟ قال: فقالوا: إنّا نكره الموت، قال: لیس ذالک ولكنه إذا حضر﴿فأمّاإنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرَوْحٌ وَّرَيْحَان وَجَنَّةُ نَعِيْمٍ﴾ فإذا بُشّر بذلک أحبّ لقاء الله والله للقاء ه أحبّ، ﴿وأَمّا إنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ فإذا بُشّر بذلک كره لقاء الله والله للقاء ه أكره۔

اوربھی اس قسم کی روایات اورآثارذکرفرمائے ہیں۔اور جتنااوپرلکھا گیاسب حضرت سیدصاحب نوراللہ مرقدہٗ کی تفسیرکےصریح مطابق ہے۔

بعدمیں تفسیرابن کثیر(ص ۳۰۱/ ۴) میں بھی اس طرح کی تفسیریں ملیں۔ فقط والسلام

محتاج دعوات بندہ محمد یونس عفی عنہ

لیلۃ الاحد ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

حضور ﷺ کا قیامِ قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

سوال: محترمی سلام مسنون!

یہ خط خاص مقصد سے تحریر کرار ہاہوں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی اردو تقریر بخاری کی پہلی جلد میں ابتدائی صفحات کے اندر تحریر ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت ﷺ کے قیامِ قباء کی دو روایتیں ہیں۔ ایک سے چودہ دن قیام معلوم ہوتا ہے اور ایک سے چوبیس دن، جوکھلا ہوا تعارض ہے۔

اس تعارض کا حل اس کتاب کے آخر میں یا کسی اور جلد میں تحریر فرمایا ہوگا اس سے بحث نہیں ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ چوبیس دن والی روایت بخاری کے کس پارے میں کس باب میں اور کس صفحہ پر ہے؟

میں پرسوں مولانا ابوالحسن زید فاروقی کے پاس بغرض ملاقات گیا تھا، اس وقت تقریر بخاری ان کے مطالعہ میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ چوبیس دن والی روایت میں نے تمام مروّجہ عربی شروح میں دیکھی کہیں نہیں ملی، غالباً انہوں نے ہجرت کے باب میں دیکھا ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ حدیث ہوسکتا ہے کسی اور مضمون کے باب میں ذکر کی گئی ہو جیسا کہ حضرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ ایک مضمون کی حدیث دوسرے مضمون کے باب میں لے آتے ہیں۔ آپ سے امید ہے کہ اس کا جواب جلد دیں گے۔ والسلام

نسیم احمد فریدی غفرلہ ازامروہہ

۱۱رفروری ۱۹۸۱ء

جواب :

مخدوم ومکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی جناب والا کا گرامی نامہ موجبِ عزت افزائی ہوا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ پارہ نمبر ۲ ابواب المساجد میں **باب هل يُنبش قبور مشركی الجاهلية ويتّخذ مكانها مساجد** (ص۶۱) پر درج ہے۔

اور مولانا ابوالحسن زید صاحب کو مصری نسخوں اور مرّوجہ شروح میں نہ ملنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نسخ میں اختلاف ہے، بعض نسخ میں **أربعاً وعشرين** ہے اور بعض میں **أربع عشرة** ہے، یہ اختلاف سارے شراح علامہ عینی،

حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے۔

حافظ فرماتے ہیں (ص ۱۷/۳): **قوله فيه "فأقام فيهم أربعاً وعشرين" كذا للمستملى والحموى وللباقين "أربع عشرة" وهو الصواب من هذاالوجه، وكذا رواه أبوداود عن مسدد شيخ البخارى فيه انتهى۔**

حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اربعاوعشرین والی روایت اقرب الی الصواب ہے جیسا کہ حاشیہ لامع (ص ۸/۲) پر اجمالاً اور تقریر بخاری جلد ثانی (ص ۱۵۵/۲) پر تفصیلاً درج فرمایا ہے۔

چونکہ جناب والا کے پاس دونوں کتابیں ہوں گی اس لئے عبارت درج نہیں کی، اور انشاء اللہ آج ہی مولانا ابوالحسن زید صاحب کو بھی خط لکھ دوں گا۔

لیکن روایت کے عام طرق میں اربع عشرۃ ہی ہے۔ **كذا فى مسند أحمد وطبقات ابن سعد وأبواب الهجرة من البخارى ومسلم والنسائى، واتّفق عليه تلامذة عبد الوارث الراوى عن أبى التيّاح عن أنسؓ۔ والله أعلم۔**

دعاؤں کا ملتجی

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق

سوال:

عون المعبود باب اجتهاد الرأى فى القضاء (ص ۳۳۰/۳) پر غالباً حضرت معاذ بن جبلؓ کی مشہور حدیث کی ایک سند خطیب کی الفقيه والمتفقه سے نقل کی ہے، **عبادة بن نسىّ عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ۔**

یہاں عون المعبود نہیں ہے، اس سند کے پورے الفاظ کی ضرورت ہے جو عون المعبود میں ہیں۔

امید ہے کہ تکلیف کر کے تحریر فرمائیں گے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب :

مخدومنا المحترم مدفیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عون المعبود (ص۳۳۰/۳) میں خطیب کی صرف اسی قدر عبارت ہے جو آپ نے نقل کی ہے۔

ولفظه قال أبو بكر الخطيب: وقد قيل أن عبادة بن نسيّ رواه عن عبد الرحمٰن بن غنم عن معاذؓ، وهذا إسناد متّصل، ورجاله معروفون بالثقة على أن أهل العلم قدنقلوه واحتجّوا به، فوقفنا بذلك على صحّته عندهم، الخ اور حافظ خطیب نے بھی **كتاب الفقيه والمتفقه** (ص ۱۸۹) میں اس کی پوری سند ذکر نہیں فرمائی ہے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ

۲۰/رجب ۱۴۰۱ھ

سرور کائنات ﷺ کا سایہ

سوال :

کیا سرور کائنات ﷺ کا سایہ پڑتا تھا؟ والسلام

سید شاکر علی نقوی بدایوں

۲۵/مئی ۱۹۸۱ء

جواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد انور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں، اگر چہ انہیں قاضی عیاض وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مسند احمد (ص۱۳۱/۶) پر بروایت حضرت عائشہؓ حضرت زینبؓ کا قول منقول ہے: **فبينما أنا يوماً بنصف النهار إذ ا أنا بظلّ رسول الله ﷺ مقبل۔**

ابن القیم نے **حادی الأرواح** میں ایک روایت نقل کی ہے اس میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد **حتی رأيت ظلّي وظلّكم** وارد ہے اور اس کے رجال مستند ہیں، درجہ حسن کی حدیث ہے۔

(اس کا تفصیلی جواب جلد اول میں گذر چکا) فقط محمد یونس عفی عنہ ۳/رجب ۱۴۰۱ھ

ایک عبارت کا ترجمہ

سوال :

درج ذیل عبارت کا ترجمہ کر دیجئے، نوازش ہوگی۔

’الحمد لله الذی أنشأنا بتصریفه، وآثرنا بتشریفه، وشرّفنا بتکلیفه، وکلّفنا بالنظر فی عجائب تألیفه، والصلوة علی محمّدخیر بریّته، وعلیٰ آله وأصحابه وعترته، أمابعد !

چنیں گوید مؤلفِ ایں کتاب محمد بن عمر المدعو بفخر الرازی کہ چوں ایزد تعالیٰ مرا از مواھبِ علمی ومطالبِ علمی حصہ بداد ودر مباحثِ عقلی ومناہجِ نقلی بر خاطر کشاد پیوستہ بمقتضائے تکلیف الٰہی در تبلیغ آں جدمی نمودم وعقدِ مشکلات رابدست فکرت می کشودم‘ سائل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب :

(ترجمہ) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مختلف حالات [1] میں ادل بدل کر بنایا، اور ہم کو اپنی تشریف (وتکریم) کے ساتھ خاص فرمایا، اور اپنے احکامِ تکلیفیہ (جن کا بندہ مکلّف ہے) کے ذریعہ شرافت بخشی، اور اپنی عجیب تالیف [2] (یعنی قرآن پاک یا مخلوقات) میں نظر (غور وفکر) کرنے کا مکلّف بنایا، اور درود نازل ہو حضرت محمد ﷺ پر جو اللہ کی مخلوقات میں سب سے افضل ہیں، اور ان کے آل واصحاب واولاد پر۔

حمد صلوۃ کے بعد اس کتاب کا مؤلف محمد بن عمر جسے فخر رازی کہتے ہیں عرض کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے علمی عطایا ومطالب کا حصہ عطا فرمایا، اور عقلی مباحث اور نقلی طریقوں کے دروازے دل پر کھولے، تو اللہ تعالیٰ کے مکلّف بنانے کے تقاضے کے مطابق میں ہمیشہ اس کی تبلیغ میں کوشاں رہا اور مسائلِ مشکلہ کی گتھیوں کو فکر کے ہاتھ سے کھولتا رہا۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ ۲۵/شعبان ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حاشیہ (۱) ’’تصریف‘‘ اکثر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں مراد وہ اطوارِ مختلفہ ہیں جو انسان پر نطفہ، علقہ، مضغہ کی شکلوں میں طاری ہوتے ہیں۔ پھر جا کر انسان کی صورت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ’’تالیف‘‘ سے مراد اگر قرآن پاک ہے تو ان آیات کی طرف اشارہ ہوگا جن میں قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب وحکم وارد ہوا ہے۔ اور اگر مخلوقات مراد ہو تو سورۂ غاشیہ وغیرہ کی آیات کی طرف اشارہ ہوگا۔

ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی

سوال:

ایک کتابچہ (احقر نے) ڈاڑھی کے سلسلہ میں لکھا ہے، لیکن اسمیں کئی باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱) ہمارے اکابرین ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی ایک مشت قرار دیتے ہیں، لیکن دلیل میں کوئی روایت قولی ایسی نہیں ہے جو مقدارِ قبضہ پر دلالت کرے۔

امام ترمذی نے جامع ترمذی (ص ۲/۱۰۰) پر "**إن النبی ﷺ کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا**" ذکر کی ہے۔ اسمیں اولاً قبضہ کی صراحت نہیں ہے، ثانیاً یہ روایت غریب ہے۔

اور بخاری شریف (ص ۲/۸۷۵) پر ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ذکر ہے۔

ایک روایت حضرت تھانوی قدس سرہ نے الطرائف والظرائف (ص ۱۰) پر لکھی ہے۔

عن عمر و بن شعیبؓ: "**أنہ ﷺ کان یأخذ من لحیتہ طولاً وعرضاً**"۔

وصاحبِ مفاتیح وغرائب لفظ "**إذا زاد علی القبضة**" نقل کردہ اند۔

اسمیں بھی اولاً صاحبِ مفاتیح وغرائب کون ہیں؟ یعنی ان کے مؤلف کون ہیں؟ اور انھوں نے حدیث کی کونسی کتاب سے نقل کیا ہے؟ نیز یہ بھی عملِ رسول ہے قولِ رسول نہیں۔

اصل میں جماعت اسلامی سے برابر اس سلسلے میں بات ہوتی ہے۔ عملِ صحابہ، فعلِ نبوی یا مطلق اعفاء لحیہ تو عام کتب میں موجود ہے اور اسکو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن قول رسول، وامر رسول علی قدر القبضہ کے منکر ہیں،

امید ہے کہ اس اشکال کو رفع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ فقط والسلام

دعا گو محمد داؤد مظاہری

امام مسجد محلّہ محمد گنج فیروز آباد آگرہ یوپی

جواب:

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ داڑھی کے متعلق اعفاء لحیۃ کی روایاتِ مطلقہ کی بناء پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ ڈاڑھی سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہئے، لیکن حضراتِ احناف نے مقدار قبضہ سے زائد کے اخذ کو جائز قرار دیا ہے اور ابن عمرؓ کا فعل اسکی دلیل ہے۔ اور حدیث موقوف کے حجت ہونے میں اختلاف ہے جو آپ پر مخفی نہیں ہے۔ موقوف کے حجت مان لینے کے بعد

مسئلہ آسان ہو جاتا ہے، ہاں اخذ مازاد علی القبضہ کے بارے میں حدیثِ مرفوع فعلی منقول ہے مگر وہ قابلِ استدلال نہیں، اور حدیثِ قولی منقول نہیں ہے۔ لیکن ہر چیز کے اثبات کے لئے حدیثِ قولی ضروری نہیں ہے۔

۲۔ صاحب مفاتیح وغرائب کا حال سرِ دست نہیں ملا۔ والسلام مع الاکرام

محمد یونس عفی عنہ

(ایک جگہ ڈاڑھی کے موضوع پر حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا)

اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو مسئلہ لحیہ میں اس کو ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ ڈاڑھی کا رکھنا شعائر اسلام میں ہے، نبی کریم ﷺ نے عملی وقولی دونوں طرح سے اہتمام فرمایا اور ہمیشہ اس پر مداومت کی، کبھی آپ ﷺ سے اسکے خلاف ثابت نہیں ہے اور پھر قولی بیانات میں مختلف وجوہ سے اس مسئلہ کو مؤکد فرمایا، کبھی تو اسے امور فطرت میں قرار دیتے ہیں اور "خمس من الفطرة یا عشر من الفطرة" کے ذیل میں بیان فرماتے ہیں اور کبھی فرماتے ہیں: "أعفوا اللحیٰ اور گاہے أرخوا اللحیٰ" ارشاد ہوتا ہے اور گاہے "أوفوا اللحیٰ" کے ساتھ فرمان ہوتا ہے اور کبھی "وفّروا اللحیٰ" فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ڈاڑھیوں سے تعارض نہ کیا جائے اور قطع وقص و حلق نہ کیا جائے، اور اتنے ہی پر بس نہ کیا بلکہ دوسری جگہ "خالفوا المشرکین" اور "خالفوا المجوس" بھی ساتھ ساتھ فرمادیا کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ ڈاڑھی کا کاٹنا طرز مشرکین ومجوس سے ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا شعار مسلمین ہے اسی لئے اسے "من الفطرة" بھی فرمایا ہے کیوں کہ دین اسلام دین فطرت ہے، لھذا اسکے اعمال واحکام بھی مطابق فطرت ہی ہونگے، ان سب امور کے بعد کس کو تردد ہو سکتا ہے؟

قال ابو شامة: قد حدث قوم یحلقون لحاهم وهو أشدّ ممّا نقل عن المجوس أنّهم کانوا یقصّونها اھ۔ وقد أمر السید المصطفی ﷺ بمخالفة المجوس والمشرکین، وقد صرّح أصحاب المذاهب الأربعة علیٰ تحریم الحلق۔

قال ابن الهمام فی فتح القدیر: أمّا الأخذ منها وهی دون ذالک أی القدر المسنون وهو القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومخنّثة الرجال فلم یبحه أحد، اھ۔ وتبعه الزین ابن نجیم صاحب البحر وصاحب الدر المختار وابن عابدین فی ردالمحتار، وقال فی الدر المختار فی الحظر والإباحة عن البزّازیة: یحرم علیٰ الرجل قطع لحیته، اھ۔ وصرّح ابن الهمام وغیره أنّ

حلق اللحية من فعل مجوس الأعاجم والهنود وبعض الأفرنج۔

وهكذا صرّح أصحاب المذاهب الثلاثة علىٰ التحريم كما ساق عباراتهم صاحب المنهل۔

مختصر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ڈاڑھی رکھی، تراش و برید نہیں فرمایا اور یہ عادی طور پر نہیں تھا بلکہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ نے امت کو إعفاء اللحية کا امر فرمایا اور امر مقتضیٔ وجوب ہے الّا عند صارف ولَا صارف۔

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مخالفتِ مشرکین کرو اور انکی مخالفت واجب ہے، کیوں کہ انکی موافقت مخالفتِ مسلمین ہوگی وهو لَا يجوز۔

نیز یہ تشبہ بالکفار ہے وقد قال السيد المصطفى ﷺ: ’’من تشبّه بقوم فهو منهم‘‘، رواه أحمد وأبو داود۔

سلف کا عمل بھی اسی پر رہا ہے کسی سے بھی اسکے خلاف ثابت نہیں ہے، نیز علماء مذاہب بھی اسی پر متفق ہیں بلکہ ابن الہمام کی عبارت ’’لم يبحه أحد‘‘ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، شیخ احمد نفراوی کی عبارت میں بھی یہی ہے، فرماتے ہیں: لَاشک في حرمته عند جميع الأئمة لمخالفة سنّة المصطفىٰ ﷺ ولموافقة فعل الأعاجم والمجوس۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند

سوال:

ایک اہم گذارش یہ ہے کہ طحاوی کی سند مجھے محفوظ نہیں، اگر حضرت شاہ ولی اللہ تک سلسلۂ سند جوابِ خط میں تحریر فرمادیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ فقط والسلام بندہ محمد ایوب سورتی

فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت

جواب:

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی کی سند علی وجہ التعیین معلوم نہیں ہوسکی ، اجازتِ عامّہ کے طریق پر ہماری سندِ طحاوی شاہ ولی اللہ

اور پھر آگے تک چلتی ہے۔

فأنا أرويه بقراءة بعضه وبسماع بعضه وإجازة الباقي عن العلامة العارف المحقق مولانا محمد أسعد الله -رحمه الله تعالىٰ- ناظم الجامعة المسمّاة بمظاهر علوم الواقعة بسهارنفور بالهند عن مولانامحمد يحيىٰ الكاندهلوي عن مولانا رشيد أحمد الجنجوهي عن الشاه عبد الغني عن الشاه أبي سعيد والشاه محمد إسحاق،

وأرويه عن الشيخ أسعد الله عن مولانا خليل أحمد عن مولانامحمد مظهرعن الشيخ مملوك العلي النانوتوي عن مولانا رشيدالدين خان البخاري كلّهم أعني أباسعيد والشاه محمد إسحاق والشيخ رشيد الدين عن الشاه عبد العزيزالدهلوي عن أبيه الشاه ولي الله عن أبي طاهر الكردي عن أبيه إبراهيم الكردي، وإسناده مذكورفي الأمم.

یہ سند میں نے اجازتِ عامہ کے طور پر ذکر کردی ہے، ورنہ خصوصی طور سے ہماری سند طحاوی تک تو کیا شاہ ولی اللہ تک بھی جہاں تک خیال ہے اس طرز مذکور سے نہیں ملتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے **الارشاد إلی مهمّات الاسناد** میں اورشاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالۂ نافعہ میں سندِ طحاوی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایمان تو یمنیوں کا ہے

سوال :

مجموعہ چہل حدیث (مطبوعہ کتب خانہ مجبوبی ص ۱۸) اربعین ملاعلی قاریؒ پر ایک حدیث ہے۔ "الایمان یمان"، جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اصل ایمان یمن کا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔

مجمع البحار میں ایک قول انصار لکھا ہے، صاحب قاموس نے یمان کو یمانی کی ایک لغت قرار دی ہے جس سے ترجمہ کی صحت تو واضح ہے لیکن مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ وجہ خصوصیت کیا ہے؟ اگر انصار مراد ہوں تو کیا توجیہ ہوگی؟

غرض یا تو آنجناب اس کی توضیح فرمادیں۔ اگر ٹائم نہ ملے تو کسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں، بندہ ممنون کرم ہوگا۔

والسلام مع الاکرام محمد سمیع اللہ گونڈوی مدرس مدرسہ رحمانیہ جامع مسجد رڑکی

جواب :

مکرم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث پاک کا ترجمہ صحیح ہے، اور مطلب بھی ظاہر،

اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی وصف میں امتیازی شان پیدا کرلیتی ہے تو کہنے لگتے ہیں اصل میں یہ کام تو فلاں کا ہے، جیسے کامدار برتن کے متعلق کہہ دیا جائے کہ اصل کامدار برتن تو مرادآباد کا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں سے اس کام کی نفی مقصود ہے۔

اس وقت چونکہ اصل اہل یمن اپنی دلی خواہش سے از خود آکر مسلمان ہوئے تھے اور نہایت پختگی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لئے آپ نے فرمادیا کہ **الایمان یمان** اس سے دوسروں کے کمالِ ایمان کی نفی مقصود نہیں ہے۔

اور اگر انصار مراد ہوں کیونکہ ان کے مورثِ اعلیٰ اصلاً یمن کے باشندہ تھے تو بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ حضرات انصار اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کی نصرت کی۔

مزید اس حدیث کی تشریح کے لئے شرح نووی (ص ۵۳) ملاحظہ کرلیں۔ فقط والسلام

محمد یونس عفی عنہ

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا

سوال :

ایک اہل حدیث ہے جس نے رات دن اپنا جال پھیلا رکھا ہے، بحث کرتے ہوئے اس نے بتلایا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے۔ اگر ہے تو بالکل صاف حدیث پیش کیجئے جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے۔ خاص کر اس معترض کا خیال ہے کہ ترمذی شریف میں کوئی حدیث نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہو، اگر ہے تو بتائیے؟

توحید عالم پورنوی بہاری

۱۰/ ۴/ ۹۹ھ

جواب :

عزیز مکرم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا یہ خط پرانا ہے، جس زمانہ کا خط ہے اس وقت غالبًا میں بہت بیمار تھا اور پھر مشغول ہوگیا۔ خطوط میں اس خیال سے رکھ دیا کہ موقع ملنے پر جواب لکھوں گا، پھر یاد نہ رہا اتفاق سے نظر پڑ گیا۔

اہل حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت نہیں ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ غلط ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں بخاری شریف میں (ص ۹۲۶) ''**علّمنی النبی ﷺ وکفّی بین کفّیه التشهّد**'' وارد ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے دونوں ہاتھ ہیں تو ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے، مگر اصلاً حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل کو بتلانا ہے اس لئے کہ ''**کفّی بین کفّیه**'' ذکر کیا،

اور اگر بالفرض مان لیں تو فعلِ نبوی حجۃ الیدین ہے، اور فعل ابن مسعودؓ حجۃ الید ہے، اور جب فعلِ نبی اور فعلِ صحابی میں تعارض ہو تو فعلِ نبی مقدم ہوگا۔

اور اہل حدیث کی طرف سے اس حدیث کا یہ جواب کہ یہ حدیث **أخذ الید علی وجه التعلیم** پر محمول ہے اگر چہ محتمل ہے مگر دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔ اس لئے اہل حدیث کی بات کوئی قطعی نہیں ہے۔

حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو مصافحہ کے ذیل میں ذکر کیا، اولاً **باب المصافحة** منعقد فرما کر مصافحہ کو ثابت کیا ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا بھی دیگر احادیث کے ساتھ پیش فرمائی ہے، اور پھر **باب الأخذ بالیدین** کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے۔

اور بعض شراح کا یہ کہنا کہ اس سے صرف اخذ بالید کو ذکر کرنا مقصود ہے **کما یفهم مما ذکره الحافظ فی الباب تحت حدیث عبد الله بن هشام قال: ''کنا مع النبی ﷺ وهو آخذ بید عمر بن الخطابؓ''، قال الحافظ: وجه إدخال هذا الحدیث فی باب المصافحة أن الأخذ بالید یستلزم التقاء صفحة الید بصفحة الید غالباً، ومن ثَمّ أفردها بترجمة تلی هذا- یعنی الترجمة الثانیة- لجواز وقوع الأخذ بالید من غیر حصول المصافحة. انتهی۔**

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس سے اخذ بالید فقط مراد نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ بخاری نے ترجمۂ ثانیہ

باب الأخذ بالیدین لکھ کر آگے لکھا ہے ”وصافح حمّاد بن زید ابن المبارک بیدیه“ ، اور پھر عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری مصافحہ کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں صرف اخذ بالید کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے۔

(قال الترمذی الحکیم فی نوادر الأصول (ص ۲۴۵): أما المصافحة هو الأخذ بالید)

اور اہل حدیث کا ایک ہاتھ کا دعوی بھی تو کسی حدیث صریح سے ثابت ہونے کی ضرورت ہے۔

اولاً تو ان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ بید واحدة کی تصریح لائیں، ثانیاً یہ ثابت کریں کہ بیدین ممنوع ہے، اور بغیر ان دونوں امروں کے ان کا یہ مدعا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ بحث یہ ہے کہ بیدٍ ہے یا بالیدین، حنفیہ فرماتے ہیں کہ بیدین افضل ہے اور اہل حدیث کا اصرار ہے کہ بید واحدة ہی ہے۔ اور یہ دونوں امورِ بالا کے بغیر کیسے ثابت ہوگا؟ ویسے نفس مصافحہ بید واحدة اور بالیدین دونوں طرح مباح ہے لِاطلاق الأحادیث ۔ واللہ اعلم

محمد یونس عفی عنہ

۲۵ / شعبان ۱۴۰۱ھ

حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا
جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ

سوال : (۱) میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نماز فجر کے بعد خطبہ دینا شروع فرمایا تو ظہر کا وقت آ گیا، ظہر کے بعد سلسلہ پھر جاری رہا تو عصر و مغرب تک چلتا رہا، تو میں عجیب وغریب وطویل خطبہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔

(۲) معارف القرآن (ص ۵/۳۰) پر یہ حدیث درج ہے ”جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے اس کا جہاد مقبول نہیں“ مجھے اس کا حوالہ کتبِ حدیث سے مطلوب ہے۔ دعا گو و دعا جو

سید انور بن غوری بھونگیر اے پی

جواب :

(۱) حدیث اول امام مسلم نے ذکر کی ہے لیکن اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ بہت مختصر ہے۔ الفاظ حسب ذیل ہیں۔ أبو زیدؓ قال: "صلّی بنا رسول الله ﷺ الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر، ثم نزل فصلّیٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر، ثم نزل فصلّیٰ ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس، فأخبرنا بما کان وبما هو کائن فأعلمُنا أحفظُنا"۔ انتهی ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے ایک مفصل حدیث ترمذی وغیرہ میں منقول ہے، اس میں صرف عصر کے بعد کے خطبہ کا ذکر ہے، اگر دونوں صحابیوں کی روایت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہے تو مابعد العصر کے خطبہ کی کچھ تفصیل مل جاتی ہے، وہ حدیث مشکوۃ شریف (ص ۴۳۷) پر باب الأمر بالمعروف کی فصل ثانی میں مندرج ہے۔

(۲) حدیث نمبر ۲ ابوداؤد کی ہے۔

عن سهل بن معاذ الجهنی عن أبیه قال: "غزوت مع النبی ﷺ غزوة کذا وکذا، فضیّق الناس المنازل وقطعوا الطریق، فبعث النبی ﷺ منادیاً ینادی فی الناس أن من ضیّق منزلاً أوقطع طریقاً فلا جهاد له"۔ رواه أبوداود (ص ۳/۳۴۹) قوله "قطع الطریق" قال علی القاری فی المرقاة (ص ۴/۲۱۹): أی بتضییقها علی المارّة ۔

فقط والسلام

محمد یونس عفی عنہ

ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ

سوال:

خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے ملفوظات کو ان کے فرزندِ اکبر حضرت سید محمد اکبر حسینیؒ نے جوامع الکلم کے نام سے فارسی زبان میں مرتب فرمایا تھا، اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب سید رحیم الدین حسینی نے کیا ہے اور اس کا پیش لفظ سید شاہ محمد الحسینی موجودہ سجادہ نشین روضہ بزرگ نے تحریر فرمایا ہے، اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، پہلا حصہ ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۷۴ء میں بندہ نواز ریسرچ انسٹی ٹیوٹ گلبرگہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔

چونکہ مذکورہ دونوں حصوں کی اکثر عبارتیں مسلمانوں میں خلفشار کا باعث بنی ہوئی ہیں، اور طرح طرح کے شکوک وشبہات سے فضا مسموم ہو رہی ہے، اس لئے ہم نے طے کیا کہ چند وہ اقتباسات جو سرور کائنات ﷺ کی ذات

اقدس سے متعلق ہیں اخذ کر لئے جائیں، اور آپ کی خدمت گرامی میں بھیج کر استصواب کرلیں تا کہ ہمیں قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں صحیح رہنمائی مل سکے۔

(۱) جوامع الکلم (ص ۱/۳۶۷) کا اقتباس یہ ہے کہ

'رسول اللہ ﷺ کے نو حرم تھے، ہر شب ہر ایک کے ساتھ نو مرتبہ مقاربت فرماتے تھے یعنی اکیاسی بار ہوجاتا تھا'

مذکورہ اقتباس میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی شبانہ زندگی کے دوامی عمل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کیا وہ قرآن حکیم اور سنت رسول کے عین مطابق ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ایسے توہین آمیز کلمات کے قائل اور اس کے ناشر کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

(۲) جوامع الکلم (ص ۱۲۷ و ۲/۱۲۸) میں فرماتے ہیں

'کوئی نبی اور ولی موت کے بعد کل قیامت کے دن سوال و جواب سے خالی نہ رہے گا، یہاں تک کہ سردار انبیاء محمد اصفیاء ﷺ کی روح مبارک کو جب بجناب حضرتِ حق لے جایا گیا تو ارشاد ہوا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا؟ تو آپ ﷺ نے کہا کہ وہ میں نے نہیں کیا اور وہ میری طرف سے نہ تھا، پھر ارشاد ہوا کہ آپ کی بعثت اور لوگوں کی دعوت کیا تھی؟ تو رسول اللہ ﷺ متحیر ہوگئے، تو فرمان ہوا کہ جایئے میں نے آپ کو بخش دیا "اذھب فقد غفرت لک"، لفظ "اذھب" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حساب و کتاب کی بناء پر کوئی بھی مرحوم و مغفور قرار نہیں پاتا، جب تک کہ میری رحمت نہ ہو میری مغفرت آپ ﷺ کو نصیب نہ ہوتی'

مذکورہ اقتباس کے مفہوم کی صحت کے لئے کتاب وسنت میں کوئی ماخذ موجود ہے؟ وہ ذات اقدس واطہر جس کے معصوم و مغفور ہونے کے متعلق قرآن کریم کی شہادت ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ موجود ہے، کیا ایسی ہستی بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جانب سے پروانہ مغفرت ملنے کے بعد ہی مرحوم و مغفور قرار پائے گی؟

قرآن کریم حضرت زیدؓ کی بیوی کے تعلق سے ناطق ہے کہ ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا الخ﴾ اس کے خلاف یہ کہنا کہ زید کی عورت کے ساتھ محبت کا کیا معاملہ تھا؟ کیا یہ توہینِ رسول اور تکذیبِ آیات قرآنی نہیں ہے؟

اس واقعہ کی اس طرح مدلل وضاحت فرمایئے جس سے شبہات کی دیوار جو کھڑی کی گئی ہے وہ منہدم ہوجائے۔

(۳) جوامع الکلم (ص ۱/۱۳) میں تحریر ہے کہ

'واقعۂ حدیبیہ کے وقت حضرت علیؓ کاتب تھے، رسول اللہ ﷺ نے عہد نامہ لکھوایا کہ '' یہ محمد رسول اللہ کی جانب سے'' تو کفار مکہ نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو مخالفت نہ کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ اس طرح لکھو'' محمد بن عبد اللہ کی طرف سے'' ۔ چونکہ اس حکم میں ایک عذر اور حیلہ جوئی تھی (جو صداقت کے منافی تھی) اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے،

کیا فی الواقع حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے جو حکم دیا تھا اس میں عذر اور حیلہ جوئی مد نظر تھی؟ اور وہ حکم صداقت کے بھی خلاف تھا؟ کیا حضرت علیؓ نے ان ہی وجوہ کی بناء پر حکم رسول کی تعمیل نہ کی تھی؟ اور یہ بات جو عرض کی گئی ہے صحیح اور درست ہے؟ تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عذر اور حیلہ جوئی نہ کرنا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا وصفِ خصوصی تھا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا؟ (نعوذ بالله من ذالک)

(۴) جوامع الکلم (ص ۱/۱۸۷) میں تحریر ہے کہ

'ایک روز حمزہ رضی اللہ عنہ نے شراب پی لی اور بی بی فاطمہؓ کی اونٹنی کے کلیجہ وکوہان کاٹ ڈالے، حضرت علیؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی شکایت کی تو آنحضرت ﷺ اٹھے اور حمزہؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ بے ہوش ہیں اور یاوہ گوئی کر رہے ہیں، ایسے وقت میں آپ ان کے سامنے نہیں گئے، حضرت علیؓ سے کہا: اے علی! یاد رکھو فاطمہ کی اونٹنی کا زخم کسی روز حمزہ کھائیں گے، جب جنگ احد میں جو کچھ حمزہؓ پر گذرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! تم نے دیکھا کہ فاطمہ کی اونٹنی کے زخم نے حمزہ پر کیا اثر ڈالا؟

کیا مذکورہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا حضرت فاطمہؓ کی اونٹنی کا مقام سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے بھی بلند ہے؟ کیا حضور اکرم ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ایسے بدعائیہ کلمات ارشاد فرمائے تھے؟ کیا جہاد میں شرکت فرما کر شہید ہو جانے کو حضرت حمزہؓ کی سابقہ زندگی کے ناشائستہ عمل کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بات تصور میں بھی آسکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا نتیجہ نکالا ہوگا؟

ہم نے صرف چند سوالوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ جوامع الکلم کے دونوں حصوں میں ایسا کثیر مواد موجود ہے جن سے صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی توہین ہوتی ہے۔ ہم نے طوالت کے اندیشہ سے ان مقامات کو نظر انداز کر دیا ہے، افسوس ہے کہ جوامع الکلم کے دونوں حصے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر درگاہ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ سے فروخت ہو رہے ہیں۔ دونوں حصوں کا ہر پڑھنے والا پریشان اور ششدر ہے کہ آخر حق وصواب کیا ہے؟

براہ کرم مسئولہ امور پر سیر حاصل جواب تحریر فرما کر ہم عام مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایئے۔ والسلام

مستفتی　قاضی محمد علی لکچرار عربی

معتمد مجلس تحقیقات شرعیہ گلبرگہ

جواب :

مکرم ومحترم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات نو تھیں صحیح ہے۔ اور بعض اوقات سب کے پاس تشریف لیجانا اور جماع ومقاربت بھی ثابت ہے۔ جس کے لئے حسب ذیل روایات وارد ہیں۔

(۱) سعیدعن قتادة أن أنس بن مالک رضی حدّثهم: ”أن نبی الله ﷺ كان يطوف على نسائه فی الليلة الواحدة، وله يومئذ تسع نسوة“. رواه البخاری (ص ۴۲ ص ۷۵۸ ص ۷۸۵).

(۲) هشام عن قتادة قال: حدثنا أنس بن مالک رضی قال: ”كان النبی ﷺ يدور على نسائه فی الساعة الواحدة من الليل والنهار، وهنّ إحدىٰ عشرة، قال: قلت لأنس: أوَ كان يطيقه؟ قال: كنا نتحدّث أنه أعطى قوة ثلاثين“. رواه البخاری (ص ۴۱).

(۳) عن هشام بن زيد عن أنس رضی: ”أن رسول الله ﷺ كان يطوف على نسائه بغسل واحد“. رواه مسلم. (ص ۱۴۴/۱)، وأحمد (ص ۲۲۵/۳).

(۴) حميد الطويل عن أنس رضی: ”أن رسول الله ﷺ طاف ذات يوم على نسائه فی غسل واحد“. رواه أبوداود (ص ۱۳۴/۱ البذل)، ورواه النسائی (ص ۵۲/۱) بلفظ: ”طاف على نسائه فی ليلة بغسل واحد“. ورواه أحمد (ص ۹۹/۳) بلفظ: ”كان يطوف على جميع نسائه فی ليلة بغسل واحد“. وله (۱۸۹/۳): ”طاف على نسائه فی ليلة واحدة بغسل واحد“.

(۵) معمرعن قتادة عن أنس رضی: ”أن رسول الله ﷺ كان يطوف على نساءه فی غسل واحد“. رواه الترمذی (ص ۲۰/۱) والنسائی (ص ۵۲/۱) وابن ماجه (ص ۴۴) وأحمد (ص ۱۶۱/۱).

(۶) صالح بن أبی الأخضرعن الزهری عن أنس رضی قال: ”وضعت لرسول الله ﷺ غسلًا فاغتسل من جميع نسائه فی ليلة“. رواه ابن ماجه (ص ۴۴).

(۷)سلیمان بن حرب ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن أنسؓ: ''أن رسول الله ﷺ طاف على نسائه فی یوم واحد''۔ رواه الدارمی (ص۱۹۲/ ۱)، ورواه عن عفان عن حمّاد بلفظ: ''طاف على نسائه فی لیلة واحدة جُمَعٍ''۔

(۸)عبد الرحمن ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن أنسؓ: ''أن رسول الله ﷺ طاف على نسائه فی لیلة واحدة فی غسل واحد''۔ رواه أحمد(۱۸۵/ ۳)۔

(۹)سفیان حدثنی معمر عن ثابت عن أنسؓ: ''أن النبی ﷺ کان یطیف بنسائه فی لیلة یغتسل غسلًا واحداً''۔ رواه أحمد (ص ۱۱۱/ ۳)۔

(۱۰)عبد الرزاق أنا معمرعن قتادة عن أنسؓ قال: ''کان رسول الله ﷺ یطیف على نسائه فی غسل واحد''۔ رواه أحمد (ص ۱۶۱/ ۱) وشیخه عبدالرزاق (ص۲۷۵/ ۱) فی مصنفه۔

(۱۱)قال عبد الرزاق (ص۵۰۷/۷)أخبرنا ابن جریج قال: أخبرت عن أنس بن مالکؓ قال: ''کان النبی ﷺ أعطیت الکفیت، قیل: وماالکفیت؟ قال: قوّة ثلاثین رجلاً فی البضاع، وکان له تسع نسوة وکان یطوف علیهنّ جمیعاً فی لیلة''۔

(۱۲)أبوعوانة عن إبراهیم بن محمد بن المنتشرعن أبیه قال: ''سألت عائشةؓ وذکرت لها قول ابن عمرؓ:ما أحبّ أن أصبح محرماً أنضخ طیباً، فقالت عائشةؓ: أنا طیّبت رسول الله ﷺ ثم طاف فی نسائه ثم أصبح محرماً''۔ رواه البخاری (۴۱ ومسلم ص۳۷۸/ ۱)واللفظ للبخاری۔

(۱۳)شعبة عن إبراهیم بن محمد بن المنتشرعن أبیه قال: قالت عائشةؓ: ''کنت أطیّب رسول الله ﷺ فیطوف على نسائه ثم یصبح محرماً ینضخ طیباً''۔ رواه البخاری (ص ۴۱)، ومسلم (ص ۳۷۹)، والنسائی (ص ۷۳)

(۱۴)مسعر وسفیان عن إبراهیم بن محمد بن المنتشر عن أبیه قال: ''سمعت ابن عمرؓ یقول: ''لأن أصبح مطلیّاً بقطران أحب إلیّ من أن أصبح محرماً أنضخ طیباً، قال: فدخلت على عائشةؓ فأخبرتهابقوله، فقالت: طیّبت رسول الله ﷺ فطاف فی نسائه ثم أصبح محرماً''۔ رواه مسلم(ص ۳۷۹)۔

(۱۵)حماد بن سلمة عن عبد الرحمن بن رافع عن عمّته سلمیٰ عن أبی رافعؓ: ''أن النبی ﷺ

طاف ذات یوم علی نسائه یغتسل عند هذه وعند هذه، قال: فقلت له: یا رسو ل الله! ألَا تجعله غسلاً واحداً ؟ قال: هذا أزکیٰ وأطیب وأطهر‘‘. رواه أحمد (ص ۶/۸ و ص ۶/۹، و ص ۶/۳۹۱)، وأبوداود (ص ۱۴۴)، وابن ماجه (ص ۴۴) والسیاق لأبی داود، ولفظ ابن ماجه ’’أنّ النبی ﷺ طاف علی نسائه فی لیلة وکان یغتسل عند کل واحد منهنّ، فقیل له :یا رسول الله! ألَاتجعله غسلاً واحداً ؟ فقال: هوأزکیٰ وأطیب وأطهر‘‘. ونحوه لأحمد (ص ۶/۳۹۱)، وفی لفظ لأحمد: ’’طاف علی نسائه جُمَع فی یوم واحد واغتسل عند کل واحد منهن غسلاً‘‘.

یہ پندرہ روایتیں ہیں جو حقیقۃً تین ہیں۔ اول حضرت انسؓ سے دوسرے حضرت عائشہؓ سے تیسرے حضرت ابورافعؓ سے۔

سب کا مضمونِ مشترک یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے بیک وقت اپنی ازواج مطہرات سے یکے بعد دیگرے وطی کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں طواف علی النساء سے مراد جماع ہے، کما فهمه الإمام البخاری وغیره ، اگرچہ دوسرا احتمال تجدید العہد یعنی سب سے ملاقات کا بھی ہے، لیکن امام بخاری کے اتباع میں پہلا ہی احتمال اختیار کرتے ہوئے اس روایت سے مسئلہ مذکورہ پر استدلال کیا گیا ہے۔

پھر اس کے بعد ان روایتوں میں تین اختلافات ہیں۔

اول تو یہ کہ حضرت انسؓ کی روایت میں وحدتِ غسل مصرّح ہے، اور ابورافعؓ کی روایت میں تعددِ غسل، امام ابوداوٗد نے اصولِ محدثین پر ترجیح کا طرز اختیار کرکے یہ فرمایا کہ: حدیث أنسؓ أصحّ من هذا، انتہیٰ۔ یعنی انسؓ کی حدیث ابورافعؓ کی حدیث سے اصح ہے۔ لہٰذا ارجح ہوئی، لیکن امام نووی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ابورافعؓ کی حدیث ثابت ہو تو یہ دوسرا واقعہ ہوگا، اور انسؓ نے جو نقل کیا ہے وہ اور واقعہ ہے۔ ولفظه فی شرح المهذّب (ص ۲/۱۵۷) قال أبوداود: والحدیث الأول أصحّ، قلت: وإن صحّ هذا الثانی حمل علی أنه کان فی وقت وذاک فی وقت، انتهیٰ. وکذاقال فی شرح مسلم (ص ۱/۱۴۴)، قال الحافظ فی التلخیص (ص ۱/۱۴۱): قال النووی: هومحمول علی أنه فعل الأمرین فی وقتین مختلفین.

دوسرا اختلاف حضرت انسؓ کی روایتوں میں ہے، کہ جن ازواج مطہرات پر دور ہوتا تھا وہ نو تھیں یا گیارہ؟ سعید بن ابی عروبہ تو قتادہ سے ’’تسع نسوة‘‘ یعنی نو عورتیں نقل کرتے ہیں۔ ھشام الدستوائی ’’إحدی عشرة‘‘ گیارہ کا عدد نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری نے اولا ھشام الدستوائی کی روایت ذکر کی جس میں گیارہ کا عدد ہے، اس

کے بعد لکھا: وقال سعید عن قتادة: إنا نتحدّث أن أنساً حدّثهم ”تسع نسوة“، علامہ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ جب روایات میں کوئی وہم واقع ہو جاتا ہے تو امام بخاری روایت کے بعد جو درست ہوتا ہے اس پر تنبیہ فرما دیتے ہیں۔ اور یہ بخاری کی عادات میں سے ہے۔

بعض علماء نے دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے۔ محدث مشہور ابو حاتم بن حبان البستی نے اپنی صحیح میں اختلافِ روایات کو تعددِ واقعہ پر محمول فرمایا ہے، فرماتے ہیں (ص ۱/۱۳۷): فی خبر هشام الدستوائی عن قتادة ”وهنّ إحدى عشرة نسوة“، وفی خبر سعید عن قتادة ”وله يومئذ تسع نسوة“، أما خبر هشام فإن أنساً رضی حكى ذلك الفعل منه صلی اللہ علیہ وسلم فی أول قدومه المدينة حيث كانت تحته إحدى عشرة امرأة، وخبر سعيد عن قتادة إنما حكاه أنس رضی فی آخر قدومه المدينة حيث كانت تحته تسع نسوة، لأن هذاالفعل كان منه صلی اللہ علیہ وسلم مراراً كثيرةً لَامرّة واحدةً، انتهى۔

لیکن محدث ابن حبان کا کلام بالا خلافِ تحقیق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں صرف دو بیبیاں تھیں۔ حضرت سودہؓ جن سے مکہ ہی میں دخول ہو چکا تھا، اور حضرت عائشہؓ جن سے ہجرت کے بعد دخول ہوا، پھر حضرت حفصہؓ اور زینب بنت خزیمہؓ سے ۳ھ میں، اور ام سلمہؓ سے شوال ۴ھ میں، اور زینب بنت جحشؓ سے ۵ھ میں، حضرت جویریہؓ سے بقولے ۵ھ میں اور بقولِ دیگر ۶ھ میں، اور صفیہؓ، ام حبیبہؓ اور میمونہؓ سے ۷ھ میں، یہ ساری ازواج مطہرات وہ ہیں جن سے دخول ہوا یعنی وہ نکاح کے بعد رخصت ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور پاس رہیں۔

حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں، ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے بنو قریظہ کے قتل سے فراغت پر محرم ۶ھ میں نکاح فرمایا یا ملکِ یمین ہی میں باقی رہیں۔ واقدی، ابن سعد (ص ۸/۱۲۹) نے ثعلبہ بن ابی مالک، عمر بن الحکم، محمد بن کعب القرظی وغیرہم سے قولِ اول نقل کیا ہے اور اس کو راجح واثبت قرار دیا۔ مذکورہ حضرات کے آثار اور دیگر بعض آثار نقل کرنے کے بعد واقدی کہتے ہیں: هذا ماروى لنا فى عتقها وتزويجها، وهو أثبت الأقاويل عندنا، وهو الأمر عند أهل العلم، وقد سمعت من يروى أنها كانت عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم يعتقها وكان يطأها بملك اليمين حتى ماتت۔

پھر قولِ ثانی ایوب بن بشیر المعاوی اور عبداللہ بن ابی الجہم سے نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام (ص ۳/۲۶۴) وغیرہما نے یہی قولِ ثانی اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا میلان فتح الباری (ص ۱/۲۵۳) میں اسی طرف

ہے۔ابن اسحاق فرماتے ہیں: ”قد كان رسول الله ﷺ عَرض عليها أن يتزوّجها ويضرب عليها الحجاب، فقالت: يارسول الله! بل تتركني في ملكك فهوأخفّ لي وعليك فتركها“۔

پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد ان کی وفات ہوئی، اور اکثر کی رائے ہے کہ آپ سے پہلے ۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔واختاره الوقدي وابن سعد (۸/۱۳۱)۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ رخصتی کے کچھ ماہ بعد وفات پاگئیں، قال الواقدي وابن سعد (ص ۱۱۵): كان تزويجه إياها في شهر رمضان على رأس أحد وثلاثين شهراً من الهجرة فمكثت عنده ثمانية أشهروتوفيّت في آخرشهرربيع الآخرعلى رأس تسعة وثلاثين شهراً، اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں: لم تلبث عنده إلّاشهرين أوثلاثة وتوفيت في حياته۔

اب اس صورت میں جن ازواج سے دخول ہوا گیارہ ہیں۔حضرت خدیجہ، عائشہ، سودہ، حفصہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ، صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن، ان میں سے حضرت خدیجہؓ کی ہجرت سے پیشتر وفات ہوگئی، اور زینب بنت خزیمہؓ حیاتِ شریفہ میں ہی وفات پاگئیں۔اب کل نو باقی رہ گئیں، لہٰذا گیارہ کا اجتماع کبھی ہوا ہی نہیں، تو ابن حبان کا مذکور کلام جمع بین الاختلاف کے سلسلے میں صحیح نہیں ہوسکتا، لامحالہ گیارہ کی روایت کو وہم کہنا پڑے گا۔

یا پھر یہ کہا جائے کہ ہشام کی روایت میں گیارہ کا محمل یہ ہے کہ ریحانہؓ اور ماریہ القبطیہؓ کو مجازاً نساء یعنی ازواج میں شمار کرلیا۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے بعض تلامذہ جیسے قتادہ، ہشام بن زید تو ”کان يطوف“ کا لفظ نقل کرتے ہیں، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے متعدد مرتبہ دور علی الازواج پایا گیا ہے۔ اور حمید الطّویل کے اکثر الفاظ اور زہری ”طاف في ليلة“ یا ”يوم“ نقل کرتے ہیں۔ثابت البنانی سے بھی دونوں طرح کے الفاظ مروی ہیں۔ان دوسرے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاقاً کسی وقت پیش آیا تھا، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حج کے وقت کا واقعہ ہے، اور غالباً انہوں نے حضرت عائشہؓ کی روایتِ مذکورہ کو دلیل بنایا ہے۔مگر ابن حبان کی رائے ہے کہ یہ متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔ابن جریج کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال اس میں کوئی اشکال نہیں، ایک مرتبہ ہوا ہو یا متعدد مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی ساری ازواج

مطہرات سے ایک ہی رات میں مقاربت کی ہو کوئی بعید نہیں اور ایک گھنٹہ میں سب سے فراغت ہو جاتی تھی۔ کما یستفاد من لفظ ”فی الساعة الواحدة“۔

البتہ یہ کسی روایت میں وارد نہیں ہے کہ ایک ہی ساتھ ہر بیوی سے نو مرتبہ مقاربت ہوئی تھی، اور یہ بظاہر وہم ہے، بیان کرتے ہوئے یہ خیال ہوا ہو گا کہ ہر ایک پر نو مرتبہ دور مراد ہے ولایدلّ علیه لفظ ۔

اور اگر یہ ثابت ہو جاتا تو جیسے حضور اکرم ﷺ کے اور معجزات وخوارقِ عادات پر ہم ایمان لاتے ہیں اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ تمام کاروبار نبوت کی انجام دہی کے ساتھ اکیاسی مرتبہ شب وروز میں مقاربت ایک معجزہ ہی ہو سکتا ہے، ورنہ یہ چیز بشری طاقت سے باہر ہے، اور آپ کو اس پر قدرت تھی کہ آپ اکیاسی بلکہ اس سے زائد مرتبہ جماع فرمائیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں گزر چکا ہے، ”کنّا نتحدّث أنه أعطی قوّة ثلاثین“، طبقات ابن سعد میں طاؤس کی مرسل روایت میں ”أربعین“ یعنی چالیس کا عدد مذکور ہے، اور اس طرح مجاہد سے بھی مرسلاً یہ عدد ابو نعیم کی صفة الجنة میں اور ابن سعد وغیرہ نے نقل کیا ہے اور ابو نعیم کی روایت میں ”من رجال أهل الجنّة“ کا لفظ بھی وارد ہے تو اس لحاظ سے جنت کے چالس مردوں کی طاقت آپ ﷺ کو حاصل تھی، اور ہر جنتی کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہو گی۔ مسند احمد، سنن نسائی، مستدرک حاکم میں زید بن ارقمؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: ”إن الرجل من أهل الجنة لیُعطیٰ قوّة مأة فی الأکل والشرب والجماع والشهوة“۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حساب سے ہمارے نبی پاک ﷺ کو چار ہزار آدمیوں کی قوت تھی۔

یہیں سے مستشرقین کا یہ اعتراض جاتا رہتا ہے کہ محمد ﷺ نعوذ باللہ بڑے شہوت پرست تھے کہ بیک وقت نو بیویاں رکھتے تھے ۔اس لئے کہ جس کو چار ہزار کی طاقت حاصل ہو اس کے لئے نو کیا کفایت کر سکتی ہیں؟ اور پھر اگر شہوت پرستی مقصود ہوتی تو جب قریش اپنی لڑکیوں کو پیش کر رہے تھے کہ تم جس لڑکی سے چاہو نکاح کر لو لیکن تبلیغِ اسلام چھوڑ دو اس وقت تو آپ نے ایک بیوہ حضرت خدیجہؓ پر اکتفاء کر لیا، اور درازسنی میں آپ نعوذ باللہ شہوت پرستی کرتے، اگر یہ مقصود ہوتا تو کنواریاں جمع کرتے، حالانکہ حضرت عائشہؓ کے سوا سب بیوہ تھیں، اصل مقصود ان کی خبر گیری اور ان کے خاندانوں میں اسلام کی ترویج اور شریعت کے دوسرے رخ یعنی جس کا تعلق عورتوں سے ہے اس کے ناقلین کی تکثیر مقصود تھی، واللہ اعلم۔

(۲) اس سوال میں تین جزء ہیں۔

اول یہ ہے کہ ہر شخص سے بروز قیامت سوال ہوگا۔

دوسرا حضرت زید بن حارثہؓ کی بیوی کا قصہ۔

تیسرا سارے لوگوں کا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات پانا۔

امرِ اول سے متعلق متعدد نصوص وارد ہیں، جو سورۂ اعراف، المؤمن اور القارعۃ میں مذکور ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً﴾ نفس نکرہ تحت النفی واقع ہوا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کا حساب ہوگا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس کے عموم میں دوسرے مکلفین کی طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی آجاتے ہیں، مگر علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ حساب اپنے عموم پر نہیں ہیں، بعض ایسے بھی ہوں گے جن کا حساب نہیں ہوگا جن میں انبیاء بھی داخل ہیں۔

قال العلامة السيد محمود الآلوسی فی تفسيره روح المعانی (ص ۱۷/۵۵) تحت الآية المذكورة: ربما يُفهم من ذلک أن کلّ أحد توزَن أعماله، وقال أبو عبد الله القرطبی صاحب التذكرة (ص ۱/۳۱۱): الميزان حقّ ولَا يكون فی حقّ كل أحد بدليل الحديث الصحيح، فيقال: يامحمد! أدخل الجنة من أمّتک من لَاحساب عليه من الباب الأيمن، الحديث، وأحرٰيهم الأنبياء عليهم السلام، وقوله تعالیٰ ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِى وَالْأَقْدَامِ﴾ وقوله تعالیٰ ﴿فَلَانُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْناً﴾ وقوله سبحانه ﴿وَقَدِمْنَا إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا﴾ وإنما يبقى الوزن لمن شاء الله سبحانه من الفريقين۔

وذكر القاضی منذربن سعيد البلوطی أن أهل الصبر لَا توزن أعمالهم، وإنمايصبّ لهم الأجر صبّاً، وظواهر أكثر الآيات والأحاديث تقتضی وزن أعمال الكفّار، وأوّل لها ما اقتضیٰ ظاهره خلاف ذالک، وهو قليل بالنسبة إليها، وعندی لَا قاطع فی عموم الوزن وأميل إلى عدم العموم، انتهى۔

چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: باب قول الله تعالیٰ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ وأن أعمال بنی آدم وقولَهم يوزن، قال الحافظ بن حجرفی فتح الباری (ص ۱۷/۳۲۳) قوله "وأنّ أعمال بنی آدم وقولهم" كذالأكثر، وللقابسی وطائفة "وأقوالهم" بصيغة الجمع، وهو

المناسب للأعمال، وظاهره التعميم، لكن خُصّ منه طائفتان، فمن الكفار من لَا ذنب له إلّا الكفر ولم يعمل حسنة فإنه يقع فى النار من غير حساب ولَا ميزان، ومن المؤمنين من لَا سيئة له وله حسنات كثيرة زائدة على محض الايمان، فهذا يدخل الجنة بغير حساب ،كما فى قصة السبعين ألفاً ومن شاء الله أن يُلحقه بهم، وهم الذين يمرّون على الصراط كالبرق الخاطف، وكالريح، وكأجاويد الخيل۔

ومن عدا هذين من الكفار والمؤمنين يحاسبون وتُعرض أعمالهم على الموازين۔

ويدلّ على محاسبة الكفار ووزن أعمالهم قوله تعالىٰ فى سورة المؤمنين ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ﴾ إلى قوله ﴿أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِى تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ .

ونقل القرطبى عن بعض العلماء أنه قال: الكافر لَا ثواب له، وعمله مقابل بالعذاب فلا حسنة له توزن فى موازين القيامة، ومن لَا حسنة له فهو فى النار، واستدل بقوله تعالىٰ ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ وبحديث أبى هريرةؓ وهو فى الصحيح فى الكافر ’’لَايزن عندالله جناح بعوضة‘‘۔ وتعقّب بأنه مجاز عن حقارة قدره، ولَا يلزم منه عدم الوزن۔

وحكى القرطبى فى صفة وزن عمل الكافر وجهين۔

أحدهما أن كفره يوضع فى الكفّة ولَا يجد له حسنة يضعها فى الأخرى فتطيش التى لَاشىء فيها، قال: وهذا ظاهر الآية، لأنه وصف الميزان بالخفّة لَاالموزون۔

ثانيهما قد يقع منه العتق والبرّ والصلة وسائر أنواع الخير المالية مما لو فعلها المسلم لكانت له حسنات، فمن كانت له حسنات جُمعت ووُضعت غير أنّ الكفر إذا قابلها رجح بها۔

قال الحافظ: ويحتمل أن يجازى بها عما يقع منه من ظلم العباد مثلاً، فإن استوعب عُذّب بكفره مثلاً فقط، وإلّا زيد عذابه بكفره أو خُفّف عنه كما فى قصة أبى طالب ، انتهىٰ۔

وقال صاحب الجمل: ولَايكون الوزن فى حق كل أحد، لأن من لَاحساب عليه لَايوزن له كالأنبياء والملائكة ، والوزن يكون للمكلّفين من الجن والانس ، انتهىٰ .

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے حساب نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ان کے

اعمال کا وزن ہوگا۔ ان محققین نے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے۔

البتہ سوالِ قبر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرات انبیاءؑ سے قبر میں سوال ہوگا یا نہیں؟

حافظ ابن القیم اور حافظ ابن حجر نے یہ اختلاف ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں: **والأصحّ أن الأنبياء عليهم الصلوة والسلام لايُسئلون۔**

علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح المسايره میں (ص ۲۳۳) پر لکھتے ہیں: **لأن غير النبي يُسأل عن النبي فكيف يسأل هو عنه** ۔ اور علامہ کمال الدین ابن ابی شریف مسایرہ (ص ۲۳۴) میں (ان نصوص کے نقل کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور مرابط سے سوال نہیں کیا جائے گا) لکھتے ہیں **وإذا ثبت ذلك لبعض الأمّة فالأنبياء عليهم الصلاة والسلام تعلو مقامهم المقطوع بسببه بالسعادة العظمىٰ ومع عصمتهم أولىٰ بذلك، انتهى۔**

یہ بات تو ضمنی طور پر آ گئی تھی، اصل گفتگو یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے کل بروز قیامت حساب کتاب نہیں ہوگا۔ لیکن بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِي وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ سے سوال ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰؑ کے اٹھانے کے بعد ہو چکا ہے یا قیامت میں ہوگا؟ بہر حال اس سے مقصود حضرت عیسیٰؑ سے حساب لینا نہیں ہے، اس لئے کہ عیسیٰؑ کا معبود بنا لینا ان کی قوم کی گمراہی ہے، حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر راضی تھے، بلکہ اس کلام کا مقصود عیسائیوں پر اتمام حجت ہے کہ عیسیٰؑ کو خدا بنا لینا تمہارا من گھڑت افسانہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ تو اس سے تبری کر رہے ہیں۔

امر ثانی زید بن حارثہؓ حضور اکرم ﷺ کے مولیٰ اور متبنّیٰ یعنی منھ بولے بیٹے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحشؓ کا نکاح کر دیا، اس کے بعد جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دیدی تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا اور یہ نکاح آسمان پر ہوا۔

اب آگے مفسرین دو قول نقل کرتے ہیں۔

اول تو یہ کہ حضرت زید بن حارثہؓ اور زینبؓ میں حالات ناخوشگوار رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ زینبؓ تمہاری بیوی ہونے والی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو اس کے اظہار سے خوف محسوس ہوتا تھا کہ لوگ

کیا کہیں گے، عرب میں متبنّیٰ کا وہی درجہ تھا جو حقیقی بیٹے کا، اللہ تعالیٰ نے اس رسم کا ابطال فرمایا اور آپ ﷺ کا آسمان پر زینبؓ سے نکاح کر دیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ حسبِ معمول زید کے مکان تشریف لے گئے، وہاں زید موجود نہ تھے، زینبؓ پوری طرح ملبوس نہ تھیں، آپ ﷺ کی نگاہ ان پر پڑی اور زینبؓ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔ آپ ﷺ ''سبحان مقلّب القلوب'' کہتے ہوئے واپس ہوئے اور دل میں یہ خیال کرلیا کہ اگر زید نے طلاق دیدی تو میں نکاح کرلوں گا۔

قولِ اول امام زین العابدین علی بن الحسین اور محمد بن عبدالرحمٰن السدّی الکبیر سے منقول ہے،

فأخرج الحكيم الترمذی و ابن جریروابن أبی حاتم والبیهقی فی الدلَائل عن علیّ بن زید بن جدعان قال: قال لی علی بن الحسین: ''ما یقول الحسن فی قوله ﴿وَتُخۡفِی فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِیۡهِ﴾ فقلت له: فقال: لَا ، ولکن أعلم الله نبیه ﷺ أن زینبؓ ستکون من أزواجه قبل أن یتزوّجها، فلمّا أتاه زیدؓ یشکوإلیه، قال: اتّق الله وأمسک علیک زوجک، فقال: قدأخبرتک أنی مزوّجکها وتُخفی فی نفسک ما الله مُبدیه، قال: قلت: کان یقول: أنها کانت تعجبه وأنّه قال لزیدؓ : اتّق الله وأمسک علیک زوجک، قال: لَا''۔ إلی آخره۔ قال الحافظ (ص ۱۴۳/ ۱۰) وقدأطنب الترمذی الحکیم (ص ۱۸۹) فی تحسین هذه الروایة، وقال: إنها من جواهر العلم المکنون ، وضعّفه الحافظ ابن حجر لضعف علی بن زید بن جدعان۔

وأخرج ابن أبی حاتم عن السدّی فی قوله ﴿وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ﴾ الآیة ۔ قال: ''بلغنا أن هذه الآیة نزلت فی زینب بنت جحشؓ ، وکانت أمّها أمیمة بنت عبد المطلب عمّة رسول الله ﷺ، فأراد أن یزوّجهازید بن حارثةؓ مولَاه، فکرهت ذلک، ثمّ إنّهارضیت بما صنع رسول الله ﷺ فزوّجها إیّاه، ثم أعلم الله نبیّه ﷺ بعدُ أنها من أزواجه، فکان یستحیی أن یأمر زید بن حارثةؓ بطلاقها، وکان لَایزال بین زیدؓ وزینبؓ بعض مایکون بین الناس فیأمره رسول الله ﷺ أن یمسک علیه زوجه وأن یتقی الله، وکان یخشی الله أن یعیبواعلیه ویقولوا: تزوّج امرأة ابنه، وکان رسول الله ﷺ قدتبنّیٰ زیداً''۔ قال الحافظ ابن حجر (ص ۱۴۳/ ۱۰) : هذا أوضح سیاقاً وأصح إسناداً من أثر زین العابدین لضعف علی بن

زید بن جدعان۔

اوردوسرا قول متعدد علماء تفسیر سے نقل کیا گیا ہے مگر وہ غیر مستند ہے، اس کے غیر معتمد ہونے کی تصریح قاضی بکر بن العلاء المالکی ،قاضی ابن العربی ،قاضی عیاض ،حافظ ابن کثیروغیرہ نے کی ہے، حافظ ابن کثیرفرماتے ہیں (ص۴۹۱/۳): ذكر ابن جريروابن أبى حاتم ههنا آثاراً من بعض السلف أحببنا أن نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها، اورحافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وردت آثارأخرى أخرجها ابن أبى حاتم والطبرى ونقلها كثير من المفسرين لَاينبغى التشاغل بها، اھ۔

صرف ایک روایت مسند احمد میں موصولاً وارد ہوئی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

قال الإمام احمد (ص ۱۴۹/۳) : حدثنا مؤمّل بن اسمعيل ثنا حماد بن زيد ثنا ثابت عن أنسؓ قال: "أتىٰ رسول الله ﷺ منزل زيد بن حارثةؓ فرأى رسول الله ﷺ امرأته زينبؓ، وكأنّه دخله -لَادرى من قول حماد أو فى الحديث- فجاء زيد يشكوها إليه، فقال له النبى ﷺ: أمسك عليك زوجك واتّق الله فنزلت ﴿وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِىْ فِىْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ إلى قوله ﴿زَوَّجْنَاکَهَا﴾ يعنى زينب، انتهى۔

قال ابن كثير(ص ۴۹۱) رواه أحمد وفيه غرابة تركنا سياقه، قلت: ومؤمّل بن اسماعيل وإن كان صدوقاً ولكنّه كثير الخطأ والوهم كما صرّح به الأئمة، قال أبوحاتم: صدوق شديد فى السنّة كثير الخطأ، وقال البخارى: منكر الحديث، وقال الساجى: صدوق كثيرالخطأ وله أوهام يطول ذكرها، وقال الدار قطنى: ثقة كثير الخطأ، وقال ابن سعد: ثقة كثيرالغلط، وقال محمد بن نصر المروزى: المؤمّل إذا انفرد بحديث وجب أن يتوقّف ويتثبّت فيه لِانه كان سيئ الحفظ كثير الغلط، وقال يعقوب بن سفيان: مؤمّل أبو عبد الرحمٰن شيخ جليل سنّىّ سمعت سليمان بن حرب يحسن الثناء عليه، كان مشيختنا يوصون به إلّا أنّ حديثه لَا يشبه حديث أصحابه، وقد يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه، فإنّه يروى المناكير عن ثقات شيوخه وهٰذا أشدّ، فلو كانت هٰذه المناكير عن الضعفاء لكنّا نجعل له عذراً ۔

بہرحال مؤمّل ثقہ،صدوق ہونے کے باوجود سوء حفظ اور کثیر الخطاء والاوہام ہونے کی وجہ سے اس کی روایت لائق اعتماد نہیں ہے۔

محققین قاضی ابوالفضل بکر بن العلاء القشیری، قاضی ابوبکر بن العربی، قاضی عیاض وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت زینبؓ حضور اکرم ﷺ کی پھوپی زاد بہن، ہمیشہ پاس کا رہنا، ولادتِ زینبؓ کے وقت سے حضور اکرم ﷺ ان سے پوری طرح واقف اور اس دور میں پردہ کا اہتمام بھی نہیں تھا، زینبؓ اس وقت کنواری تھیں، حضور اکرم ﷺ کو اس وقت ان کی طرف رغبت نہیں ہوئی، اب جب کہ وہ منکوحہ ہوگئیں اور حضور پاک ﷺ نے ہی نکاح کردیا تو حضور پاک ﷺ کو رغبت ہوگئی، یہ بات عقلاً و عادۃً بعید ہے، بلکہ یہ صورت حال اللہ کی طرف سے اس لئے واقع ہوئی تاکہ اہل جاہلیت کی سنت کا ابطال ہوجائے کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور اس کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح جانتے تھے اور قصہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو امام زین العابدینؒ نے نقل کی ہے،

قال القاضی عیاض فی الشفاء (ص ۱۹۴): والأولی ماذکرنا عن علی بن الحسین وحکاہ ابو اللیث السمرقندی وھو قول ابن عطاء واستحسنہ القاضی القشیری وعلیہ عوّل ابو بکر بن فورک، وقال إنہ معنی ذلک عند المحققین من أھل التفسیر، اھ۔

اور آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، فرمایا ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ﴾ اور جس چیز کو بعد میں ظاہر کیا گیا وہ آسمان سے زینبؓ کا نکاح ہے، اور یہ کہیں نہیں ظاہر کیا گیا کہ آپ کو زینبؓ سے محبت ہوگئی اور آپ اس وجہ سے چاہتے تھے کہ زید طلاق دیدیں۔

اور اگر بالفرض دوسری تفسیر مان بھی لی جائے تو بھی میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں ہے، محبت غیر اختیاری چیز ہے، بعض وقت اچانک کسی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے البتہ اس کے بعد غلط رویّہ اختیار کرنا غلط ہے، اور یہاں کوئی صورت پائی ہی نہیں گئی، بالفرض محبت ہوگئی تو کیا ہوا، آپ ﷺ نے آگے کوئی قدم تو نہیں بڑھایا صرف یہی ارادہ تھا کہ چونکہ زینبؓ و زیدؓ میں بناؤ نہیں ہے اس لئے اگر زید طلاق دیدیں گے تو آپ نکاح کرلیں گے، اور اس میں کیا حرج ہے؟ اور آپ ﷺ نے زیدؓ کو ارادۂ طلاق کے وقت اخلاقی طور پر تعلیم دی کہ اپنے اہل کو نہ چھوڑو۔

قال الشیخ أبو محمد البغوی فی معالم التنزیل: وإن کان القول الآخر وھو أنّہ أخفٰی محبتھا أو نکاحھا لو طلّقھا، لَایقدح فی حال الأنبیاء لأنّ العبد غیر ملوم علی ما یقع فی قلبہ من مثل ھذہ الأشیاء مالم یقصد فیہ الاِثم، لأنّ الودّ ومیل النفس من طبع البشر، وقولہ ﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ أمر بالمعروف وھو حسنة لَا إثم فیہ۔ اھ۔

قال الحافظ ابن حجر فی الفتح (ص۱۴۳/۱۰): وقال ابن العربی: وانما قال علیه الصلوة والسلام لزید ﴿اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ﴾ اختباراً لما عنده من الرغبة فیها أو عنها، فلمّا اطّلعه زید علیٰ ما عنده منها من النفرة التی نشأت من تعاظمها علیه وبذاء ة لسانها أذن له فی طلاقها، ولیس فی مخالفة متعلّق الأمر لمتعلّق العلم ما یمنع من الأمربه، والله اعلم۔

امر ثالث محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات یاب ہونا ایک مصرح حقیقت ہے، انبیاء اور غیر انبیاء سب برابر ہیں، یہ مضمون کئی روایات میں وارد ہے۔

(۱)عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال: ''سدّدوا وقاربوا وأبشروا فإنّه لَا یدخل أحدًا الجنة عمله، قالوا: ولَا انت یا رسول الله؟ قال ولَا انا إلّا أن یتغمّدنی الله بمغفرة ورحمة'' رواه البخاری (ص۹۵۷) ومسلم (ص۲/۳۷۷) وهذا لفظ البخاری۔

(۲)عن ابی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''لن ینجی أحدًا منکم عمله، قالوا: ولَاانت یا رسول الله ؟ قال: ولَا انا الّا أن یتغمّدنی الله برحمة، سدّدوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشیء من الدلجة والقصد القصد تبلغوا''۔ رواه البخاری ورواه مسلم (ص۳۷۶،۱/۳۷۷) بطرق بالفاظ متقاربة۔

(۳)عن جابرؓ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ''لَا یدخل أحداً منکم عمله الجنة ولَایجیره من النار،ولَا انا إلّا برحمة الله''۔

قال الکرمانی: إذا کان کلّ الناس لَا یدخلون الجنة الّا برحمة الله فوجه تخصیص رسول الله ﷺ بالذکر أنّه إذا کان مقطوعاً له بأن ید خل الجنة ثم لَا یدخلها الّا برحمة الله فغیره یکون ذلک بطریق الأولیٰ، قال الحافظ(ص۱۴/۷۶) وسبق إلیٰ تقریرهذا المعنی الرافعی فی أمالیه فقال: لمّاکان أجر النبی ﷺ فی الطاعة أعظم وعمله فی العبادة أقوم قیل له ''ولَاانت'' ای لَا ینجیک عملک مع عظم قدره؟ فقال: ''لَا، إلّا برحمة الله''۔ انتهی۔

قال النووی (ص۲/۳۷۶) مذهب أهل السنّة أنّ الله لَا یجب علیه شیء –تعالیٰ الله– بل العالم مِلکه، والدنیا والآخرة فی سلطانه یفعل مایشاء، فلو عذّب المطیعین والصالحین أجمعین وأدخلهم النار کان عدلًا منه، وإذا أکرمهم ونعّمهم وأدخلهم الجنة فهو فضل منه، ولو نعّم

الكافرين وأدخلهم الجنة كان له ذلك، ولكنّه أخبر وخبره صدق أنّه لَا يفعل هذا بل يغفر للمؤمنين ويدخلهم الجنة برحمته ويعذّب الكافرين ويخلدهم النارعدلاً منه۔

وفی ظاهر هذه الأحاديث دلَالة لِاهل الحق أنّه لَا يستحقّ أحد الثواب والجنّة بطاعته۔

وأمّا قوله تعالیٰ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ و ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ونحوهما من الآيات الدالّة على أنّ الأعمال يدخل بها الجنة فلا يعارض هذه الأحاديث، بل معنى الآيات أنّ دخول الجنة بسبب الأعمال، ثم التوفيق للاعمال والهداية للاخلاص فيها وقبولهما برحمة الله تعالیٰ وفضله، فيصحّ أنّه لم يدخل بمجرّد العمل وهو مراد الأحاديث، ويصحّ أنّه دخل بالأعمال ای بسببها وهی من الرحمة، انتهى۔

باقی سوال میں جو تفصیلی کلام ہے وہ کسی روایت میں نظر نہیں پڑا اور نہ یہ کہیں نظر پڑا کہ آخرت میں حضرت سید الرسل ﷺ سے سوال ہوگا، یہ تو علماء کی تصریح مذکور نمبر ۲ کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

(۳) واقعہ تو صحیح ہے، جب کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب ہونے لگا تو حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ ﷺ لکھا تھا، مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت ﷺ نے بجائے اس کے محمد بن عبداللہ لکھنے کا امر فرمایا اور یہ کہ محمد رسول اللہ کا لفظ مٹادیں، حضرت علیؓ نے انکار کردیا۔

عن البراء بن عازبؓ قال: ”اعتمر النبی ﷺ فی ذی القعدة فأبیٰ أهل مكة أنّ يدَعوه يدخل مكة حتّى قاضاهم –صالحهم– على أن يقيم بها ثلاثة أيام، فلمّا كتبوا الكتاب كتبوا ”هذا ما قاضانا عليه محمد رسول الله“ قالوا: لَا نقرّ بهذا لو نعلم أنّك رسول الله ما منعناك شيئاً ولكن أنت محمد بن عبد الله، فقال: أنا رسول الله، انا محمد بن عبد الله، ثم قال لعلیؓ: امح ”رسول الله“ قال علیؓ: لَا! والله لَا أمحوك أبداً، فأخذ رسول الله ﷺ الكتاب وليس يحسن يكتب فكتب ”هذا ما قاضى محمد بن عبد الله“۔ الحديث رواه البخاری (ص ۶۱۰)۔

ورواه فی موضع آخر (ص ۳۷۱) بلفظ: لمّا صالح رسول الله ﷺ أهل الحديبية كتب علیّؓ بينهم كتاباً فكتب ”محمد رسول الله“ فقال المشركون: لَا تكتب ”محمد رسول الله“ لو كنتَ رسولًا لم نقاتلك، فقال لعلیّؓ: امحه، قال علیؓ: ما أنا بالذی أمحاه، فمحاه رسول الله ﷺ بيده، الحديث۔ وأخرجه مسلم (ص ۱۰۴، ۱۰۵/ ۲)۔

لیکن حضرت علیؓ کے محو کے انکار کی مذکورہ علت غلط ہے، انہوں نے تو حسن ادب کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ "واللہ لا أمحوک" سے معلوم ہوتا ہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ لفظ رسول اللہ کو آپ کے نام سے الگ کردیں اور مٹادیں، قال النووی (ص ۱۰۴): وهذا الذی فعله علیؓ من باب الأدب المستحبّ لأنه لم یفهم من النبی ﷺ تحتیم محو علیٰ نفسه، ولهذا لم ینکر، ولو حتم محوه بنفسه لم یجز لعلیؓ ترکه، ولما أقرّه النبی ﷺ علیٰ المخالفة، انتهی۔

حیلہ جوئی کی علت اور اس کو خلاف صداقت قرار دینا کسی شیعہ کا قول ہے جو اپنی کور باطنی کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ سے بھی نعوذ باللہ افضل مانتے ہیں، حدیث کے پہلے طریق میں تو صاف حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "أنا رسول الله وأنا محمد بن عبد الله" مذکور ہے، پھر خلاف صداقت کیا بات ہوتی اور نبی کی طرف خلافِ صداقت کی نسبت کوئی بد باطن منافق ہی کرسکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین القوسین عبارت لکھنے والا کوئی عبداللہ بن سبا یہودی کا ہم عقیدہ ہے جو ظاہراً مسلمان ہوگیا تھا اور در پردہ یہودی تھا اور اہل بیت کی موالات ظاہر کرکے طرح طرح کے باطل عقائد پھیلائے اور شیعوں کو گمراہ کیا۔

(۴) یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، اصل روایت کتب حدیث میں حسب ذیل ہے:

عن علی بن ابی طالبؓ قال: "کانت لی شارف من نصیبی من المغنم یوم بدر وکان النبی ﷺ أعطانی ممّا آفاء الله علیه من الخمس یومئذ، فلمّا أردت أن ابتنی بفاطمة بنت النبی ﷺ واعدت رجلاً صوّاغاً من بنی قینقاع أن یرتحل معی فنأتی بإذخر فأردت أن أبیعه من الصوّاغین فنستعین به فی ولیمة عرسی، فبینا أنا أجمع شارفیّ من الأقتاب والغرائر والحبال وشارفای مناختان إلیٰ جنب حجرة رجل من الأنصار حتّی جمعت ما جمعت، فإذا أنا بشارفیّ قد أجبّت أسنمتهما وبقرت خواصرهما وأُخذ من أکبادهما فلم أملک عینیّ حین رأیت المنظر، قلت: من فعل هذا؟ قالوا: فعله حمزة بن عبد المطلب وهو فی هذا البیت فی شرب من الأنصار عنده قینة وأصحابه، فقالت فی غنائها: الَا یا حمز للشرف النواء! فوثب حمزةؓ إلی السیف فأجبّ أسنمتهما وبقر خواصرهما وأخذ من أکبادهما، قال علیؓ فانطلقت حتّی أدخل علی النبی ﷺ وعنده زید بن حارثةؓ، فعرف النبی ﷺ الذی لقیت، فقال: مالک؟ قلت: یا رسول الله! ما رأیت کالیوم عدا حمزة علیٰ ناقتیّ فأجبّ أسنمتهما وبقر خواصرهما وها هو ذا فی بیت معه

شرب، فدعا النبی ﷺ بردائه فارتدیٰ ثم انطلق یمشی و اتّبعته انا وزید بن حارثةؓ حتی جاء البیت الذی فیه حمزةؓ فاستأذن علیه فأذن له، فطفق النبی ﷺ یلوم حمزة فیما فعل فإذا حمزة ثمل محمرّة عیناه، فنظر حمزة إلی النبی ﷺ ثم صعّد النظر فنظر إلی رکبته ثم صعّد النظر فنظر إلی وجهه ثم قال حمزة: وهل أنتم الّا عبید لِابی؟ فعرف النبی ﷺ أنّه ثمل، فنکص رسول الله ﷺ علیٰ عقبیه القهقریٰ فخرج وخرجنا معه". رواه البخاری (ص ۲/۵۷۱) ومسلم (ص ۲/۱۶۱) وأبوداود (ص ۴/۱۳۵ بذل).

یہ ہے اصل واقعہ، اور باقی جو کچھ سوال میں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ غالی شیعہ کی جعل سازی اور دسیسہ کاری ہے، اونٹنی حضرت علیؓ کی تھی اور دوسری اونٹنی حضرت علیؓ ہی کو دی گئی تھی۔

حمزہؓ کے بارے میں تو خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ایک روایت میں وارد ہے: "حمزة سیّد الشهداء عند الله یوم القیمة". (رواه الحاکم ص ۲/۱۱۹) حضور اکرم ﷺ کا حضرت حمزہؓ کے انتقال پر رنجیدہ ہونا ایک مشہور حقیقت ہے، حتی کہ روایات میں وارد ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ اُحد سے واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ انصار کے شہداء کا ان کی عورتیں ماتم کر رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ولکن حمزة لَا بَواکی له"، جب انصار کو معلوم ہوا تو اپنی عورتوں کو حضرت حمزہؓ کا ماتم کرنے کے لئے بھیج دیا، آپ ﷺ سو رہے تھے عورتیں آکر ان کا نوحہ کرنے لگیں آپ ﷺ بیدار ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان عورتوں کو منع کر دیا اور فرمادیا: "لَا یبکینّ علیٰ هالک بعد الیوم"، رواه ابن سعد (ص ۳/۷) وأحمد وابن ماجه والحاکم وصحّحه الحاکم۔

محمد یونس عفی عنہ

۷ رشوال المکرّم ۱۴۰۱ھ

زہری کا عروہ سے سماع

سوال:

کافی عرصہ سے آپ سے ملاقات کا خواہاں تھا، مگر سوئے قسمتی کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔

ایک الجھن درپیش ہے امید ہے کہ مولوی محمد قاسم کے ذریعہ یہ الجھن دور فرمائیں گے۔

وہ یہ کہ زہری کا سماع عروہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ جب کہ حافظ نے کہا ہے کہ: لکن لم يثبت له سماع من عروة۔

امید ہے کہ مسئلہ واضح فرمائیں گے۔ فقط والسلام

مقصود الحسن فیضی

مدرسہ ریاض العلوم بازار جامع مسجد دہلی

جواب :

مکرم ومحترم بعد سلام مسنون!

آپ کا خط تو تقریباً دو ماہ پیشتر ہی عزیزم مولوی قاسم سلمہ نے پہنچا دیا تھا، مگر اس وقت کی مشغولی نے ہرگز جواب لکھنے کی اجازت نہ دی۔

ابن شہاب زہری عروہ بن زبیر کے مخصوص تلامذہ میں ہیں۔

اس کی تصریح حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کی ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں إذا حدّثني عروة ثمّ حدّثتني عمرة يصدّق عندي حديث عروة ، فلما تبحّرتهما إذا عروة بحر لاينزف، كذا في الطبقات لابن سعد(ص ۲/۳۸۷ و ۵/۱۸۱)۔

اور صحیحین وغیرہ کتب حدیث ورجال میں بکثرت مواقع میں ابن شہاب کا عروہ کے اِخبار وتحدیث کی تصریح کرنا موجود ہے (ص ۳۰۷، ۴۸۰، ۷۳۹، ۷۴۰) وغیرہ مواقع بخاری میں دیکھ لیجئے۔

مزید یہ ہے کہ تہذیب التہذیب میں سقوط واقع ہوا ہے، اصل عبارت کی تقریباً نصف سطر چھوٹ گئی اور لكن لايثبت له السماع من عروة سے یہ سمجھ میں آنے لگا کہ زہری کے عروہ سے سننے کا حافظ انکار کرتے ہیں، حالانکہ اصل مآخذ جہاں سے حافظ نے یہ کلام لیا ہے یعنی کتاب المراسیل لابن ابی حاتم اس کے الفاظ یوں ہیں: الزهري لم يسمع من أبان شيأً لا أنه لم يدركه، قد أدركه وأدرك من هو أكبر منه، لكن لا يثبت له السماع منه كما أن حبيب بن أبي ثابت لايثبت لهٗ السماع من عروة بن الزبير وإن كان قدسمع الخ ۔فقط

محمد یونس عفی عنہ

۲۰ر شعبان ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟

سوال:

کیا زہری نے عروہ سے نہیں سنا ہے؟ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں تصریح واقع ہوئی ہے۔

سائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

حافظ ابن حجر کی جو عبارت تہذیب التہذیب میں واقع ہوئی ہے اس سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب زہری نے عروۃ بن الزبیر سے نہیں سنا ہے، لیکن یہ حافظ ابن حجر یا پھر کاتب کے قلم کی لغزش ہے۔

جس کے متعدد دلائل ہیں۔

دلیل اول: یہ ہے کہ بخاری ومسلم نے بطریق ابن شہاب عن عروہ بکثرت روایات لی ہیں، اور یہ مسلمہ کلیہ ہے کہ شیخین نے اتصال سند کا اہتمام کیا ہے، امام بخاری تو اس روایت کو صحیح ہی نہیں مانتے جس میں راوی ومروی عنہ کا لقاء ثابت نہ ہو، امام مسلم نے اگرچہ اس شرط پر مقدمہ صحیح مسلم میں نقد کیا ہے لیکن امام نووی کا خیال ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں بظاہر صرف معاصرت پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

قال فی مقدمة شرح مسلم (ص ۱۳): ومما یرجّح به کتاب البخاری: أنّ مسلماً کان مذهبه بل نقل الاِجماع فی أوّل صحیحه، أن الاِسناد المعنعن له حکم الموصول بمجرّد کون المعنعن والمعنعن عنه کانا فی عصر واحد وإن لم یثبت اجتماعهما، والبخاری لَا یحمله علی الاِتّصال حتی یثبت اجتماعهما، وهذا المذهب یرجّح کتاب البخاری، وإن کنّا لَا نحکم علی مسلم بعمله فی صحیحه بهذا المذهب، لکونه یجمع طرقاً کثیرة یتعذّر معها وجود هذاالحکم الذی جوّزه، والله أعلم، انتهی۔

دلیل ثانی: ابن شہاب زہری مدلسین میں شمار کئے گئے ہیں، وقد صرّح بکونه من المدلّسین الشافعی والدارقطنی وغیرهما، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں میری معلومات میں کہیں بھی زہری کے عنعنہ پر تدلیس کا الزام رکھ کر رد نہیں فرمایا اور محققین علماء نے تصریح کی ہے کہ صحیحین میں مدلسین کی جو روایتیں معنعن وارد ہوئی ہیں وہ سماع پر محمول ہیں، مدلس رواۃ نے اساتذہ سے ان روایات کو سنا ہے۔

امام نووی مقدمہ شرح مسلم (ص ۱۸) میں لکھتے ہیں۔

إنّ ما فی الصحیحین عن المدلّسین بعن ونحوها فمحمول علی ثبوت السماع من جهة أخری، وقد جاء کثیر منها فی الصحیحین بالطریقین جمیعاً، فیذکر روایة المدلّسین بعن، ثم یذکرها بالسماع، ویقصدبه هذا المعنی الذی ذکرته، اھ۔

اسی طرح نووی نے تقریب اور سیوطی نے التدریب (ص ۱/۲۳۰) میں لکھا ہے وقال العراقی فی شرح الألفیّة (ص ۱/۱۸۶): وقال النووی: إنّ ما فی الصحیحین وغیرهما من الکتب الصحیحة عن المدلّسین بعن محمول علیٰ ثبوت سماعه من جهة أخری، وقال الحافظ أبو محمدعبد الکریم الحلبی فی کتاب القدح المعلّٰی: قال أکثر العلماء: إنّ المعنعنات التی فی الصحیحین منزّلة منزلة السماع، اھ۔

وقال السخاوی (ص ۱/۱۷۶): هو أی معنعن المدلّسین، کما قال ابن الصلاح وتبعه النووی وغیره، محمول علی ثبوت السماع عندهم أی عند أصحاب الصحاح فیه من جهة أخری إذا کان فی أحادیث الأُصول لَا المتابعات تحسیناً للظنّ بمصنّفیها، یعنی ولو لم نقف نحن علیٰ ذلک، وأشار ابن دقیق العید إلی التوقّف فی ذلک فإنّه قال بعد تقریر :إنّ معنعن المدلّس کالمنقطع مانصه: وهذا جاء علی القیاس إلّا أنّ الجری علیه فی تصرّفات المحدّثین وتخریجاتهم صعب عسیریوجب إطراح کثیر من الأحادیث التی صحّحوها، إذ یتعذّرعلینا إثبات سماع المدلّس فیهامن شیخه، اللّٰهم إلّا أن یدّعی مدّع أنّ الأوّلین اطّلعوا علیٰ ذلک وإن لم نطلع علیه، وفی ذلک نظر، انتهی۔

وأحسن من هذا کله قول القطب الحلبی فی القدح المعلّٰی: قال أکثر العلماء: أنّ المعنعنات التی فی الصحیحین منزّلة منزلة السماع، یعنی إمّا لمجیئها من وجه آخر بالتصریح أو لکون المعنعن لَا یدلّس إلّاعن ثقة أو عن بعض شیوخه أو لوقوعها من جهة بعض النقّاد المحققین سماع المعنعن لها، ولهذا استثنی من هذا الخلاف الأعمش وأبو اسحاق وقتادة بالنسبة لحدیث شعبة خاصّة عنهم فإنّه قال: کفیتکم تدلیسه، فإذا جاء حدیثهم من طریقه بالعنعنة حمل علی السماع جزماً، إلی آخر ما ذکر۔

دلیل ثالث کتبِ صحاح میں متعدد ایسی روایات ہیں جن میں زہری کے عروہ سے سننے کی تصریح وارد ہوئی ہے، جس کی یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں،

مثال اول حدیث ''أوّل ما بُدئ به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة''، جو بخاری شریف کے پہلے باب بدأ الوحی کی تیسری حدیث ہے، اسی حدیث کی سند میں بخاری کتاب الانبیاء (ص ۴۸۰) باب واذکر فی الکتاب موسیٰ میں اور کتاب التفسیر (ص ۷۴۰) تفسیر سورۂ اقرأ میں اور مسلم کتاب الایمان میں (ص ۹۰) بطریق عقیل عن ابن شهاب قال سمعت عروة وارد ہے، یہی حدیث سورہ اقرأ ہی میں اسی سند سے بخاری نے ایک اور استاذ سے نقل کی ہے اس میں محمد بن شہاب زہری کا قول أخبرنی عروة آیا ہے۔

اسی حدیث میں مسلم کتاب الایمان (ص ۸۸) میں بطریق یونس عن ابن شہاب قال: حدثنی عروة بن الزبیر آیا ہے، اسی حدیث میں مسلم (ص ۹۰) میں بطریق معمر قال الزهری: وأخبرنی عروة آیا ہے۔

مثال ثانی حدیث عائشةؓ فی التعوذ من أربع امام بخاری نے کتاب الصلوة باب الدعاء قبل السلام میں (ص ۱۱۵) اور مسلم میں کتاب الصلوة میں (ص ۲۱۷) تخریج کی ہے اس میں بطریق شعیب عن الزهری قال: أخبرنا عروة بن الزبیر وارد ہوا ہے، اور مسلم میں ''أخبرنی عروة'' ہے، بخاری میں بھی آگے یہ صیغہ آیا ہے۔

مثال ثالث حدیث عائشةؓ فی تأخیر العشاء حتی نادی عمرؓ، امام بخاری نے کتاب الصلوة باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس میں اور اس سے قبل باب وضوء الصبیان میں (ص ۱۱۹) اور مسلم نے کتاب الصلوۃ میں (ص ۲۲۸) تخریج کی ہے اس میں عن الزهری قال أخبرنی عروة آیا ہے۔

مثال رابع حدیث عائشةؓ فی اقتداء الناس بالنبی ﷺ فی صلوة التراویح فی ثلث لیال، امام بخاری نے کتاب الجمعة باب من قال فی الخطبة بعد الثناء أمّا بعد (ص ۱۲۶) میں اور کتاب الصوم (ص ۲۶۹) باب فضل من قام رمضان میں بطریق عقیل اور مسلم نے کتاب الصلوة میں (ص ۲۵۹) بطریق یونس نقل کی ہے، دونوں الزهری أخبرنی عروة نقل کرتے ہیں۔

مثال خامس حدیث جوار ابن الدغنة ابابکر الصدیقؓ امام بخاری نے اسی حدیث کا ایک ٹکڑا کتاب الصلوة، أبواب المساجد، باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس (ص ۶۸) میں

روایت کی ہے اس میں بطریق عقیل ابن شهاب کا قول ”أخبرنی عروة“ آیا ہے، اسی حدیث کا ایک بڑا ٹکڑا کتاب الکفالة، باب جوار ابی بکر الصدیقؓ (ص۳۰۷) میں آیا ہے اور مکمل ابواب الهجرة میں (ص ۵۵۲) وارد ہوئی ہے، دونوں جگہ عقیل کے طریق سے ابن شہاب کا قول ”فأخبرنی عروة بن الزبیر“ واقع ہوا ہے، قال الحافظ فی الفتح (ص ۵/۳۸۱): فیه محذوف تقدیره: أخبرنی فلان بکذا وأخبرنی عروة بکذا۔

مثال سادس حدیث الکسوف امام بخاری نے أبواب الکسوف باب خطبة الإمام فی الکسوف (ص ۱۴۲) میں روایت کی ہے، اس میں یونس کے طریق سے ابن شہاب کا قول ”حدثنی عروة“ آیا ہے، یہی حدیث امام بخاری نے کتاب الکسوف باب هل یقول کسفت الشمس میں اور بدأالخلق میں (ص ۴۵۴) باب صفة الشمس میں عقیل کے طریق سے زہری سے روایت کی ہے اس میں زہری کا قول ”أخبرنی عروة“ آیا ہے، اسی طرح امام مسلم (ص۱/۲۶۹) ابوداؤد (بذل ص۲/۲۲۲) نسائی (ص ۱/۲۱۵) ابن ماجہ (ص۹۱) نے یونس کے طریق سے أخبرنی عروة کے لفظ سے یہ روایت نقل کی ہے، زہری کے تلمیذ عبدالرحمٰن بن نمر نے بھی زہری سے ”أخبرنی عروة“ نقل کیا ہے جو ابوداود (بذل ص۲/۲۲۶) نسائی (۱/۲۲۲) میں ہے، یہی لفظ اوزاعی نے بھی نقل کیا ہے ان کی حدیث ابوداود (بذل ص۲/۲۲۶) میں ہے اور شعیب بن ابی حمزہ نے بھی جو نسائی میں وارد ہے نقل کیا ہے۔

مثال سابع حدیث أسماءؓ فی عذاب القبر امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر میں (ص ۱۸۳) یونس الایلی کے طریق سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں عن ابن شهاب قال أخبرنی عروة اسی طرح حاشیہ کے نسخے میں وارد ہوا ہے اور اسی نسخے کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری (ص ۸/۲۰۴) اور قسطلانی نے ارشاد الساری (ص ۲/۴۶۳) میں ذکر کیا ہے، اسی طرح اس نسخے میں ہے جو فتح الباری پر چڑھا ہوا ہے، اور یہاں پر نہ تو حافظ نے اختلافِ نسخ ذکر کیا ہے اور نہ ہی عینی وقسطلانی نے، اس لئے بظاہر حوض میں نسخِ ہندیہ میں ”عن عروه“ ہے وہ کسی ناسخ کا تصرف ہے۔ واللہ اعلم۔

مثال ثامن حدیث منازعة عتبة بن أبی وقاصؓ و عبد بن زمعةؓ فی ابن ولیدة زمعة یہ حدیث امام بخاری نے کتاب العتق، باب أم الولد (ص ۳۴۴) میں شعیب بن ابی حمزہ کے طریق سے نقل کی ہے اس میں زہری کا قول ”حدثنی عروة بن الزبیر“ آیا ہے۔

مثال تاسع حديث عائشةؓ فی صوم عاشوراء امام بخاری نے کتاب الصوم، باب یوم عاشوراء میں (ص ۲٦۸) روایت کی ہے، اسمیں شعیب بن ابی حمزہ زہری کا قول "حدثنی عروۃ" نقل کرتے ہیں۔

مثال عاشر حدیث مروان والمسور فی صلح الحدیبیۃ امام بخاری نے کتاب الشروط میں روایت کی ہے (ص ۳۷۴)، اسمیں عقیل الایلی اپنے استاذ زہری کا قول "أخبرنی عروۃ" نقل کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث میں زہری کے متعدد مواقع میں عروہ کی تحدیث واخبار کی تصریح وارد ہے، صرف بخاری کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسی سے مثالیں فراہم کی گئیں ہیں، اور بخاری شریف ہی میں صرف اسکے علاوہ بیس سے زائد مواقع میں اخبار وتحدیث کی تصریح وارد ہوئی ہے،

مثال کے لئے (ص۳۵۹) (ص۳٦۱) (ص۳۷۰) (ص۴۰۳) (ص۴۳٦) (ص۴۴۷) (ص۴۵۴) (ص۴۵۸) (ص۴٦۳) (ص۴۸۰) (ص۵۰۸) (ص۵۳۹) (ص۷۹۰) (ص۸٦۱) (ص۸۸٦) (ص۹۳۹) (ص۹۵۱) (ص۹۵۳) (ص۱۰۱۳) (ص۱۰٦۴) (ص۱۰۷۳) (ص۱۰۹۹) دیکھیں۔

دلیل رابع: امام زہری نے عروہ سے خود اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے،

قال ابن سعد (ص۳۸۷/۲) و(ص ۱۸۱/۵): أخبرنا عبد العزيز بن عبدالله الأويسی قال: حدثنی يوسف ابن الماجشون أنّه سمع ابن شهاب يقول: إذا حدثنی عروة ثم حدثتنی عمرة يصدق عندی حديث عروة، فلمّا تبحّرتهما إذا عروة بحرلَاينزف، وقال البخاری فی تاريخهٖ الكبير (ص ۳۱/۴): قال محمد بن مقاتل: أخبرنا يوسف بن الماجشون عن ابن شهاب قال كان إذا حدثنی عروة ثم حدثتنی عمرة صدق عندی حديث عروة، فلما استخبرتهما إذا عروة بحرلَاينزف۔

قال يعقوب بن سفيان الفسوی فی تاريخه (ص ۴۷۵/۱) حدثنا أبو صالح قال حدثنی الليث ابن سعد قال: قلت ليحيی بن سعيد أنّ ابن شهاب قال: وجدت عروة بحراً لَا تكدره الدلَاء، وأمّا سعيد بن المسيّب فكان ينصب نفسه للناس، فقال يحيیٰ: أمّا أعلمهم بالسنن وأقضية عمرؓ فابن المسيّب وأمّا أكثرهم حديثاً فعروة بن الزبير۔

وقال ايضاً (ص ۵۵۲/۱) حدثنی حسن الحلوانی قال حدثنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر

عن الزهری قال أدرکت من بحورقریش أربعة، عروة بن الزبیروعبید الله بن عبدالله وأباسلمة بن عبد الرحمٰن وسعید بن المسیّب۔

وقال أیضاً (ص ۵۵۱/۱)حدثنی حرملة قال أخبرنا ابن وهب قال حدثنی ابن لهیعة عن عقیل بن خالد قال سمعت ابن شهاب یقول: قدمت مصر علی عبد العزیزبن مروان وأنا أحدّث عن سعید بن المسیب قال: فقال ابراهیم بن عبد الله بن قارظ: ما أسمعک تحدّث عن ابن المسیّب فقلت: رجل، فقال: لقد ترکت رجلین من قومک لَا أعلم أحداً أکثر حدیثاً منهما، عروة بن الزبیروأبوسلمة بن عبد الرحمٰن، قال: فلمّا رجعت إلی المدینة وجدت عروة بئرًا لَاتکدره الدِلَاء۔

وقال ایضاً (ص ۵۵۲) حدثنا سعید بن عفیر قال حدثنی یعقوب بن عبد الرحمٰن عن أبیه عن ابن شهاب قال: کنت أطلب العلم من ثلاثة، سعید بن المسیّب وکان أفقه الناس، وعروة بن الزبیروکان بحراً لَا تکدره الدلَاء، وعبید الله بن عبد الله، وکنت لَا أشاء أن أقع منه علی علم ما لَا أجد عند غیره إلّا وقعت۔

وقال أیضا(ص ۶۳۸/۱): حدثنی سالم ابن شبیب حدثنا عبد الرزاق أخبرنا معمر عن الزهری قال: إن کنت لآتی باب عروة وأرجع إعظاماً له، ولو شئت أن أدخل علیه فدخلت ۔

دلیل خامس: امام الحدیث ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی نے کتاب الاستدراکات میں صحیح بخاری ومسلم کی جن روایتوں پرنقد کیا ہے وہاں یہ علت ملحوظ نہیں رکھی ہے کہ زہری نے عروہ سے نہیں سنا ہے، ورنہ سینکڑوں روایتیں دارقطنی کوقابل اعتراض مل جاتیں۔

ہاں ایک حدیث حضرت عائشہؓ نے نقل کی ہے ”أنّ أم حبیبة استحیضت سبع سنین“، ابن شہاب زہری یہ حدیث عروہ اورعمرہ سے نقل کرتے ہیں، کہیں تو صرف عروہ کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی عمرہ کواور کبھی دونوں کو، اس کے بعض طرق میں ”عن عروة عن عمرة“ واقع ہواہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت زہری عمرہ سے بواسطہ عروہ نقل کرتے ہیں، محققین کی رائے ہے کہ یہ وہم ہے اورزہری جیسے عروہ سے نقل کرتے ہیں عمرہ سے بھی بلا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

قال الحافظ (ص ۴۴۳/۱): والمحفوظ أنّ الزهری رواه عن شیخین عروة وعمرة کلا هما

عن عائشةؓ، پھر آگے لکھتے ہیں: قال الدارقطنی: هو صحیح من روایة الزهری عن عروة وعمرة جمیعاً، اب اگر زہری نے عروہ سے نہ سنا ہوتا تو روایت کی صحت کا کیا سوال پیدا ہوتا؟

ابن ابی حاتم نے کتاب المراسیل میں زہری عن عروہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ فرماتے ہیں (ص۱۹۱): قال أبی: والزهری لَا یثبت له سماع من المسور بن مخرمة یدخل بینه وبینه سلیمان بن یسار وعروة بن الزبیر۔

دلیل سادس: وہ روایات جو بخاری شریف میں آئی ہیں اور زہری ان کو عروہ سے نقل کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان پر نقد نہیں کیا ہے، اگر زہری کا سماع عروہ سے حافظ کے نزدیک ثابت نہ ہوتا تو حافظ ان پر انقطاع کا الزام لگاتے، بلکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں عروہ کو زہری کے مشائخ یعنی اساتذہ میں شمار کیا ہے۔

قصۂ افک کی طویل حدیث بخاری شریف میں مروی ہے، امام بخاری نے وہ حدیث متعدد جگہ تخریج کی ہے، تین جگہ کتاب الشہادات، کتاب المغازی اور کتاب التفسیر میں مفصل اور باقی مواضع میں مختصر، کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں: حدثنا یحییٰ بن بکیر حدثنی اللیث عن یونس عن ابن شهاب قال: أخبرنی عروة بن الزبیر وسعید بن المسیب وعلقمة بن وقاص وعبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن حدیث عائشةؓ اس کے بعد مفصل قصہ ہے۔

حافظ ابن حجر ترجمۃ الباب پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں (ص۱۰/۶۸) ثمّ ساق المصنف -ای البخاری -حدیث الإفک بطوله من طریق اللیث عن یونس ابن یزید عن الزهری عن مشائخه الأربعة۔

دلیل خامس میں حافظ کا قول "إنّ الزهری رواه عن شیخین عروة وعمرة" گزر چکا ہے، امام بخاری نے کسوف شمس کی حدیث باب خطبة الإمام فی الکسوف میں بروایۂ زہری عروہ سے نقل کی ہے، اس میں آگے چل کر "فقلت لعروة" واقع ہوا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (ص۱۸۸/۳): قوله: "فقلت لعروة" هو مقول الزهری۔

دلیل سابع: آخر میں یہ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں جو عبارت نقل کی ہے اس میں سقوط واقع ہوگیا ہے جیسا کہ ابتداء جواب ہی میں تنبیہ کردی گئی ہے۔

حافظ کا تہذیب کا کلام ابن ابی حاتم کی کتاب المراسیل سے منقول ہے، اس میں زہری کے عروہ سے سننے کا انکار

منقول نہیں ہے، بلکہ حبیب بن ابی ثابت کے عروہ سے سننے کا انکار منقول ہے، اصل عبارت یہ ہے:

قال أبی: الزهری لم یسمع من أبان بن عثمان شیئاً لَا أنّه لم یدرکه بل أدرکه وأدرک من هو أکبر منه ولکن لَا یثبت له السماع منه، کما أن حبیب بن أبی ثابت لَا یثبت له السماع من عروة بن الزبیر وهو قد سمع ممن هو أکبر منه، غیر أن أهل الحدیث قد اتّفقوا علٰی ذلک، واتفاق أهل الحدیث علی شیئ یکون حجّة، انتهی ۔کتاب المراسیل (ص ۱۹۲)

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”النکاح من سنّتی، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“، کہاں ہے؟

سوال:

”النکاح من سنّتی، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“، کہاں ہے اور اس کی سند کا کیا حال ہے؟

محمد اسماعیل، ۲۴ پرگنہ، بنگال

الجواب:

یہ حدیث اس لفظ سے کتبِ حدیث میں موجود نہیں ہے، البتہ ابن ماجہ میں (ص ۱۳۴) حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ”النکاح من سنّتی، فمن لم یعمل بسنّتی فلیس منّی“، آیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اس کا ایک راوی عیسی بن میمون المدنی مولی القاسم بن محمد ہے، وہ ضعیف ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۴؍۵؍۱۳۹۷ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟

سوال:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مندرجہ ذیل مسئلہ میں علماءِ تحقیق کی کیا رائے ہے؟

شعبان کی ۱۵ تاریخ یعنی شب برأت کو روزہ رکھنا ہم مستحب سمجھتے ہیں اور امت کا ایک بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آرہا ہے، مگر ایک غیر مقلد عالم اس روزہ کو بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شعبان کی ۱۳/ ۱۴ تاریخوں کے ساتھ ۱۵ تاریخ کو ملا کر تین روزے ایامِ بیض کے بنالئے جائیں تو درست ہے، ورنہ صرف ۱۵ تاریخ کا ایک روزہ ممنوع اور بدعت ہوگا۔

مشکوۃ شریف (ص ۱۱۵) پر حضرت علیؓ سے ان الفاظ کے ساتھ جو روایت آئی ہے: ''**إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها**''، **الحديث**۔ اور صاحب مشکوۃ نے اس روایت کو ابن ماجہ سے لیا ہے اس روایت کو غیر مقلد عالم موضوع بتاتے ہیں، اور دلیل میں ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (جو خود بھی غیر مقلد تھے) کی تصنیف تحفۃ الاحوذی کی (ص ۵۳/ ۲) پر آئی ہوئی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

وفي سنده أبوبكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة القرشي العامري المدني، وقيل: اسمه عبد الله، وقيل: محمد، وقد ينسب إلى جدّه، رموه بالوضع، الخ۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی روایت بالا میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا اس لئے یہ روایت موضوع ٹھہری، پس شب برأت کا روزہ ثابت بالحدیث نہیں، اس لئے اب یہ روزہ بدعت ہے۔

اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

(۱) کہ روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟

(۲) ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

(۳) ابوبکر بن عبداللہ راوی کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟

(۴) صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق کیا صحیح ہے؟

(۵) شب برأت کا روزہ کیا بدعت ہے؟

والسلام، عبدالرحیم صدیقی فاضل دیوبند

جواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حدیث مذکور ابن ماجہ (ص۱۰۰) اور بیہقی نے شعب الایمان میں تخریج کی ہے:

قال ابن ماجه (ص ۱۰۰) باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، حدثنا الحسن بن علی الخلال ثنا عبد الرزاق أنبأنا ابن أبی سبرة عن إبراهيم بن محمد عن معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه عن علی بن أبی طالبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ''إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإنّ الله ينزل فيها لغروب الشمس إلٰى سماء الدنيا فيقول: الَا من مستغفر فاغفرله، الَا مسترزق فأرزقه، الَا مبتلی فأعافيه، الّا كذا، الّا كذا، حتى يطلع الفجر''، قال السيوطی فی الدر المنثور (ص۲۶/۶): أخرجه ابن ماجه والبيهقی فی شعب الاِيمان۔

قال الزبيدی فی الاِتحاف (ص۴۲۵/۳): وأخرجه عبد الرزاق فی مصنّفه، قلت: لم أجده فی المصنّف، وقد ترجم فی مصنّفهٖ فی كتاب الصوم (ص۳۱۶/۴) باب النصف من شعبان، ولم يذكر فيه هذه الرواية، قال العراقی فی تخريج الاِحياء (ص۱۸۲/۱): إسناده ضعيف، وأشارإليه المنذری فی ترغيبه (ص۲۲۹/۲) إذ صدره بلفظة: 'رُوی' ولم يذكر الكلام فی آخره بتصحيح ولَا تحسين، قال فی مقدمة الترغيب: فيكون للاسناد الضعيف دلَالتان، تصديره بلفظة: 'رُوی' وإهمال الكلام عليه فی آخره، وقال السندی (ص۲۱۷/۱) فی الزوائد: إسناده ضعيف لضعف ابن أبی سبرة، قال فيه أحمد وابن معين: يضع الحديث،ا ھ۔

اس حدیث کا دار ومدار ابراہیم بن محمد اور اس کے تلمیذ ابوبکر بن ابی سبرہ پر ہے، ابراہیم بن محمد کون ہے؟ کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، اور محتمل ہے کہ کوئی اور ہو۔

ابن ابی حاتم (ص۲۲۵/۱) نے اپنے والد ابوحاتم الرازی سے ایک راوی کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

إبراهيم بن محمد بن علی بن عبد الله بن جعفر بن أبی طالب الهاشمی روی عن أبيه، روی عنه سعد بن زياد أبو عاصم مولی بنی هاشم وابن عيينة ويعقوب بن عبد الرحمٰن الاِسكندرانی، حافظ جمال الدین المزی فرماتے ہیں: 'كأنّه هو'، یعنی راوی حدیث غالباً وہی راوی ہے جسکا

تذکرہ ابن ابی حاتم نے کیا ہے، ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی نے میزان الاعتدال میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، فرماتے ہیں: إبراهيم بن محمد عن بعض التابعين وهو معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه فى ليلة النصف وعنه ابن عيينة وأبو بكر بن أبى سبرة، فإن كان إبراهيم بن محمد بن على بن عبد الله بن جعفر بن أبى طالب فقال فيه ابن أبى حاتم: روى عن أبيه وعنه سعد بن زياد وابن عيينة ويعقوب بن عبد الرحمٰن، ولعلّه ابن أبى يحيىٰ، وإلّا فليس بالمشهور، انتهى.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: أظنّه ابن أبى يحيىٰ وهو من أقران ابن أبى سبرة، انتهى.

احقر کا گمان بھی یہی ہے کہ یہ راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، اگر دوسرا ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا تو اس کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور اگر ابن ابی یحییٰ ہے تو یہ راوی جمہور علماء کے نزدیک مجروح متروک اور متّہم بالکذب ہے۔

صرف امام شافعی، حمدان بن محمد الاصفہانی، ابوسعید احمد بن محمد بن سعید الشہیر بابن عقدۃ اور ابواحمد عبداللہ بن عدی نے اس کی تقویت کی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: لأن يخرّ إبراهيم من بعد أحبّ إليه من أن يكذب، وكان ثقة فى الحديث.

ابواحمد بن عدی فرماتے ہیں: سألت أحمد بن محمد بن سعيد يعنى بن عقدة فقلت له: تعلم أحداً أحسن القول فى إبراهيم غير الشافعى؟ فقال: نعم، حدثنا أحمد بن يحيىٰ الأودى سمعت حمدان بن محمد الأصبهانى قلت: أتدين بحديث إبراهيم بن أبى يحيىٰ؟ قال: نعم، قال لى أحمد بن محمد بن سعيد: نظرت فى حديث إبراهيم كثيراً وليس بمنكر الحديث.

ابن عدی کہتے ہیں وهذاالذى قاله كما قال، وقد نظرت أنا أيضاً فى حديثه الكثير فلم أجد فيه منكراً إلّاعن شيوخ يحتملون، وإنما يروى المنكر من قبل الراوى عنه أو من قبل شيخه، وهو فى جملة من يكتب حديثه.

لیکن ابن عدی نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی جابر البیاضی کے ترجمہ میں ان کو ضعیف کہا ہے، اور محققین علماء نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔

یحییٰ القطان، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: 'کذّاب'، بشر بن المفضل کہتے ہیں: سألت فقهاء أهل المدينة فكلّهم يقولون كذّاب، امام بخاری فرماتے ہیں: تركه ابن المبارك والناس، امام نسائی، دارقطنی، یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں: متروك الحديث، یحییٰ القطان کہتے ہیں: سألت مالكا عنه أكان ثقة؟ قال: لَا ولَا ثقة فی دينه، یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں: ليس بثقة، بلکہ حافظ ابن عبد البر نے کتاب التمہید میں لکھا ہے: أجمعوا على تجريح ابن أبي يحييٰ الّا الشافعی، اھ۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: متروك، اوران کے تلمیذ ابوبکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرة القرشی اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، امام احمد (ص ۱/۱۷۸) امام بخاری (ص ۹) ابو بشر الدولابی (ص ۱۲۱) خلیفہ بن خیاط (ص ۴۳۷) ابن حبان اور ابوبکر الخطیب (ص ۱۴/۳۶۷) نے ان کا کوئی نام نہیں بتایا،

ابواحمد الحاکم اور ابو محمد بن ابی حاتم (ص ۳/۳۰۶ ق ۲) ابوسعد السمعانی (ص ۷/۵۹) کہتے ہیں کہ ان کا نام محمد ہے،

خطیب بغدادی کہتے ہیں محمد ان کے بھائی کا نام ہے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا نام عبد اللہ لکھا ہے، یہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض علماء سے نقل کیا ہے، اپنے زمانہ کے مشہور علماء اور اہل فتویٰ میں شمار ہوتے تھے، قال مصعب الزبيری: كان من علماء قريش ولّاه المنصور القضاء، كذا نقله الخطيب (ص ۱۴/۳۶۸) یعقوب بن سفیان الفسوی نے اپنی تاریخ (ص ۱/۶۸۵) میں امام مالک سے نقل کیا ہے: قال: لمّا لقيت أبا جعفر قال لی: يا مالك! من يفتی بالمدينة من المشيخة؟ قال: قلت: يا أمير المؤمنين! ابن أبی ذئب وابن أبی سلمة وابن أبی سبرة۔

خطیب نے حارث بن محمد بن سعد سے نقل کیا ہے كان كثير العلم والسماع والرواية، ولی قضاء مكة لزياد بن عبد الله وكان يفتی بالمدينة، امام ابوداود فرماتے ہیں: كان مفتی أهل المدينة۔

لیکن اس علم وفضل اور تفقہ کے باوجود نقل احادیث میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، تمام اہل فن ان کی تضعیف اور ان کے غیر معتبر ہونے پر یک زبان ہیں۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین سے مختلف الفاظ ان کی تضعیف کے متعلق نقل کئے جاتے ہیں، قال فی رواية: عبد الله بن شعيب ضعيف الحديث، وقال فی رواية العباس الدوری ومعاوية بن صالح: ليس حديثه بشیء، وقال فی رواية ابن أبی مريم: ليس بشیء۔

وقال على بن المديني: كان ضعيفاً فى الحديث، وقال مرة: كان منكر الحديث، وهو عندى نحو ابن أبى يحيىٰ، وقال الجوزجانى: يضعّف حديثه۔

وقال البخارى فى الكنىٰ (ص ۹) والضعفاء الصغير (ص ۱۲۴): ضعيف، وقال فى التاريخ الصغير (ص ۲/۱۸۴): منكر الحديث، وقال النسائى فى الضعفاء والمتروكين (ص ۱۱۵) وعبد الحق فى أحكامه: متروك الحديث۔

وقال أبو إسحاق الحربى: غيره أوثق منه، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس بالقوّى عندهم، وقال البزّار: ليّن الحديث، وقال أبو بكر المروزى عن أحمد بن حنبل: ليس هو بشىء۔

وقال عبد الله بن أحمد فى العلل (ص ۱۷۸): سمعت أبى: أبو بكر بن أبى سبرة يضع الحديث، ثم قال: قال حجّاج: قال لى أبو بكر السبرى: عندى سبعون ألف حديث فى الحلال والحرام، قال أبى: وليس حديثه بشىء، كان يكذب ويضع الحديث۔

وقال ابن أبى حاتم: حدثنا صالح بن أحمد بن حنبل قال أبى: ابن أبى سبرة يضع الحديث، وقال ابن عدىّ: عامة ما يرويه غير محفوظ، وهو من جملة من يضع الحديث۔

وقال أبو حاتم بن حبان البستى (ص ۳/۱۴۷): كان ممّن يروى الموضوعات عن الأثبات، لَا يحلّ كتابة حديثه ولَا الاِحتجاج به بحال، و كذا قال السمعانى فى أنسابه تبعاً لِابن حبّان من غير تصريح باسمه كما هو عادته فى الأنساب ينقل كثيراً كلام ابن حبان ولَا ينسب إليه، وقال الحاكم أبو عبد الله: يروى الموضوعات عن الأثبات، وقال الذهبى فى المغنى: كذّبه ابن حنبل، وقال فى كنىٰ المغنى: تركوه، وقال الحافظ ابن حجر فى التقريب: رموه بالوضع، وقال مصعب الزبيرى كان عالماً، اھ۔

موصوف کے متعلق محدثین ناقدین کے زبان وقلم سے بارہ الفاظ نکلے ہیں،

(۱) لين الحديث، قاله البزار۔

(۲) ليس بالقوى عندهم، قاله أبو أحمد الحاكم۔

(۳) يضعّف حديثه، قاله الجوزجانى۔

(۴) غيره أوثق منه، قاله الحربى۔

(۵) ضعيف الحديث، قاله ابن المدينی و ابن معين و البخاری۔

(٦) ليس بشیء، قاله ابن معين، ليس هو بشیء، ليس حديثه بشیء، قالهما أحمد۔

یہ تینوں کلمات متقارب بلکہ اول دونوں تو ایک ہی ہیں، فرق یہ ہے کہ ایک میں ضمیر مظہر کا ذکر ہے اور دوسرے میں نہیں، اور تیسرا پہلے دونوں کے معنی میں ہے اس لئے کہ کسی کی حدیث کا بے اعتبار ہونا خود اسکے بے اعتبار ہونے کی دلیل ہے، اس لئے تینوں کلمات ایک ہی درجہ میں رکھے گئے۔

(۷) منكر الحديث، قاله علی بن المدينی و البخاری۔

(۸) متروک الحديث، قاله النسائی وعبد الحق۔

(۹) لَا تحلّ كتابة حديثه۔

(۱۰) ولَا الاِحتجاج به، قالهما ابن حبان۔

(۱۱) كان يكذب، قاله الاِمام أحمد۔

(۱۲) يضع الحديث، قاله أحمد، ونحوه قول ابن عدی هو فی جملة من يضع الحديث، وقول ابن حبان والحاكم يروی الموضوعات عن الأثبات۔

راوی مذکور کی روایت کا مقام تو اسکے متعلق ناقدین کے الفاظِ مذکورہ سے خود متعین ہو جاتا ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضراتِ محدثین نے جرح وتعدیل کے الفاظ کی شدت وخفت کے پیش نظر ان کے مختلف درجات ومراتب متعین کئے ہیں،

مراتبِ جرح

یہاں جرح کے درجات ذکر کئے جاتے ہیں:

ابن ابی حاتم (ص ۱/۳۷ ق ۱) اور ان کے اتباع میں حافظ ابن صلاح (ص ۱۵۹) اور امام نووی (ص ۳۴۵) نے چار مراتب ذکر کئے ہیں، اور حافظ ذہبی نے **مقدمة ميزان الاِعتدال** (ص ۱/۴) اور حافظ عراقی نے الفیہ اور اسکی شرح **التبصرة والتذكرة** (ص ۱/۱۱) اور مقدمۂ ابن صلاح کی شرح **التقييد والاِيضاح** مین پانچ مراتب، اور حافظ سخاوی نے الفیۂ عراقی کی شرح **فتح المغيث** (ص ۱/۳۴۳) اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے **فتح الباقی** (ص ۲/۱۰) میں چھ مراتب ذکر کئے ہیں، سخاوی نے (ص ۳۴۷) حافظ ذہبی کی بعض دیگر تالیفات سے چھ ہی مراتب نقل کئے ہیں، حافظ ابن حجر نے ایک درجہ کا اضافہ کیا جو مذکورہ بالا حضرات نے ذکر نہیں کیا

ہے اس کو لے لیا جائے تو سات مراتب ہو جاتے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

پھر ابن ابی حاتم، ابن صلاح اور نووی نے ترتیبِ عروجی رکھی ہے اور ادنی سے اعلی کی طرف چلے ہیں، حافظ عراقی نے التقیید میں تو اسی پر عمل کیا ہے، لیکن الفیہ اور اسکی شرح میں ترتیبِ نزولی رکھی ہے اور اعلی سے ادنی کی طرف چلے ہیں، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی پر عمل کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ عروجی کے مطابق ان مراتب کو مختصر طور پر یہاں ذکر کر دیا جائے تا کہ بصیرت میں اضافہ ہو۔

مرتبۂ اولیٰ تعدیل کے قریب تر جرح کے سب سے نرم الفاظ جیسے لین الحدیث، قال ابن أبی حاتم (ص ۳۷) إذا أجابوا فی الرجل بلیّن فھو ممن یُکتب حدیثه وینظرفیه اعتباراً، وقال حمزة السھمی لأبی الحسن الدارقطنی: إذا قلت: 'فلان لیّن' أیش ترید به؟ قال: لَا یکون ساقطاً متروک الحدیث، ولکن یکون مجروحاً بشئی لَا یسقط عن العدالة۔

حافظ عراقی نے اس مرتبہ میں التبصرة والتذکرة (ص ۲/۱۲) میں متعدد الفاظ ذکر کئے ہیں جیسے فلان ضُعِّف، فی حدیثه ضعف، فیه مقال، لیس بعمدة، لیس بحجّة، لیس بالمتین، وغیرہ، حافظ ذہبی نے اپنی بعض تالیفات میں اور سخاوی نے شرح الالفیہ (ص ۳۴۶) میں اسی میں غیرہ أوثق منه کو لیا ہے، حافظ ذہبی نے یُضعّف، فیه ضعف، لَا یحتجّ به کو بھی اس میں ذکر کیا ہے، اور ذہبی نے میزان میں اور عراقی نے الفیہ اور شرح الفیہ میں لیس بالقوی بھی اسی درجہ میں شمار کیا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے۔

مرتبۂ ثانیہ پہلے سے شدید ہے جیسے لیس بالقویّ، قال ابن أبی حاتم وتبعه ابن الصلاح (ص ۱۶۰) والنووی: إذا قالوا: لیس بالقویّ فھو بمنزلة الأولیٰ فی کتبة حدیثه إلّا أنه دونه،

قال السیوطی فی التدریب (ص ۳۴۶) فھی أشدّ فی الضعف، وقال: یُکتب حدیثه، ای للاعتبار، قال الدار قطنی فی سعید بن یحییٰ بن أبی سفیان الحمیری الذی أخرج له البخاری حدیثاً واحداً فی التفسیر: وکذا روی له الترمذی حدیثاً واحداً، کان متوسط الحال ولیس بالقوی۔

مرتبۂ ثالثہ ثانیہ سے اشد ہے جیسے مضطرب الحدیث، واہٍ، ضعّفوہ، ابن ابی حاتم اور ان کے متبعین

نے اسی مرتبہ میں ضعیف الحدیث کو ذکر کیا ہے، قال ابن أبی حاتم: إذا قالوا: ضعیف الحدیث فهو دون الثانی، لَا یُطرح حدیثه بل یعتبر به، حافظ عراقی نے اسی مرتبہ میں فلان منکر الحدیث، أو لَا یحتجّ به، کو بھی ذکر کیا ہے، الفیّہ کے شارحین علامہ سخاوی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری اور شارح تقریب علامہ سیوطی (ص ۳۴۶) نے ان کی موافقت کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ منکر الحدیث ضعیف سے اشد ہے، یہی بندہ کا بھی خیال ہے۔

مرتبۂ رابعہ ثالثہ سے اشد ہے جیسے ضعیف جداً، واہٍ بمرّة، ردّ حدیثه، ردّوا حدیثه، مطرح، مطرح الحدیث، حافظ عراقی نے شرح الفیّہ اور علامہ سیوطی نے اسی میں لیس بشئی کو ذکر کیا ہے، حافظ سخاوی (ص ۳۴۵ ج ۱) کہتے ہیں وهو المعتمد، سخاوی نے اسی درجہ میں لَا یکتب حدیثه، ولَا یحلّ کتبة حدیثه، ولَا تحلّ الروایة عنه کو ذکر کیا ہے۔

مرتبۂ خامسہ درجاتِ سابقہ سے اشد ہے جیسے متّهم بالکذب، ذاهب الحدیث، هالک، لیس بثقة، وغیره، عراقی اور ان کے متبعین نے اسی درجہ میں متروک الحدیث بھی شمار کیا ہے،

وأخرج ابن أبی حاتم (ص ۱۳۱/۱) والرامهرمزی فی المحدث الفاصل (ص ۴۱۰) والحاکم فی علوم الحدیث (ص ۷۷) والخطیب فی الکفایة (ص ۱۹۳) عن عبد الرحمٰن بن مهدی قال: قیل لشعبة: متیٰ یُترک حدیث الرجل؟ قال: إذا حدّث عن المعروفین ما لَا یعرفه المعروفون فأکثرَ، وإذا أکثر الغلط، وإذا اتّهم بالکذب، وإذا روی حدیثاً غلطاً مجتمعاً علیه فلم یتّهم نفسه فیترکه، طرح حدیثه، وما کان غیر ذالک فارو عنه۔

وقال یعقوب بن سفیان فی تاریخه (ص ۱۹۱/۲): ومن طریقه أخرجه الخطیب فی الکفایة (ص ۱۴۶) وابن الصلاح فی علوم الحدیث (ص ۱۶۰): سمعت أحمد بن صالح وذکر مسلمة بن علی قال: لَا یترک حدیث رجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه، قد یقال: فلان ضعیف، قال: فأمّا أن نقول فلان متروک فلا، الّا أن یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه۔

وقال الرامهرمزی (ص ۴۰۶) حدثنا الساجی ثنا أبو موسی قال سمعت عبد الرحمٰن بن مهدی یقول: المحدثون ثلٰثة، رجل حافظ متقن فهذا لَا یختلف فیه، وآخر یوهم والغالب علی حدیثه الصحّة فهذا لَا یُترک حدیثه، والآخر موهم والغالب علی حدیثه الوهم، فهذا متروک

الحديث، وقال ابن حبان: من غلب خطأه على صوابه استحقّ الترک (تهذيب ۶/۳۹۸).

مرتبۂ سادسہ خامسہ سے اشد ہے جیسے کذّاب، وضّاع، دجّال، يضع الحديث، يكذب، وضع حديثاً۔

مرتبۂ سابعہ سب سے اشد ہے جیسے أكذب الناس، إليه المنتهىٰ فى الوضع، ركن من أركان الكذب۔

قال الحافظ ابن حجر فى نزهة النظر فى توضيح نخبة الفكر (ص ۱۵۴) للجرح مراتب، أسوأها الوصف بما دلّ على المبالغة فيه، وأصرح ذالک التعبير بأفعل كأكذب الناس وكذا قولهم اليه المنتهىٰ فى الوضع أو هو ركن الكذب ونحو ذلک، انتهى۔ یہ آخری درجہ حافظ ابن حجر نے اضافہ کیا ہے اوران کے تلامذہ علامہ سخاوی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے ان کا اتباع کیا ہے، پھران حضرات نے پہلے اور دوسرے مرتبہ کے الفاظ کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے، اس لئے ان کے یہاں چھ مراتب ہوتے ہیں، اسی لئے سخاوی، زین زکریا نے چھ ہی مراتب لکھے ہیں، اورابن ابی حاتم نے الگ الگ شمار کیا ہے، یہاں انہیں کا اتباع کیا گیا ہے اس لئے سات مراتب ہوگئے۔

مراتبِ ثلثہ اُولیٰ (جو عراقی وغیرہ کے نزدیک ہیں) کی روایات متابعات وشواہد میں معتبر ہوں گی كما صرّح به ابن أبى حاتم وابن الصلاح والنووى والعراقى والسخاوى والزين زكريا والسيوطى وغيرهم۔

(فائده) قال ابن حجر فى شرح النخبة (ص ۶۶): اعلم أن تتبّع الطرق من الجوامع والمسانيد والأجزاء لذالک الحديث الذى يظنّ أنه فرد ليُعلم هل له متابع ام لَا؟ هو الاِعتبار، وقول ابن الصلاح معرفة الاِعتبار والمتابعات والشواهد قد يوهم أن الاِعتبار قسيم لهما وليس كذالک، بل هو هيئة التوصّل إليهما، انتهىٰ۔

باقی مراتب اربعہ اخیرہ کی روایات کا کسی درجہ میں اعتبار نہیں ہے، نہ استدلال ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ تائید وتقویت ہی حاصل کی جاسکتی ہے، حافظ عراقی مرتبۂ رابعہ وخامسہ وسادسہ کے متعلق لکھتے ہیں (ص ۲/۱۱) كلّ من قيل فيه ذالک من هذه المراتب الثلاث لَا يحتجّ بحديثه ولَا يستشهد به ولَا يعتبر به، اهـ۔

یہی حکم مرتبہ سابعہ کا بھی ہوگا اس لئے کہ وہ سب سے اشد ہے، لہٰذا چاروں مرتبوں کا ایک ہی حکم ہوگا، وقد صرّح به العلامة السخاوى (ص ۱/۳۴۶) وشيخ الاِسلام زكريا الأنصارى (ص ۳/۱۲)۔

اقسامِ ناقدین

اسی طرح ناقدینِ رجال بھی مختلف اقسام کے ہیں، بعض متشدد اور بعض نرم اور بعض معتدل ہیں، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، نسائی، ابن حبان متشددین میں شمار کئے جاتے ہیں اور جوزجانی اہل کوفہ کے بارے میں متشدد ہیں۔

یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے تعنت وتشدد کی حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری میں تصریح کی ہے، اور نسائی، ابن حبان کے تشدد کو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے، ابراہیم جوزجانی کا تشدد اہل کوفہ کے بارے میں مشہور ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کئی جگہ اس پر تنبیہ کی ہے، ایک جگہ تو صاف لکھ دیا ہے

أما الجوزجانی فلا عبرة بحطّه علی الکوفیین، انتهی۔

ترمذی وحاکم متساہل شمار کئے جاتے ہیں اور امام احمد وغیرہ معتدل،

قال السخاوی (ص ۳/۳۲۵): قد قسّم الذهبی من تکلّم فی الرجال أقساماً:

فقسم تکلّموا فی سائر الرواة کابن معین وأبی حاتم،

وقسم تکلموا فی کثیر من الرواة کمالک وشعبة،

وقسم تکلموا فی الرجل بعد الرجل کابن عیینة والشافعی۔

قال: والکلّ علی ثلاثة أقسام أیضاً:

قسم منهم متعنّت فی التجریح متثبّت فی التعدیل، یغمز الراوی بالغلطتین والثلاث، فهذا إذا وثّق شخصاً فعضّ علی قوله بنواجذک وتمسّک بتوثیقه، وإذا ضعّف رجلاً فانظر هل وافقه غیره علی تضعیفه؟ فإن وافقه ولم یوثق ذالک الرجل أحد من الحذّاق فهو ضعیف، وإن وثّقه أحد فهذا هوالذی قالوا لَا یُقبل فیه الجرح إلّا مفسّراً، یعنی لَا یکفی فیه قول ابن معین مثلاً هو ضعیف ولم یبیّن سبب ضعفه، ثم یجیئُ البخاری وغیره یوثقه، ومثل هذا یختلف فی تصحیح حدیثه وتضعیفه،

وقسم منهم متسامح کالترمذی والحاکم،

وقسم معتدل کأحمد والدارقطنی وابن عدی، انتهی۔

راوی ابن أبی سبرہ

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کے راوی ابن ابی سبرہ کے اندر ساتویں مرتبہ کے علاوہ باقی سارے مراتبِ جرح پائے جاتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس راوی پر متشددین نے کلام کیا ہے، اس لئے کہ تینوں قسم کے ناقدین نے کلام کیا ہے اور کذب، وضع کا الزام متشدد و متساہل و معتدل سبھی قسم کے لوگوں نے لگایا ہے،

نیز متشددین کا کلام وہاں محلِ غور ہوتا ہے جہاں کوئی دوسرا ناقدِ فن مخالفت کرے، اور اگر موافقت کرے پھر تو نقد اور قوی ہو جاتا ہے اور جس راوی پر کذب و وضع کا الزام لگایا گیا ہو اس کی روایت نا قابلِ اعتبار ہوگی اور عمل کے لائق نہیں ہوگی، کیونکہ بابِ عمل میں کسی حدیث کے مقبول ہونے کی چھ شرائط ہیں

۱۔ اتصال السند، ۲۔ والعدالة، ۳۔ والضبط، ۴۔ نفی الشذوذ، ۵۔ نفی العلة القادحة، ۶۔العاضد عند الاحتجاج إلیه، کما فی شرح الألفیة للعلامة السخاوی (ص ۹۳/۱) والزین زکریا الأنصاری (ص ۱۱۲/۱)۔

اس روایت میں عدالت بھی مفقود ہے اور کوئی عاضد یعنی مقوی و مؤید تابع یا شاہد بھی نہیں ہے، اس لئے کہ **إحیاء لیلة النصف من شعبان** کے متعلق اگر چہ بعض روایتیں ملتی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے لیکن صومِ نصفِ شعبان کی اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ہے، ایک روایت آگے آرہی ہے جس میں صوم کا ذکر ہے لیکن وہ موضوع ہے، اور علتِ قادحہ بھی موجود ہے کہ اس کا راوی بالاتفاق مجروح ہے اور ائمۂ فن نے اس پر شدید جرح کی ہے، کذب اور وضعِ حدیث کا الزام لگایا ہے، اور جس حدیث کا راوی کاذب ہو متہم بالوضع ہو وہ موضوع کہلاتی ہے،

حافظ ابن حجر طعن فی الراوی کے اسبابِ عشرہ لکھتے ہوئے **شرح النخبة (ص ۸۰)** میں لکھتے ہیں:

فالطعن بکذب الراوی فی الحدیث النبوی هو الموضوع، والحکم علیه بالوضع إنما هو بطریق الظنّ الغالب لَا بالقطع، إذ قد یصدق الکذوب، لکن لأهل العلم بالحدیث ملکة قویة یمیّزون بها ذلک، وإنما یقوم بذالک منهم من یکون اطلاعه تامّا، وذهنه ثاقباً، وفهمه قویاً، ومعرفته بالقرائن الدالّة علی ذالک متمکنة، اھ۔

اب نتیجہ کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ یہ روایت اگر چہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جا سکے لیکن بطریقِ ظنّ غالب اس کو موضوع کہا جا سکتا ہے، اور موضوع روایت سے بالاجماع کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا ہے،

اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے جیسا کہ منذری، عراقی، بوصیری کی رائے ہے تو بھی یہ حدیث نا قابلِ عمل ہے، اس لئے کہ حدیثِ ضعیف اگر چہ بابِ فضائل میں جمہور علماء نے معتبر مانی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا

ضعف شدید نہ ہو، مثلاً اس کا راوی كذّاب یا متّهم بالكذب، فاحش الغلط نہ ہو، اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ہیں جو آگے آرہے ہیں، اور یہ حدیث شدید الضعف ہے۔

ایک اور روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے لیکن وہ بھی غیر معتبر ہے،

قال ابن الجوزی فی كتاب الموضوعات (ص ۱۲۹/۲): أنبأنا إبراهيم بن محمد الأزجی قال أنبأنا الحسين بن إبراهيم أنبأنا أبو الحسين علی بن الحسن بن محمد الكرجی حدثنا أبو عبد الله الحسين بن علی بن محمد الخطيب أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحسكانی حدثنی أبو القاسم عبد الخالق بن علی المؤذن حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القومسی حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر حدثنا أحمد بن عبد الكريم حدثنا خالد الحمصی عن عثمان بن سعيد بن كثير عن محمد بن المهاجر عن الحكم بن عتيبة عن إبراهيم قال قال علی بن أبی طالبؓ: "رأيت رسول الله ﷺ ليلة النصف من شعبان قام فصلّى أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأمّ القرآن أربع عشرة مرّة، و﴿قُل هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُل أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُل أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أربع عشرة مرّة، وآية الكرسی مرّة، و﴿لَقَد جَاءَكُم رَسُولٌ﴾ الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عمّا رأيت من صنيعه؟ فقال: من صنع مثل الذی رأيت كان له كعشرين حجّة مبرورة، وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح فی ذلك اليوم صائماً كان له كصيام سنتين: سنة ماضية، وسنة مستقبلة"۔

قال ابن الجوزی (ص ۱۳۰/۲): هذا موضوع أيضاً وإسناده مظلم وكأن واضعه يكتب من الأسماء ما وقع له، ويذكر قوماً ما يعرفون، وفی الإسناد محمد بن المهاجر، قال ابن حنبل: يضع الحديث، انتهى۔

قال السيوطی فی اللآلی (ص ۶۰/۲): أخرجه البيهقی فی الشعب أنبأنا عبد الخالق به، وقال: يشبه أن يكون هذا الحديث موضوعاً، وهو منكر، وفی رواته قبل عثمان بن أبی سعيد مجهولون، انتهى۔ قلت: والحسين بن إبراهيم شيخ شيخ ابن الجوزی هو الجوزقانی أورد هذا الحديث فی كتاب الأباطيل،

فهٰؤلاء ثلاثة من الأئمة اتّفقوا على كون هذا الحديث موضوعاً، وقد تبعهم السيوطی فی

اللآلی وغیرہ من کتبہ و ابن عراق فی تنزیہ الشریعة (ص ۹۴/۲) والزبیدی فی إتحاف السادة (ص ۴۲۶/۳)۔

ماہِ شعبان کے روزے

پندرھویں تاریخ سے قطع نظر مطلقاً شعبان کے روزے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں،

فأخرج الإمام أحمد (ص۱۰۷ و۱۵۳ و۲۴۲/۶) والبخاری (ص ۲۶۴) ومسلم (ص۳۶۵/۱) وأبوداود (ص۳۸۳/۳ بذل) والنسائی (ص ۳۲۱/۱) عن عائشةؓ قالت: "ما رأیت رسول الله ﷺ استکمل صیام شهر إلّا رمضان، وما رأیتهٗ أکثر صیاماً منه فی شعبان"۔

وأخرج أحمد (ص۸۴ و۱۲۸ و۱۸۹/۶) والبخاری (ص۲۶۴) ومسلم عنها قالت: "لم یکن رسول الله ﷺ یصوم شهراً أکثر من شعبان، فإنه کان یصوم شعبان کلّه"، وأخرج أحمد (ص۱۸۸/۶) وأبوداود (ص۳۸۲/۳) والنسائی (ص ۳۲۱/۱)عن عائشةؓ قالت: "کان أحبّ الشهور إلی رسول الله ﷺ أن یصومه شعبان، ثم یصله برمضان"، وإسناده حسن۔

وأخرج النسائی (ص ۳۲۲/۱) عن عائشةؓ قالت: "لم یکن رسول الله ﷺ صام شهراً أکثر منه شعبان، کان یصومه أو عامّته"۔

وأخرج أیضا عن عائشةؓ قالت: "إن رسول الله ﷺ کان یصوم شعبان کلّه"۔

وأخرج ابن ماجه (ص ۱۲۰) عن ربیعة بن الغاز أنه سأل عائشةؓ عن صیام رسول الله ﷺ، فقالت: "کان یصوم شعبان کلّه حتی یصله برمضان"۔

وأخرج الترمذی (ص ۹۲/۱) والنسائی (ص ۳۲۱/۱) وأحمد (ص۳۰۰/۶) عن أم سلمةؓ قالت: "ما رأیت النبی ﷺ یصوم شهرین متتابعین الّا شعبان ورمضان"، قال الترمذی هذا حدیث حسن۔

وأخرج أبو یعلیٰ عن عائشةؓ "أن النبی ﷺ کان یصوم شعبان کلّه، قلت: یا رسول الله! أحبّ الشهور إلیک أن تصومه شعبان؟ قال: إن الله یکتب فیه کل نفس میتة تلک السنة فأحبّ أن یأتینی أجلی وأنا صائم"، قال المنذری (ص۱۱۷/۲): وهو غریب وإسناده حسن،

وقال الهيثمى (ص ۱۹۲/۳): فيه مسلم بن خالد الزنجى وفيه كلام، وقد وثّق.

وأخرج ابن أبى شيبة (ص ۱۰۳/۳) وأحمد (ص ۲۰۱/۵) والنسائى (ص ۳۲۲/۱) وكذا ابن زنجويه وأبو يعلىٰ وابن أبى عاصم والباوردى كما فى منتخب الكنز (ص ۳۶۲/۳) والكنز (ص ۴۱۰/۸) عن أسامة بن زيدؓ قال: ”قلت يا رسول الله! لم أرک تصوم شهرا من الشهور ما تصوم من شعبان؟ قال: ذلک شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان، وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى ربّ العلمين فأحبّ أن يرفع عملى وأنا صائم“.

وأخرج أحمد (ص ۲۳۰/۳) عن انسؓ قال: ”كان رسول الله ﷺ يصوم فلا يفطر حتى نقول ما فى نفس رسول الله ﷺ أن يفطر العام، ثم يفطر فلا يصوم، حتى نقول ما فى نفسه أن يصوم العام، وكان أحبّ الصوم إليه فى شعبان“.

اور بھی اس کے علاوہ دوسری روایات وارد ہوئی ہیں۔

ليلة النصف من شعبان کی فضیلت اور احیاء اور بعض مخصوص صلوات کا بیان اخیر میں آرہا ہے۔

(۲) سوال کا جزء ثانی یہ ہے کہ

ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ساری احادیث کا دارومدار سند پر ہے، بلا سند کسی حدیث کا اعتبار نہیں،

قال ابن سيرين: إن هذا العلم دين فانظروا عمّن تأخذون دينكم، رواه مسلم فى المقدمة والخطيب فى الكفاية، وقال فى رواية: إنما هذه الأحاديث دين فانظروا عمّن تأخذونها، رواه ابن أبى حاتم فى الجرح والتعديل (ص ۱۵).

وقال عبد الله بن المبارک: الإسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء، رواه مسلم فى المقدمة وابن أبى حاتم (ص ۱۶) وابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص ۲۶/۱) والحاكم فى علوم الحديث (ص ۸).

وعن ابن المبارک: طلب الإسناد المتصل من الدين، رواه الخطيب فى الكفاية

(ص ۵۲۴)، وعن ابن المبارک أيضاً: مثل الذى يطلب أمر دينه بلا إسناد كمثل الذى يرتقى السطح بلا سلّم، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۵) وشرف أصحاب الحديث (ص ۴۲).

وقال عبد الصمد بن حسان سمعت سفيان الثورى يقول: الإسناد سلاح المؤمن، فإذا لم يكن معه سلاح فبأى شئى يقاتل؟ رواه ابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص۲۷/۱) والخطيب فى شرف أصحاب الحديث (ص ۴۲).

وقال على بن المدينى قال أبو سعيد الحداد: الاِسناد مثل الدرج ومثل المراقى، فإذا زلّت رِجلک عن المرقاة سقطت، والرأى مثل المرج، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۶) وشرف أصحاب الحديث (۴۲)، ورواه ابن حبان فى مقدمة الضعفاء (ص ۲۶) عن قتيبة بن سعيد قال: سمعت أبا سعيد الحداد: الحديث درج والرأى مرج، فإذا كنت فى المرج فاذهب كيف شئت، وإذا كنت فى درج فانظر أن لَا تزلق فيندقّ عنقک.

وقال يعقوب بن محمد بن عيسى: كان ابن شهاب إذا حدّث أتیٰ بالاِسناد، ويقول لَا يصلح أن يرقى السطح إلّا بدرجة، رواه ابن أبى حاتم فى الجرح والتعديل (ص ۱۶/۱).

وقال هلال بن العلاء سمعت أبى يقول: حمل أصحاب الحديث على ابن عيينة يوماً فصعد فوق غرفة فقال له أخوه تريد أن يتفرقوا عنک؟ حدّثهم بلا إسناد، فقال: أنظروا إلى هذا يأمرنى أن أصعد فوق البيت بغير درجة، قال صالح بن أحمد الحافظ: يعنى أن الحديث بلا إسناد ليس بشئى، وأن الاِسناد درج المتون به يوصل اليها، رواه الخطيب فى الكفاية (ص ۵۲۵).

وعن مطر الوراق فى قوله عزوجل ﴿أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ﴾ قال: إسناد الحديث، رواه الرامهرمزى فى المحدث الفاصل (ص ۲۱۰) والخطيب فى شرف أصحاب الحديث (ص ۳۹).

وقال الشافعى: مثل الذى يطلب الحديث بلا إسناد كمثل حاطب ليل، كذا نقله السخاوى فى شرح الألفية (ص ۵/۳).

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آثار ہیں جو مذکورہ بالا حضرات اور دوسروں نے خاص طور سے زرقانی نے شرح المواہب (ص ۵/۳۹۳) میں نقل کئے ہیں جن سے اسناد کا حدیث کے معتبر ہونے کے لئے شرط ہونا معلوم

ہوتا ہے،

اور اسناد کی علوم نبویہ اسلامیہ کے تعلیم وتعلم میں محتاج الیہ ہونے پر حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی روشنی پڑتی ہے،

قال النبی ﷺ: "أکرموا أصحابی فإنهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم، ثم یظهر الکذب حتّی أن الرجل لیحلف ولَا یستحلف، ویشهد ولَا یستشهد"، الحدیث، رواه أحمد (ص۱۸ ج۱) والحمیدی (ص۲۰ ج۱) والشافعی (ص۴۲۴) وأبوداود الطیالسی (ص۷) والترمذی (ص۳۹/۲) والحاکم (ص۱۱۴/۱) عن عمر بن الخطابؓ، وصحّحه الحاکم علی شرط الشیخین وأقرّه الذهبی، وهذا لفظ الحمیدی والشافعی، ولفظ أحمد والترمذی والحاکم "ثم یفشو الکذب".

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علم سلف سے خلف لیں گے اور صدق وسچائی کے ساتھ نقل کریں گے، لیکن یہ تبع تابعین تک رہے گا پھر دروغ گوئی اور غلط بیانی کی کثرت ہوجائے گی، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

وقال رسول الله ﷺ: "یکون فی آخر الزمان دجّالون کذّابون یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا أنتم ولَا آباؤکم، فإیّاکم وإیّاهم، لَا یضلّونکم ولَا یفتنونکم"،

وقال ﷺ: "سیکون فی آخر أمتی أناس یحدّثونکم بما لم تسمعوا أنتم ولَا آباؤکم، فإیّاکم وإیّاهم"، رواهما مسلم فی المقدمة (ص۹ و۱۰) عن أبی هریرةؓ، والأخیر أخرجه الحاکم (ص۱۰۳) وقال: ذکره مسلم فی خطبة الکتاب ولم یخرجه فی أبواب الکتاب وهوصحیح علی شرطهما ولَا أعلم له علّة.

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ خلف سلف سے نقل کریں ورنہ سماع من الآباء کے ذکر کا کیا فائدہ؟

ایک حدیث میں تو سماع مسلسل کی تصریح واقع ہوئی قال النبی ﷺ: "تَسمعون ویُسمع منکم ویُسمع ممّن یَسمع منکم"، رواه أحمد و أبوداود (ص۳۲۶/۴) وابن حبان (ص۱۵۱/۱) والحاکم والخطیب فی شرف أصحاب الحدیث (ص۳۸) عن ابن عباسؓ وصحّحه ابن حبان والحاکم وأقرّه الذهبی، وقال العلائی: حسن.

معلوم ہوا کہ نقل احادیث کا ضابطہ یہ ہے کہ مابعد والے ماقبل والوں سے بالسماع نقل کریں اور متقدمین متاخرین سے بیان کریں،

وقال المناوی فی فیض القدیر (ص ۲۴۵/۳): وقد امتثلت الصحابة أمره ولم یزل ینقل عنه أقواله وأفعاله، وتلقّی ذالک عنهم التابعون ونقلوه إلی أتباعهم، واستمرّ العمل علی ذالک فی کل عصر إلی الآن، انتهی۔

پھر نقل بالا سناد کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ کسی ایسے معتمد کتاب سے حدیث نقل کیجائے جس کے مصنف نے اپنی سند سے اسکی حدیثوں کو روایت کیا ہو جیسے صحاح ستہ ومسانید ومعاجم وغیرہ، دوسرے یہ کہ اپنی سند سے روایت کرے، بعض متاخرین علماء نے اسکو ضروری قرار دیا ہے مگر محققین نے اسکو رد کیا ہے اور صورت اولی کو کافی قرار دیا ہے،

حافظ سیوطی تدریب (ص ۱/۱۵۱) میں لکھتے ہیں: قال الکیا الطبری فی تعلیقه: من وجد حدیثاً فی کتاب صحیح جاز له أن یرویه ویحتجّ به، وقال قوم من أصحاب الحدیث: لَا یجوز له أن یرویه، لأنه لم یسمعه، وهذا غلط، وکذا حکاه إمام الحرمین فی البرهان عن بعض المحدثین، وقال: هم عصبة لَا مبالَاة بهم فی حقائق الأصول، یعنی المقتصرین علی السماع لَا أئمة الحدیث، انتهی۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نقلِ حدیث کے لئے اسکا منقول بالسند ہونا ضروری ہے، لیکن مضامین کے اعتبار سے اسانید میں تفصیل ہے، بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفا کرلیا جاتا ہے، عقائد واحکام سے اگر تعلق ہے تو صحیح وقوی سند درکار ہے، اور اگر فضائل ومناقب، ترغیب وترہیب، تفسیر وتاریخ سے تعلق ہے تو ضعیف روایت بھی چند شرائط کے پائے جانے کی صورت میں کافی ہوجائے گی،

قال الإمام أحمد: إذا روینا عن رسول الله ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والأحکام تشدّدنا فی الأسانید، وإذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الأعمال وما لَا یضع حکما ولَا یرفعه تساهلنا فی الأسانید، أخرجه الخطیب فی الکفایة (ص ۱۷۷)،

وقال عبد الرحمٰن بن مهدی: إذا روینا عن النبی ﷺ فی الحلال والحرام والأحکام شدّدنا فی الأسانید وانتقدنا الرجال، وإذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب تساهلنا فی الأسانید وتسامحنا فی الرجال، أخرجه الحاکم فی المستدرک (ص ۱/۴۹۰) والبیهقی فی المدخل

(ص۳۳/ ۱) وزاد الحاكم بعد العقاب ’والمباحات والدعوات‘۔

وقال ابن أبی حاتم (ص۳۰/ ۱): حدثنی أبی نا عبدة يعنی ابن سليمان قال: قيل لِابن المبارك: وروى رجل حديثا فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروى عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء، قلت لعبدة: مثل أی شئ كان؟ قال: فی أدب، فی موعظة، فی زهد أو نحو هذا۔

وقال الحافظ ابن حجر فی تهذيب التهذيب فی تر جمة بكر بن خنيس: قال ابن أبی مريم عن يحیٰ بن معين، صالح لَا بأس به، إلّا أنه يروی عن ضعفاء ويُكتب من حديثه الرقاق،

قال ابن الصلاح فی علوم الحديث له (ص۹۳): يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوىٰ صفات الله تعالی وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهما، وذالک كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب وسائر ما لَا تعلق له بالأحكام والعقائد، وممّن روينا عنه التنصيص على التساهل فی نحو ذالک عبد الرحمٰن بن مهدی وأحمد بن حنبل ۔

وقال النووی فی التقريب: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به، من غير بيان ضعفه فی غير صفات الله تعالی والأحكام كالحلال والحرام وما لَا تعلق له بالعقائد والأحكام، انتهی۔

وقال فی مقدمة شرح المهذب (ص۵۹/ ۱): قال العلماء: والحديث ثلاثة أقسام، صحيح وحسن وضعيف، قالوا: وإنما يجوز الاِحتجاج من الحديث فی الأحكام بالحديث الصحيح او الحسن، فأما الضعيف فلا يجوز الاِحتجاج به فی الأحكام والعقائد، وتجوز روايته والعمل به فی غير الأحكام كالقصص وفضائل الأعمال والترغيب والترهيب۔

وقال فی الأذكار (ص۵) قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحبّ العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً، وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغيرذٰلک فلا يعمل فيها الّا بالحديث الصحيح

أو الحسن إلّا أن يكون فی احتياط فی شئ من ذالک، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فانّ المستحبّ أن ينزّه عنه ولكن لَا يجب، انتهى۔

وقال السيوطی فی تحذير الخواص (ص ۷۴): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لَا تحلّ رواية الموضوع فی أیّ معنی إلّا مقروناً ببيان وضعه، بخلاف الضعيف فإنه تجوز روايته فی غير العقائد والأحكام، ولمن جزم بذلک شيخ الاِسلام محی الدين النووی فی كتابيه الاِرشاد والتقريب وقاضی القضاة بدر الدين بن جماعه فی المنهل الروی والطيبی فی الخلاصة والشيخ سراج الدين البلقينی فی محاسن الاِصطلاح وحافظ عصره زين الدين أبو الفضل عبد الرحيم العراقی فی ألفيتهٖ وشرحها۔

وقال السيوطی أيضا فی طلوع الثريا (ص ۱۹۱/۲): الحديث الضعيف يتسامح به فی فضائل الأعمال، وقال فی الدرج المنيفة (ص۷): الحديث الضعيف يعمل به فی الفضائل والمناقب، وكذا قال فی التعظيم والمنّة (ص ۱) وفی المقامة السندسية (ص ۵)۔

وقال علی القاری فی المرقاة (ص ۲۶/۲): الحديث الضعيف يعمل به فی فضائل الأعمال، وقال فی موضع (ص ۱۱۴/۲): أجمعوا علی جواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال، وقال فی موضع آخر (ص ۱۷۲/۲): يعمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال باتفاق العلماء، اھ۔

یہ جوان حضرات نے تفصیل ذکر فرمائی کہ عقائد واحکام میں حدیثِ صحیح وحسن ضروری ہے اور اسکے ماسوا میں ضعیف بھی معتبر ہے اسی طرح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک، ابوزکریا العنبری، ابن ابی حاتم، ابو عبداللہ الحاکم، ابن عدی، بیہقی، ابن عبدالبر، خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے، محقق ابن الہمام نے فتح القدیر (ص ۲۴۶/۱) میں یہی لکھا ہے۔

لیکن ضعیف حدیث کے معتبر ہونے کیلئے علماء نے کچھ شرائط تحریر کئے ہیں، ایک شرط تو وہی ہے جو سبھی نے لکھی ہے یعنی عقائدواحکام سے تعلق نہ ہو، قال البدر الزركشی فی نكته علی مختصر ابن الصلاح: أما الضعيف فيجوز بشروط،

أحدها أن لَا يكون فی الأحكام والعقائد، ذكره النووی فی الروضة والأذكار وغيرهما من

کتبه،

الثانی أن یکون له أصل شاهد لذالک، ذکره الشیخ تقی الدین بن دقیق العید فی شرح الالمام،

الثالث أن لَا یعتقد ثبوته، کذا نقله السیوطی فی تحذیر الخواص (ص ٤٦)، وقال فی التدریب (ص ٢٩٨ ج ١): لم یذکر ابن الصلاح والمصنف یعنی النووی هنا ای فی التقریب وسائر کتبه لما ذکر سوی هذا الشرط، وهو کونه ای الضعیف فی الفضائل ونحوها۔

وذکر شیخ الاِسلام یعنی الحافظ ابن حجر له ثلا ثة شروط:

أحدها أن یکون الضعف غیر شدید، فیخرج من انفرد من الکذّابین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه، نقل العلائی الاِتفاق علیه،

الثانی أن یندرج تحت أصل معمول به،

الثالث أن لَا یعتقد عند العمل به ثبوته، بل یعتقد الاِحتیاط، قال وهٰذان ذکرهما ابن عبد السلام وابن دقیق العید، وقیل لَا یجوز العمل به مطلقاً، وقیل یعمل به مطلقاً، انتهیٰ۔

وقال السخاوی فی القول البدیع (ص ٢٥٨): سمعت شیخنا –یعنی الحافظ ابن حجر– مراراً وکتب لی بخطه: أن شرائط العمل بالضعیف ثلاثة، الأول أن یکون الضعف غیر شدید، فیخرج من انفرد من الکذّابین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه، نقل العلائی الاِتفاق علیه، الثانی أن یکون مندرجاً تحت أصل عام فیخرج ما یخترع بحیث لَا یکون له أصل أصلاً، الثالث أن لَا یعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ینسب الی النبی ﷺ ما لم یقله، والأخیران ذکرهما ابن عبد السلام وصاحبه ابن دقیق العید۔

قال السخاویؒ: وقد نقل عن الإمام أحمد أنه یعمل بالضعیف إذا لم یوجد فی الباب غیره ولم یکن ثمّ ما یعارضه، وفی روایة عنه: ضعیف الحدیث أحبّ إلینا من رأی الرجال،

وکذا ذکر ابن حزم أن جمیع الحنفیة مجمعون علی أن مذهب أبی حنیفة: أن ضعیف الحدیث أولی عنده من الرأی والقیاس۔

فتحصل أن فی الضعیف ثلاثة مذاهب: لَا یُعمل به مطلقاً، ویُعمل به مطلقاً إذا لم یکن فی

الباب غيره، ثالثها وهو الذی عليه الجمهور يُعمل به فی الفضائل دون الأحكام، كما تقدم بشروطه، انتهیٰ.

شروط سے مراد وہی شروطِ ثلاثہ سابقہ ہیں جو حافظ ابن حجر کے حوالے سے گذر چکی ہیں۔

اور حافظ ابن حجر کے اتباع میں ان کے تلامذہ وغیرہ جیسے علامہ سخاوی، علامہ زکریا، اور علامہ سیوطی، شہاب الدین الخفاجی، شمس الدین الرملی، صاحب الدر المختار، علامہ جزائری وغیرہ سبھی نے ذکر کیا ہے،

لیکن یہاں دو امر قابلِ غور ہیں،

اول تو یہ کہ جمہور کا یہ کہنا کہ حدیث ضعیف کا احکام میں اعتبار نہیں ہے اور پھر اسی سے استحباب کا ثابت کرنا جو بذات خود ایک حکم ہے بظاہر تناقض ہے،

اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ فضیلت سے مراد فضل ہو، یعنی اصل حکم تو احادیث معتبرہ سے ثابت ہو اور اس کے فضائل ضعیف احادیث سے ثابت ہو جائیں، یہ جواب علامہ شہاب الدین الخفاجی نے شرح الشفاء (ص ۱/۴۳) میں ذکر کیا ہے۔

علامہ دوانی نے انموذج العلوم میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں وارد ہو اور وہ عمل حرمت و کراہت کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس پر عمل کر لینا مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں نفع ہے خطرہ نہیں،

مگر علامہ خفاجی نے اسپر اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب سخاوی وغیرہ کی عبارتِ بالا سے جوڑ نہیں کھاتا ہے، دوسرا امر یہ ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام، ابن دقیق العید، حافظ ابن حجر اور ان کے متبعین کا یہ فرمانا کہ عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ اسکے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ احتیاط کا قصد کرے علامہ شمس الدین الرملی وغیرہ نے اس شرط کو محلِ اشکال قرار دیا ہے، اشکال بظاہر یہ ہے کہ اگر ثبوت کا اعتقاد نہ ہو تو پھر عمل کیسا؟ کسی روایت کے مطابق عمل کرنا اس کے ثابت ماننے کی فرع ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ عمل جیسے ثبوت پر متفرع ہوتا ہے ایسے ہی احتمال ثبوت پر متفرع ہوسکتا ہے، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عمل کر لیا جائے، رہا عدمِ ثبوت کا احتمال تو وہ مضر نہیں ہے اس لئے کہ اگر چہ عدمِ ثبوت کی صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ جو چیز صاحبِ نبوت سے ثابت نہ ہو اس پر عمل کر لینا شریعت میں اضافہ کی ایک شکل ہے جو بدعت ہے، یہ مضر اسلئے نہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ حدیثِ ضعیف کسی اصل عام کے تحت آتی ہو۔

حدیث موضوع کی بحث

یہاں تک تو احادیث صحیحہ وضعیفہ کے متعلق گفتگو تھی، اب موضوع حدیث کے متعلق کچھ سن لیجئے۔

موضوع یعنی جعلی روایات بنانا حرام ہے، کرامیہ اور بعض جاہل صوفیوں سے جو اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے یہ ان کی جہالت ہے، وضعِ روایت بہرحال حرام ہے،

قال النبی ﷺ: ''من كذب علىّ متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار''، رواه الشيخان، وهذا الحديث قد روى عن جماعة كثيرة تزيد على ثمانين نفسا، وأحاديثهم موجودة بل يبلغون المائة، اور احادیث موضوعہ کو نقل کرنا بھی ناجائز ہے، الا یہ کہ بیان کرتے وقت تصریح کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے،

قال النبی ﷺ: ''من حدّث عنّى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين''،

رواه مسلم فى المقدمة (ص٦) والترمذى (ص ١٩ ج٢) وابن ماجه وابن حبان والبيهقى فى المدخل (ص ٣٢) عن المغيرة بن شعبةؓ، ومسلم فى المقدمة وابن ماجه وابن حبان والبيهقى فى المدخل عن سمرة بن جندبؓ، وابن ماجه عن علیؓ،

قال السندى فى حاشية ابن ماجه (ص ١٠): قوله ''فهو أحد الكاذبين''، قال النووى: المشهور روايته بصيغة الجمع اى فهو واحد من جملة الواضعين، والمقصود أن الرواية مع العلم بوضع الحديث كوضعه، قالوا: هذا إذا لم يبيّن وضعه.

وقد جاء بصيغة التثنية، والمقصود أن الراوى له يشارك الواضع فى الإثم، وقول السندى: أن الرواية مع العلم بوضع الحديث مبنى على رواية يرىٰ بفتح المثناة التحتية، وقد روى بضمّها ومعناها يظنّ، وكذا على رواية الفتح إذا كان مأخوذا من الرأى لَا من الرؤية.

وأخرج أحمد والترمذى (١١٩ ج٢) عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ: ''اتقوا الحديث عنّى الّا ما علمتم، فإنه من كذب علىّ متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار''.

قال النووى (ص٨ ج١): تحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً أو غلب على ظنّه وضعه، فمن روىٰ حديثا علم أو ظنّ وضعه ولم يبيّن حال روايته وضعَه فهو داخل فى هذا الوعيد مندرج فى جملة الكاذبين على رسول الله ﷺ، يدلّ عليه الحديث السابق ''من حدّث عنّى بحديث يرىٰ أنه كذب فهو أحد الكاذبين''.

وقال أبو عمرو بن الصلاح فی علوم الحديث (ص ۸۹): اعلم أن الحديث الموضوع شرّ الأحاديث الضعيفة، ولَا تحلّ روايته لِأحد علم حاله فی أیّ معنی کان إلّا مقرونا ببيان وضعه۔

وقال الحافظ ابن حجرفی شرح النخبة (ص ۸۵): واتفقوا علی تحريم رواية الموضوع إلّا مقروناً ببيانه لقوله ﷺ: ”من حدّث عنّی بحديث یریٰ أنه كذب فهو أحد الكاذبين“، أخرجه مسلم، انتهی، وقد تقدم كلام العلامة السيوطی فی بيان حكم الضعيف۔

اور جب موضوع روایات بنانا اوران کا نقل کرنا جائز نہیں ہے توان پرعمل کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

امام بیہقی المدخل میں احادیث ضعیفہ متفق علیہا کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں(ص ۳۳): ضربٌ رواه من كان معروفاً بوضع الحديث والكذب فيه، فهٰذا الضرب لَا يكون مستعملاً فی شئ من أمور الدين إلّا علی وجه التبيين (ای لَا يجوز ذكره الّا علی وجه التبيين، محمد يونس)۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ اورسمرہ بن جندبؓ کی احادیثِ سابقہ دلیل میں پیش کی ہیں،

علامہ شمس الدین الرملی اورعلامہ علاء الدین حصکفی صاحب الدرالمختارفرماتے ہیں(ص ۸۷):أما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال ولَا روايته إلّا إذا قرن ببيانه۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: قوله 'بحال' أی ولو فی فضائل الأعمال، قال الطحطاوی: أی حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، أما لو كان داخلا تحت أصل عام فلا مانع منه، لَا لجعله حديثاً بل لدخوله تحت الأصل العام، اهـ۔ قال ابن عابدين: فتأمل۔

بندہ کے خیال میں علامہ طحطاوی کا کلام صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب موضوع روایت حضوراکرم ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے تواس پرعمل کیسے جائز ہوسکتا ہے،اوراگروہ اصل عام کے تحت داخل ہے توعمل اس عام پرہوگا نہ کہ اس باطل موضوع روایت پر، غالبًا علامہ شامی نے فتأمل سےاسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۔تیسرا جزء یہ ہے کہ ابوبکربن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟

اس کا جواب اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا جوحدیث کی تحقیق میں جزء اول میں ذکرکی گئی ہے، اورخلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص ائمہ فنِ حدیث کے نزدیک بالاتفاق مجروح ہے، ایک جماعت نے اس کی تضعیف پراکتفاء کیا لیکن اکثرنے شدید تضعیف کی ہے، اوردوسری جماعت امام احمد، ابن عدی، ابن حبان وحاکم اس کوواضع الحدیث اوردروغ گوبتاتے ہیں، امام احمد چونکہ معتدل ہیں اس لئے ان کا اتنی کڑی جرح بے معنی نہیں ہے۔

۴۔ چوتھا جزء یہ ہے کہ کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ تحفہ نے ابوبکر بن ابی سبرہ کے متعلق جوکلام کیا ہے وہ تو بالکل صحیح ہے، اور جو کچھ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے وہ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے اور صاحبِ تحفہ نے حافظ ابن حجر کا اتباع کیا ہے۔

رہا اس حدیث کو موضوع قرار دینا! تو اس وقت تحفۃ الاحوذی بندہ کے سامنے نہیں ہے، بہرحال جس نے بھی اسکو موضوع کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظنِّ غالب میں یہ موضوع ہے، یہ ماقبل میں نمبر ۲۔ کے ذیل میں گزر چکا کہ کسی حدیث کے راوی کے دروغ گو یا واضع الحدیث ہونے کی وجہ سے حدیث کے موضوع ہونے کا حکم ظنِّ غالب کے درجہ میں لگایا جاتا ہے، البتہ جن ائمہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے گو شدید الضعف ہی سہی ان کے مسلک پر بظاہر حدیث درجہ ضعیف ہی میں رہے گی، گو قابل عمل پھر بھی نہ ہوگی، **کما تقدّم التفصیل**۔

۱۵/شعبان کے روزہ کا حکم

۵۔ پانچواں جزء یہ ہے کہ شب برات کا روزہ کیا بدعت ہے؟

میری معلومات میں متقدمینِ فقہاء نے اس روزہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، امام محمد بن الحسن کی موجودہ کتابوں **کتاب الأصل، جامع صغیر، کتاب الآثار، کتاب الحجج، کتاب السیر الکبیر** اور متونِ معتبرہ میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے، متأخرین نے بھی نصف شعبان کے روزہ کی تصریح نہیں کی ہے۔

البتہ مطلقاً صومِ شعبان کو مرغوبات میں شمار کیا ہے، **قال فی الفتاوی العالمکیریة** (ص ۲۰۳/۱): **المرغوبات من الصیام أنواع: أوّلها صوم المحرم، والثانی صوم رجب، والثالث صوم شعبان، وصوم عاشوراء هو الیوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة، کذا فی الظهیریة انتهی۔**

مطلقاً صومِ شعبان کے استحباب کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کا کثرت سے اس ماہ میں روزہ رکھنے کا ذکر وارد ہوا ہے، اور یہ کہ آپ کل شعبان کا اور گاہے اکثر کا روزہ رکھتے تھے، کما تقدّم۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے **شرح سفر السعادة** (ص ۳۱۰) میں مطلقاً شعبان کے روزہ کا استحباب ذکر کیا ہے اور صومِ نصفِ شعبان کا کوئی ذکر نہیں ہے، **أشعّة اللمعات** (ص ۱/۵۴۹) میں صرف ابن ماجہ کی حدیث سابق کے ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے، اسی طرح **ما ثبت بالسنة** (ص ۱۹۹) میں بھی صرف ابن ماجہ کی روایت ذکر کی

ہے اور اس حدیث کا حال معلوم ہو چکا۔

اسی طرح حنابلہ کی موجودہ کتب **مختصر الخرقی**، اس کی شرح **المغنی**، **المقنع**، اس کی شرح **الشافی** میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شافعیہ کی کتب مشہورہ جیسے **کتاب الأم للشافعی**، **المھذّب للشیرازی**، **شرح المھذّب للنووی** اور **المنھاج**، **المنھج**، **تحفۃ المحتاج** میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، البتہ عبدالحمید الشروانی نے **تحفۃ المحتاج** کے حاشیہ میں اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مالکیہ کی کتابوں میں سے **مختصر الخلیل** اور اس کی شرح **جواھر الإکلیل**، رسالہ ابن ابی زید، اس کی شرح **کفایۃ الطالب** اور کفایہ کے حاشیہ مصنّفہ علامہ علی صعیدی عدوی میں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

اسلئے جہاں روایتی حیثیت سے خاص پندرہویں شعبان کا روزہ پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا وہیں فقہا کے کلام سے بھی کوئی ثبوت نہیں نکلتا ہے، اور غالباً حضرات فقہاء نے روایت کے غیر معتبر ہونے سے سکوت فرمایا ہے۔

اور بعض متأخرین شافعیہ نے جو اس کو مندوب کہہ دیا یا یوں کہئے کہ اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا بظاہر انہوں نے سند روایت پر نظر نہیں کی ہے یا اگر نظر کی تو تحقیق سے کام نہیں لیا۔

اگر پندرہویں دن سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر شعبان کے روزے کا ثبوت ان روایات صحیحہ وحسنہ سے ہوتا ہے جو ماقبل میں سوال کے جزء اول کے جواب کے اخیر میں گزر چکی ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں بلاتحدید روزہ رکھنا مندوب ہے **اتباعاً للنبی** صلی اللہ علیہ وسلم۔

صاحب ظہیریہ وغیرہ فقہاء احناف نے صیامِ مندوبہ میں جو شعبان کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہی صورت مراد ہے، ورنہ اگر خاص نصفِ شعبان کا روزہ مراد ہوتا تو اس کی تصریح کر دیتے۔

اب بظاہر یہی صواب معلوم ہوتا ہے کہ نصفِ شعبان کا خاص کرنا اور صرف اسکا روزہ رکھنا بدعت ہے الا یہ کہ ۱۳/۱۴ر کا روزہ بھی رکھا جائے تا کہ ایام بیض کے روزے ہو جائیں۔

یہاں تک لکھنے کے بعد علامہ مناوی کی کتاب **فیض القدیر** (ص ۲/۳۱۷) میں ایک عبارت ملی جو ماقبل کی تحقیق کے لئے متن کا درجہ رکھتی ہے، فرماتے ہیں: **قال المجد بن تیمیۃ: صوم شعبان جاء فی فضلھا أخبار صحیحۃ، وأمّا صوم یوم نصفہ مفرداً فلا أصل لہ، بل یکرہ، قال: وکذا اتّخاذہ موسماً تصنع فیہ الأطعمۃ والحلوٰی وتظھر فیہ الزینۃ وھو من المواسم المحدثۃ المبتدعۃ التی لَا أصل لھا، انتھی۔**

علامہ مناوی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کے موافق ہیں۔

شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق

یہ گفتگو تو نصف شعبان کے روزہ کے متعلق تھی، اب ضمناً نصفِ شعبان کی رات کے متعلق چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں، اوران کو تین فصلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اول اس کے فضائل کے بیان میں۔

ثانی اس کے إحیاء اور خاص طور سے اسمیں عبادت میں مصروف رہنے کے بارے میں علماء کے اقوال۔

ثالث ان خاص نمازوں کا بیان جو اس رات میں وارد ہوئی ہیں۔

فصل اول۔ اس رات کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں:

(۱) أخرج ابن أبی شیبة وأحمد (ص۲۳۸/۶) والترمذی (ص۹۲/۱) وابن ماجه (ص۱۰۰) والبیهقی من طریق الحجاج بن أرطاة عن یحیٰ بن أبی کثیر عن عروة عن عائشةؓ قالت: ''فقدت رسول الله ﷺ لیلةً فخرجت فإذا هو بالبقیع فقال: أکنتِ تخافین أن یحیف الله علیکِ ورسوله؟ قلت: یا رسول الله! إنّی ظننت أنّک أتیت بعض نسائک، فقال: إنّ الله تعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان إلی السماء الدنیا فیغفر لأکثر من عدد شعرغنم کلب''۔

و الحجاج ابن أرطاة مع ضعفه مدلّس وقد عنعن، قال التر مذی: حدیث عائشةؓ هذا لا نعرفه الّا من هذا الوجه، سمعت محمدًا یضعّف هذا الحدیث، وقال: یحیی بن أبی کثیر لم یسمع من عروة، قال محمد: والحجاج لم یسمع عن یحیی بن أبی کثیر، انتهی۔

وقال ابن العربی فی شرح الترمذی (ص۲۷۵/۳): فالحدیث مقطوع فی موضعین، وأیضاً الحجاج لیس بحجة، وقال ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص۶۶/۲): قال الدار قطنی: وقد روی من وجوه، وإسناده مضطرب غیر ثابت، وقال الزرقانی فی شرح المواهب

(ص ۲ ۱ ۴ / ۷): دعوی الاِنقطاع بین الحجاج ویحییٰ مسلّم، وأمّا سماع یحییٰ من عروۃ فنفاہ ایضاً أبو زرعۃ وأبو حاتم فیما ظنّہ، وأثبتہ ابن معین، والمثبت مقدّم علی النافی۔

وقول الترمذی 'لَا نعرفہ الّا من ھذا الوجہ' تقصیر، فقد جاء من ثلاثۃ أوجہ غیرہ کما بیّنہٗ الحافظ العراقی، وبالجملۃ فبعضھا یعضد بعضاً فیرتقی إلی الحسن لغیرہ، ولذا قال ابن رجب: إنّہ من أمثلھا۔

(۲) أخرج البزّار وابن عدیّ والبیھقی وابن الجوزی فی العلل (ص ۶۶/ ۲) من طریق عبدالملک بن عبدالملک عن مصعب بن أبی ذئب عن القاسم بن محمد عن عمہ وغیرہ عن أبی بکر الصدیقؓ عن النبیﷺ قال: "ینزل اللہ عزّ وجلّ لیلۃ النصف من شعبان إلی السماء الدنیا فیغفر لکل نفس إلّا إنساناً فی قلبہ شحناء أوالمشرک باللہ عزّ وجلّ"۔

وعبد الملک بن عبدالملک قال البخاری: فی حدیثہ نظر، قال العقیلی والذھبی: إنّہ أراد ھذا الحدیث، وقال ابن عدی: وھو معروف بھذا الحدیث ولَا یرویہ عنہ غیر عمرو بن الحارث، وھو حدیث منکر بھذا الاِسناد، وقال ابن حبان: منکرالحدیث جدّاً یروی مالَا یتابع علیہ، وذکرہ الذھبی فی المیزان فأشارالی نکارتہ۔

وأغرب الاِمام المنذری فی الترغیب (ص ۹ ۵ ۴/ ۳) فقال: رواہ البزّار والبیھقی بإسناد لَا بأس بہ، وقال الھیثمی (ص ۶۵/ ۸): عبد الملک بن عبد الملک ذکرہ ابن أبی حاتم فی الجرح والتعدیل ولم یضعّفہ، وبقیّۃ رجالہ ثقات، وقال العقیلی: وفی الباب أحادیث وفیھا لین۔

(۳) وأخرج أحمد (ص ۶ ۷ ۱ / ۲) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ أن رسول اللہﷺ قال: "یطلع اللہ عزّوجلّ إلی خلقہ لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لعبادہ الّا اثنین مشاحن وقاتل نفس"۔

قال المنذری (ص ۰ ۶ ۴/ ۳): إسنادہ لیّن، قلت: فی إسنادہ ابن لھیعۃ وھو ضعیف، وقال الھیثمی(ص ۶۵/ ۸): وھو لیّن الحدیث، وبقیۃ رجالہ قد وثّقوا۔

(۴) وأخرج ابن ماجہ (ص ۰ ۰ ۱) من طریق ابن لھیعۃ عن الضحّاک بن أیمن عن الضحّاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب عن أبی موسی الأشعریؓ عن رسول اللہ ﷺ قال: "إن اللہ

لیطّلع لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الّا لمشرک ومشاحن“۔

فیہ ابن لهیعة حاله معروف، وأیضاً الضحّاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب لم یلق أبا موسیؓ، قاله المنذری، کذا نقله السندی فی حاشیة ابن ماجه (ص ۲۱۸)، ونقل عن صاحب الزوائد: إسناده ضعیف لضعف عبد الله بن لهیعة وتدلیس الولید بن مسلم، وقال المناوی فی فیض القدیر (ص ۲۶۳/۲): قال الزین العراقی: وابن لهیعة حاله معروف، والضحّاک بن أیمن لَا یعرف حاله ولَا یعرف روی عنه غیر ابن لهیعة، والضحّاک بن عبدالرحمٰن لم یسمع من أبی موسیؓ، قاله أبو حاتم، وقد اختلف علی ابن لهیعة ایضاً، انتهی۔ و قال ابن الجوزی فی العلل (ص ۷۱): هذا حدیث لَا یصح و ابن لهیعة ذاهب الحدیث۔

(۵) وأخرج الطبرانی فی الأوسط وابن حبان فی صحیحه وفی مسند الشامیین من حدیث مکحول عن مالک بن یخامر عن معاذ بن جبلؓ عن النبیﷺ قال: ”یطّلع الله إلی جمیع خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه إلّا لمشرک أو مشاحن“، کذا فی الترغیب (ص ۱۱۸/۲ و ۴۵۹/۳)۔

قال الزرقانی (ص ۴۱۲/۷) عن ابن رجب: حدیث معاذ أمثلها أیضاً، فإنّ ابن حبّان صحّحه وکفٰی به عماداً، انتهی۔ وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالهما ثقات۔

قلت: وأخرجه الطبرانی فی مسندالشامیین أیضاً من طریق ثوبان عن خالد بن معدان عن کثیر بن مرّة عن معاذؓ۔

(۶) وأخرج البزار وابن الجوزی فی العلل (ص ۷۰) من طریق هشام بن عبدالرحمٰن الکوفی عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”إذا کان لیلة النصف من شعبان یغفر الله لعباده إلّا لمشرک ومشاحن“۔

قال الهیثمی (ص ۶۵/۸): هشام بن عبد الرحمٰن لم أعرفه، وبقیّة رجاله ثقات۔

قلت: وقال ابن الجوزی: لَا یصحّ وفیه مجاهیل۔

(۷) وأخرج البزّار عن عوف بن مالکؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”یطّلع الله تبارک وتعالی

علی خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لهم کلّهم إلّا لمشرک أو مشاحن“۔

قال الهیثمی (ص۶۵/۸) وفیه عبد الرحمٰن بن زیاد بن أنعم وثّقه أحمد بن صالح وضعّفه جمهور الأئمة۔

(۸) وأخرج الطبرانی والبیهقی فی شعب الاِیمان من طریق مکحول عن أبی ثعلبة رضی أنّ النبی ﷺ قال: ”یطّلع الله عزّ وجلّ إلی عباده لیلة النصف من شعبان فیغفر للمؤمنین ویمهل الکافرین ویدع أهل الحقد بحقدهم حتّٰی یدعوه“۔

قال المنذری (ص۱۶۴/۳): قال البیهقی: هو بین مکحول وأبی ثعلبة مرسل جیّد، وأخرجه الدارقطنی فی العلل وابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص۷۰/۲)، وفیه الأحوص بن حکیم، قال ابن الجوزی: هذا حدیث لَا یصحّ، قال أحمد بن حنبل: الأحوص بن حکیم لَا یروٰی حدیثه، وقال یحییٰ: لیس بشئی، وقال الدار قطنی: منکر الحدیث، قال أی الدار قطنی: والحدیث مضطرب غیر ثابت، وعزاه الهیثمی (ص۶۵/۸) للطبرانی، وقال: فیه الأحوص بن حکیم وهو ضعیف، وقال الدار قطنی: وقیل إنّه من قول مکحول، والحدیث غیر ثابت۔

(۹) وأخرج عبد الرزّاق (ص۳۱۶/۴) والبیهقی فی الشعب عن مکحول عن کثیر بن مرّة عن النبی ﷺ قال فی لیلة النصف من شعبان: ”یغفر الله عزّ وجلّ لأهل الأرض إلّا لمشرک أو مشاحن“۔

قال البیهقی: هذا مرسل جیّد، کذا فی الترغیب (ص۱۶۴/۳)۔

(۱۰) وأخرج البیهقی أیضاً من طریق العلاء بن الحارث عن عائشة رضی قالت: ”قام رسول الله ﷺ من اللیل فصلّٰی فأطال السجود حتّٰی ظننت أنّه قد قبض، فلمّا رأیت ذلک قمت حتّٰی حرّکت إبهامه فتحرّک فرجعت فسمعته یقول فی سجوده ’أعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بک منک، لَا أحصی ثناء علیک، أنت کما أثنیت علی نفسک‘ فلمّا رفع رأسه من السجود وفرغ من صلوته قال: یا عائشة أو یا حمیراء! أظننتِ أنّ النبی ﷺ قد خاس بکِ؟ قلت: لَا والله یا رسول الله! ولکنّی ظننت أنّک قبضت لطول سجودک، فقال: أتدرین ایّ لیلة هذه؟ قلت الله ورسوله أعلم، قال: هذه لیلة النصف من

شعبان إنّ الله عزّ وجلّ يطّلع علىٰ عباده فی ليلة النصف من شعبان فيغفر للمستغفرين ويرحم المسترحمين ويؤخّر أهل الحقد كما هم‘‘۔

قال البيهقی: هذا مرسل جيّد، يعنی أنّ العلاء لم يسمع من عائشةؓ، قاله المنذری (ص ١١٩/٣)، وقال فی موضع آخر(ص ٤٦٠/٣): قال البيهقی: هذا مرسل جيّد، ويحتمل أنّ العلاء أخذه عن مكحول، انتهی۔

(١١) وأخرج البيهقی أيضاً عن عائشةؓ قالت: ’’دخل علیّ رسول الله ﷺ فوضع عنه ثوبيه ثم لم يستتم أن قام، فلبسهما، فأخذتنی غيرة شديدة ظننت أنه يأتی بعض صويحباتی فخرجت أتّبعها فأدركته بالبقيع –بقيع الغرقد– يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء، فقلت: بأبی وأمّی أنت فی حاجة ربّک وأنا فی حاجة الدنيا، فانصرفت فدخلت حجرتی ولی نفَس عال، ولحقنی رسول اللهﷺ فقال ما هذا النفَس يا عائشة؟ قلت: بأبی وأمی أتيتنی فوضعت عنک ثوبيک ثم لم تستتم أن قمت فلبستهما، فأخذتنی غيرة شديدة ظننت أنّک تأتی بعض صويحباتی حتّی رأيتک بالبقيع تصنع ما تصنع، فقال: يا عائشة! أكنتِ تخافين أن يحيف الله عليکِ ورسوله؟ بل أتانی جبريل فقال: هٰذه ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب، لَا ينظر الله فيها إلی مشرک ولَا إلی مشاحن ولَا إلی قاطع رحم ولَا إلی مسبل ولَا إلی عاقّ لوالديه ولَا إلی مدمن خمر، قالت: ثمّ وضع عنه ثوبيه، فقال لی: يا عائشة! تأذنين لی فی قيام هذه اللية؟ قلت: نعم بأبی وأمی! فقام فسجد ليلا طويلا حتی ظننت أنّه قد قبض فقمت التمسه، ووضعت يدی علی باطن قدميه فتحرّک ففرحت، وسمعته يقول فی سجوده ’أعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بک منک جلّ وجهک، لَا أحصی ثناءً عليک أنت كما أثنيت علیٰ نفسک‘ فلمّا أصبح ذكرتهنّ له، فقال: يا عائشة تعلّميهنّ؟ فقلت: نعم، فقال: تعلّميهن وعلّميهن فإنّ جبريل عليه السلام علّمنيهنّ، وأمرنی أن أرددهن فی السجود‘‘۔

أشار المندری (ص ٥٥٩/٣) إلی وهائه إذ صدره بلفظة: رُوی، ولم يتكلّم فی آخر الحديث، وقال السيوطی فی الدر المنثور (ص ٢٧/٦) ضعّفه البيهقی۔

(۱۲) وأخرج البیهقی أیضاً عن عائشةؓ قالت: ”کانت لیلة النصف من شعبان لیلتی وکان رسول الله ﷺ عندی فلمّا کان فی جوف اللیل فقدته فأخذنی ما یأخذ النساء من الغیرة، فتلفّفت بمرطی، فطلبته فی حجر نسائه فلم أجده، فانصرفت إلی حجرتی فإذا أنا به کالثوب الساقط وهو یقول فی سجوده: سجد لک خیالی وسوادی، وآمن بک فؤادی، فهذه یدی وما جنیت بها علی نفسی، یا عظیم یرجی لکلّ عظیم اغفرالذنب العظیم، سجد وجهی للذی خلقه وشقّ سمعه وبصره، ثم رفع رأسه، ثم عاد ساجداً فقال: أعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بعفوک من عقابک، وأعوذ بک منک أنت کما أثنیت علی نفسک، أقول کما قال أخی داود: أعفر وجهی فی التراب لسیّدی، وحقّ له أن یسجد، ثمّ رفع رأسه، فقال: اللّهم ارزقنی قلباً تقیّاً، من الشرّ نقیّاً، لَا جافیاً ولَا شقیّاً، ثمّ انصرف، فدخل معی فی الخمیلة ولی نفَس عال، فقال: ما هٰذا النفس یا حمیراء؟ فأخبرته، فطفق یمسح بیدیه علی رکبتی ویقول: ویح هاتین الرکبتین ما لقیتا فی هٰذه اللیلة لیلة النصف من شعبان ینزل الله فیها إلی السماء الدنیا فیغفر لعباده إلّا لمشرک أو مشاحن“۔

کذا فی الدرالمنثور (ص۲۷/۶)، وأخرجه ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص۶۷/۲) وفیه سلیمان بن أبی کریمة، قال ابن الجوزی: هذا حدیث لَا یصح، قال ابن عدی: أحادیث سلیمان بن أبی کریمة مناکیر۔

(۱۳) وأخرج ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص۶۸/۲) من طریق سعید بن عبد الکریم الواسطی عن أبی نعمان السعدی عن أبی رجاء العطاردی عن أنس ابن مالکؓ قال: ”بعثنی النبیﷺ إلی عائشة فقلت لها: اسرعی فإنی ترکت رسول اللهﷺ یحدث بحدیث لیلة النصف من شعبان، فقالت: یا أنیس! اجلس حتی أحدثک عن لیلة النصف من شعبان، کانت لیلتی فجاء النبی ﷺ، حتی دخل معی فی اللحاف، قالت: فانتبهت من اللیل فلم أجده، فطفت فی حجرات نساءه فلم أجده، قالت: قلت: ذهب إلی جاریته ماریة القبطیة، قالت: فخرجت فمررت فی المسجد، فوقعت رجلی علیه وهو ساجد وهو یقول: سجد لک خیالی وسوادی، وآمن بک فؤادی، فهذه یدی التی جنیت بها علی نفسی، فیا عظیم أهل أن یغفر الذنب العظیم،

اغفر لی الذنب العظیم، قالت: فرفع رأسه، فقال: اللّهم هب لی قلباً تقیّاً نقیّاً من السوید، لَا کافراً ولَا شقیّاً، قالت: ثم عاد فسجد فقال: أقول لک کما قال أخی داودؑ: أعفر وجهی بالتراب یا سیّدی، وحقّاً لوجه سیّدی أن تعفر الوجوه لوجهه، قالت: ثمّ رفع رأسه فقلت: بأبی وأمی أنت فی وادٍ، وأنا فی وادٍ، قالت: فسمع حسّ قدمیّ فدخل الحجرة، وقال: یا حمیراء! أما تدرین ما هذه اللیلة؟ هذه لیلة النصف من شعبان، إن لله عزّ وجلّ فی هذه اللیلة عتقاء من النار بعدد شعر غنم کلب، قالت: قلت: وما بال غنم کلب؟ قال: لیس الیوم فی العرب قوم أکثر غنماً منهم، لَا أقول فیهم ستة نفر، مدمن خمر، وعاقّ والدیه، ولَا مصرّعلیٰ الزنا، ولَا مصارم، ولَا مصوّر، ولَا قتّات"۔

وأخرج الذهبی فی المیزان (ص ۱۵۰/۲) طرفاً منه، قال ابن الجوزی: هذا الطریق لَا یصحّ، قال أبو الفتح الأزدی الحافظ: سعید بن عبد الکریم متروک۔

(۱۴) وأخرج الدارقطنی فی الأفراد ومن طریقه ابن الجوزی فی العلل المتناهیة (ص ۶۹/۲) عن عائشةؓ قالت: "استیقظت لیلة فإذا رسول الله ﷺ لیس فی البیت فأخذنی ما تقدم وما تأخّر، فخرجت أطلب رسول الله ﷺ فظننت إنّما خرج إلی بعض ما ظننت، فبینما أنا کذلک إذا برسول الله ﷺ قد أقبل، فکرهت أن یرانی فرجعت إلی البیت وأنا أسعی، فانتهی إلیّ رسو ل الله ﷺ وقد علا نفَسی، فقال: مالک؟ فکرهت أن أخبره بالذی کان منی حتی أقسم علیّ فحدّثته، فقال: کلّا ولکن هذه لیلة یعتق الله فیها من النار أکثر من عدد شعر غنم کلب، ویطلع الله فیها إلی أهل الأرض فیغفر فیها لمن یشاء إلّا أنّه لَا یغفر لمشرک ولَا لمشاحن وتلک لیلة النصف من شعبان"۔

قال ابن الجوزی تفرّد به عطاء ابن عجلان، قال: لیس بشئی کذّاب کان یوضع له الحدیث فیحدّث به، وقال أبو حاتم: متروک الحدیث، وقال ابن حبان: یروی الموضوعات عن الثقات لَا یحلّ کتب حدیثه إلّا علیٰ جهة الاِعتبار۔

(۱۵) وأخرج البیهقی فی الشعب عن عثمان بن أبی العاصؓ عن النبیﷺ قال: "إذا کان لیلة النصف من شعبان ینزل فیها إلی السماء الدنیا نادی مناد 'هل من مستغفر فأغفر له؟ هل من

سائل فأعطيه؟ فلا يسأل أحد إلّا أعطى إلّا زانية بفرجها أو مشرک“۔

كذا فى الدر المنثور (ص ۲۷/ ٦)، ولم أقف علٰى حال إسناده۔

(١٦) وأخرج عبد الرزاق فى مصنفه (ص۳۱۷/ ۴) قال: أخبرنى من سمع ابن البيلمانى يحدّث عن أبيه عن ابن عمرؓ قال: ”خمس ليال لَا تردّ فيهنّ الدعاء، ليلة الجمعة وأوّل ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلتى العيدين“۔ قلت: إسناده واهٍ۔

(١٧) وأخرج الحسن بن سفيان وعبدان المروزى وابن شاهين وعلىّ بن سويد العسكرى وغيرهم فى الصحابة وابن الأعرابى فى معجمه من طريق مروان بن سالم عن ابن كردوس عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ”من أحيىٰ ليلتى العيد وليلة النصف من شعبان لم يمت قلبه يوم تموت القلوب“۔

وأخرجه ابن الجوزى فى العلل (ص ١٧) من هذا الوجه وقال: لَا يصح، وقال الحا فظ ابن حجر فى الإِصابة (ص ۲۹۰/ ۴): مروان هذا متروک متّهم بالكذب، وقال فى التلخيص (ص ۸۰/ ۲): مروان تالف، وقال الذهبى فى الميزان (ص ۳۰۸/ ۳): هذا حديث منكر مرسل۔

(١٨) وروى الخلّال فى كتاب فضل رجب له من طريق خالد بن معدان قال: ”خمس ليال فى السنة، من واظب عليهنّ رجاء ثوابهنّ وتصديقاً بوعدهنّ أدخله الله الجنة، أول ليلة من رجب يقوم ليلها ويصوم نهارها وليلة الفطر وليلة الأضحى وليلة عاشوراء وليلة نصف شعبان“۔

(١٩) وروى الخطيب فى غنية الملتمس بإسناده إلى عمر بن عبد العزيز، أنّه كتب إلى عدى بن أرطاة: ”عليک بأربع ليال فى السنة، فإنّ الله يفرغ فيهنّ الرحمة، أول ليلة من رجب، وليلة النصف من شعبان، وليلة الفطر، وليلة النحر“۔

ذكرهما ابن حجر فى التلخيص الحبير (ص ۸۰/ ۲)۔

تلاش کرنے سے اور بھی احادیث مل سکتی ہیں، مگر کوئی بھی خالی از کلام نہیں ہے۔

ماقبل میں عقیلی کا قول وفى الباب أحاديث وفيها لين گذر چکا ہے، علامہ ابن الجوزی نے سب کو ہی

معلول قرار دیا ہے، دارقطنی کا رجحان بھی یہی ہے، علامہ ابوالفضل بن طاہر فرماتے ہیں: لم یصحّ فی لیلة النصف من شعبان شیء ، ابن العربی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں (ص ۳/۲۷۵): لیس فی لیلة النصف من حدیث یساوی سماعه، اوراحکام القرآن میں لکھتے ہیں: لیس فی لیلة النصف من شعبان حدیث یعول علیه لَا فی فضلها ولَا فی نسخ الآجال فیها، صاحبِ روح المعانی (ص ۲۵/۱۱۱) فرماتے ہیں: وفی البحر قال الحافظ أبو بکر بن العربی: لَا یصحّ فیها شیء ولَا فی نسخ الآجال فیها ولَا یخلو عن مجازفة، اھ۔

لیکن امام بیہقی کا رجحان اس کے خلاف ہے، ابوثعلبہ، کثیر بن مرّہ اور العلاء بن الحارث نے جو روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے بیہقی سب کے بارے میں 'مرسل جیّد' لکھتے ہیں یعنی سند جید ہے اگرچہ منقطع ہے، معاذ بن جبلؓ کی حدیث کو ابن حبان صحیح قرار دیتے ہیں، ابن رجب اسکو احادیث باب میں سب سے امثل وافضل قرار دیتے ہیں، منذری اور زرقانی کا رجحان بھی یہی ہے، وقال المناوی فی فیض القدیر (ص ۲/۳۱۷) : قال المجد بن تیمیة: لیلة نصف شعبان رُوی فی فضلها من الأخبار مایقتضی أنّها مفضّلة، ومن السلف من خصّها بالصلوة فیها .اھ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو کلام کرنا ٹھیک ہے، لیکن ان میں بہت سی روایات ایسی ہیں جو شدید الضعف نہیں ہے، اگر ان کو ملا لیا جائے تو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

نسخ آجال والی روایات

فائدہ ۔ قاضی ابن العربی کے کلام میں یہ جو گذرا ہے کہ اس رات میں نسخ الآجال کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے، اس سے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات میں سال بھر ہونے والے امور لکھے جاتے ہیں، جن کی زندگی ختم ہو چکی ہو انکا نام مُردوں میں درج کر دیا جاتا ہے،

فأخرج ابن جریر، وابن المنذر، وابن أبی حاتم من طریق محمد بن سوقة عن عکرمة ﴿فِیهَا یُفْرَقُ کُلُّ أَمْرٍ حَکِیمٍ﴾ قال: "فی لیلة النصف من شعبان یبرم أمر السَنة، وینسخ الأحیاء من الأموات، ویکتب الحاجّ، فلا یزاد فیهم ولَا ینقص منهم أحد"۔

وأخرج الدینوری فی المجالسة عن راشد بن سعد أن النبیﷺ قال: "لیلة النصف من شعبان

یوحی الله إلی ملک الموت بقبض کل نفس یرید قبضها فی تلک السنة“۔

وأخرج ابن أبی الدنیا عن عطاء بن یسار قال: ”إذا کان لیلة النصف من شعبان دفع إلی ملک الموت صحیفة، فیقال: اقبض من فی هذه الصحیفة، فإن العبد لیفرش الفراش وینکح الأزواج ویبنی البنیان واسمه قد نسخ فی الموتٰی“۔

وأخرج عبد الرزاق (ص۳۱۷/۴) عن ابن عیینة عن مسعر عن رجل عن عطاء بن یسار قال: ”تنسخ فی النصف من شعبان الآجال، حتّی أنّ الرجل لیخرج مسافراً وقد نسخ من الأحیاء إلی الأموات ویتزوّج وقد نسخ من الأحیاء إلی الأ موات“۔

وأخرج الخطیب فی رواة مالک عن عائشةؓ سمعت النبیﷺ یقول: ”یفتح الله الخیر فی أربع لیال، لیلة الأضحی والفطر ولیلة النصف من شعبان ینسخ فیها الآجال والأرزاق ویکتب فیها الحاجّ وفی لیلة عرفة إلی الأذان“۔

ان روایات وآثار میں ”لیلة النصف من شعبان“ کی تصریح ہے۔

اور متعدد روایات ہیں جن میں مطلقاً شعبان کا ذکر ہے ”لیلة النصف“ کی تصریح نہیں ہے۔

أخرج ابن زنجویه و الدیلمی عن أبی هریرةؓ أن رسول لله ﷺ قال: ”تقطع الآجال من شعبان إلی شعبان، حتّی أنّ الرجل لینکح ویولدله وقد خرج اسمه فی الموتٰی“۔

وأخرج ابن أبی شیبة (ص۱۰۳/۳) عن عطاء بن یسار قال: ”لم یکن رسول الله ﷺ فی شهر أکثر صیاماً منه فی شعبان، وذلک أنّه ینسخ فیه آجال من یموت فی السنة“۔

وأخرج ابن مردویه وابن عساکر عن عائشةؓ قالت: ”لم یکن رسول الله ﷺ فی شهر أکثر صیاماً منه فی شعبان لأنّه ینسخ فیه أرواح الأحیاء فی الأموات حتّی أنّ الرجل یتزوّج وقد رفع اسمه فی من یموت وإنّ الرجل لیحجّ وقد رفع اسمه فی من یموت“۔

وأخرج أبویعلی عن عائشةؓ: ”أنّ النبیﷺ کان یصوم شعبان کلّه، فسألته، قال: إن الله یکتب فیه کلّ نفس میتة تلک السنة فأحبّ أن یأتینی أجلی وأنا صائم“۔

وأخرج ابن جریروالبیهقی فی شعب الاِیمان عن الزهری عن عثمان بن محمدبن المغیرة بن الأخنس قال: قال رسول الله ﷺ: ”تقطع الآجال من شعبان إلی شعبان، حتّی أنّ الرجل

ينكح ويولدله و قد خرج اسمه فى الموتٰى"۔

وأخرج الخطيب وابن النجّار عن عائشةؓ قالت: "كان رسول اللهﷺ يصوم شعبان كلّه حتّى يصله برمضان، ولم يكن يصوم شهراً تامّاً إلّاشعبان، فقلت: يا رسول الله! إنّ شعبان لمن أحبّ الشهور إليک أن تصومه؟ فقال: نعم يا عائشة! إنه ليس نفس تموت فى سنة إلّاكتب أجلها فى شعبان فأحبّ أن يكتب أجلى وأنا فى عبادة ربّى وعمل صالح"۔ ولفظ ابن النجار: "يا عائشة! إنّه يكتب فيه ملک الموت من يقبض فأحبّ أن لَا ينسخ اسمى إلّاوأنا صائم"۔

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سال بھر ہونے والے امور شعبان میں "ليلة النصف من شعبان" میں لکھے جاتے ہیں، اورآیت کریمہ ﴿إِنَّـا أَنـزَلْـنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ... فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ میں لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ "ليلة مباركة" سے مراد ليلة القدر ہے۔

مفسر خطیب نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے اور علامہ ابوالبرکات نسفی نے جمہور سے نقل کیا ہے، ابن عباسؓ، قتادہ، عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوعبدالرحمٰن السلمی، ابوالجوزاء، ابونضرہ وغیرہ کا یہی قول ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں (ص ۶/۲۵ وص ۶/۲۶) انکے آثار ذکر کئے ہیں،۔

علامہ ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں دونوں قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: والصحيح من ذلك عندى أنّه -أى تفريق أمر حكيم- فى ليلة القدر، وبذلک سمّيت لأنّ التنزيل يشهد بذلک، إذ فى أوّل الآية ﴿إِنَّـا أَنـزَلْـنٰهُ فِىْ لَيْـلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ ثم وصفها فقال ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍحَكِيْمٍ﴾ فالقرآن إنما أنزل فى ليلة القدر فكانت هذه الليلة بهٰذا الوصف فى هذه الليلة مواطئة لقوله تعالى ﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾. اھ۔

قاضی ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: جمهور العلماء على أنّها ليلة القدر، ومنهم من قال أنّها ليلة النصف من شعبان و هو باطل، لأن الله تعالى قال فى كتابه الصادق القاطع ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ فنصّ علىٰ أنّ ميقات نزوله رمضان، ثمّ عبّر عن زمانية الليل ههنا بقوله ﴿فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ فمن زعم أنّه فى غيره فقد أعظم الفرية على الله۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں (ص ۴/۱۳۷): هى ليلة القدر كما قال الله عزّ و جلّ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِىْ

لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ وكان ذلك فی شهر رمضان كما قال تبارك وتعالٰی ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡآنُ﴾ ومن قال أنّها ليلة النصف من شعبان كما روی عن عكرمة فقد أبعد النجعة، فإن نصّ القرآن أنّها فی رمضان، والحديث الذی رواه عبد الله بن صالح عن الليث عن عقيل عن الزهری أخبرنی عثمان بن محمد بن المغيرة بن الأخنس قال: إنّ رسول الله ﷺ قال: "تقطع الآجال من شعبان إلی شعبان حتی أن الرجل لينكح ويولد له وقد خرج اسمه فی الموتٰی فهو حديث مرسل ومثله لَا يعارض به النصوص". انتهی۔

بعض علماء نے دونوں اقوال میں جمع کیا ہے کہ ابتداءلیلۃ البراءۃ میں ہوتی ہے اور انتہاء لیلۃ القدر میں، یا فیصلہ لیلۃ البراءۃ میں اور فرشتوں کے حوالہ لیلۃ القدر میں کیا جاتا ہے۔

علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں: قيل: يبدء فی استنساخ ذلك من اللوح المحفوظ فی ليلة البراء ة ويقع الفراغ فی ليلة القدر، فتدفع نسخة الأرزاق إلی ميكائيل، ونسخة الزلَازل والصواعق والخسف إلی جبريل، ونسخة الأعمال إلی اسماعيل صاحب سماء الدنيا وهو ملك عظيم، ونسخة المصائب إلی ملك الموت، انتهی۔

وروی البغوی عن ابن عباسؓ أنّه قال: "إنّ الله يقضی الأقضية ليلة النصف من شعبان ثمّ يسلّمها إلی الملٰئكة ليلةالقدر". قال الزرقانی (ص ۴۱۴/۷): وهذا إن صحّ يؤيّد الجمع المذكور ويعكر علی جمع بعضهم أنّ إبتداء ذلك يكون ليلة نصف شعبان وتمامه فی ليلةالقدر۔

فصل ثانی۔

اس رات میں خصوصیت کے ساتھ بیدار رہنا اور اجتماع کرنا مختلف فیہ ہے بعض سلف اور بہت سے متاخرین اسکے قائل ہیں اور دوسری جماعت اسکو بدعت کہتی ہے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ (ص ۴۱۳/۷) میں حافظ ابن رجب کی لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف سے مفصل کلام نقل کیا ہے جو یہاں زرقانی کے بعض اضافات کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

وقد كان التابعون من أهل الشام كخالد بن معدان ومكحول يجتهدون ليلة النصف من شعبان فی العبادة وعنهم أخذ الناس تعظيمها، ويقال: إنهم بلغهم فی ذالك آثار إسرائيلية،

فلما اشتهر عنهم اختلف الناس فيه، فمنهم من قبله منهم، وقد أنكر ذالک أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم عطاء وابن أبی مليكة، ونقله عبد الرحمٰن بن زيد بن أسلم عن فقهاء أهل المدينة وهو قول أصحاب مالک وغيرهم من الشافعية، وإلّا فأكثرهم لم يتعرضوا لذالک أصلاً، وقالوا: إن ذالک كلّه بدعة إذ لم يأت فعله عن النبی ﷺ ولَا عن أحد من أصحابه۔

واختلف علماء أهل الشام فی صفة إحيائها على قولين، أحدهما أنه يستحبّ إحيائها جماعة فی المساجد، وكان خالد بن معدان ولقمان بن عامر يلبسون فيها أحسن ثيابهم ويتبخّرون ويكتحلون ويقومون فی المساجد ليلتهم تلک، ووافقهم إسحاق بن راهويه على ذالک، وقال فی قيامها فی المسجد جماعةً: ليس ذالک ببدعة، نقله عنهم حرب الكرمانی فی مسائله۔

والثانی أنه يكره الاِجتماع لها فی المساجد للصلوة والقصص والدعاء، ولَا يكره أن يصلی الرجل فيها لخاصة نفسهٖ، قال الزرقانی للاحاديث المصرّحة بطلب قيامها وإن كانت مفرداتها ضعيفة، لأنه لم يشتدّ ضعفها واندرجت تحت مطلق الأمر بقيام الليل،

قال ابن رجب: وهذا أقرب، وهوقول الأوزاعی إمام أهل الشام وخطيبهم وفقيههم وعالمهم، ولَا يعرف للامام أحمد كلام فی ليلة النصف من شعبان، ويتخرج فی استحباب قيامها عنه روايتان من الروايتين عنه فی قيام ليلتی العيد، فإنه فی رواية لم يستحبّ قيامها جماعةً لأنه لم ينقل عن النبی ﷺ ولَا عن أحد من أصحابه فعلها، واستحبّها فی رواية لفعل عبد الرحمٰن بن يزيد بن الأسود لذالک وهو من التابعين، فكذالک قيام ليلة النصف من شعبان لم يثبت فيها شئ عن النبی ﷺ ولَا عن أصحابه، إنما ثبت عن طائفة من التابعين من أعيان فقهاء أهل الشام، فيتخرّج عن أحمد القولَان على قياس قوليه فی العيد، انتهى۔

(خط کشیدہ عبارتیں زرقانی نے قسطلانی پر اضافہ کیا ہے)

علامہ زبیدی إتحاف السادة المتقين میں لکھتے ہیں (ص ۷۲۷ ج ۳): قال النجم الغيطی فی صفة إحياء ليلة النصف من شعبان بجماعة: أنه قد أنكر ذالک أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم عطاء وابن ابی مليكة وفقهاء أهل المدينة وأصحاب مالک، وقالوا: ذالک كلّه بدعة ولم

يثبت فى قيامها جماعةً شئ عن النبىﷺ ولَا عن أصحابه، واختلف علماء الشام على قولين، أحدهما استحباب إحيائها بجماعة فى المسجد، وممّن قال بذالک من أعيان التابعين خالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقهم إسحٰق بن راهويه، والثانى كراهة الاِجتماع لها فى المساجد للصلوة، وإليه ذهب الأوزاعى فقيه الشام ومفتيهم، اھ۔

اس کلام میں سہو معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اہل حجاز تو مطلقاً مکروہ کہتے ہیں اور نجم غیطی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ قیام کو مکروہ کہتے ہیں،

کراہت کے قائلین کی دلیل تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب سے اس مسئلہ میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، قال ابن دحية: لم يصحّ فى ليلة النصف من شعبان شئٌ، ولَا نطق بالصلوة فيها ذوصدق من الرواة، وما أحدثه إلّا متلاعبٌ بالشريعة المحمدية راغب فى زىّ المجوسية، كذا نقله المناوى (ص ۳۱۷/ ۲)۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ اس رات کے اندر مغفرتِ عامہ کے متعلق بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں، اگر چہ اکثر متکلم فیہ ہیں مگر قوی بھی ہیں جیسے معاذ بن جبلؓ کی روایت جسکو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے،

بیہقی نے متعدد روایات کے متعلق انقطاع کے تسلیم کرنے کے باوجود جيّد السند ہونے کا حکم لگایا ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل گزر چکی، علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کا کلام گزر چکا ہے کہ ”ليلة النصف من شعبان روى فى فضلها من الأخبار ما يقتضى أنها مفضّلة“۔

امام شافعی فرماتے ہیں: بلغنا أن الدعاء يستجاب فى خمس ليال، فى ليلة الجمعة وليلة الأضحىٰ وليلة الفطر وأول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان، ذكره صاحب الروضة من زياداته، ووصله ابن ناصر فى كتاب فضائل شعبان له۔

قال الحافظ ابن حجر فى التلخيص (ص ۸۰/ ۲): وفيه حديث ذكره صاحب مسند الفردوس من طريق إبراهيم بن أبى يحيىٰ عن أبى معشرعن أبى أمامة هو ابن سهل مرفوعاً نحوه، انتهى۔

وقال الزبيدى فى الاِتحاف (ص ۴۲۷/ ۳): ذكرالتقى السبكى فى تفسيره: أن إحياء ليلة النصف من شعبان يكفّر ذنوب السنة وليلة الجمعة تكفّرذنوب الأسبوع وليلة القدر تكفّر

ذنوب العمر‘‘۔ اھ۔

صلوۃ الرغائب کا حکم

حنفیہ میں سے صاحب الدر المختار نے (ص ۴۶۰ ج ۱) عیدین، نصف شعبان، رمضان کے عشرۂ اخیرہ اور ذی الحجہ کے عشرۂ اولی کی شب بیداری کو مندوبات میں شمار کیا ہے، علامہ محمد امین بن عمر عابدین الشامی کہتے ہیں (ص ۴۶۰ ج ۱): **قد بسط الشرنبلالی فی الإمداد ما جاء فی فضل هذه اللیالی کلّها،**

لیکن مسجد میں اجتماع اور جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے،

صاحب امداد الفتاح نے فرادیٰ یعنی تنہا پڑھنے کے ساتھ مقید کیا ہے،

صاحبِ نور الایضاح فرماتے ہیں: **ویکره الاِجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد،**

علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں (ص ۴۶۱/۱): **وصرّح بکراهة ذالک فی الحاوی القدسی وقال: وما روی من الصلوات فی هذه الأوقات یصلّی فرادیٰ غیر التراویح۔**

قال فی البحر: ومن هٰهنا یعلم کراهة الاِجتماع علی صلوة الرغائب الّتی تفعل فی رجب فی أول جمعة وأنها بدعة، وما یحتاله أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والکراهة فباطل، اھ۔

قال ابن عابدین: وقد صرّح بذالک فی البزازیة وقد بسط الکلام علیها شارحا المنیة وصرّحا بأن ما روی فیها باطل موضوع، وللعلامة نور الدین المقدسی فیها تصنیف حسن سمّاه ”ردع الراغب عن صلوة الرغائب“ أحاط فیه بغالب کلام المتقدمین والمتأخرین من المذاهب الأربعة۔ اھ۔

صلوۃ الرغائب کا بدعت ہونا تقریباً متفق علیہ ہے، حافظ ابن الصلاح اولاً یہی کہتے تھے پھر رجوع کرلیا اور استحباب کے قائل ہوگئے، شیخ عز الدین بن عبد السلام ہمیشہ اسکی تردید کرتے رہے اور منع کے قائل تھے، اس سلسلہ میں بعض حدیثیں بھی نقل کی جاتی ہیں مگر وہ باطل ہیں، سارے محققین فرماتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب بدعت ہے، اور اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے وہ موضوع ہے، ابو اسمٰعیل الانصاری، ابوبکر السمعانی، ابو الفضل بن ناصر، ابو الفرج بن الجوزی، ابوشامہ، نووی (ص ۳۶۱ ج ۱)، ابن دقیق العید، ابن تیمیہ، ذہبی، ابن رجب، عراقی، ابن حجر وغیرہم نے اسکی تصریح کی ہے،

شبِ براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم

اب ایک اور بات قابل تنبیہ ہے، وہ یہ کہ اب تک تو یہ گفتگو تھی کہ شبِ براءۃ میں خاص طور سے اجتماعاً یا انفراداً بیدار رہنا کیسا ہے؟ اسکے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس رات میں مخصوص طریقے پر نماز پڑھی جاتی ہے اور اسمیں متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ سب بے اصل وباطل ہیں، روایات مستقل فصل میں آرہی ہیں،

شیخ ابن حجر المکی تحفۃ المحتاج میں لکھتے ہیں (ص۲۳۹/۲): والصلوة المعروفة ليلة الرغائب ونصف شعبان بدعة قبيحة، وحديثها موضوع، وبين ابن عبد السلام وابن الصلاح مكاتبات وإفتاءات متناقضة بينتها مع ما يتعلق بها فى كتاب مستقلّ سمّيته "الاِيضاح والبيان لما جاء فى ليلتى الرغائب والنصف من شعبان". انتهى۔

وقال التقى السبكى فى تقييد التراجيح: الاِجتماع لصلٰوة ليلة النصف من شعبان ولصلوة الرغائب بدعة مذمومة۔

وقال النووى فى شرح المهذب(ص٥٦/۴): الصلوة المعروفة بصلوة الرغائب وهى ثنتى عشرة ركعة تصلّى بين المغرب والعشاء ليلة أول جمعة فى رجب وصلوة ليلة نصف شعبان مائة ركعة، وهاتان الصلٰوتان بدعتان ومنكرتان قبيحتان، ولَا يغترّ بذكرهما فى كتاب قوت القلوب وإحياء علوم الدين ولَا بالحديث المذكور فيهما فإن كل ذالک باطل، ولَا يغترّ ببعض من اشتبه عليه حكمهما من الأئمة فصنّف ورقات فى استحبابهما، فإنه غالط فى ذالک، وقد صنّف الاِمام ابومحمد عبد الرحمٰن بن اسمٰعيل المقدسى كتاباً نفيساً فى إبطالهما فأحسن فيه وأجاد، رحمه الله۔

وقال النووى كما ذكر الزبيدى فى الاِتحاف (ص۴۲۷ ج۳): هاتان الصلٰوتان بدعتان موضوعتان منكرتان قبيحتان، ولَا تغترّ بذكرهما فى كتاب القوت والاِحياء، وليس لأحد أن يستدلّ على شرعيتهما بقوله ﷺ 'الصلوة خير موضوع' فإن ذالک يختصّ بصلوة لَا تخالف الشرع بوجه من الوجوه، وقد صحّ النهى عن الصلوة فى الأوقات المكروهة، اھ۔

فصل ثالث

ان بعض روایتوں کے بیان میں جن میں مخصوص نمازوں کا اس رات میں تذکرہ ہے۔

الصورة الأولیٰ

أخرج ابن الجوزی فی الموضوعات (ص۱۲۷/۲) فقال: أخبرنا محمد بن ناصر الحافظ أنبأنا أبو علی الحسن بن أحمد بن الحسن الحداد أنبأنا أبوبکر أحمد بن الفضل بن محمد المقری أنبأنا أبو عمرو عبد الرحمٰن بن طلحة الطلحی أنبأنا الفضل بن محمد الزعفرانی حدثنا هارون بن سلیمان حدثنا علی بن الحسن عن سفیان الثوری عن لیث عن مجاهد عن علی بن أبی طالبؓ عن النبی ﷺ أنه قال: ”یا علی! من صلّی مائة رکعة فی لیلة النصف من شعبان یقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب وقل هو الله أحد عشر مرّات قال النبی ﷺ یا علی! ما من عبد یصلّی هذه الصلوات الّا قضیٰ الله عزوجل له کلّ حاجة طلبها تلک اللیلة، قیل یا رسول الله! وإن کان الله جعله شقیّا أیجعله سعیداً ؟ قال: والذی بعثنی بالحق یا علی! إنه مکتوب فی اللوح أن فلان بن فلان خلق شقیّا یمحوه الله عزوجل ویجعله سعیداً ویبعث الله إلیه سبعین الف ملک یکتبون له الحسنات ویمحون عنه السیئات ویرفعون له الدرجات الی رأس السنة ویبعث الله عزوجل فی جنّات عدن سبعین الف ملک أو سبع مائة الف ملک یبنون له المدائن والقصور ویغرسون له الأشجار ما لَا عین رأت ولَا أذن سمعت ولَا خطر علی قلب المخلوقین مثل هذه الجِنان، فی کل جنة علی ما وصفت لکم من المدائن والقصور والأشجار، فإن مات من لیلته قبل أن یحول الحول مات شهیداً ویعطیه الله عزوجل بکل حرف من قل هو الله أحد فی لیلته من ذالک سبعین الف حوراء لکل حوراء وصیف ووصیفة وسبعون الف غلمان وسبعون الف ولدان وسبعون الف قهارمة وسبعون الف حجاب، وکلّ من قرأ قل هو الله أحد فی تلک اللیلة یکتب له أجر سبعین شهیداً وتقبل صلوٰته التی صلاها قبل ذالک ویقبل ما صلّی بعدها، وان کان والداه فی النار دعا لهما أخرجهما الله من النار بعد أن لم یشرکا بالله شیئا ویدخلان الجنة ویشفع کلّ واحد منهما فی سبعین الفا الی آخر ثلث مرّات، والذی بعثنی بالحق انه لَا یخرج من الدنیا حتی یری منزله من الجنة کما خلقه الله أو یری له، والذی بعثنی

بالحق إن الله يبعث فى كلّ ساعة من ساعات الليل والنهار وهى أربع وعشرون ساعة سبعين الف ملک يسلّمون عليه ويصافحونه ويدعون له الىٰ أن ينفخ فى الصور، ويحشر يوم القيامة مع الكرام البررة ويأمر الكاتبين علىٰ أن لَا تكتبوا على عبدى سيئة واكتبوا له الحسنات الى أن يحول عليه الحول، ومن صلّى هذه الصلوة وهو يريد الصلوة والدار الآخرة يجعل الله له نصيباً من عنده تلک الليلة“۔

وأخرج الجوزقانى فى الأباطيل ومن طريقه ابن الجوزى فى الموضوعات (ص۱۲۸/۲): أنبأنا محمد بن جابان المذكر أنبأنا أبو بكرمحمد بن على بن زيرک أنبأنا أبو سهل عبيد الله بن محمد بن زيرک أنبأنا أبوبكر بن أبى زكريا الفقيه حدثنا إبراهيم بن محمد الدربندى حدثنا أحمد بن أصرم المزنى حدثنا أبو إبراهيم الترجمانى حدثنا صالح الشامى عن عبد الله بن ضرار عن يزيد بن محمد عن أبيه محمد بن مروان عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ:”من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرّة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ فى مأة ركعة لم يخرج من الدنياحتى يبعث الله إليه فى منامه مائة ملک، ثلاثون يبشّرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من النار وثلثون يعصمونه من أن يخطئ وعشر يكيدون من عاداه“۔

وأخرج ابن الجوزى (ص۱۲۸ ج۲) قال: أخبرنا محمد بن ناصر أنبأنا أبوعلى بن البناء أنبأنا أبو عبد الله الحسين بن عمر العلاف حدثنا أبو القاسم الفامى حدثنا على بن بندار البردعى حدثنا أبو يوسف يعقوب بن عبد الرحمٰن حدثنا محمد بن عبيد الله قال سمعت أبى يقول حدثنا على بن عاصم عن عمرو بن مقدام عن جعفربن محمد عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ”من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرّة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ فى مائة ركعة،فى كل ركعة ”الحمد“ مرة و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ عشر مرّات لم يمت حتى يبعث الله إليه مائة ملک، ثلاثون يبشّرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من النار وثلاثون يقوّمونه أن يخطئ وعشرة أملاک يكتبون أعداءه“۔

قال ابن الجوزى: هذا حديث لَا نشکّ أنه موضوع، وجمهور رواته فى الطرق الثلاثة مجاهيل وفيهم ضعفاء بمرّة، والحديث محال قطعاً، وقد رأينا كثيراً ممّن يصلى هذه الصلوة

يتفق قصر الليل فينامون عقيبها فتفوتهم صلوة الفجر ويصبحون كسالى، وقد جعلها جهلة أئمة المساجد مع صلوة الرغائب ونحوها من الصلوات شبكة لجمع العوام وطلباً للرياسة والتقدم وملأ بذكرها القصّاص مجالسهم، وكل ذالك عن الحق بمعزل، انتهى۔

وقد وافق ابن الجوزى السيوطى فى اللآلى (ص ٥٠و ٥١ ج٢) وابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص٩٣ ج٢) وذكر الذهبى الطريق الأول فى الميزان فى ترجمة على بن الحسن بن يعمر السامى الراوى عن الثورى وقال: وهو باطل، ووافقه الحافظ ابن حجر فى اللسان، وعلى بن الحسن كذّبه الدارقطنى، وقال ابن حبان: لَا يحلّ كتب حديثه الّا على جهة التعجب، وقال الحاكم وأبو سعيد النقاش: روى أحاديث موضوعة۔

الصورة الثانية

قال ابن الجوزى (ص ١٢٩/ ٢): أخبرنا محمد بن ناصر أنبأنا أبو على بن البنّاء أنبأنا أحمد بن على الكاتب أنبأنا أبو سهل عبد الصمد بن محمد القنطرى حدثنا أبو الحسن على بن أحمد البزنانى حدثنا أحمد بن عبد الله بن داود حدثنا محمد بن جبهان حدثنا عمر بن عبد الرحيم حدثنا محمد بن وهب بن عطية الدمشقى عن بقية بن الوليد عن ليث بن أبى سليم عن القعقاع بن مسور الشيبانى عن أبى هريرةؓ عن النبىﷺ قال: ”من صلّى ليلة النصف من شعبان ثنتى عشرة ركعة يقرأ فى كلّ ركعة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ ثلاثين مرّة لم يخرج حتى يرىٰ مقعده من الجنة ويشفع فى عشرة من أهل بيته كلّهم وجبت لهم النار“۔

قال ابن الجوزى: هذا موضوع أيضا، وفيه جماعة مجهولون قبل أن يصل إلى بقية وليث وهما ضعفاء فالبلاء من قبله، وأقرّه السيوطى فى اللآلى (ص ٥٩/ ٢)، وابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص٩٣) والزبيدى فى الاِتحاف (ص ٤٢٦/ ٣)۔

الصورة الثالثة

وأخرج الجوزقانى ومن طريقه ابن الجوزى (ص ١٢٩/ ٢): أنبأنا أبوالحسين على بن الحسن ابن محمد الكرجى حدثنا: أبو عبد الله الحسين بن على بن محمد الخطيب أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحسكانى حدثنى أبو القاسم عبد الخالق بن على

المؤذن حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القومسی حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر حدثنا أحمد بن عبد الكريم حدثنا خالد الحمصی عن عثمان بن سعيد بن كثير عن محمد بن المهاجر عن الحكم بن عتيبة عن إبراهيم قال: قال علی بن أبی طالبؓ: ”رأيت رسول اللهﷺ ليلة النصف من شعبان قام فصلّی أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأمّ القرآن أربع عشرة مرّة، و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ أربع عشرة مرّة، و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ أربع عشرة مرّة و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أربع عشرة مرة، وآية الكرسی مرّةً و﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عمّا رأيت من صنيعه، فقال: من صنع مثل الذی رأيت كان له كعشرين حجّة مبرورة وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح فی ذالک اليوم صائماً كان له كصيام سنتين، سنة ماضية وسنة مستقبلة“۔

قال ابن الجوزی: هذا موضوع، وأقرّه السيوطی وابن عراق والزبيدی، وقد تقدم الكلام عليه۔

كتبه العبد محمد يونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”كان أبو هريرةؓ يوم الجمعة الخ“ کہاں ہے؟ اور کس خلیفہ کے دور میں منبر کے پاس روایت کرتے تھے؟

سوال:

مندرجہ ذیل روایت صحیح ہے یا غلط؟ روایت مستدرک حاکم کی ہے جو میرے پاس نہیں ہے، اسمیں اور دیگر کتبِ حدیث میں غور فرما کر مع صفحہ وجلد تحریر فرمائیں۔

روایت یہ ہے:

أخبرنا سلمان الفقيه ثنا إسماعيل بن اسحاق القاضی ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبو هريرةؓ يوم الجمعة إلی جانب المنبر يقول: ”قال أبو القاسم

صلی اللہ علیہ وسلم، قال الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم" ثم یقول فی بعض ذلک: "ویل للعرب من شرّ قد اقترب الخ". فإذا سمع حرکة باب المقصورة بخروج الإمام جلس۔

هذا حدیث صحیح ولم یخرجاه، قال الحاکم: إنما الغرض فیه استحباب روایة الحدیث عند المنبر قبل خروج الإمام۔

یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ ابو ہریرہؓ کس خلیفہ کے زمانہ میں منبر کے پاس روایت فرماتے تھے، شاید حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہو۔

مولانا ذاکر حسن بنگلور

جواب:

یہ روایت مستدرک حاکم کی ہے، اس کے الفاظ مع الاسناد والمتن حسب ذیل ہیں۔

أخبرنا أحمد بن سلمان الفقیه ثنا إسمعیل بن إسحاق القاضی ثنا أحمد بن یونس ثنا عاصم بن محمد بن زید عن أبیه قال کان أبو هریرةؓ یقوم یوم الجمعة إلی جانب المنبر فیطرح أعقاب نعلیه فی ذراعیه ثم یقبض علٰی رمانة المنبر یقول: "قال أبو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم، قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم" ثم یقول فی بعض ذلک: "ویل للعرب من شرّ قد اقترب"، فإذا سمع حرکة باب المقصورة بخروج الإمام جلس"۔

هذا حدیث صحیح علٰی شرط الشیخین ولم یخرجاه هکذا، ولیس الغرض فی تصحیح حدیث ویل للعرب من شرّ قد اقترب، فقد أخرجاه، وإنّما الغرض فیه استحباب روایة الحدیث علٰی المنبر قبل خروج الإمام، انتهٰی. قال الذهبی: فیه انقطاع۔

یہ تحقیق نہیں کہ کس خلیفہ کے زمانہ کا واقعہ ہے، بظاہر حضرت عثمانؓ کے زمانہ کی بات ہوگی جیسا کہ آپ نے خود ہی احتمالاً لکھا ہے۔

محمد یونس غفرلہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟

کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟

سوال ۱:

کسی صحابی کے بارے میں پڑھا کہ وہ پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے، ایک بار انہوں نے خود اپنا ہی پیٹ چاک کرلیا اور اسمیں موت واقع ہوگئی۔

خیال پڑتا ہے کہ اصابہ کی قسم رابع موالی صحابہ کے بیان میں ہے، یا اسطرح کا فن جراحی سے متعلق کوئی واقعہ عہد صحابہ میں یاد ہوتو تحریر کریں۔

سوال ۲: یہاں دلی میں کسی کو بھائی یا بہن بنالینے کا دستور ہے اور پھر اس سے پردہ نہیں رہتا، اسکی قباحت عام احکام کے علاوہ کیا کوئی خصوصی نکیر یا نکیر کے لئے نظیر مل سکتی ہے؟

مولوی عبداللہ طارق دہلوی۔

جواب ۱:

مجھے ان صحابی کا واقعہ یاد نہیں جو پیٹ چاک کر کے پیٹ کا علاج کرتے تھے اور اپنا پیٹ ایک مرتبہ چاک کیا اسمیں انکی موت واقع ہوگئی۔

البتہ ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس عمل کا عہد نبوت میں وجود ملتا ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر (ص ۲/۲۱۶) میں لکھتے ہیں: أخرج حميد بن زنجويه: ”أنّ أناساً جاؤا إلى المصطفٰی ﷺ من الأنصار فقالوا: إنّ أخانا استسقٰی بطنه أفتأذن لنا أن نداويه؟ قال: بماذا؟ قالوا: يهوديّ هنا يشقّ بطنه، فكره ذٰلک وقال: لاآذن حتیٰ جاء وه مرّتين أوثلثاً، وفی كلّ ذٰلک يأبى حتّى قال: افعلوا، فدعوا له اليهوديّ فشقّ بطنه ونزع منه فرخاً عظيماً ثمّ غسل بطنه ثم خاطه ثم واراه فصحّ وبرئ، فرآه المصطفٰی ﷺ وهو مارّ بالمسجد فقال: أليس ذٰلک بفلان؟ قالوا: بلٰی فقال: أدعو ه إلیّ فنظرإلى بطنه فوجده قد صحّ فقال: إن الذی خلق الداء

جعل له الدواء الّا السام"۔

جواب ۲:

کسی کو بھائی یا بہن بنا لینا اور پھر اس سے پردہ نہ کرنا شرعاً قبیح ہے، لیکن اس پر کوئی خصوصی نکیر یا اس کی نظیر مستحضر نہیں ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۸ر شوال ۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

احادیث ورُوات کے متعلق بیس سوالات اور انکے جوابات

(نوٹ: جواب ہی سے سوال کا پتہ چل رہا ہے اس لئے سوالات نقل نہیں کئے ہیں۔)

جواب:

(۱) "الصلوة معراج المؤمنين" حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے، غالباً اس کا مأخذ حدیث "المصلّی يناجی ربّه" اور حضور اکرم ﷺ کا معراج میں اللہ تعالی سے ہم کلام ہونا ہے۔

(۲) حدیث "صلّوا كما رأيتمونی أصلّی" رواه البخاری عن مالک بن الحويرثؓ۔

أنظر البخاری 'باب الأذان للمسافر'۔

(۳) اگرچہ قاضی ابن العربی نے ساعتِ واحدہ میں جمع بين الأزواج فی الطواف عليهنّ کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بحوالہ مسلم نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عصر کے بعد ایک ساعت مخصوصہ عطاء کی گئی تھی جس میں آپ کو سب کے پاس جانے کا حق تھا اور اگر عصر کے بعد نہ ہو تو مغرب کے بعد، مگر یہ روایت مجھے حضرت ابن عباسؓ سے مسلم میں نہیں ملی۔

امام بخاری نے کتاب النکاح میں مختصراً (ص ۷۸۵) اور کتاب الطلاق میں (ص ۷۹۳) اور امام مسلم نے (ص ۱/۴۷۹) حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے، اس میں عصر کے بعد کا ذکر ہے مغرب کا ذکر نہیں ہے۔

(۴) حدیث "كل عبادة لم يتعبّدها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها، فإنّ الأوّل لم يدع

لـلآخر مـقـالاً، فـاتّـقـوا الله يا معشر القرّاء وخذوا بطريق من كان قبلكم‘‘، ذكره الشاطبی فی الاعتصام (ص ۱۳۲ / ۲)، ولـم أجـده فی سنن أبی داود ولَا الترمذی ولَا ذكره الحافظ المزّی فی الأطراف، ولَاالشيخ عبد الغنی النابلسی فی ذخائرالمواريث۔

(۵) ترمذی کی روایت (ص۱۹۵ / ۲) ’’قـام رسـول الله ﷺ عام أوّل‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ سال کھڑے ہوئے، ابن النحام کے قصہ میں بھی عام اول سے گذشتہ سال مراد ہے۔

(۶) ’’لَايقلبه إلّا بذلک‘‘ کا مطلب یہ ہے ’کپڑے کو الٹ پلٹ کرے‘، بس مس کرے، چھولے، یہی اسکا الٹنا پلٹنا ہے، چونکہ قاعدہ ہے کہ کپڑا خریدنے والا کپڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے، تو بیع ملامسہ کے وقت بائع مشتری سے یہ کہا کرتا تھا کہ اس کو تم چھولو، بس یہی الٹ پلٹ کر گویا دیکھنا ہوا۔

(۷) زین بن نجیم کا ضبط اس وقت کہیں نہیں ملا، لیکن یہ لفظ بلا تأمل بضم النون ہے، یہ نجم (تارا) کی تصغیر ہے۔

(۸) توربشتی: توربشت کی طرف نسبت ہے، وهـو بـضـمّ التاء المثنّاة من فوق بعدها واوساكنة ثـمّ راء مـكـسـورة ثـمّ مـوحّـدة مكسورة ثمّ شين معجمة ساكنة ثم تاء مثنّاة من فوق، قاله التاج السبكی (ص ۱۴۶ / ۵)۔

(۹) نابلسی: نابلس کی طرف نسبت ہے، وهـو بـضـمّ الباء الموحّدة واللام والسين مهملة، كذا ضبطه الـحـموی فی معجم البلدان (۲۳۲ / ۸)، وقـال: سـئل شيخ من أهل المعرفة من أهل نـابلس لِم سمّيت بذلک؟ فقال: إنّه كان هٰهنا واد فيه حيّة قد امتنعت فيه وكانت عظيمة جدّا، وكانوا يسمّونها بلغتهم ’لُسُ‘ فاحتالوا عليها حتّى قتلوها وانتزعوا نابها وجاؤا بها فعلّقوها علٰى بـاب هـذه الـمـدينة، فقيل هذا ’نابُ لس‘ ای ناب الحيّة، ثمّ كثر استعمالها حتى كتبوها متّصلة ’نابلس‘ هكذا، وغلب هذا الاِسم عليها، وهی مدينة مشهورة بأرض فلسطين۔

(۱۰) البـلـقيـنـی: بـضـمّ فسـكـون فـكسر، كذا ضبطه الزرقانی فی شرح المواهب، وقبله السخاوی كما فی هامش لحظ الألحاظ (ص ۱۰۶)، وقـال محمد بن جعفرالكتّانی فی رسالته (ص ۱۶۸): البـلـقيـنـی نسبة إلى بُلقين بضمّ الموحّدة وسكون اللام والياء وكسر القاف، قرية بمصر قرب الحلة۔

(۱۱) الدميرى، فى التعليقات السنيّة علىٰ الفوائد البهيّة عن مدينة العلوم للازنيقى: منهم من يقول: بكسرالدال المهملة وكسر الميم، ومنهم من يقول: بفتح الدال وكسر الميم، ولعلّ الصواب هو الأخير، لأنّى رأيته مضبوطاً بخطّ بعض الثقات، اھ۔

(۱۲) القرطبى: قرطبة کی طرف نسبت ہے، قال الحموى: قرطبة، بضمّ أوّله وسكون ثانيه وضمّ الطاء المهملة أيضاً والباء الموحّدة، كلمة فيما أحسب أعجميّة روميّة، ولها فى العربية مجال، يجوز أن يكون من القرطب وهو العدو الشديد، وقال الأصمعى: طَعنه فقَرطَبهُ إذا صرعه، والقرطب السيف كأنّه من قرطبه اى قطعه، وهى مدينة عظيمة بالأندلس، اھ۔

(۱۳) المقدسى: نسبت ہے بیت المقدس کی طرف، اورمقدس دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، بفتح الميم وكسرالدال بروزنِ مسجد اور بضمّ الميم وفتح القاف وتشديد الدال بروزنِ محمّد، دونوں کی طرف نسبت کی جاتی ہے، قال الجوهرى: بيت المقدس يشدّد ويخفّف، والنسبة إليه مقدسىّ مثال مجلسىّ، ومقدسىّ قال امرؤ القيس:

كما شبرق الولدان ثوب المقدّسى

يعنى يهودياً، كذا فى تهذيب اللغات للنووى (ص ۱۰۹/ ۲)۔

(۱۴) الطيبى: نسبت ہے طيب بكسرالطاء وسكون الياء ثم الباء الموحّدة کی طرف جوایک شہر ہے، كذا ضبطه السمعانى (ص ۱۲۰/ ۹) والحموى (ص ۷۶/ ۶)، قال السمعانى: بليدة بين واسط وكور الأهواز۔ وقال الحموى: بليدة بين واسط وخوزستان، والأهواز هى خوزستان الأوّل اسم اسلامى، والثانى اسم قديم كان فى أيام الفرس، كما ذكره الحموى(ص ۳۸۰/ ۱)، وصرّح الزرقانى فى شرح المواهب (ص۷۷/ ۵): أنّه منسوب إلىٰ هذه البلدة،

واسمه الحسين بن عبد الله بن محمد، هكذا سمّى نفسه فى أوّل شرح المشكوٰة، وكذا سمّاه تلميذه فى أسماء رجال المشكوٰة والحافظ ابن حجر فى أوّل تخريجه أحاديث المصابيح، وانقلب عليه فى الدرر الكامنة (ص ۱۸۵/ ۲)، فذكره فيمن اسمه الحسين بن محمد بن عبد الله، فذكر الجد موضع الأب والأب موضع الجد، وقال البغدادى فى هدية

العارفين: الحسن بن محمد، وهو أيضاً وهم، توفی يوم الثلثاء ثالث عشر من شعبان ۷۴۳ھ۔

(۱۵) القسطلانی، قال الزرقانی فی شرح المواهب (ص ۸/۴۲۲): بفتح القاف وشدّ اللام علیٰ ما اشتهر، اھ۔ ہمارے اساتذہ بتخفیف اللام بولتے ہیں، میں نے بعض عربی کتابیں دیکھی ہیں جیسے الرسالة المستطرفة (ص ۱۶۳)اور قواعد علوم الحديث اسمیں تشدید لگی ہوئی ہے۔

علامہ ابن فرحون المالکی الديباج المذهّب (ص ۶۷) میں ابوالعباس احمد بن علی القیسی المالکی المعروف بابن القسطلانی کے متعلق لکھتے ہیں: نسبة إلى قسطلنية من إقليم افريقية، علامہ کتانی رسالہ مستطرفہ میں (ص ۱۰۳) حافظ قطب الدین القسطلانی کے متعلق لکھتے ہیں: نسبة إلى قسطلنية بضمّ القاف وتخفيف اللام، وبعضهم ضبطه بفتحها وشدّ اللام من إقليم إفريقية بالمغرب، انتهى۔

قسطلانی شارح بخاری کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۱۶) عياض: بكسر العين المهملة وفتح الياء المثناة وبعدها ألف وضاد معجمة، كذا قاله الشهاب الخفاجی فی نسيم الرياض فی شرح شفاء القاضی عياض (ص ۱/۵)، وكذا ضبطه علیّ القاری بكسر العين ۔

(۱۷) ابن خلكان کا ضبط نہیں ملا، لیکن زبان زد بفتح الخاء المعجمة وشدّ اللام المكسورة ہے، اور یہی اعراب عمر رضا کحّالہ کی معجم المؤلفين (ص ۲/۵۹) میں لگا ہوا ہے۔

(۱۸) ابن خلدون کا ضبط کہیں نہیں ملا، صاحبِ نيل الابتهاج نے اتنا لکھا ہے(ص ۱۶۹):

قال بعضهم: خلدون بفتح الخاء المعجمة وآخره نون، عمر رضا کحّالہ نے معجم المؤلفين میں (ص ۵/۱۸۸) ان کا تذکرہ کیا ہے اور خاء پر فتحہ اور لام پر جزم کی علامت لگائی ہے، حافظ ابن حجر انکے معاصر ہیں، إنباء الغمر میں (ص ۵/۳۲۷) انکا تذکرہ کیا ہے لیکن ضبط نہیں کیا۔

(۱۹) منبر نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کے بارے میں روایات مختلف ہیں،

فعند أحمد (ص ۳/۲۲۶) من حديث أنسؓ "ابنوا لی منبراً"، أراد أن يسمعهم، فبنوا له عتبتين،

وعند الطبرانی فی الكبير من حديث سهل بن سعدؓ: "فعمل له منبراً له عتبتان وجلس

علیهما''،

وعند ابن سعد (ص ۱/۲۵۰) من حديث أبى هريرةؓ: ''ثمّ عمل درجتين ومقعداً''، وفيه الواقدى،

وعند ابن خزيمة (ص ۳/۱۴۰) من حديث أنسؓ: ''فصنع له منبراً له درجتان ويقعد على الثالثة''،

وعند أبى داود (ص ۲/۱۷۸) من حديث ابن عمرؓ: ''فاتّخذ له منبراً مرقاتين''،

وعند البيهقى (ص ۵/۱۹۶) من حديثه: ''فاتّخذ له مرقاتين او ثلاثة''

وعند أحمد (ص ۲/۱۰۹) من حديثه أيضاً: ''فصنعوا له منبراً ثلاث مراقٍ''

وعند الدارمى (ص ۱/۳۶۷) من حديث سهل بن سعدؓ: ''فجعلوا له مرقاتين أوثلثاً''۔

وعند مسلم (ص ۱/۲۰۶) من حديث سهلؓ أيضاً: ''فعمل هذه الثلاث درجات''۔

وعند أحمد (ص ۵/۳۳۹) من حديثه: ''فعمل المنبر ثلاث درجات''۔

وعند البيهقى (ص ۳/۱۹۵) من حديثه: ''فعمل له هذه الدرجات الثلاث''۔

وعند ابن سعد (ص ۱/۲۵۲) من حديثه: ''فعمل هذه الثلاث الدرجات من طرفاء الغابة''، وعنده من حديثه: ''قطع للنبىﷺ ثلاث درجات من طرفاء الغابة''۔

وعند أحمد (ص ۵/۱۳۷) من حديث أبىّ بن كعبؓ: ''فصنع له ثلاث درجات التى على المنبر''۔

وعند عبد الله بن أحمد فى زوائد مسند أبيه (ص ۵/۱۳۸) من حديث أبىّؓ أيضاً: ''فصنع له ثلاث درجات هى التى على المنبر''، وعنده أيضاً (ص ۵/۱۳۹) من حديثه: ''فصنعوا له ثلاث درجات''۔

وعند ابن سعد (ص ۱/۲۵۲) من حديثه: ''فصنع له ثلاث درجات هنّ اللاتى على المنبر أعلى المنبر''۔

وأخرج إسماعيل القاضى فى فضل الصلوة على النبىﷺ (ص ۳۵) والحاكم فى المستدرک عن كعب بن عجرةؓ قال قال رسول اللهﷺ: ''أحضروا المنبر! فحضرنا فلمّا ارتقى

الدرجة قال: آمين، ثم ارتقى الدرجة الثانية فقال: آمين، ثم ارتقى الدرجة الثالثة فقال: آمين، فلما فرغ نزل عن المنبر، قال: فقلنا له يا رسول الله! لقد سمعنا منک اليوم شيئاً ما كنا نسمعه، قال: إن جبرائيل عرض لی فقال: بَعُد من أدرک رمضان فلم يغفر له، فقلت آمين، فلما رقيت الثانية قال: بَعُد من ذكرت عنده فلم يصلّ عليک، فقلت: آمين، فلما رقيت الثالثة قال: بَعُد من أدرک أبويه الكبر أو أحدهما فلم يدخلاه الجنة، فقلت: آمين"، قال الحاكم: صحيح الاِسناد۔

ونحوه حديث مالک بن الحويرثؓ عند ابن حبان فی صحيحه۔

وحديث عبد الله بن الحارث بن جزء عند الطبرانی والبزار بإسناد واہٍ۔

وحديث جابرؓ عند يحيٰ بن الحسن فی تاريخ المدينة فی كلّها ذكر ثلاث درجات۔

وعند الطبرانی فی الأوسط (ص ۲/۱۸۲ مجمع) من حديث عائشةؓ: "فجعل له المنبر أربع مراقی"، وفيه صالح بن حيان وهو ضعيف۔

وعند يحيیٰ بن الحسن فی تاريخ المدينة منقطعاً عن ابن ابی الزناد وغيره: "ثم عملها درجتين ومجلساً"، كذا فی الوفاء (ص ۱/۲۷۸)۔

وعند ابن عبد البرّ فی الاِستيعاب عن باقوم الرومیؓ قال: "صنعت لرسول اللهﷺ منبراً من طرفاء وله ثلاث درجات، المقعدة ودرجتيه"، قال ابن عبد البرّ: وإسناده ليس بالقائم (وفاء ص ۱/۲۸۰)۔

وروى يحيیٰ عن ابن أبی الزناد: "أن النبیﷺ كان يجلس على المجلس ويضع رجليه على الدرجة الثانية، فلما ولی أبو بكرؓ قام على الدرجة الثانية ووضع رجليه على الدرجة السفلیٰ، فلما ولی عمرؓ قام على الدرجة السفلیٰ ووضع رجليه على الأرض إذا قعد، فلما ولی عثمانؓ فعل ذالک ستّ سنين من خلافته، ثم علا الیٰ موضع النبیﷺ ثمّ قال، قالوا: فلما استخلف معاويةؓ زاد فی المنبر فجعل له ستّ درجات (وفاء ص ۱/۲۸۲)۔

وروى ابن زبالة عن ابن قطن: "قلع مروان بن الحكم منبر رسول اللهﷺ وكان درجتين والمجلس، وأراد أن يبعث به إلى معاويةؓ، قال فكسفت الشمس حتیٰ رأينا النجوم، قال فزاد فيه

ستّ درجات"،

وروى ابن النجار زيادة مروان فيه: "وأنه صار تسع درجات بالمجلس".

ان روایات وآثار کے دیکھنے سے چھ الفاظ ملتے ہیں (۱)عتبتین (۲) مرقاتين (۳) مرقاتين أو ثلاثة (۴) درجتين ومقعداً وفى لفظ مجلس (۵) ثلاث درجات (۶) أربع مراقی

لفظ ثالث شک راوی ہے، لفظ اول وثانی ورابع میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بعض نے مجلس کو ذکر کیا بعض نے نہیں کیا، لفظ خامس اکثر روایات میں وارد ہوا ہے، اس سے بظاہر تین درجات معلوم ہوتے ہیں،

بعض حضرات کہتے ہیں تین درجے تھے جسمیں مجلس بھی شامل تھی اور بعض کی رائے ہے کہ مجلس خارج ہے،

صاحبِ وفاء الوفا نے بہت سے آثار کے بعد لکھا ہے (ص ۱/۲۸۳) وجميع ما قدّمنا من كلام المؤرخين يقتضى لِاتفاقهم علىٰ أن منبره ﷺ كان درجتين غير المجلس، ونقله ابن النجار عن الواقدى،

وقال الكمال الدميرى فى شرح المنهاج: وكان ﷺ منبره ثلاث درج غير الدرجة التى تسمىٰ بالمستراح،

وقال ابن عابدين (۱/۵۵۲): ومنبره ﷺ كان له ثلاث درجات غير المسماة بالمستراح، وكذا قال ابن حجر المكى فى التحفة (ص ۲/۲۵۹)،

وقال الخفاجى (ص ۳/۶۱): وكان له درجة ثلاثا، ومن قال اثنتين أسقط محلّ قيامه ﷺ، وقيل: أنّه كان أكثر من ثلاث، اھ۔

علامہ سمہودی کی رائے یہ ہے کہ دو درجے اور ایک مجلس تھی، جن روایات میں تین درجات کا ذکر ہے انکی رائے ہے کہ مجلس پر مجازاً درجہ کا اطلاق کر دیا، اور حضور اقدس ﷺ جبرئیل کے آمین کہنے کے وقت مجلس پر چڑھ گئے تھے۔

بہرحال روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کا کلام بھی۔

چار مراقی والی روایت بظاہر وہم ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ مجلس کو مستقل درجہ شمار کر لیا، واللہ اعلم۔

(۲۰) حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے ہم زلف ہونے کا بندہ کو علم نہیں، حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کی شرح شروع کرنے سے پہلے ہی اپنی شرح پوری کر لی تھی اور سب سے پہلے حافظ ابن حجر کی شرح چھپی ہے اور بار بار چھپی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے

اس طرح کا انداز گفتگو کیسا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید و تبصرہ

سوال :

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے جنت کا پھل کھانے کے معاملے میں اجتہادی لغزش ہوئی، اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی اس اجتہادی لغزش کا خمیازہ آج تک ان کی ذریت کو بھگتنا پڑ رہا ہے، زید کا یہ قول از روئے شرع کیسا ہے؟

(۲) اسی طرح زید حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی یہ کہتا ہے کہ انہوں نے بعض مصالح کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کردیں، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی اس اجتہادی غلطی کا امت کو کیسا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

زید کا یہ قول کیسا ہے؟ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلے میں تو اجتہادی غلطی کے مرتکب مانے گئے ہیں، کیا یزید کو ولی عہد نامزد کرنے کے معاملہ میں بھی سنتِ کسریٰ وقیصر کا متبع کہا جائے گا؟ اوران کے اس فعل کو بھی اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا؟

السائل: اعجاز اختر آگرہ

جواب

حامداً ومصلیاً

(۱) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب بندے ہیں، انکا مرتبہ اتنا رفیع ہے کہ وہاں تک کسی امتی کی رسائی ناممکن ہے، مگر جیسے تمام انسان وجنات مکلّف ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مکلّف ہیں، عمداً خدائے پاک کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے ہیں، لیکن بتقاضائے بشریت کبھی بھول چوک ہوسکتی ہے،

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَنَسِیَ آدَمُ فَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً﴾ یہ ممکن ہے کہ بعض وقت کسی خاص حکم کا کوئی مطلب سمجھ لیں جو اپنی جگہ ممکن ہو لیکن وہ مراد نہ ہو تو وہ حضرات اپنی جگہ معذور ہوں گے، لیکن انکی شان رفیع کے مناسب نہ ہونے

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرمائیں یہ عین ممکن ہے،

جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق ترمذی وغیرہ میں ہے کہ قتل وفداء میں اختیار دیا گیا تھا لیکن مسلم شریف میں ہے کہ فداء کے اختیار کرنے پر آیت ﴿مَا كَانَ لِنبِيٍّ أَنْ يَّكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتّىٰ يُثخِنَ فِي الأَرْضِ﴾ نازل ہوئی،

اب سمجھئے کہ شجرۂ ممنوعہ کے پھل کھانے میں حضرت آدمؑ کو یہی صورت پیش آئی، اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ﴾ کہہ کر مطلق منع فرمایا تھا، شیطان نے جب موقع پاکر شجرہ کے فضائل بیان کئے اور کہا ﴿يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلىٰ شَجَرَةِ الخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلىٰ﴾ اور کہا ﴿مَا نهٰكما رَبُّكما عَنْ هذه الشَجَرَةِ إِلّا أن تَكُونَا مَلَكَيْنِ اَو تَكُونا مِنَ الخٰلِدِين﴾ اور قسم کھائی ﴿وقَاسَمَهُمَا إِنّى لَكُمَا لَمِنَ النّاصِحِينَ﴾۔ تو حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کی ممانعت یاد نہ رہی اور یہ سمجھے کہ یہ ابلیس سچی قسم کھارہا ہے۔ بھلا کوئی جھوٹی قسم کھائے گا؟ ادھر حضرت حوّا نے حضرت آدمؑ کو پھل کھانے پر اصرار کیا تو پھل کھالیا،

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''أما كان لك فيما منحتك من الجنّة وأبحتك منها مندوحة عمّا حرمتُ عليك؟ قال: بلىٰ يا ربّ، ولكن عزّتك ما حسبت أن أحداً يحلف بك كاذباً، قال فبعزّتى لأهبطنك إلى الأرض ثم لَا تنال العيش إلّا كدًّا''، رواه عبد الرزّاق۔

ایک دوسری روایت میں ہے ''لـمّا أكل آدمؑ من الشجرة قيل لِمَ أكلتَ من الشجرة التى نهيتك عنه؟ قال: حوّاء أمرتنى، قال: فإنّى أعقبتها أن لَا تحمل إلّا كُرهاً ولَا تضع إلّا كُرها''، رواه ابن جرير (تفسیر ابن کثیر ص ۲/۲۰۶)۔

اسکے بعد جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے اور جو کچھ ہوا اسمیں فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر کارفرما تھی اور اسمیں خدائے پاک کی صفات کے ظہور کی حکمت مضمر تھی، آدمؑ کا خروج انبیاء وصالحین کے ظہور کا سبب بنا، اتنا بڑا کارخانۂ علم وعمل رونما ہوا۔

قال القاضى أبو بكر بن العربى فى شرح الترمذى: خروج آدمؑ من الجنة هو سبب وجود الذرّية وهذا النسل العظيم ووجود الرسل والأنبياء والصالحين والأولياء، ولم يخرج منها طرداً بل بقضاء أوطار ثم يعود إليها، اھ، كذا فى البذل (ص ۲/۱۵۹ و شرح النووى علىٰ مسلم ص ۱/۲۸۲)۔

جب حضرت موسیٰؑ کی حضرت آدمؑ سے عالم بالا میں ملاقات ہوئی تو سوال کیا ''أنت أخرجت الناس من

الجنّة بذنبک وأشقیتھم؟'' حضرت آدمؑ نے جواب دیا ''أتلومنی علیٰ أمر قد کتبه الله عليّ قبل أن یخلقنی'' (بخاری ص ۶۹۳)۔

حضرت موسیٰ نے جو کچھ کہا تھا صرف سوال مقصود تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضرت آدمؑ کی تنقیص مقصود نہیں تھی، کوئی نبی کسی نبی کی تنقیص نہیں کرتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جائز نہیں جس سے انکی کسرِ شان لازم آتی ہو۔

سوال میں مذکورہ کلمات کی مراد متکلم کے اندازِ گفتگو اور اس کے طرزِ تحریر سے معلوم کی جاسکتی ہے، ایک ہی بات ایک خاص انداز میں کہی جائے تو اشکال بن جاتی ہے، واللہ اعلم۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''اللهَ اللهَ فی أصحابی! لَا تتّخذوھم غرضاً بعدي، فمن أحبّھم فبحبّی أحبّھم، ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم، ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذی الله یوشک أن یأخذہ''، رواہ الترمذی (ص ۲۲۶/ ۲)، عن عبد الله بن مغفلؓ۔

انبیاء کے بعد حضرات صحابہؓ کا مرتبہ ہے، ان کے مقامِ رفیع کی رعایت ضروری ہے، ان سے بتقاضائے بشریت لغزشیں بھی ہوئی ہیں، لیکن وہ ان کے کمالات ومحاسن کے سامنے پاسنگ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا چاہیے، اگر ان سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ معذور تھے اور کسی خاص سبب کو سامنے رکھ کر ہی ایسا کیا ہے،

حضرت معاویہؓ سے واقعی اجتہادی غلطی ہوئی کہ یزید کو ولی عہد بنا دیا، انہوں نے اپنے بیٹے کو اس لائق خیال کیا اور سمجھا کہ مسلمانوں کا بہی خواہ اور دین کی فکر والا ثابت ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا، اس میں ان سے چوک ہوگئی،

مگر یہ بات بضرورت اس طرح بیان کرنے میں جسمیں انکی تنقیص نہ ہوتی ہو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اگر ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ اس سے تنقیص نکلتی ہو تو اسکی ہرگز اجازت نہیں ہے، اور ایسا شخص سلف صالح کے طرز سے ہٹا ہوا ہے، قیصر وکسریٰ بھی اپنی اولاد کو حکومت کیلئے نامزد کرتے تھے مگر ان کا مقصود صرف دنیاداری ہوتی تھی، اور ایک صحابی سے یہ بعید ہے، اسلئے ان کے فعل کو قیصر وکسریٰ کے فعل سے تشبیہ دینا درست نہیں۔

اور بعض صحابہ جیسے عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ سے علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء (ص ۱۸۳) میں جو نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسکو سنتِ کسریٰ وقیصر قرار دیا ہے کما فی روایة للحاکم (ص ۴/۴۸۱) سنّة ھرقل وقیصر، وکذا فی روایة الاِسمٰعیلی کذا فی الفتح وقد نقلت عبارته فی ھامش الصحیح (ص ۷۱۵) وہ اس لحاظ سے کہ بیٹے کو نامزد کیا، اولاد کی نامزدگی خلفاء راشدین کے یہاں نہیں تھی، یہ یقیناً کسریٰ

وقیصر کا طرز ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

’’أقيموا صفوفكم‘‘ کو ’’الجماعة للفائت من الصلوٰة‘‘ ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟

سوال:

نسائی شریف (ص ۱۳۵) پر ترجمۃ الجماعة للفائت من الصلوٰة کے تحت حضرت انسؓ کی حدیث أقيموا صفوفكم کو ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟

احقر کے ذہن میں ایک توجیہ آئی ہے کہ ممکن ہے کہ حدیث کے عموم سے ترجمہ ثابت کیا ہو۔

شبیر احمد لندنی

جواب:

حضرت انسؓ کی حدیث مرفوع ’’أقيموا صفوفكم وتراصّوا فإنّي أراكم من وراء ظهري‘‘، حمید کے طریق سے امام احمد (ص ۱۸۲/ ۳ ص ۲۶۳/ ۳) اور امام بخاری (ص ۱۰۰) نے تخریج کی ہے، اور یہ حدیث ایک ہی سند سے نسائی کے مصری و ہندی نسخوں میں دو جگہ ملتی ہے، اول ترجمہ حثّ الإمام على رصّ الصفوف والمقاربة بينها کے تحت (ص ۱/۱۳۱)، اور دوسرے الجماعة للفائت من الصلوٰة کے تحت (ص ۱/۱۳۵)۔

یہ تکرار کسی ناسخ کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے، حافظ جمال الدین المزّی نے تحفۃ الاشراف (ص ۱/۱۷۷) میں نسائی کی طرف منسوب کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ حدیث امام نسائی نے دو جگہ روایت کی ہے حالانکہ انکی عادت تنبیہ کرنے کی ہے، اور بظاہر پہلی ہی جگہ صحیح ہے، دوسری جگہ ناسخ کی غلطی سے درج ہوگئی ہے۔

اسکے تین قرائن ہیں: اول تو یہ کہ دوسری جگہ بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں کما ذكره صاحب الحاشية

السلفیۃ (ص۱/۹۷)، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ علامہ سندی نے اپنے حاشیہ میں صرف پہلی جگہ اس کے بعض الفاظ سے تعرض کیا ہے، اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ یہ روایت پہلے ترجمہ کے تو مطابق ہے اور دوسرے ترجمہ کے نہیں۔

اور اگر بالفرض مان لیں کہ دوسری جگہ امام نسائی ہی نے درج کی ہے تو پھر ترجمہ عمومِ حدیث سے ثابت ہوگا، کیونکہ ''أقیموا صفوفکم'' جماعت کو خطاب ہے، اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے حضر وسفر اداء وقضاء سب کو شامل ہے جیسا کہ تم نے لکھا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶/محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک راوی کی تحقیق

سوال:

عبداللہ بن زید بن عاصم بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن النجار الانصاری کے نسب میں عاصم کے بعد کعب کا واسطہ ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

اس میں مؤرخین وعلماء انساب کا اختلاف ہے، ابن ہشام نے السیرۃ میں (ص۲/۷۴)، ابن حبان نے کتاب الثقات میں (ص۳/۲۲۳)، ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں (ص۱/۳۲۸) و (ص۱/۵۵۵) و (ص۲/۳۱۲)، امام نووی نے تہذیب الاسماء (ص۱/۲۶۸) میں، حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال اور تحفۃ الاشراف (ص۴/۳۳۵) میں، علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں (ص۲/۲۵۱) عاصم کے بعد کعب کو ذکر کیا ہے۔

ہشام بن الکلبی نے جمہرۃ الانساب میں اور حافظ ابوموسیٰ المدینی نے معرفۃ الصحابہ میں، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (ص ۵۷/۵) میں ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن سعد نے ام عمارہؓ نسیبہ بنت کعب کے ترجمہ میں (ص ۴۱۲/۸) زید بن عاصم کا مکمل نسب نامہ مازن بن النجار تک ذکر کیا ہے، اور انکے دونوں صاحبزادگان حبیب اور عبداللہ کا ذکر کیا ہے اور کعب کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن آگے چل کر ایک واقعہ میں ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں (ص ۴۱۶/۸): أخبرنا محمد بن عمر یعنی الواقدی حدثنی المنذر بن سعید مولی لبنی الزبیر عن محمد بن یحیٰ بن حبان قال: ”جرحت أم عمارةؓ بأحد اثنی عشر جرحاً، وقطعت یدها بالیمامة، وجرحت سوی یدها أحد عشر جرحاً، فقدمت المدینة وبها الجراحة، فلقد رؤی أبو بکرؓ یأتیها یسئل بها وهو یومئذٍ خلیفة، قال: تزوجت ثلثة کلّهم لهم منها ولد، غزیة بن عمرو المازنی لها منه تمیم بن غزیة، وتزوجت زید بن عاصم بن کعب المازنی فلها منه خبیب الذی قطعه مسیلمة وعبد الله بن زید قتل بالحرّة، والثالث نسیبة ومات ولده ولم یعقب“، انتهی۔

حافظ ابن حجر کا کلام مختلف ہے، عبداللہ بن زید بن عاصم کے ترجمہ میں اصابہ، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب میں واسطہ ذکر کرتے ہیں اور انکے بھائی حبیب بن زید کے ترجمہ میں اصابہ میں واسطہ ذکر نہیں کرتے ہیں، اوران دونوں کے والد زید بن عاصم کا نسب مازن بن النجار تک لکھ کر فرماتے ہیں: وزاد أبو عمر فی نسبه بین عاصم وعمرو بن عوف کعب بن المنذر، فاللہ اعلم۔

علامہ موفق الدین بن قدامہ نے الاِستبصار فی أنساب الصحابة من الأنصار میں (ص ۸۱) عبداللہ بن زید بن عاصم کے سلسلۂ نسب میں کعب کا ذکر نہیں کیا، اور بظاہر یہی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ عبداللہ بن زید بن عاصم کی والدہ ام عمارہ کا سلسلۂ نسب بالاتفاق نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن ہے، کذا ذکرہ ابن هشام (ص ۴۷/۲) وابن سعد (ص ۴۱۲/۸) وابن عبد البر وغیرهم۔

تو زید بن عاصم اور انکی بیوی ام عمارہ کا سلسلہ نسب ایک ہے، دونوں عمرو بن عوف میں مل جاتے ہیں، ام عمارہ تو انکی پوتی ہے، اور زید بن عاصم کے نسب میں اگر کعب نہیں ہے تو پوتے ورنہ پڑپوتے ہونگے۔

اول صورت پر کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ زید بن عاصم کی بیوی انکی چچازاد بہن ہوئیں، لیکن ثانی صورت پر

اشکال ہے، اس لئے کہ اگر کعب زید کے دادا ہوں تو ام عمارہ انکی پھوپی ہوئیں، ان سے نکاح کیسے صحیح ہوگا؟

ہاں ایک صورت تصحیح کی نکل سکتی ہے وہ یہ کہ عمرو بن عوف کے دو لڑکے ہوں اور دونوں کا نام کعب ہو، ایک کی لڑکی ام عمارہ ہوں اور دوسرے کے پوتے زید بن عاصم ہوں، ولکن لا یقبله قلبی۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب دوشنبہ یکم صفر الخیر ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

’’ورزقهم کلّ شهر‘‘ والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

مکرمی ومحترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (ص ۱/۳۱۰ سطر ۲۵) حدثنا فهد... إلى آخره کا حاصل سمجھ میں نہیں آیا، خاص طور سے ’’ورزقهم کلّ شهر، الفرس عشرة دراهم‘‘، الخ۔ سے کیا فرما رہے ہیں، ایسی روایت اوجز (ص ۳/۲۵۲) پر بھی ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

مخدومی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طحاوی شریف (ص ۱/۲۶۱)، اہل شام نے حضرت عمرؓ سے افراس وعبید کی زکوۃ لینے کی درخواست کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ سے پیشتر جو میرے دو بڑے یعنی نبی اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ گذرے ہیں انہوں نے اس کی زکوۃ نہیں لی ہے اس لئے میں مشورہ کرکے جواب دونگا، صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے ایک زبان ہوکر کہا ’حسن‘ یعنی اچھی بات ہے لے لینا چاہئے۔

حضرت علیؓ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کیوں خاموش ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سب نے مشورہ دیدیا اور مناسب مشورہ دیا بشرطیکہ یہ صدقہ واجب اور جزیہ لازمہ نہ سمجھا جائے، کہ اگر نہ دیں تو ’’یؤخذون بها‘‘ (ان سے زبردستی مطالبہ کیا جائے)، حضرت عمرؓ نے اموال کے لحاظ سے صدقہ مقرر فرمادیا اور غلام اور گھوڑے کی

زکوۃ دس دس درہم اور ہجین کی آٹھ اور برذون یا بغل کی پانچ پانچ درہم سال میں لینے کا حکم دے دیا، اور بیت المال سے سب کیلئے وظیفہ مقرر کردیا، اسی کو ''رزقھم'' سے بیان کیا ہے۔

گھوڑے کے لئے دس درہم، ہجین کے لئے آٹھ اور بغل کے لئے پانچ درہم ماہانہ مقرر فرمادیئے اور غلام کے لئے دو جریب، امید ہے کہ اثر کا مطلب حل ہو جائے گا۔

محمد یونس عفی عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت علیؓ کے ساتھ 'کرّم اللہ وجہہ' لکھنے کی وجہ

سوال:

حضرت علیؓ کے اسم مبارک کے ساتھ 'کرّم اللہ وجهٗ کیوں کہا جاتا ہے؟

عبید اللہ کاندھلوی۔

جواب:

حضرت گنگوہیؒ اپنے فتاوی میں (ص۹۷) لکھتے ہیں:

چونکہ حضرت علیؓ کو خوارج بلفظ 'سوّد الله وجهه' اپنی خباثت سے یاد کرتے ہیں اسی واسطے اہل سنت نے 'کرّم الله وجهه' مقرر کیا۔

اور علامہ شمس الدین السخاوی فتح المغیث (ص۱۶۴/۲) میں لکھتے ہیں:

وفی تاریخ اربل لِابن المسلوقی عن بعضهم أنه كان يسأل عن تخصيصهم علياً بكرّم الله وجهه فرآى فی المنام من قال له، لأنّه لم يسجد لصنم قط، یہ توجیہ بظاہر ضعیف ہے، اس لئے کہ بہت سے صحابہ جیسے حضراتِ حسنین، ابن زبیر، نعمان بن بشیر وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اصنام کو سجدہ نہیں کیا، لہٰذا ان کے لئے بھی 'کرّم الله وجهه' استعمال کرنا چاہئے۔

اقرب حضرت گنگوہی کی توجیہ معلوم ہوتی ہے، لیکن مجھے متقدمین میں سے کسی کے کلام میں یاد نہیں۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ،

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”إنّما بُعِثتُ معلّماً“ ہے یا ”إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟“

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

حدیث کالفظ ”إنّما بُعِثتُ معلّماً“ ہے، کذا فی الزهد لِابن المبارک (ص۴۸۸) وابن ماجه (ص۲۱) والدارمی (ص۱۰۰/۱) من حدیث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، مشکوۃ میں (ص۳۶) پر ہے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۲/۱۱/۱۴۰۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

کیا باسی روٹی کھانا مسنون ہے؟

سوال:

هل یسنّ أکل الخبز البائت؟ الذی یقال له فی الهندیة: باسی۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

أخرج الترمذی (ص۲/۶) من طریق أبی حمزة الثمالی عن الشعبی عن أم هانی بنت أبی طالبؓ قالت: ”دخل علیّ رسول الله ﷺ فقال: هل عندکم شیء؟ فقلت: لَا، إلّا کِسر یابس وخلّ، فقال النبی ﷺ: قرّبیه، فما أقفر بیت من أُدم فیه خلّ“،

وقال: هذا حدیث حسن غریب لَا نعرفه من حدیث أم هانیؓ إلّا من هذا الوجه۔

قلت: ولفظ المشکوة (ص۳۶۶) بروایة الترمذی: إلّا خبز یابس، وهو لفظ الترمذی فی شمائله (ص۹۷)۔

ویستدلّ علی المقصود بما أخرجه مسلم عن أبی هریرةؓ: لمّا کان یوم غزوة تبوک أصاب

الناس مجاعة، فقال عمرؓ: يا رسول الله! أدع بفضل أزوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة، فقال: نعم، فدعا بنطع فبسطه، ثم دعا بفضل أزوادهم، فجعل الرجل يجيء بكفّ ذُرَة ويجيء الآخر بكفّ تمر ويجيء الآخر بكسرة، حتّى اجتمع علٰى النطع من ذلك شيء يسير، فدعا رسول الله ﷺ بالبركة ثم قال: خذوا فى أوعيتكم، فأخذوا فى أوعيتهم حتى ما تركوا فى العسكر وعاء إلّا ملأوه، فأكلوا حتّى شبعوا وفضلت فضلة، فقال رسول الله ﷺ: أشهد أن لَا إله إلّا الله وأنّى رسول الله، لَا يلقى الله بهما عبد غير شاكّ فيحجب عن الجنة''، كذا فى المشكوة فى باب المعجزات (ص ۵۳۸)،

والظاهر أنّ النبى ﷺ أيضاً أكل، ولَا يكون ما اجتمع طريًّا سيّما فى غزوة تبوک، والله أعلم۔

محمد يونس عفى عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

''يركبون على سُرج كأشباه الرحال''، کا کیا مطلب ہے؟

سوال:

عن عبد الله بن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ''يكون فى آخر أمّتى رجال يركبون على سُرج كأشباه الرحال، ينزلون علٰى أبواب المساجد، نساء هم كاسيات عاريات على رؤوسهنّ كأسنمة البخت العجاف، العنوهن فإنّهن ملعونات، لوكان وراء كم أمة من الأمم خدمتهنّ نسائكم كما خدمكم نساء الأمم قبلكم''۔

رواه ابن حبان فى صحيحه، واللفظ له، والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم (ترغيب ص ۴/۵۸)، وكذا رواه أحمد والطبرانى فى الثلٰثة، ورجال أحمد رجال الصحيح، مجمع الزوائد (ص ۵/۱۳۷)۔

خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ ومطلب کیا ہے؟

السائل ــــــــــــــ

جواب:

عبارت خط کشیدہ کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی زینوں پر سواری کریں گے جو پالانوں جیسی ہوں گی، اور مساجد کے دروازوں پر اتریں گے، یعنی وہ لوگ اونچی اونچی موٹی زینوں پر جو پالانوں کی طرح موٹی ہوں گی، نہایت ناز ونعمت سے سوار ہوکر اور مساجد کے دروازوں پر بیٹھ کر اپنے لہولعب میں مشغول ہوکر نماز وغیرہ حقوقِ مساجد کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

اس صورت میں اس جملہ کی غرض ان کی نہایت بے دینی اور حُطامِ دنیا میں مشغولیت بیان کرنا ہے، اور آئندہ اجزاء حدیث بالکل مربوط ہیں،

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ان کے گھوڑوں کی زین پالانوں کی طرح سخت ہونگی، اور زیادہ لہولعب میں مشغول نہیں ہوں گے، ہر وقت مساجد میں آمد ورفت ہوگی، مساجد ہی کے دروازے پر ہمہ وقت موجود ہوں گے، لیکن اپنے اہل وعیال سے بے فکر ہوں گے جس کا حال وہ ہوگا جو حدیث میں آئندہ بیان کیا گیا ہے۔

(تنبیہ) بندہ کو کسی کتاب میں اس حدیث کی کوئی تشریح نہیں ملی، جو ذہن قاصر میں آیا لکھدیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

دعاءِ حضرت عمرؓ "اللّٰھم کبرت سنّی" کہاں ہے؟

سوال:

دعاءِ حضرت عمرؓ "اللّٰھم کبرت سنّی وضعفت قوّتی وانتشرت رعیّتی فاقبضنی الیک غیر مفتون" کہاں ہے؟ السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

أخرجه مالک فی الموطأ (أوجز ص ۶/۲۵) عنه، ومحمد بن الحسن (ص ۳۰۴) ولفظه "فاقبضنی إلیک غیر مضیّع ولَا مفرّط".

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”من أشراط الساعة أن تكثر السيول والأمطار“ کہاں ہے؟

سوال از مولانا عبید اللہ بلیاوی
مرکز حضرت نظام الدین، دہلی

الجواب:

مخدومی ومکرمی زادت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ آمد پر جناب نے حدیث ”من أشراط الساعة أن تكثر السيول والأمطار“ کی تفتیش کے لئے فرمایا تھا، اس وقت تلاش کی مگر بایں الفاظ نہیں ملی، البتہ جامع صغیر میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے، جس کو صاحبِ ’الإشاعة فی أشراط الساعة‘ نے بھی نقل فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبد الرحمٰن بن عمرو الأنصاریؓ قال قال رسول الله ﷺ: ”مِن اقتراب الساعة كثرة المطر وقلّة النبات وكثرة القرّاء وقلّة الفقهاء وكثرة الأمراء وقلّة الأمناء“۔

علامہ نور الدین ہیثمی فرماتے ہیں: فيه عبد الغفار بن القاسم وهو وضّاع، قال المناوى (۶/۱۰) فكان ينبغى للمصنّف (يعنى السيوطى) حذفه، انتهى۔

عبد الغفار بن القاسم ترجمته مبسوطة فى الميزان واللسان، ضعّفوه وكذّبوه وهو رافضىّ، ولكن الحديث له شواهد،

منها حديث عوف بن مالكؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”يكون أمام الدجّال ستّون خوادع، يكثر فيها المطر ويقلّ فيها النبت، ويكذب فيها الصادق ويصدق فيها الكاذب، ويؤتمن فيها الخائن ويخوّن فيها الأمين، وينطق فيها الرويبضة، قيل: يا رسول الله! وما الرويبضة؟ قال: من لَا يؤبه له“۔

رواه الطبرانى بأسانيده، وفى أحسنها ابن إسحاق وهو مدلّس، وبقية رجاله ثقات، كذا فى

مجمع الزوائد۔

وقولـه ”ستـون خـوادع“ أی تکثر فیها الأمطار ویقلّ الریح فذلک خداعها، لأنّها تطمعهم فی الخصب بالمطر ثم تخلف، کذا فی حاشیة مجمع الزوائد (ص ۳۳۰/۷)۔

ومـنهـا حـدیـث أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”لَا تقوم الساعة حتّی تمطر السماء مطراً عامّاً ولَا تنبت الأرض شیئاً“، رواه أحمد والبزّار وأبو یعلی، ورجاله ثقات۔

ومـنهـا حـدیث أنسؓ أن رسول الله ﷺ قال: ”لَا تقوم الساعة حتّی لَا یقال فی الأرض الله الله ! وحتّی یمطر الناس مطراً ولَا تنبت الأرض“، الحدیث۔

رواه البـزار ورجـالـه رجـال الـصـحـیح، ذکر هذه الأحادیث نور الدین الهیثمی فی مجمع الزوائد۔

ولـه شـاهـد مـن حـدیـث أبـی مـوسـیؓ أخرجه ابن أبی الدنیا والطبرانی فی الکبیر وأبو نصر السـجـزی فـی الإبـانـة وابـن عسـاکر فی حدیث أوّله: ”لَا تقوم الساعة حتّی تجعل کتاب الله عاراً“ إلی أن قال ”ویکثر المطر“، قال السیوطی لَا بأس بسنده (منتخب ۱۶/۶)۔

ومـن حـدیـث أبـی هـریـرةؓ مـرفوعاً: ”لَا تقوم الساعة حتّی یمطر الناس مطراً لَا تکنّ بیوت المدر منه ولَا الشعر“، أخرجه أحمد (منتخب ۱۷/۶)۔

کتبه العبد محمد یونس عفی عنه

مسامحات الإمام الحافظ ابن حجرؒ

فی فتح الباری وغیره

(مفيدة لمن أراد الاِطّلاع والتحقيق)

ا : قال –رحمه الله– فی الفتح (ص۳۶۰/۱۱) فی آخر ’باب يدخلون الجنة سبعون ألفاً بغير حساب‘ من كتاب الرقاق:

تنبيه: هذه الأحاديث تخصّ عموم الحديث الذی أخرجه مسلم عن أبی برزة الأسلمیؓ رفعه: ”لَا تزول قدما عبد يوم القيامة حتّى يسئل عن أربع، عن عمره فيما أفناه وعن جسده فيما أبلاه وعن علمه فيما عمل به وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه“.

قلت: لم أجده فی مسلم، بل رواه الترمذی فی الزهد، والدارمی (ص ۴۲) فی العلم، ولم يذكر صاحب الذخائر (ص۱۴۳/۳) فی أطراف الستة إلّا الترمذی.

وكذا اكتفى الحافظ المنذری فی الترغيب (ص۳۷/۱) فی ’باب الترهيب من أن يعلم ولَا يعمل‘ بعزوه إلى الترمذی (وكذا فی فصل ذكر الحساب و غيره فی أواخر الترغيب (ص۲۹۷/۲)) فقال: رواه الترمذی وقال حديث حسن صحيح، وكذا عزاه إليه الزرقانی فی شرح المواهب (ص۳۸۴/۸)، ووهم القسطلانی فعزاه فی المواهب إلى الترمذی من حديث أبی هريرةؓ، وهو فيه من حديث أبی برزةؓ.

۲ : وقال –رحمه الله– فی الفتح فی باب ’وكان عرشه على الماء‘ من كتاب التوحيد (ص ۳۴۹/۱۳):

و يؤيد أنّ فی حديث أبی سعيدؓ المرفوع الذی أخرجه أبو داود وصحّحه الترمذی وابن حبان: ”ويقال لصاحب القرآن: اقرأ وارق ورتّل كما كنت ترتّل فی الدنيا، فإنّ منزلك عند آخر آية تقرؤها“.

قلت: ليس هذا اللفظ فی الترمذی وأبی داود من حديث أبی سعيدؓ بل أخرجاه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، أخرجه الترمذی فی فضائل القرآن (ص ۱۲۰/ ۲) وأبوداود فی الصلٰوة (ص ۳۴۲ بذل).

ووهم المنذری فعزاه فی الترغيب لِابن ماجه من حديث عبد الله بن عمروؓ، وليس فی ابن ماجه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، نعم! أخرجه أحمد وابن ماجه عن أبی سعيد الخدریؓ مرفوعاً بلفظ: "يقال لصاحب القرآن يوم القيامة إذا دخل الجنة: اقرأ واصعد فيقرأ ويصعد بكل آية درجة حتی يقرأ آخر شیء معه".

۳: قال الحافظ فی 'باب ما يذكر فی الطاعون' (ص ۱۵۴/ ۱۰) من كتاب الطبّ بعد ذكر حديث أبی موسیؓ رفعه: "فناء أمّتی بالطعن والطاعون، قيل يارسول الله! هذا الطعن قد عرفناه فما الطاعون؟ قال وخزأعدائكم من الجن"، أخرجه أحمد والبزار والطبرانی وصحّحه ابن خزيمة والحاكم،

تنبيه: يقع فی الألسنة وهو فی النهاية لِابن الأثير تبعاً لغريبی الهروی بلفظ 'وخز إخوانكم' ولم أره بلفظ 'إخوانكم' بعد التتبع الطويل البالغ فی شیء من طرق الحديث المسند، لَا فی الكتب المشهورة ولَا الأجزاء المنثورة، وقد عزاه بعضهم لمسند أحمد أوالطبرانی أو كتاب الطوّاعين لِابن أبی الدنيا ولَا وجود لذلک فی واحد منها، انتهی۔

قلت: أخرج الحاكم فی كتاب الاِيمان من المستدرک (ص ۵۰/ ۱) عن أبی بكر بن أبی موسی قال: "ذكر الطاعون عند أبی موسی الأشعریؓ فقال أبو موسیؓ: سألنا عنه رسول الله ﷺ فقال: وخز إخوانكم أو قال أعدائكم من الجن وهو لكم شهادة، انتهی۔ هكذا علی الشک وخز إخوانكم أوقال أعدائكم، وقال هذا حديث صحيح علی شرط مسلم، وأقرّه الذهبی ولفظه فی تلخيص المستدرک كلفظ الحاكم علی الشک۔

۴: عن عتبة بن عبد السلمیؓ قال: "سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من مسلم يموت له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث إلّا تلقّوه من أبواب الجنة الثمانية من أيّها شاء دخل"، أخرجه

ابن ماجه فی الجنائز من سننه (ص ١١٦) فی باب ماجاء فی ثواب من أصیب بولده والإمام أحمد (ص ١٨٣ و ١٨٤/ ٤) فی مسنده.

وأشار الحافظ فی الفتح (ص ٢٣٥/ ٦) إلی أنّ الترمذی أخرجه، فقال فی باب صفة أبواب الجنة:

وقد وردت هذه العدّة یعنی الثمانیة لأبواب الجنة فی عدّة أحادیث إلی أن قال: وعن عتبة بن عبد عند الترمذی وابن ماجه، اهـ.

قلت: قال شیخنا: لم أجده فی الترمذی، وکذا لم أجده أنا فی الترمذی، وقد عزاه العینی فی شرح البخاری فی 'باب فضل من مات له ولد فاحتسب' الی ابن ماجه فقط، وکذا عزاه صاحب الذخائر (ص ٢٢٩/ ٢) إلی ابن ماجه فقط، ولیس فی الکتب الستة حدیث فیه ذکر الأبواب إلّا هذا الحدیث، وکذا عزاه المنذری فی الترغیب (ص ١٥/ ٢) فیمن مات له ثلاثة من الأولَاد إلی ابن ماجه فقط فقال: رواه ابن ماجه باسناد حسن.

٥: قال فی التلخیص الحبیر (ص ٨٧) فی باب صفة الصلوة: حدیث "أنّه صلی الله علیه وسلم قرأ بفاتحة الکتاب فقرأ بسم الله الرحمٰن الرحیم، وعدّها"، رواه الشافعی و الطحاوی وابن خزیمة والدار قطنی والحاکم من طریق ابن جریج عن ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ، انتهٰی ملخّصاً.

ثمّ قال بعد ذلک ما نصّه: و أعلّ الطحاوی الخبر بالإنقطاع فقال: لم یسمعه ابن أبی ملیکة من أم سلمةؓ ،واستدلّ علی ذلک بروایة اللیث عن ابن أبی ملیکة عن یعلی بن مملک عن أم سلمةؓ : "أنّه سألها عن قرأة رسول الله صلی الله علیه وسلم فنعتت له قرأةً مفسرّةً حرفاً حرفاً".

قال الحافظ: وهذا الذی أعلّه به لیس بعلّة، فقد رواه الترمذی من طریق ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ بلا واسطة وصحّحه ورجّحه علٰی الاِسناد الذی فیه یعلی بن مملک، انتهی.

قلت: فیه وهم، فإنّ الترمذی عکس ماحکاه عنه الحافظ، ونصّ کلام الترمذی فی فضائل القرآن فی 'باب ما جاء کیف کانت قرأة النبی صلی الله علیه وسلم': حدثنا قتیبة نا اللیث عن عبد الله بن عبید الله بن أبی ملیکة عن یعلی بن مملک: "أنّه سأل أم سلمةؓ زوج النبی صلی الله علیه وسلم عن قرأة النبی صلی الله علیه وسلم

فقالت: وما لکم وصلوته؟ وکان یصلّی ثمّ ینام قدر ما صلّی ثمّ یصلّی قدر ما نام ثمّ ینام قدر ما یصلّی حتّی یصبح، ثمّ نعتت قرأته فإذا هی تنعت قراءةً مفسّرةً حرفاً حرفاً''، هذا حدیث حسن صحیح غریب لَا نعرفه إلّا من حدیث اللیث بن سعد عن ابن أبی ملکیة عن یعلی بن مملک عن أم سلمةؓ، وقد روی ابن جریج هذا الحدیث عن ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ ''أنّ النبی ﷺ کان یقطع قراءته''، وحدیث اللیث أصحّ، انتهی۔

وقال فی أبواب القراءات: حدثنا علی بن حجرنا یحیی بن سعید الأموی عن ابن جریج عن ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ قالت: ''کان رسول الله ﷺ یقطّع قراءته، یقرأ ﴿الحَمْدُ لِلهِ رَبِّ العٰلَمِینَ﴾ ثم یقف ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ ثم یقف وکان یقرؤها ﴿ملک یوم الدین﴾''۔

هذا حدیث غریب، وبه یقرأ أبو عبیدة و یختاره، هکذا روی یحیی بن سعید الأموی وغیره عن ابن جریج عن ابن أبی ملیکة عن أم سلمةؓ، ولیس إسناده بمتّصل، لأنّ اللیث بن سعد روی هذا الحدیث عن ابن أبی ملیکة عن یعلی بن مملک عن أم سلمةؓ: ''أنّها وصفت قرأة النبی ﷺ حرفاً حرفاً، وحدیث اللیث أصحّ، ولیس فی حدیث اللیث وکان یقرأ ﴿ملک یوم الدین﴾، انتهی۔

۶ : قال فی التلخیص (ص ۱۵۹ / ۲ ذیل شرح المهذب) روی أحمد وأصحاب السنن من حدیث أبی رافعؓ: ''أنه ﷺ طاف علی نسائه ذات لیلة، یغتسل عند هذه وعند هذه، فقیل: یارسول الله! أَلَا تجعله غسلاً واحداً ؟ فقال: هذا أزکیٰ وأطیب''۔

قلت: صنیع الحافظ هذا أوهم أنّ الترمذی أخرجه، ولم أجده فیه ولَاعزاه إلیه صاحب الذخائر فی أطراف الستة، وتبع الشوکانی (ص ۱ ۲۰ / ۱) الحافظ ابن حجر فعزاه للترمذی، وعزاه المنذری وغیره للنسائی ولعله فی الکبریٰ، وراجع المحلی وحاشیته (ص ۲۲۲ / ۲)۔

محمد یونس عفی عنہ

”أَلَا إنّ الدنیا خلقت لکم“ الخ کیا حدیث ہے؟

سوال:

هل لما اشتهر فی خطب الجمعة من قوله ”أَلَا إنّ الدنیا خلقت لکم، وأنّکم خلقتم للآخرة“ أصل فی المرفوع أو الموقوف أم لَا؟

(مولَانا) أبو الحسن علی الندوی

جواب:

نعم، قال الغزالی فی الاِحیاء فی بیان ذمّ الدنیا: وقال ﷺ فی بعض خطبه: ”المؤمن بین مخافتین، بین أجل قد مضیٰ لَا یدری ما الله صانع فیه، وبین أجل قد بقی لَا یدری ما الله قاض فیه، فلیتزّود العبد من نفسه لنفسه، ومن دنیاه لآخرته، ومن حیاته لموته، ومن شبابه لهرمه، فإن الدنیا خلقت لکم وأنتم خلقتم للآخرة، والذی نفسی بیده ما بعد الموت من مستعتب، ولَا بعد الدنیا من دار إلّا الجنة أو النار“، انتهی۔

قال الحافظ العراقی فی تخریج الاِحیاء (ص۱۷۷/۳) و (ص۸/۸۶ إتحاف): رواه البیهقی فی الشعب من روایة الحسن عن رجل من أصحاب النبی ﷺ وفیه انقطاع، انتهی۔
وقال فی موضع آخر (ص۱۵۱/۴): أخرجه البیهقی فی الشعب من روایة الحسن عن رجل من أصحاب النبی ﷺ، وذکره ابن المبارک فی الزهد بلاغاً وذکره صاحب الفردوس من حدیث جابرؓ ولم یخرجه ولده فی مسند الفردوس، انتهی۔

العبد محمد یونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

’’إنّ البلاء والدعاء يتصارمان‘‘ کیا حدیث ہے؟

سوال:

هل ورد فى حديث ’’إنّ البلاء والدعاء يتصارمان‘‘؟

السائل..............

جواب:

نعم، أخرج الحاكم فى المستدرك (ص ٤٩٢/١) من طريق زكريا بن منظور قال: أخبرنى عطاف بن خالد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: ’’لَا يغنى حذر من قدر، والدعاء ينفع ممّا نزل وممّا لم ينزل، وأن البلاء لينزل فيتلقّاه الدعاء فيعتلجان إلى يوم القيامة‘‘،

قال الحاكم: صحيح الاِسناد وتعقّبه الذهبى فقال: زكريا مجمع على ضعفه۔

العبد محمد يونس عفى عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟

السائل..............

جواب:

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله حمداً لَا نهاية له ولَا أمد، والصلوة والسلام على سيدنا محمّد، من الأزل إلى الأبد، وعلى آله وصحبه أولى الرشد۔

حضرات صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

فقد أخرج الاِمام أحمد (ص ١٣٢/٣) والبخارى فى الأدب المفرد (ص ١٣٦) والترمذى (ص ١٠٥/٤) من طريق حمّاد بن سلمة عن حميد عن أنسؓ قال: ’’ما كان شخص أحبّ إليهم

رؤيةً من النبی ﷺ، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا إليه لما يعلمون من كراهيته لذلک"،

قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب.

رہی یہ بات کہ پھر طلبہ کو اساتذہ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہونا چاہئے؟ تو علماء نے قیام کی مختلف صورتیں لکھی ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی شخص بیٹھا رہے اور دوسرا اس کے سر کے پاس کھڑا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کو دیکھ کر کھڑے ہوں اور کھڑے ہونے والوں پر اظہار بڑائی کرتا ہو، یہ دونوں صورتیں حرام ہیں، کیونکہ یہ جبابرہ ومتکبرین کا فعل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو قیام کا خواہش مند نہ ہو مگر یہ ڈر ہو کہ کہیں اس کے اندر یہ رذیلہ نہ پیدا ہو جائے کہ وہ شخص قیام کو پسند کرنے لگے یا جبابرہ کے ساتھ تشبہ ہو، یہ صورت مکروہ ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے قیام کیا جائے جو نہ تو قیام کا خواہشمند ہو اور نہ ہی استحبابِ قیام کا خوف یا تشبہ بالجبابرہ ہو، یہ صورت جائز ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی سفر سے آرہا ہو اس کے استقبال میں کھڑا ہو۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت حاصل ہو اس کو کھڑے ہو کر مبارک باد دے، ان دونوں صورتوں میں قیام میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ابن الحاج المالکی نے ابوالولید بن رشد سے ان دونوں کا مندوب ہونا نقل کیا ہے۔

ساتویں صورت ہے کہ کوئی حاکم اپنے محل ولایت میں آئے اس کی تکریم کے لئے کھڑا ہو۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اختلف العلماء فی جواز القيام للوارد إذا جاء علٰی أقوال:

فمنهم من رخّص فی ذلک محتجّاً بحديث "قوموا إلی سيّدكم"، قلت: أخرجه الشيخان وغيرهما عن أبی سعيدؓ.

ومنهم من منع من ذلک محتجّاً بحديث "من أحبّ أن يتمثّل له الرجال قياماً فليتبوّأ مقعده من النار"، قلت: أخرجه أحمد وأبوداود (ص ۲۰۹/۵ بذل) والترمذی (ص ۱۰۵/۲) وحسّنه، والبخاری فی الأدب المفرد (ص ۱۴۲) والدولَابی فی الكنٰی (ص ۹۵/۱) من حديث معاويةؓ.

ومنهم من فصّل قال: يجوز عند القدوم من سفر، وللحاكم فی محل ولَايته كما دلّ عليه

قصّة سعد بن معاذؓ، فإنّه لمّا استقدمه النبی ﷺ حاکما فی بنی قریظة، فرآه مقبلاً قال للمسلمین: قوموا إلی سیّدکم،

قلت: أخرجه الشیخان من حدیث أبی سعیدؓ، وما ذاک إلّا لیکون أنفذ لحکمه، والله أعلم۔

فأمّا اتّخاذه دیدناً فإنّه من شعار العجم، وقد جاء فی السنن: أنه لم یکن شئ أحبّ إلیهم من رسول الله ﷺ وکان إذا جاء لَا یقومون له لما یعلمون من کراهیته لذلک، انتهی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ اساتذہ کے لئے کھڑے ہوسکتے ہیں، کیونکہ استاذ حاکم کی حیثیت رکھتا ہے، نیز اس کا اکرام مطلوب ہے۔

وقد قال الغزالی فی الاِحیاء (ص ۱۸۱/۲): والقیام مکروه علٰی سبیل الاِعظام لَا علی سبیل الاِکرام۔

مگر اس کو ضروری نہ سمجھے جیسا کہ ابن کثیر نے فأما اتخاذه دیدناً سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

نیز بندہ کے نزدیک حدیث انسؓ: ''ما کان شخص أحبّ إلیهم'' کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر حضور ﷺ حضرات صحابہ کو کھڑے ہونے دیتے تو بہت ممکن تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد فرض یا واجب سمجھ لیتے، واللہ اعلم۔

حرّره العبد محمد یونس عفی عنه

بأمر الأستاذ الاِمام العلامة محمد زکریا صاحب مدّظلّهم

شیخ الحدیث بمظاهر العلوم سهارنپور

۹/جمادی الثانیة ۱۳۸۳ھ

اس کے بعد امام غزالی کی یہ عبارت نظر سے گذری اس کو درج کرنا مناسب معلوم ہوا،

امام ہمام احیاء العلوم (ص ۲/۴۶۸) میں تحریر فرماتے ہیں کہ: والقیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادة العرب بل کان الصحابة رضی الله عنهم لَا یقومون لرسول الله ﷺ فی بعض الأحوال کما رواه أنسؓ، ولکن إذا لم یثبت فیه نهی عام فلا نری به بأسا فی البلاد التی جرت العادة فیها بإکرام الداخل بالقیام فإنّ المقصود منه الاِحترام والاِکرام وتطییب القلب به، وکذلک سائر أنواع المساعدات إذا قصد بها تطییب القلب واصطلح علیها جماعة فلا بأس

بمساعدتهم عليها، بل الأحسن المساعدة إلّا فيما ورد فيه نهي لَا يقبل التأويل، اهـ.
اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالیؒ نے حدیث انسؓ کو جسمیں نفی قیام صحابہ کی گئی ہے بعض احوال پر حمل کیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”ترکتکم علٰی مثل البیضاء“ الخ کا مطلب ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے

جواب:

عزیزم مولوی شبیر احمد لندنی سلمہ

تم نے ایک خط میں دو سوال لکھے تھے، ایک ابن ماجہ کی حدیث: ”ترکتکم علٰی مثل البیضاء لیلها ونهارها سواء“ کا مطلب پوچھا تھا جو ابوالدرداءؓ سے مروی ہے، اور دوسرے ابن ماجہ کی سند معلوم کی تھی، میرا خیال تھا کہ اس کا جواب لکھ چکا ہوں لیکن کاپی میں نقل نہیں ہے، اس لئے تردد ہو گیا۔

(۱): اس حدیث میں ملت محمدیہ کو اس شاہراہ عام اور واضح راستے سے تشبیہ دی گئی ہے جو رات و دن میں یکساں واضح ہو، چلنے والے کو کوئی اشتباہ نہ ہو، بخلاف راستوں کی چھوٹی چھوٹی شاخوں کے کہ جن کو پگڈنڈی کہتے ہیں، ان پر دن میں چلنا آسان ہے لیکن رات میں کثرت سے دھوکہ لگ جاتا ہے، خاص طور سے حجازِ مقدس اور کوہستانی اور ریگستانی علاقوں میں، زمینِ حجاز کثیر الأودية والشعاب ہے، وہاں عام راستے پر چلنا ہی مفید ہے، ہاں دن میں دشواری کم ہوتی ہے، لیکن رات میں خرّیت ماهر بھی بعض وقت پریشان ہو جاتا ہے، اور غیر ماہر تو بعض اوقات ہلاک ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہاں تو میلوں تک ریگستان ہی ریگستان ہے، اگر راستہ چھوٹ جائے تو نہ معلوم کس بے آب و گیاہ میدان میں یا کس خطرناک مقام میں پہونچ جائے اور پھر جانبر نہ ہو، بڑا خطرہ ہوتا ہے۔
حضور اقدس ﷺ اس ملت شریفہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بالکل اس عام شاہراہ جیسی ہے، جو رات دن میں یکساں طور پر واضح ہو بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہ ہو اور اس پر چل کر منزل مقصود پر پہونچ جائے، اس کی ہر بات پر چاہے

عقیدہ کا مسئلہ ہو یا اعمال واخلاق ومعاملات کا سب واضح ہی واضح ہے، صاف و بے غبار ہے، اس میں کوئی کھٹک اور تردد نہیں۔

علامہ سندھی نے ایک دوسرا مطلب تجویز کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں قلوب کی حالت بیان کی گئی ہے اور مطلب ہے کہ حضور ﷺ کی برکت سے سب کے قلوب اصلاح پذیر ہو کر ایسے صاف ستھرے ہو گئے کہ اس کے بعد میل الی الباطل کا خطرہ باقی نہیں رہا، ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

قوله "على مثل البيضاء" ظاهره السوق أن هذا بيان لحال القلوب، لَا لحال الملّة، والمعنى على قلوب هى مثل أرض البيضاء ليلاً و نهاراً، ويحتمل أن يكون لفظ 'المثل' مقحماً، والمعنى على قلوب بيضاء نقيّة عن الميل إلى الباطل لَا يميلها عن الاِقبال إلى الله تعالى السرّاء والضرّاء، فليفهم، انتهى.

لیکن یہ معنی بعید ہیں، علامہ سندھی نے اس کے ظاہری سیاق وسباق پر نظر کر کے یہ لکھا ہے، یہی جملہ اس دوسری حدیث میں وارد ہے، وہاں مطلب اول کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا، اور خود علامہ سندھی نے پہلا مطلب ہی لیا ہے۔

فأخرج أحمد (ص ۱۲۶/۴) وابن ماجه (ص ۲۰) وابن أبى عاصم فى السنة (ص ۲۶و۲۷/۱) والحاكم (ص ۹۶/۱) عن العرباض بن سارية ؓ قال: "وعظنا رسول الله ﷺ موعظة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، قلنا: يا رسول الله! إنّ هذه لموعظة مودّع فماذا تعهد إلينا؟ قال: قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها، لَا يزيغ عنها بعدى إلّا هالك، ومن يعش منكم فسيرىٰ اختلافا كثيراً، فعليكم بما عرفتم من سنّتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين، وعليكم بالطاعة وإن عبداً حبشيّاً، عضّوا عليها بالنواجذ، فإنّما المؤمن كالجمل الأنف حيثما انقيد انقاد، إسناده حسن.

اس سیاق میں دوسرے معنی مراد نہیں، علامہ سندھی نے پہلا ہی مطلب یہاں لیا ہے، لکھتے ہیں (ص ۲۰):

قوله "على البيضاء" اى الملة والحجة الواضحة الذى لَا تقبل الشُبه أصلاً، فصار حال إيراد الشُبه عليها كحال كشف الشُبه عنها ودفعها، وإليه الإشارة بقوله "ليلها كنهارها"، انتهى.

ابن عاصم نے ابوالدرداءؓ کی حدیث بھی تخریج کی ہے، اور دونوں حدیثوں پر جو ترجمہ منعقد کیا ہے اس کا خلاصہ بھی

مطلب اول ہی ہے، لکھتے ہیں (ص ۲۶):

باب ذكر قول النبى ﷺ "تركتكم على مثل البيضاء"، وتحذيره إيّاهم عن أن يتغيّروا عمّا يتركهم عليه، وأمره بسنّته وسنّة الخلفاء الراشدين بعده، انتهى۔

ابن ماجہ نے ابوالدرداءؓ کی حدیث پر 'اتباع سنّة رسول الله ﷺ' ترجمہ منعقد کیا ہے، علامہ منذری کے تراجم بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲): ابن ماجہ کی سند یہ ہے:

أخبرنا الشيخ العلامة أمير أحمد الكاندهلوى بقراءة أكثره منّى وبعضه من غيرى وأنا أسمع قال: أخبرنا مولَانا منظور أحمد السهارنفورى، قال: أخبرنا مولَانا ثابت على الفورقاضوى قال: أخبرنا مولَانا محمد مظهر النانوتوى وهو يروى عن مولَانا مملوك على عن مولَانا رشيد الدين الدهلوى عن الشاه عبد العزيز عن الشاه ولى الله قدّس سره وخاله الشيخ محمد عاشق الفلتى وهما عن الشيخ أبى طاهر عن أبيه إبراهيم بن حسن الكورانى الكردى عن الشيخ أحمد القشاشى عن أحمد بن عبد القدوس الشناوى عن الشمس محمد بن أحمد الرملى عن الزين زكريا بن محمد عن الحافظ ابن حجر عن أبى الحسن على بن أبى المجد الدمشقى عن أبى العباس الحجار عن الأنجب بن أبى السعادات عن الحافظ أبى زرعة طاهر بن طاهر المقدسى عن الفقيه أبى منصور محمد بن الحسين بن أحمد المقوّمى القزوينى عن أبى طلحة القاسم بن أبى المنذر عن أبى الحسن على بن إبراهيم بن سلمة بن بحر القطان عن مؤلف الكتاب أبى عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينى رحمهم الله تعالى۔

حرره العبد محمد يونس غفرله

۳/شعبان ۱۴۰۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

چند علمی ہدایات

(محترم مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب نے ایک مکتوب میں چند علمی سوالات اور مشورے استاذ محترم سے کئے تھے جس کا حسبِ ذیل جواب مرحمت فرمایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذاہبِ مختلفہ کے علماء سے تعلیم وتعلم

عزیزم الحاج مولوی عبدالحفیظ سلمہ

آپ نے لکھا ہے کہ مالکی عالم سے تعلم کے سلسلہ کا خیال ہے، اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ سلفاً وخلفاً مذاہب مختلفہ کے اصحاب ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے آئے ہیں، اور مالکیہ تو حنفیہ کے ساتھ مسائل فرعیہ میں بہت قریب تر ہیں۔

آپ رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل معروفہ ہی کو لے لیں تو دونوں امام ان میں بہت قریب ہیں۔

علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟

البتہ منطق وغیرہ کے بارہ میں بندہ کا خیال ہے کہ ایک آدھ کتاب بغرض علمِ اصطلاح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ ہی حدیث وقرآن کا مطالعہ اس سے چندد رچند زیادہ ہوتا کہ منطق کی وجہ سے طبیعت پر کوئی اثر نہ ہونے پائے۔ خود یہ مختلف فیہ علم ہے۔

ایک جم غفیر اس کی تحریم کا قائل ہے، جیسے سراج الدین قزوینی حنفی، ابن العربی مالکی، الباجی، ابن ابی زید طرطوشی، ابن المنیّر وغیرہ مالکیہ، اور امام شافعی اور ان کے اتباع میں سے امام الحرمین، غزالی، ابن الصلاح، امام نووی، ابن دقیق العید وغیرہم اور ابن الجوزی، سعد الدین الحارثی، ابن تیمیہ وغیرہم حنابلہ میں سے،

لیکن اس کے برخلاف تعلیماً وتعلماً ایک جماعت عظیمہ جواز کی قائل ہے، اور بعض واجب تک کہہ ڈالتے ہیں، مگر یہ سب غلو ہے، صاحب السلم المنورق کہتے ہیں:

واختلف فی جواز الاِشتغال   بہ علی ثلاثۃ أقوال

فابن الصلاح والنواوی حرّما وقال قوم ینبغی أن یُعلّما
والقولة المشهورة الصحیحة جوازہ لکامل القریحة
ممارس السنّة والکتاب یهتدی به إلی الصواب

ہمارے مشائخ کے یہاں تو تمہیں معلوم ہے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا دستور ہے لیکن بقدر ضرورت، اور ہمارے حضرت اقدس قطب الوجود حضرت گنگوہیؒ اس علم سے بہت ہی نفرت فرماتے تھے، جیسا کہ تذکرۃ الرشید (ص ۲/۵۰) میں مذکور ہے، لیکن ان سب کا محل ہمارے یہاں یہ ہے کہ اسی کا ہو کر رہ جائے، البتہ کتاب و سنت کا علم اگر غالب ہو تو کامل القریحہ کیلئے کچھ بھی حرج نہیں ہے، علم مناظرہ میں نہ معلوم وہاں کونسی کتاب چلتی ہے، ہمارے یہاں تو رشیدیہ شرح شریفیہ متداول ہے، قاضی عضد وغیرہ کے متون بھی اچھے ہیں۔

عقیدہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

نزول عیسی علیہ السلام کے سلسلے میں عام طور سے دو قسم کے لوگ گڑ بڑ کرتے ہیں، ایک تو وہ ہیں جن کو کتاب و سنت سے واقفیت نہیں ہے، دوسرے وہ فریق باطل ہے جو اس وقت مرزائیہ قادیانیہ کے ساتھ موسوم ہے،

اگر قدماء میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو نزول مسیح کو ظنی کہے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو نزول کی روایاتِ متواترہ کا علم نہیں ہوا، ورنہ جو حضرات کتاب و سنت کے ماہرین ہیں ان میں کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے، ابن جریر طبری، ابن عطیہ غرناطی الاندلسی، ابوحیان اندلسی المالکیون، ابن کثیر شافعی وغیرہم نے اپنی تفاسیر میں سورۂ آل عمران میں نزولِ عیسیٰؑ کے بارہ میں تواتر کی تصریح فرمائی ہے، اسی طرح ابوالحسن الآبری الشافعی ابن حجر عسقلانی شافعی ابن رشد مالکی وغیرہ تصریح کرتے ہیں، علامہ سفّارینی حنبلی فرماتے ہیں:

قد أجمعت الأمة علی نزول عیسی ابن مریمؑ، ولم یخالف فیه أحد من أهل العلم الشرعی، وإنّما أنکر ذلک الفلاسفة والملاحدة ممّن لَا یعتدّ بخلافه، وقد انعقد الاِجماع علیٰ أنّه ینزل ویحکم بهذه الشریعة المحمدیة ولیس ینزل بشریعة مستقلّة عند نزوله من السماء وإن کانت النبوّة قائمة به وهو متّصف بها، اھ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: وعیسیٰؑ حیّ فی السماء ولم یمت بعد، وإذا نزل من السماء لم یحکم إلّا بالکتاب والسنة لَابشیء یخالف ذلک (فتاوی ابن تیمیه طبع ریاض ص ۴/۳۱۶) اور اس سے زیادہ بسط سے (ص ۴/۳۲۴) پر مذکور ہے۔

نزول عیسیٰؑ کے بارے میں علماء نے اس زمانہ میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے **عقیدة الاسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، وتحیّة الاِسلام فی حیاة عیسی علیه السلام، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح** حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مشہورِ عالم تالیفات ہیں۔

اس کے علاوہ علماء عرب وعجم کی بکثرت تصنیفات ہیں۔

کیا نزولِ عیسیٰؑ کی روایات بحدِ تواتر نہیں پہونچیں؟

اور یہ وہم کرنا کہ اس کے رواۃ بحدِ تواتر نہیں پہنچے یا تو ناواقفیت ہے یا عناد، اس لئے کہ تواتر میں کوئی عدد مخصوص شرط نہیں ہے، بلکہ ایک جماعت نقل کرلے کہ جن کا توافق علی الکذب نہ ہو، ظاہر ہے کہ جس مضمون کے روایت کرنے والے پچاسوں سے زیادہ ہوں اس کے بارے میں کیا شک وشبہ کیا جاسکتا ہے، یہ ہر عاقل بصیر سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے کسی شہر کو نہیں دیکھا ہے اور دو چار آدمی خبر دیں کہ فلاں ملک میں فلاں شہر ایسا ہے، اور ہمیں معلوم ہے کہ اس پر اتفاق کرکے نہیں آئے، تو یقیناً ہر سننے والا تصدیق ہی کرے گا، الا یہ کہ کوئی طبائع سلیمہ کی حد سے تجاوز کرگیا ہو۔

نزولِ عیسیٰؑ کی روایات کے ناقل بہت سے صحابہ ہیں

پھر جبکہ صحابہ کی ایک جماعتِ کثیرہ اس مضمون کو نقل کررہی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ سارے عدول وثقات ہیں، پھر ان میں توافق علی الکذب ہونا من المحل المحال ہے، بلکہ ایسا خیال اوہام وظنون فاسدہ کے قبیل سے شمار ہوگا، نہ معلوم کتنی روایات ہیں جن کے بارے میں علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متواتر ہیں اور ان کے رواۃ کی نوعیت یہی ہے، احادیثِ رؤیۃ باری وحشر نشر ومیزان وصراط وغیرہا صدہا روایات ہیں، علامہ سیوطی کی مشہور تالیف **الأزهار المتناثرة فی الأخبار المتواترة** کا مطالعہ فرمائیں، بسا اوقات کسی روایت کے تواتر کا انکار اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ آدمی حالاتِ روات ورجال سے ناواقف ہوتا ہے اور دوسرا واقف ہوتا ہے وہ مقرّ ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی الحرّانی اپنے فتاوی (ص ۱۸/۵۰ طبع ریاض) میں تحریر فرماتے ہیں:

والصحیح الذی علیه الجمهور أنّ التواتر لیس له عدد محصور، والعلم الحاصل بخبر من الأخبار یحصل فی القلب ضرورةً، کما یحصل الشبع عقیب الأکل والریّ عند الشرب، ولیس لما یشبع کلّ واحد ویرویه قدر معیّن، بل قد یکون الشبع لکثرة الطعام وقد یکون لجودته وغیر ذلک، کذلک العلم الحاصل عقیب الخبر تارة یکون لکثرة المخبرین، وإذا

كثروا فقد يفيد خبرهم العلم وإن كانوا كفّاراً، وتارة يكون لدينهم وضبطهم، فربّ رجلين أو ثلاثة يحصل من العلم بخبرهم ما لَا يحصل بعشرة وعشرين لَا يوثق بدينهم وضبطهم، وتارة قد يحصل العلم بكون كل من المخبرين أخبروا بمثل ما أخبره الآخر مع العلم بأنّهما لم يتواطآ، وأنّه يمتنع فى العادة الاِتفاق فى مثل ذلک، كمن يروى حديثاً طويلاً فيه فصول ويرويه الآخر لم يلقه، وتارة يحصل العلم بالخبر لمن عنده الفطنة والذكاء والعلم بأحوال المخبرين وبما أخبروا به ما ليس لمن له مثل ذالک، وتارة يحصل العلم بالخبر لكونه رُوى بحضرة جماعة كثيرة شاركوا المخبر فى العلم ولم يكذّبه أحد منهم، فإنّ الجماعة الكثيرة قد يمتنع تواطؤهم على الكتمان كما يمتنع تواطؤهم على الكذب۔

وإذا عرفت أنّ العلم بأخبار المخبرين له أسباب غير مجرّد العدد علم أنّ من قيّد العلم بعدد معيّن وسوّى بين جميع الأخبار فى ذلک فقد غلط غلطاً عظيماً، ولهذا كان التواتر ينقسم إلى خاصّ وعام، فأهل العلم بالحديث والفقه قد تواتر عندهم من السنّة ما لم يتواتر عند العامّة، كسجود السهو ووجوب الشفعة وحمل العاقلة العقل ورجم الزانى المحصن وأحاديث الرؤية وعذاب القبر والحوض والشفاعة وأمثال ذلک، اھ باختصار حروف۔

یہ مضمون فتاوی میں دوسری جگہ (ص ۴۰/ ۱۸) کچھ اجمال کے ساتھ ہے۔

روایاتِ نزولِ عیسیٰؑ کا تواتر ہر دور میں رہا

اور یہ کہنا کہ ہر زمانہ میں حدیث متواتر کے راوی اسقدر ہوں کہ ان کا توافق علی الکذب نہ ہو اور احادیثِ نزول میں یہ بات نہیں ہے؟ یہ ایک مغالطہ ہے جو قادیانیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمیشہ روایات نزول کی یہی حیثیت رہی ہے، یہاں تک کہ اصحاب التدوین نے اطرافِ عالم میں الگ الگ بیٹھ کر انہیں اپنے یہاں کے رواۃ سے سنا اور تدوین فرمایا، یہ تو اس کی بیّن دلیل ہے کہ ان کا توافق نہیں ہوا، اُس زمانہ میں تو اجتماعات کے اتنے آسان وسائل بھی نہ تھے، صحاح ستہ کے مصنفین اکناف مختلفہ کے رہنے والے ہیں اور وہ سارے احادیثِ نزول عیسیٰؑ کو نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح حاکم، بیہقی، دارقطنی، دارمی، طبرانی، بزار، خطیب، ابن عساکر، نعیم بن حماد، ابوالشیخ ابن حیان، ابونعیم، ابوسعید نقاش، احمد، ابن جریر، حکیم ترمذی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن مردویہ، وغیرہم نہ معلوم کتنے محدثین کرام و

حفاظِ عظام نے اس مضمون کی روایت تخریج فرمائی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ بخاری کی بعض روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے

اور یہ خیال کہ بخاری وغیرہ کی بعض روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے مثلاً شریک بن عبداللہ نخعی کی طویل حدیث حدیث المعراج جو بخاری کی کتاب التوحید میں ہے، اس کے بارہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ احادیثِ نزول میں کسی نے بھی کلام نہیں کیا ہے، نیز شریک کے اوہام پر کلام ہے نہ کہ نفس معراج پر یا اسراء پر، بلکہ نفس معراج اور اسراء چونکہ صحیحین وغیرہ میں بحالت یقظہ ہونا وارد ہے اور شریک کی روایت اس کے خلاف ہے اس لئے علما نے اس پر کلام کیا ہے اور بہت سے علمانے شریک کی روایت کا محمل یہ بتلایا ہے کہ وہ معراج منامی ہے، پھر اگر یہی صورت اختیار کی گئی تو ساری کتب حدیث بلکہ سارے دین کو بے اصل ماننا پڑے گا اور امت اسلامیہ کا یہ ایک مایہ ناز سرتاج کو پامال کرنا ہوگا۔

یہ مسلمات سے ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا ألف ألف صلوات وتسلیمات نے اپنے نبی کریم ﷺ کے احادیث کی جو حفاظت فرمائی ہے وہ امم سابقہ میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ روایاتِ نزولِ عیسیٰؑ بنوامیّہ کے دور میں گھڑی گئی ہیں

اور یہ دعوی کہ نزولِ عیسیٰؑ کی روایات بنوامیہ کے زمانہ میں گھڑی گئی ہیں یہ بھی بات انکار حدیث کی ایک کڑی ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟ یا محض وہم وخیالات ہیں؟ اگر بنوامیہ کے زمانہ میں بفرض محال ایسا ہوا تو کیا بعد میں بنوالعباس نے اس کی تلافی نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو کیوں؟ بلکہ نزول کی روایت تو خود حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جو ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری (ص ۳۵۷/۶) میں ذکر فرمائی ہے۔

نیز کیا سارے علماء حق ختم ہوگئے تھے؟ جنہوں نے حجاج کے سامنے صاف گوئی نہیں چھوڑی کیا وہ بعد میں رک سکتے ہیں؟ جو اپنے اعزاء واقرباء کی پرواہ نہ کرتے ہوں وہ کسی اور کی کر سکتے ہیں؟ امام احمد نے خلفاء بنی العباس کے دور میں ضرب وحبس کی تکالیف مسئلہ خلقِ قرآن میں برداشت کی کیا وہ احادیثِ نزول کے موضوع ہونے کی صورت میں خاموش ہوسکتے ہیں؟ اور مزید برآں اپنی مسند میں جسکی شرط ابوداؤد کی شرط کے برابر ہے ایسی روایات کو ذکر فرمانا گوارا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

نیز احادیثِ نزول کے رواۃ کے سلسلہ کی کڑیاں بخاری ومسلم میں ثقاتِ معتمدین ہیں جن کو اصحاب رجال نے بلا لوث صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نزولِ عیسیٰؑ کو تسلیم کرنے میں حضور ﷺ کی اہانت ہے

اور یہ کہنا کہ ان احادیث میں حضور اکرم ﷺ کی اہانت ہے بالکل حماقت ہے، اسمیں تو اعزاز ہے کہ ایک نبی حضور اقدس ﷺ کی امت کا ایک فرد ہوکر نازل ہوگا۔

حافظ ذہبی جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو علامہ تاج الدین سبکی جو ان کے شاگرد ہیں ان کی عیادت کرنے گئے حافظ ذہبی نے استفسار کیا بھلا وہ کونسا آدمی ہے جو حضور اقدس ﷺ کی امت میں سے ہو اور ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالی عنہم سے بالاتفاق افضل ہو، حافظ تاج الدین سبکی نے عرض کیا: **یقول لنا الشیخ!** حضرت ہی ارشاد فرمائیں، حافظ ذہبی نے ارشاد فرمایا: **ھو عیسی علیہ السلام ینزل فی آخر الزمان**، یہ سارا قصہ طبقات شافعیہ کبری کی جلد ششم میں مذکور ہے، مدت ہوئے دیکھا تھا۔

ذہبی کا نقد فی الحدیث سب کو معلوم ہے کسی کی بھی رعایت کو تیار نہیں ہوتا ہے، کیا روایاتِ باطلہ پر ایسا ناقد بصیر سکوت کر سکتا ہے؟

''لَا نبی بعدی'' کا مطلب

اور ''**لَا نبی بعدی**'' سے نزول عیسی علیہ السلام کے خلاف استدلال کرنا حماقت ہے، اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اب کوئی جدید نبی نہیں آئے گا، اور حضرت عیسیٰؑ نبی ہوکر نہیں آئیں گے بلکہ ایک امتی ہوکر نازل ہوں گے، لیکن اپنے وصفِ نبوت کیساتھ متصف ہوں گے، جیسے کوئی قاضی کسی دوسرے قاضی کے محل قضاء میں جائے تو وہاں اس قاضی کے علاقہ کا پابند ہوگا، اگرچہ فی حد ذاتہ اپنے حاکم کی طرف سے وہ منصب قضاء کیساتھ سرفراز ہی ہو اور یہ باتیں تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔

لَا نبی بعدی کا لانفی جنس کیلئے ہو تب بھی نزولِ عیسیٰؑ میں کوئی اشکال نہیں ہے

اور ہماری یہ توجیہ لانفی جنس ماننے کے مخالف نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ جنس نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اور حضرت عیسیٰؑ تو پرانے نبی ہیں، حضرت محمد ﷺ کے امتی ہوکر نازل ہوں گے۔

قادیانی ہرگز نبی نہیں

(ایقاظ) یہاں یہ بات دل نشین کر لینی چاہئے کہ ہماری یہ توجیہ مرزائیوں کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ وہ مرزا

لعین کو نبی جدید مانتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت کشمیری کی کتاب عقیدۃ الاسلام کا مطالعہ کریں، کراچی سے بسہولت مل جائے گی۔

بندہ نے درسِ مسلم میں خطبہ میں اور اسی طرح 'باب نزول عیسی علیه السلام' میں قدرے مختصر کلام کیا تھا، غالباً آپ کے پاس لکھا ہوگا، اسے بھی دیکھ لیں، اپنی کمزوری کی وجہ سے حفظ ہی لکھ رہا ہوں، خدا کرے قامعِ شبہ مبتدعین ہو اور نافع ہو، 'التصریح بما تواتر فی نزول المسیح' بتحقیق الشیخ عبد الفتاح أبو غدّه مکہ مکرمہ میں مل جائے گی، وہاں سے حاصل کر کے مطالعہ کرلیں۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

❍❍❍

کیا حضور ﷺ سے ''یا بُنیّ'' کہنا منقول ہے؟

سوال:

حضور اقدس ﷺ سے کہیں ''یا بُنیّ'' کہنا وارد ہے یا نہیں؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

حضور اقدس ﷺ کا ''یا بنیّ'' کہنا روایات میں وارد ہے۔

فأخرج الترمذی (ص ۲/۹۲) عن سعید بن المسیب قال قال أنس بن مالک رضی الله عنه قال لی رسول الله ﷺ: ''یا بنیّ إن قدرت أن تصبح وتمسی لیس فی قلبک غشّ لأحد فافعل، ثم قال لی: یا بنیّ! وذالک من سنّتی، ومن أحیا سنّتی فقد أحیانی، ومن أحیانی کان معی فی الجنة''۔

وأخرج الترمذی (ص ۲/۹۵) والطبرانی (ص ۱۷۷)، عن أنس رضی الله عنه أنّ رسول الله ﷺ قال: ''یا بنیّ إذا دخلت علی أهلک فسلّم یکون برکةً علیک وعلٰی أهل بیتک''۔

وأخرج أحمد (ص ۲۳۵) وأبوداود والنسائی وابن ماجه والطحاوی وابن حبّان عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قدمنا علٰی رسول الله ﷺ لیلة المزدلفة أغیلمة بنی المطلب علی حمرات، فجعل

يلطخ أفخاذنا ويقول: اُبَينِيّ! لَا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس''۔

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عائشہؓ کو ''یا بنیّة'' کہنا بخاری میں وارد ہے۔

عن البراءؓ: ''دخلت مع أبی بکرؓ علی أهله فإذا عائشة ابنته مضطجعة قد أصابتها حمّٰی فرأیت أباها فقبّل خدّها وقال: کیف أنت یا بنیّة؟''

وأخرج مسلم (ص ٢١٠/٢) والترمذی (ص ١٠٦/٢) عن أنس بن مالکؓ قال: ''قال لی رسول الله ﷺ یا بنیّ!''

وأخرج مسلم عن المغیرة بن شعبةؓ قال: ''ما سأل رسول الله ﷺ أحد عن الدجّال أکثر ممّا سألته عنه فقال: أی بنیّ! وما یُنصبک منه أنّه لن یضرّک''، الحدیث۔

وأخرج الترمذی (ص٧/٢) عن عمر بن أبی سلمةؓ أنّه دخل علٰی رسول الله ﷺ وعنده طعام فقال: ''ادن یابنیّ فسمّ الله وکل بیمینک وکل مما یلیک''۔

وأخرج البخاری فی الأدب المفرد (ص١١٨) عن سلم العلوی قال: سمعت أنساً یقول: ''کنت خادماً للنبی ﷺ قال: فکنت أدخل بغیر استیذان فجئت یوماً فقال: کما أنت یا بنیّ فإنّه قد حدث بعدک أمر، لَا تدخلن إلّا بإذن''۔

وأخرج أیضاً عن الصعب بن حکیم عن أبیه عن جدّه قال: أتیت عمر بن الخطابؓ فجعل یقول: ''یا ابن أخی! ثمّ سألنی فانتسبت له، فعرف أنّ أبی لم یدرک الاِسلام، فجعل یقول: یا بنیّ یا بنیّ''۔

وأخرج أیضاً عن ابن أبی صعصعة عن أبیه عن أبی سعید الخدریؓ قال له: ''یا بنیّ''۔

وأخرج مسلم (ص ٢٥٦/١) عن سعد بن هشام قال: ''قلت: یا أمّ المؤمنین أنبئینی عن وتر رسول الله ﷺ، -فذکر الحدیث- وفیه، فتلک إحدی عشرة رکعة یا بُنیّ''۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟

السوال:

هل ورد "عقّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن نفسه بعد النبوة" كما ذكره فى "ما لَا بدّ منه".

السائل..................

الجواب:

ذكره الرافعى فى شرح الوجيز لكن قال النووى فى شرح المهذّب (ص ۴۳۱): هذا الحديث رواه البيهقى بإسناده عن عبد الله بن محرّر (بالحاء المهملة والراء المكسورة) عن قتادة عن أنسؓ: "أنّ النبى صلی اللہ علیہ وسلم عقّ عن نفسه بعد النبوة".

قال: وهذا حديث باطل، قال البيهقى هو حديث منكر، وروى البيهقى بإسناده عن عبد الرزاق قال: إنما تركوا عبد الله بن محرّر بسبب هذا الحديث.

قال البيهقى: وقد روى هذا الحديث من وجه آخر عن قتادة، ومن وجه آخر عن أنسؓ، وليس بشىء فهو حديث باطل، وعبد الله بن محرّر ضعيف متفق على ضعفه، قال الحفاظ: هو متروك، انتهى. وقال الذهبى فى الميزان فى ترجمة عبد الله بن محرّر: ومن بلاياه روى عن قتادة عن أنسؓ: "أنّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عقّ عن نفسه بعد ما بعث"، انتهى.

وقال الحافظ ابن حجر فى تخريج الرافعى (ص ۳۸۷): قوله "روى أنه صلی اللہ علیہ وسلم عقّ عن نفسه بعد النبوة" أخرجه البيهقى من حديث قتادة عن أنسؓ، وقال: منكر، وفيه عبد الله بن محرّر، وهو ضعيف جداً، وقال عبد الرزاق: إنما تكلموا فيه لِأجل هذا الحديث، قال البيهقى: وروى من وجه آخر عن قتادة، وعن وجه آخر عن أنسؓ وليس بشىء.

قال الحافظ: أما الوجه الآخر عن قتادة فلم أره مرفوعاً، وإنما ورد أنه كان يفتى به، كما حكاه ابن عبد البرّ بل جزم البزار وغيره بتفرد عبد الله بن محرّر به عن قتادة، أما الوجه الآخر عن أنسؓ فأخرجه أبو الشيخ فى الأضاحى وابن أيمن فى مصنفه والخلال من طريق عبد الله بن المثنى عن ثمامة عن عبد الله بن أنس عن أبيه، وقال النووى فى شرح المهذب: هذا حديث باطل، انتهى.

وقال فی فتح الباری (ص ۹/۵۱۴): أخرجه البزار من رواية عبد الله بن محرّر (وهو بمهملات) عن قتادة عن أنسؓ ولَا يثبت، قال البزار: تفرّد به عبد الله وهو ضعيف۔

وأخرجه أبو الشيخ من وجهين آخرين، أحدهما من رواية اسماعيل بن مسلم عن قتادة، وإسماعيل ضعيف أيضاً، وقد قال عبد الرزاق: إنهم تركوا حديث عبد الله بن محرّر من أجل هذا الحديث، فلعل إسماعيل سرقه منه، ثانيهما من رواية أبی بكر المستملی عن الهيثم بن جميل وداود بن المحبر قالَا حدثنا عبد الله بن المثنى عن ثمامة عن أنسؓ، و داود ضعيف لكن الهيثم ثقة وعبد الله من رجال البخاری، فالحديث قوی الإِسناد۔

وقد أخرجه محمد بن عبد الملک بن أيمن عن إبراهيم بن إسحاق السراج عن عمرو الناقد۔

وأخرجه الطبرانی فی الأوسط عن أحمد بن مسعود كلاهما عن الهيثم بن جميل وحده به، فلولَا ما فی عبد الله بن المثنى من المقال لكان هذا الحديث صحيحاً، لكن قد قال ابن معين: ليس بشیء، وقال النسائی: ليس بقوی، وقال أبوداود: لَا أخرج حديثه، وقال الساجی: فيه ضعف لم يكن من أهل الحديث روی مناكير، وقال العقيلی: لَا يتابع علی أكثر حديثه، وقال ابن حبان فی الثقات: ربما أخطأ۔

ووثّقه العجلی والترمذی وغيرهما، فهذا من الشيوخ الذين إذا انفرد أحدهم بالحديث لم يكن حجّة، وقد مشی الحافظ الضياء علی ظاهر الإِسناد فأخرج هذا الحديث فی الأحاديث المختارة ممّا ليس فی الصحيحين، انتهی۔

وقال الهيثمی فی مجمع الزوائد (ص ۴/۵۹): رواه البزار والطبرانی فی الأوسط ورجال الطبرانی رجال الصحيح خلا الهيثم بن جميل وهو ثقة، وشيخ الطبرانی أحمد بن مسعود الخياط المقدسی ليس هو فی الميزان، انتهی۔

قلت: قد علمت ما فی عبد الله بن المثنى من الكلام، والله أعلم۔

كتبه العبد محمد يونس غفرله

۵ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟

سوال:

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ کس نے اسے روایت کیا ہے؟ اور یہ حدیث کیسی ہے؟

مولانا منور حسین صاحب بہاری

جواب:

حديث العطارة وقع ذكره فى مقدمة مسلم، قال مسلم (ص ١٨/١): حدثنا محمود بن غيلان قال: قلت لِأبى داود الطيالسى: قد أكثرت عن عباد بن منصور فمالك لم تسمع منه حديث العطارة الذى روى لنا النضر بن شميل؟ فقال لى: اسكت، فأنا لقيت زياد بن ميمون وعبد الرحمٰن بن مهدى فسألناه فقلنا له: هذه الأحاديث التى ترويها عن أنسؓ؟ فقال: أرأيتما رجلاً يذنب فيتوب أليس يتوب الله عليه؟ قال: قلنا: نعم! قال: ما سمعت من أنسؓ من ذا قليلاً ولَا كثيراً، إن كان لَا يعلم الناس فأنتما لَا تعلمان أنّى لم ألق أنساؓ! قال أبوداود: فبلغنا بعد أنّه يروى فأتيناه أنا وعبد الرحمٰن، فقال: أتوب، ثمّ كان بعد يحدّث فتركناه، انتهى۔

قال النووى: قوله 'حديث العطارة' قال القاضى عياض: هو حديث رواه زياد بن ميمون هذا عن أنسؓ أنّ امراةً يقال لها 'الحولَاء' عطارة كانت بالمدينة فدخلت على عائشةؓ وذكرت خبرها مع زوجها وأنّ النبى ﷺ ذكرلها فى فضل الزوج، وهو حديث طويل غير صحيح، وذكره ابن وضّاح بكماله، ويقال: أنّ هذه العطارة هى الحولَاء بنت تويت، انتهى۔

وذكر الذهبى فى ترجمة زياد بن ميمون من الميزان ما ذكره مسلم ولم ينسبه إلى مسلم، قال الحافظ ابن حجر فى اللسان: وحديث العطارة التى أشار إليه أخرجه ابن الجوزى فى الموضوعات من طريق غنجار صاحب تاريخ بخارىٰ حدثنا محمد بن نصر بن خلف ثنا أبوكثير سيف بن حفص حدثنى على ابن الجنيد ثنا محمد بن سلام ثنا أبوسهل المدائنى يعنى الصباح بن سهل عن زياد بن ميمون عن أنس بن مالكؓ قال: ”كانت امرأة بالمدينة عطارة يقال لها 'الحولَاء' فجاء ت إلى عائشةؓ فقالت: يا أمّ المؤمنين نفسى لك الفداء! إنّى لَأزيّن نفسى لزوجى كلّ ليلة حتى كأنّى العروس أزفّ إليه، فقالت: إنّ رسول الله ﷺ قال: ليس من امرأة

ترفع شيئاً من بيتها أو تضعه فى مكان تريد بذلک إصلاحا إلّا نظر الله إليها"- فذكر الحديث بطوله- و فيه فضل الولَادة والرضاع والفطام والمراودة والمعانقة والقبلة والمجامعة وغير ذلک، انتهى۔

وفى اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة للسيوطى (ص ۴۰۷): أخرج الخطيب (ص۲۳۸/۹) أخبرنى أبو الوليد الدربندى أنبأنا محمد بن أحمد بن سليمان الحافظ أنبأنا محمد بن نصر بن خلف حدثنا أبو كثير سيف بن حفص حدثنى على بن الجنيد و محمد بن حميد بن فروة قالَا حدثنا محمد بن سلام حدثنا أبو سهل المدائنى يعنى الصباح بن سهل عن زياد بن ميمون عن أنس بن مالکؓ قال: "كانت امرأة عطارة يقال لها 'الحولَاء' فجاء ت إلى عائشةؓ فقالت: يا أم المومنين نفسى لک الفداء! إنّى أزيّن نفسى لزوجى كلّ ليلة حتى كأنّى العروس أزفّ إليه"، قال الخطيب وذكر الحديث۔

قال المؤلّف -يعنى ابن الجوزى-: وتمامه فقال رسول الله ﷺ للحولَاء: "ليس من امرأة ترفع شيئا من بيتها من مكان وتضعه فى مكان تريد بذلک إصلاحا إلّا نظر الله إليها، وما نظر الله إلى عبد قطّ فعذّبه، قالت: زدنى يا رسول الله! قال: ما من امرأة من المسلمين تحمل من زوجها إلّا كان لها من الأجر كأجر الصائم القائم المخبت القانت، فإذا أرضعته كان لها بكلّ رضعة عتق رقبة، فإذا فطمته نادیٰ مناد من السماء أيّها المرأة! استأنفى العمل فقد كفيتِ ما مضى، فقالت عائشةؓ: يا رسول الله! هذا للنساء فما للرجال؟ قال: ما من رجل من المسلمين يأخذ بيد امرأته يراودها إلّا كتب الله له عشر حسنات، فإذا عانقها فعشرون حسنة، فإذا قبّلها فعشرون ومائة حسنة، فإذا جامعها ثمّ قام إلى مغتسله لم يمرّ الماء على شعرة من جسده إلّا كتب الله له بها عشر حسنات ورفع له بها عشر درجات وحطّ عنه عشر خطيئات، والله عز وجل ليباهى به الملائكة، فيقول: انظروا إلى عبدى قام فى هذه الليلة الشديدة بردها فاغتسل من الجنابة مؤمناً، إنّى ربّه أشهدكم أنّى قد غفرت له"۔

قال الدار قطنى: هذا حديث باطل، ذهب عبد الرحمٰن بن مهدى وأبو داود إلى زياد بن ميمون فأنكرا عليه هذا الحديث، فقال: اشهدوا أنّى قد رجعت عنه، انتهى۔

قال المؤلّف -يعنی ابن الجوزی-: زياد كذّاب والصباح منكر الحديث، قال السيوطی: أخرجه الطبرانی فی الأوسط، حدثنا محمد بن أحمد بن أبی خيثمة حدثنا بقيّة عن ابن جريج حدثنا أحمد بن محمد بن أبان بن صالح حدثنا القاسم بن الحكم العرنی حدثنا جرير بن أيّوب البجلی عن حمّاد بن أبی سليمان عن زياد عن أنسؓ، والله أعلم، انتهی۔

قلت: جرير بن أيّوب البجلی الكوفی قال الذهبی فی الميزان: مشهور بالضعف روی عباس عن يحی ليس بشیء، وروی عبد الله بن الدورقی عن يحيی ليس بذاك، وقال أبو نعيم: كان يضع الحديث، وقال البخاری: منكر الحديث، وقال النسائی: متروك، وقال ابن عدی: ولجرير أحاديث عن جدّه أبی زرعة بن عمرو بن جرير عن الشعبی ولم أر فی حديثه إلّا ما يحتمل، انتهی۔

وذكر الحافظ ابن حجر فی الإصابة فی ترجمة الحولَاء العطارة طرفاً من هذا الحديث، فقال: استدركها أبو موسی، وأخرج من طريق أبی الشيخ بسنده إلی زياد الثقفی عن أنس بن مالكؓ قال: "كان بالمدينة امرأة عطارة تسمّٰی الحولَاء بنت تويت فجاء ت حتی دخلت علی عائشةؓ، فقالت..."، الخ۔

كتبه العبد محمد يونس عفی عنه

لتسع خلون من صفر المظفر سنة ألف وثلاثمائة وستّ وثمانين

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟

محترم المقام قابل صد احترام جناب استاذی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون مودبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب بحوالہ تحریر فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک بریلوی عالم نے تقریر کی اور اس نے درمیان تقریر یہ کہا کہ حضور ﷺ کو سایہ نہیں تھا۔ اور اس کے استدلال میں اس نے ایک حدیث پیش کی اور اس نے کہا کہ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے، اور اس نے اس حدیث کو مستدل بنایا اس بات کا کہ حضور ﷺ بشر نہیں ہیں، اور مزید اس نے یہ کہا کہ ہر جسم والی چیز کا خاصہ ہے کہ اس کو سایہ ہو اور جب حضور ﷺ جسم والے تھے تو آپ کا سایہ ہونا ضروری ہے، اور مقرر کی استدلال کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہیں تھا۔

کیا یہ حدیث صحیحین یا دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ حدیث کیسی ہے؟ اور محدثین کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر حضور ﷺ کے سایہ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں اور اس کے بارے میں محدثین کی رائے کا اظہار فرمائیں۔ فقط

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

حضور اقدس ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی حدیث صحاح ستہ اور مسانید مشہورہ ومصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبد الرزاق اور دیگر کتب مشہورہ میں نہیں ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں لکھی ہیں لیکن وہ ساری معلول اور غیر معتبر ہیں، مسند احمد میں حضور اقدس ﷺ کے سایہ کی روایت موجود ہے، حضرت زینبؓ فرماتی ہیں: "فبینما أنا یوماً بنصف النهار وإذا أنا بظلّ رسول الله ﷺ مقبل"، مسند أحمد (ص ۱۳۱/ ۶)۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیز گرامی قدر سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا جوابی کارڈ کافی روز سے رکھا ہوا ہے، خطوط کے معاملہ میں اپنی سستی سخت ندامت کا سبب بن جاتی ہے اور

اس خط کے جواب کا مؤخر ہونا ظاہر ہے۔

قرأة من المصحف میں حنفیہ کے یہاں امام ابوحنیفہ ہی کے قول پر فتوی ہے، صاحبین کراہت کے قائل ہیں، امام شافعی مطلقاً جواز کے قائل ہیں، اورامام مالک فقط نوافل میں، امام احمد کے دوقول ہیں مطلقاً جواز، بقید نفل، مجوّزین حضرت عائشہؓ کے اثر سے اور مانعین حضرت ابن عباسؓ کے اثر: "**نهانا أمير المؤمنين أن نؤمّ الناس في المصحف وأن يؤمّنا أحد محتلم**"، **رواه أبوبكر بن أبي داود،**

في المصاحف سے استدلال کرنے میں اگر تم کو انشراح ہوتو جو قید تم نے لکھی ہے یعنی تنہائی میں پڑھ لو تا کہ انتشار نہ ہو، اور تمہارا مقصد یعنی طول قیام بھی حاصل ہو جاوے۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۶/شعبان ۱۳۹۹ھ

**************OOO**************

سوال:

کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

قال القاري في شرح شرح النخبة (ص ۹۷): والفال بالمصحف ما صدر عن السلف، واختلف فيه المتأخرون، و لَا شك أنّ التشاؤم بما فيه مكروه، سواء بالحروف أو بالمعنى، وأما التفاؤل بالمعنى أوبظهور بسملة ونحوها فلا بأس به، وأما الحروف فلا دلَالة لها على القبح والحسن أبداً، انتهى.

وقد ذكر الشيخ ابن حجر المكي كما في المرقاة تحت حديث عبيدة المليكي: "يا أهل القرآن لَا تتوسّدوا القرآن" كراهةَ أخذ الفال من القرآن، ونقل تحريمه من بعض المالكية، وراجع مجموعة الفتاوى لعبد الحيّ (ص ۸۳/ ۲).

وقال ابن تيمية فی فتاويه (ص٢٣/٦٦): وأما استفتاح الفال فی المصحف فلم ينقل عن السلف فيه شیء، وقد تنازع فيه المتأخرون، وذكر القاضی أبويعلیٰ فيه نزاعاً، ذكر عن ابن بطة أنه فعله، وذكر عن غيره أنه كرهه، فإنّ هذا ليس الفال الذی يحبّه رسول الله ﷺ، فإنه كان يحبّ الفال ويكره الطيرة۔

والفال الذی يحبّه: هو أن يفعل أمراً أو يعزم عليه متوكلاً علی الله فيسمع الكلمة الحسنة التی تسرّه مثل أن يسمع يا نجيح، يا مفلح، يا سعيد، يا منصور، ونحو ذلک، كما لقی فی سفر الهجرة رجلاً، فقال ما اسمک؟ قال: يزيد، قال: يا أبا بكر يزيد أمرنا، الخ۔

وذكر أحمد بن أحمد التنبكتی فی نيل الاِبتهاج بتطريز الديباج (ص٣١٢) قولين: الكراهة والاِباحة، وراجعه، ونقل عن الطرطوشی أنّ أخذ الفال من المصحف من الاِستقسام بالأزلَام۔

كتبه محمد يونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا رُحْماً رحیم سے مشتق ہے؟

قول البخاری (ص٦٨٩) فی تفسير سورة الكهف ﴿رُحماً﴾ من الرحم: وهی أشدّ مبالغة من الرحمة، ويظنّ أنه من الرحيم، انتهی، والرحيم مشتق من الرحمة،

ففی قول البخاری يلزم الاِشتقاق من المشتقّ، فهل لهذا أصل؟

حضرت شیخ مدّ ظلہ

جواب:

إنّه ليس المراد الاِشتقاق الاِصطلاحی، بل المعنی أنّه نقل إلی هذ المعنی۔

ثم رأيت البخاری قال فی كتاب الأنبياء فی 'باب قوله ﴿وإلی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً﴾': سمّی حطيم البيت حجراً، كأنّه مشتقّ من محطوم مثل قتيل من مقتول، انتهی۔

قال الحافظ ابن حجر (ص٦/٢٦٩): قوله 'مشتقّ' ليس هو محمولاً علی الاِشتقاق الذی حدث اصطلاحه۔

وقال العينى (ص۸/۳۷۸): قوله 'كأنّه مشتقّ من محطوم': أراد أن الحطيم بمعنى المحطوم، كما أن القتيل بمعنى المقتول -يعنى فعيل- ولكنه بمعنى مفعول، وليس فيه اشتقاق اصطلاحى۔

وقال الشيخ زكريا الأنصارى فى تحفة البارى (ص۷/۱۴۶): أراد بذلك أنّ فعيلا بمعنى مفعول، لَا أنه مشتقّ منه اصطلاحاً، انتهى۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”لَا أدرى ما يفعل بى يوم القيامة“ حدیث ہے یانہیں؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

أخرج البخارى (ص۱۶۶ و۱۰۳۹) عن أمّ العلاء الأنصاريةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: ”والله ما أدرى وأنا رسول الله ما يفعل بى ولَا بكم“، ولم أقف على زيادة ”يوم القيامة“، والله أعلم۔ وفى لفظ للبخارى ”ما يفعل به“، والضمير لعثمان بن مظعونؓ، قال ابن كثير (ص۴/۱۵۵): هذا أشبه أن يكون هو المحفوظ۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

حدیث ”إذا سلمت الجمعة سلمت الأيام“

کس نے تخریج کی ہے؟

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

قال الغزالی فی الاِحیاء (ص١٦٠/١) فی حدیث أنسؓ أنه ﷺ قال: ''إذا سلمت الجمعة سلمت الأیام''، قال العراقی فی تخریجه: رواه ابن حبّان فی الضعفاء وأبونعیم فی الحلیة و البیهقی فی الشعب من حدیث عائشةؓ، ولم أجده من حدیث أنسؓ، انتهی۔

وقال الغزالی فی موضع آخر (ص٣٢٨/١): وقد روی أنسؓ عن رسول الله ﷺ: أنه قال: ''إذا سلم یوم الجمعة سلمت الأیام، وإذا سلم شهر رمضان سلمت السنة''، قال العراقی فی تخریجه تقدّم فی الباب الخامس من الصلوة ذکر یوم الجمعة، وقد رواه بجملته ابن حبّان فی الضعفاء، وأبو نعیم فی الحلیة من حدیث عائشةؓ، وهو ضعیف، انتهی۔

محمد یونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

حدیث: 'البلاء مؤکل بالمولود مالم یعقّ عنه' کہاں وارد ہے؟

السائل:-------------

جواب:

کتب حدیث میں بندہ کی نظر سے یہ حدیث کہیں نہیں گذری۔

کتبه العبد محمد یونس عفی عنه

١٦ شوال المکرم ١٣٨٦ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

(١) ''لولَا عليّ لهلک عمر'' کہاں ہے؟

(٢) ''کان عمرؓ یتعوّذ من معضلة لیس لها'' کہاں ہے؟

السائل:-------------

جواب:

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) ”لولَا علی لھلک عمر“ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب (ص۳۹/ ۳) میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: وقال فی المجنونة التی أمر برجمها، وفی التی وضعت لستة أشهر فأراد عمرؓ رجمها فقال له علیؓ: ”إن الله تبارک تعالی یقول ﴿وحملُه وفصاله ثلثون شهراً﴾، وقال له: إن الله عزوجل رفع القلم عن المجنون“، الحدیث۔ فکان عمرؓ یقول: ”لولَا علیّ لهلک عمر“۔

(۲) کان عمرؓ یتعوّذ من معضلة لیس لها أبو حسن، حافظ ابن عبدالبر (ص۳۹/ ۳) اور حافظ ابن حجر (ص۵۰۹/ ۲) نے نقل کیا ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں، قال أحمد بن زهیر: حدثنا عبید الله بن عمر القواریری حدثنا مؤمل بن إسماعیل حدثنا سفیان الثوری عن یحی بن سعید عن سعید بن المسیب قال: ”کان عمرؓ یتعوّذ بالله من معضلة لیس لها أبو حسن“، انتهی۔

لیکن مؤمل بن إسماعیل کثیر الخطأ راوی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۲۵/ ۶/ ۱۴۱۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟

سوال:

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء اور انتہا غریب حدیث سے کیوں فرمائی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

غفران احمد بستوی

جواب:

حضرت امام بخاریؒ اپنی کتاب حدیث نیت سے شروع اور حدیث وزنِ اعمال پر ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ انسان عمل کیلئے پیدا ہوا ہے، اور عمل کی اصل نیت ہے، اسی سے عمل کی ابتداء ہوتی ہے اور وہ مقبول یا مردود صحیح یا فاسد ہوتا ہے، اور عمل کی افادیت وزن کے بعد ہی ظاہر ہوگی جو عمل کے ساتھ آخری معاملہ ہے اور آخرت

میں ہوگا اور اسی کیساتھ امام بخاری تصنیف وقرأۃ جامع بخاری کی مجلس تسبیح پر ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے آخر میں حدیث **کلمتان حبیبتان الخ** لائے ہیں یہ اتفاق ہے کہ دونوں کی سندیں غریب ہیں،

یہ اور بات ہے کہ نکتہ بعد الوقوع کے طور پر بعض حکمتیں بھی ذکر کردی جاتی ہیں، مثلاً متعلم کو تنبیہ کرتے ہیں کہ طلب علم کے لئے غریب الوطنی اختیار کرے، اور آخرت کو یاد دلاتے ہیں اس لئے کہ مردہ گورستان میں غریب الوطن کے طور پر ہوتا ہے، یا "**بدء الإسلام غریباً وسیعود غریباً**" کو یاد دلایا ہے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۶/۶/ ۱۴۱۰ھ

امانت اور "حتّی یقال للرجل ما أجلده" کی تشریح

سوال:

ترمذی شریف (ص ۴۱ ج ۲) پر 'باب ما جاء فی رفع الأمانة' کے تحت حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے۔

امانت سے متعلق احقر کو اس حدیث پر شراح کے کلام سے اپنی نااہلی کی وجہ سے تشفی نہیں ہورہی ہے۔

اگر جناب والا امانت کے مصداق اور حدیث پر صحابی کیا کہنا چاہتے ہیں خصوصاً حدیث کا آخری جملہ "**حتی یقال للرجل ما أجلده**" الخ اور "**ولقد أتیٰ علیّ زمان**" الخ کا خلاصہ چند سطروں میں ارقام فرمائیں تو کرم ہوگا۔

عبدالغفار بستوی

جواب:

آپ اپنے سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے ایک بات بطور تمہید ذہن نشیں کرلیجئے کہ امانت خیانت کی ضد ہے، اسکی اصل امن ہے، جو سکون قلب واطمینان وبے خوفی کے لئے بولا جاتا ہے، اور یہی امن ایمان کی اصل بھی ہے، اسی کی تصدیق کرتے ہیں جس پر اطمینان ہو، غلط بیانی کا خوف نہ ہو اور ایمان لانے والا بھی اپنے ایمان سے مومن بہ کو بیخوف کردیتا ہے، اور ایمان کے لئے امانت لازم ہے، آدمی جتنا ایماندار ہوتا ہے اتنا ہی امانت دار ہوتا ہے۔

اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں امانت سے ایمان اور اس کا لازم دونوں مراد ہیں، اور امانت سے مراد وہ فطری ایمان ومعرفت ہے جو عہد الست کے وقت انسان میں ودیعت ہوا، یہی "**إن الأمانة**

نزلت فی جذر قلوب الرجال“ کا مطلب ہے، یعنی اللہ نے اس کی فطرت میں اس کو ودیعت فرمادیا۔

پھر اس فطری ایمان کو جلا و نمو ایمانِ کسبی ایمان بالقرآن والسنۃ سے ملا، یہی ”ثم علموا من القرآن ثم علموا من السنّة“ کا حاصل ہے۔

پھر اس ایمان میں رفتہ رفتہ کمی آئے گی اس کیساتھ اس کے لازم یعنی امانت میں کمی آئے گی۔

اب آگے زوالِ امانت ہی کی صورت بیان کرتے ہیں کہ پہلے امانت زائل ہوگی لیکن بالکلیّہ زوال نہ ہوگا، کچھ اثر رہ جائے گا، پھر دوبارہ بالکلیّہ زوال ہوجائے گا، امانت کی حقیقت تو ختم ہوجائے گی صرف نام ہی نام رہ جائے گا، اسی کو ”ینام الرجل النومة فتقبض الأمانة“ سے بیان فرماتے ہیں۔

اور ”یبقی أثرھا مثل المجل“ سے یہ بتایا ہے کہ جیسے چھالہ نظر تو بہت آتا ہے لیکن اندر کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح آدمی کی امانت داری کا نام تو رہے گا حقیقت باقی نہ ہوگی۔

آگے ”ما أعقله وما أظرفه“ سے اسی کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ آدمی کی عقل وفہم قوت فی الدین کا شہرہ تو ہوگا لیکن اس کے دل میں ذرّہ برابر بھی امانت نہ ہوگی۔

”ولقد أتیٰ علیّ زمان“ کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ میں کسی معاملہ مثلاً بیع وشراء کرنے میں اپنے مال کے ضیاع کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا، ہر شخص سے اس اطمینان پر معاملہ کرلیا کرتا تھا کہ اگر صاحبِ معاملہ مسلمان ہے تو اسکا ایمان خود ہمارا مال دلوادیگا، اور اگر نصرانی یعنی ذمی ہے تو حاکم کے ذریعہ حاصل ہوجائے گا، اور اب تو سوائے چند معیّن لوگوں کے کسی سے معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۲۹/ ۴/ ۱۴۱۰ھ

کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے؟

سوال:

لوگ ایک حدیث شریف نقل کررہے ہیں کہ آپ ﷺ کا مرتبہ ومقام اتنا بلند تھا کہ جب معراج میں تشریف لے گئے تو نعلین شریفین اتارنے لگے، تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ آپ جوتے نہ اتاریں، آپ کے جوتے آنے سے میرے عرش کی عزت بڑھ جائے گی۔

السائل:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:
نعلین شریفین کیساتھ عرش پر جانا میری نظر سے نہیں گذرا، یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے۔
محمد یونس عفی عنہ
۱۱/۷/۱۴۲۰ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”الجهاد واجب عليكم...“ کی تحقیق

سوال:
حدثنا أحمد بن صالح نا ابن وهب حدثني معاوية بن صالح عن العلاء بن الحارث عن مكحول عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”الجهاد واجب عليكم مع كلّ أمير برًّا كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كلّ مسلم برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كلّ مسلم برّاً كان أو فاجراً وان عمل الكبائر“،

رواه أبوداود، باب الغزو مع أئمة الجور (ص ۳۴۳) مطبع أصح المطابع۔

(۱) حدیث مذکور عند الحنفیۃ قابل حجت ہے یا نہیں؟ اور اس حدیث پر عمل کرنا کیسا ہے؟

(۲) اس حدیث کے سلسلۂ اسناد میں کوئی راوی ضعیف اور مدلس ہے یا نہیں؟

وضاحت کے ساتھ اطمینان بخش جواب مرحمت فرمادیں، بڑی مہربانی ہوگی، والسلام۔
عظیم الدین
خادم مدرسہ دار العلوم چلہ امروہہ مراد آباد یوپی

جواب:
(۱) هذا الحديث أخرجه أبوداود ومن طريقه البيهقي في المعرفة إلّا أنّ فيه انقطاعاً بين مكحول وأبي هريرةؓ، ولكن المنقطع حجّة عند الحنفية بعد أن تكون رجاله ثقات كما صرّح

به ابن الهمام۔

حدیث کے ثبوت کے بعد درجۂ عمل میں عمل مطلوب ہے۔

(۲) مکحول مسلم اور سننِ اربعہ کے رواۃ میں ہیں، حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے ثقة فقيه كثير الارسال، وتلميذه: علاء بن الحارث صدوق فقيه، لكن رمى بالقدر وقد اختلط، روى له مسلم والأربعة، وتلميذه: معاوية بن صالح صدوق له أوهام، روى له مسلم والأربعة، وتلميذه: عبد الله بن وهب ثقة فقيه عابد روى له الستّة، وتلميذه: أحمد بن عبد الرحمٰن صدوق تغيّر بآخره روى له مسلم۔

یہ سارا کلام تقریب التہذیب سے ماخوذ ہے، اس سے سارے رواۃ کا حال معلوم ہوگیا، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کوئی مدلس نہیں ہے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

۸/ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق یکم مئی ۱۹۹۳ء

اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال

سوال:

خدمت اقدس میں درخواست یہ ہے کہ ابوداود شریف کی حدیث کے بارے میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے بڑی خوشی ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور عند الحنفیہ قابلِ حجت اور معمول بہا ہے۔

لیکن حدیث مذکور کے جتنے رواۃ ہیں ان کے بارے میں مکمل تشفی نہیں ہوئی، اگر چہ آپ نے مجموعی اعتبار سے حدیث مذکور کے رواۃ کے بارے میں کلام بحوالہ تقریب التہذیب کر دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکحول کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ (ص ۱۰۶/۱) پر لکھا ہے کہ مکحول مدلس ہے، اسی طرح غالبًا میزان الاعتدال (ص ۲۱۰/ ۲) پر لکھا ہے کہ مکحول مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہوتا ہے، ہاں اگر ثقہ سے مدلس کا ثبوت مل جائے تو عند الجمہور مقبول ہوتا ہے جیسا کہ مقدمۂ مشکوۃ شریف میں مذکور ہے، لیکن اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ مکحول صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہے غیر ثقہ سے نہیں۔

اسی طرح علاء بن الحارث کے بارے میں اور معاویہ بن صالح اور سب سے اوپر کے شیخ احمد بن صالح کے بارے میں بھی مکمل تشفی نہیں ہوئی کہ یہ کیسے ہیں اور کس نے ان پر کلام کیا ہے اور کس نے ان کی تصدیق کی اور ثقہ بتایا ہے، اس لئے درخواست ہے کہ حدیثِ مذکور کے تمام رواۃ پر نظر ثانی فرما کر ان کے حالات سے اطلاع فرماویں، تو بڑی مہربانی ہوگی۔

چونکہ آپ پر مکمل اعتماد ہے، بایں وجہ پھر دوبارہ زحمت دے رہا ہوں، امید کہ قبول فرما کر ممنون وشکر گذار فرمائیں گے۔

فقط والسلام عظیم الدین خادم مدرسہ دار العلوم چلہ امروہہ ضلع مراد آباد

۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

جواب:

(۱) آپ کا اگر پوری سند کے بارے میں رجال کا تفصیلی حالات معلوم کرنا ہے تو تہذیب التہذیب میں دیکھ لیں جو آپ کے مدرسہ میں ہوگی، اگر نہیں ہے تو شاہی کے کتب خانہ میں دیکھ لیں آپ کے لئے یہی مفید ہے، خود دیکھ کر فیصلہ کرلیں، حافظ ابن حجر کا فیصلہ تو پہلے لکھا جاچکا ہے۔

(۲) مکحول کے متعلق متأخرین میں سے صرف ذہبی نے تدلیس کی تصریح کی ہے، اور قدماء میں ابن حبان (ص ۴۴۷) نے لکھا ہے: ربّما دلّس، اور بعد کے جتنے حضرات ان کو تدلیس سے موصوف کرتے ہیں وہ ابن حبان کا اتباع کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے طبقات المدلّسین میں ان کا تذکرہ ضرور کیا ہے لیکن تقریب میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے ابن حبان کی رائے سے موافقت نہیں کی اور اگر ابن حبان کی بات مان لیں تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا حکم تمام کثیر التدلیس رواۃ سے ہلکا ہوگا۔

(۳) معلوم نہیں کہ مکحول ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں یا غیر ثقہ سے، فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

۲/۴/۱۴۱۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟

گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟

سوال:

بغرض استفادہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق احادیث کا ثبوت مطلوب ہے۔

(۱) فضائل نماز میں فوائد مسواک کے ذیل میں لکھا ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے، کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے؟ بعد میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر مضرتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

(۲) تبلیغی جماعت والے حضرات گشت کی ترغیب دیتے وقت یہ فرماتے ہیں کہ گشت کر کے جو نماز پڑھی جاوے اس کا ثواب سات لاکھ درجہ ہے، یعنی سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اللہ کے راستے میں نکلنے کا اجر بھی اسی طرح ہے کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپئے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے،

اس کے بارے میں بھی حدیث یا قرآن کا ثبوت چاہئے تا کہ تسلی ہو، اگر کوئی ثبوت ہے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی اس تحریک سے پہلے امت مسلمہ اس ثواب عظیم سے محروم کیوں رہ گئی؟ گشت وتبلیغ کا یہ سلسلہ تو تقریباً پینسٹھ سال سے جاری ہوا ہے، امید کہ احادیث کے حوالہ سے آپ تشفی فرمائیں گے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر ضرر کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔

(۲) اہل تبلیغ کے قول کی دلیل مشکوۃ شریف (ص ۳۳۵) کی روایت ہے:

”من غزا بنفسه فی سبیل الله، وأنفق فی وجهه ذلک، فله بکلّ درهم سبعمائة ألف درهم“، رواه ابن ماجه، وفی سنده مقال۔

سبیل الله عرف خاص میں جہاد پر بولا جاتا ہے، لیکن عرف عام میں ہر خیر کے راستے پر بولا جاتا ہے، انفاق کا مسئلہ نص روایت سے ماخوذ ہے، اور باقی بظاہر استدلال کے طور پر اخذ کیا گیا ہے،

اور سبیل اللہ کا مفہوم عام مان لینے کی صورت میں طلب علم یا دین کے لئے کسی بھی غرض سے نکلنا اسمیں داخل ہوجائے گا، اس لئے امت کی محرومی کا مسئلہ پیش نہیں آتا، اور اہل تبلیغ اس وقت امت کی عمومی دین سے بے خبری کی بناء پر تبلیغ پر زور دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ امت کے تمام ہی لوگوں کے دین سے باخبر ہوجانے کا آسان راستہ ہے،

تجربہ اس کا شاہد ہے، فقط والسلام۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

۲۶/۳/۱۴۱۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

عدل فاروقی کے ایک واقعہ کی تحقیق

ماہنامہ 'حسنِ اخلاق' کے اندر مضمون شائع کیا ہے 'عدل فاروقی کی ایک جھلک' تفصیل مندرجہ ذیل ہے کہ

حضرت عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں آپ کے ایک صاحبزادہ ابوشحمہ عبد الرحمٰن نے ایک عورت سے بنی نجار کے باغ میں شراب کے نشہ میں زنا کیا، عورت کو اس حرام کاری سے بچہ پیدا ہوا، عورت اس بچہ کو لیکر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئی اور دعوی کیا کہ حضرت یہ آپ کا بچہ ہے، آپ نے اس واقعہ کی تحقیق کے بعد ابوشحمہ پر حدِ رجم جاری کیا اور اسی حالت میں اس بچے کا انتقال ہوگیا۔

رسالہ البدر جو لکھنؤ سے مولانا عبد العلی صاحب فاروقی لکھنوی شائع کرتے ہیں، انہوں نے اسکی تکذیب کی اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کی حضرت عمرؓ پر بہتان اور افتراپردازی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تو حضرت آپ سے رجوع کرنا پڑا جواب سے ضرور نوازیں گے۔ والسلام

آپ کا نالائق شاگرد تجمل حسین بستوی

مدرس مدرسہ مظہر العلوم لنگا پورہ آشٹہ سیہور ایم پی۔

جواب محترم المقام زید فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ واقعہ موضوع ہے، ابن الجوزی نے اسکو موضوع کہا ہے، علامہ سیوطی نے اللآلی میں (ص ۱۹۸/ ۲) اور ابن عراق نے تنبیہ الشریعۃ میں (ص ۱۲۲/ ۲) ان کی موافقت کی ہے۔

اسی طرح انکی لاش یا قبر پر کوڑے مارنے کا قصہ مشہور ہے لیکن بے اصل ہے۔

والسلام محمد یونس عفی عنہ

۵/رجب ۱۴۱۵ھ

***

سوال:

صاحب الکشف سے کیا مراد ہے؟

نیل الأمانی سے کیا مراد ہے؟

الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟

رزین بن معاویہ عبدری کے حالات

تخریج أحادیث الرافعی للحسامی کی تفصیلات

علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟

مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری نے مدینہ منورہ سے ایک خط میں چند باتیں دریافت کی ہیں جواب سے سوال معلوم ہوجاتا ہے اس لئے اس کے الفاظ نقل نہیں کئے۔

جواب:

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ نے صحیح سمجھا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمۂ لامع میں جگہ جگہ صاحب الکشف سے ملا کاتب چلپی صاحبِ کشف الظنون کو مراد لیا ہے، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے کلام کا سیاق وسباق بھی اس کی دلیل ہے، انواع الکتب کے بیان میں النوع السادس والسابع کی عبارات اس پر بالکل وضاحت سے دلالت

کرتی ہیں۔

(۲) حضرت اقدس شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمۂ لامع میں نیل الامانی سے علامہ عبدالہادی نجا ابیاری کی مقدمۃ القسطلانی کی شرح مراد لی ہے، جس کا پورا نام نیل الأمانی فی توضیح مقدّمة القسطلانی ہے، جو صاحب مطبع میمنیہ نے قسطلانی کیساتھ طبع کی تھی، اس کا ایک نسخہ مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ عبدالہادی کے متعلق اسماعیل پاشا بغدادی نے لکھا ہے: **عبد الهادی نجا بن السید رضوان بن محمد النحوی الأبیاری المصری الفقیه الأدیب ولد ۱۲۳۶ھ وتوفّی فی ذی القعدة من سنة خمس و ثلاثمائة وألف، ثمّ ذکر مؤلفاته، فیها: نیل الأمانی فی توضیح مقدّمة القسطلانی۔**

(۳) اسی طرح حضرتؒ نے الاتحاف سے نواب صدیق حسن خان کی تصنیف **إتحاف النبلاء المتّقین بإحیاء ماثر الفقهاء والمحدثین** مراد لی ہے، جو حضرت کے کتب خانہ میں موجود تھی، حضرت کتاب مذکور سے کثرت سے نقل کرتے ہیں، اور موالید و وفیات کے بیان میں نواب صاحب کی تقلیدی غلطیوں پر بعض بعض مواقع میں تنبیہ کی ہے، مثال کے طور پر (ص ۵۰ وص ۶۴ طبع ہند) کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(۴) رزین بن معاویہ عبدری مالکی المذہب مشہور محدث ہیں، مکہ مکرمہ میں ۵۳۵ھ میں وفات پائی، انہوں نے کتب صحاح خمسہ اور مؤطا کی احادیث کو التجرید میں جمع فرمایا تھا جو اس وقت کافی مشہور تھی، علامہ ابن الاثیر الجزری نے ان کی کتاب مذکور کے متعلق قدرے تفصیل سے لکھا ہے جس کا بقدر ضرورت حصہ انہیں کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے، پہلے ان محدثین کا تذکرہ کیا جنہوں نے متقدمین کی کتابوں کو اپنے اپنے انداز میں جمع کیا جیسے ابوبکر برقانی، ابومسعود دمشقی، ابوعبداللہ الحمیدی پھر فرمایا:

وتلاهم آخراً أبوالحسن رزین بن معٰویة العبدری السرقسطی فجمع بین کتب البخاری و مسلم والمؤطا لمالک وجامع أبی عیسی الترمذی وسنن أبی داود السجستانی وسنن أبی عبد الرحمٰن النسائی، ورتّب کتابه علٰی الأبواب دون المسانید، ولما وقفت علٰی هذه الکتب ورأیتها فی غایة من الوضع الحسن والترتیب الجمیل، ورأیت کتاب رزین هو أکبرها وأعمّها،

حيث حوىٰ هذه الكتب الستة التى هى أمّ كتب الحديث، وبأحاديثها أخذ العلماء واستدلّ الفقهاء، ومصنّفوها أشهر علماء الحديث، وأكثرهم حفظاً، وأعرفهم بمواضع الخطأ والصواب، وإليهم المنتهىٰ وعندهم الموقف، فحينئذٍ أحببت أن أشتغل بهذا الكتاب الجامع لهذه الصحاح، وأعتنى بأمره، فلمّا تتبعته وجدته على ما قد تعب فيه، قد أودع أحاديث فى أبواب غير تلك الأبواب أولى بها، وكرر فيه أحاديث كثيرة، وترك أكثر منها، إمّا للاختصار أو لغرض وقع له، ورأيت فى كتابه أحاديث كثيرة لم أجدها فى الأصول التى قرأتها و سمعتها ونقلت منها، وذلك لاِختلاف النسخ والطرق، فشرعت فى الجمع بين هذه الكتب الستة التى أودعها رزين فى كتابه، وصدفت عمّا فعله و رتّبه، فاعتمدت علىٰ الأصول دون كتابه، اهـ۔

ابن الاثیر نے رزین کی کتاب کے دوعیب بیان کئے، ایک اصولِ ستّہ کی بہت سی احادیث کا ترک، دوسرا بعض ایسی احادیث کا کتاب میں اندراج جو اصول مذکورہ میں موجود نہیں، ابن الاثیر اول کا سبب اختصار یا اور کوئی غیر معلوم وجہ قرار دیتے ہیں اور ثانی کا اختلافِ نسخ، لیکن یہ ابن الاثیر کی تواضع ہے ورنہ نسخِ مختلفہ پر نظر ڈالنے کے باوجود قسم ثانی کا کوئی سراغ نہیں ملتا، منذری، حافظ ابن حجر جب ان کا تذکرہ کرتے ہیں تو صرف رزین کی طرف نسبت کرتے ہیں، انہیں روایات کے متعلق حافظ ذہبی سیر علام النبلاء میں (ص ۲۰/۲۰۵) میں لکھتے ہیں: أدخل كتابه زيادات واهية لو تنزّه عنها لأجاد، انتهى۔

خود امام رزین کی ذات پر کسی کو اعتراض نہیں، ابن عساکر فرماتے ہیں: كان امام المالكيين بالحرم، حافظ ذہبی کہتے ہیں: الاِمام المحدث الشهير۔

(۵) تخريج أحاديث الرافعى للحسامى کے متعلق سوال کے تین اجزاء ہیں۔

اول رافعی سے کیا مراد ہے؟ دوسرا حسامی کون ہیں؟ تیسرا یہ ہے کہ تخریج سے کیا مراد ہے؟

جزء اول کا جواب یہ ہے کہ رافعی مشہور شافعی فقیہ ہیں، جن کا نام ونسب وکنیت امام نووی نے تہذیب الاسماء میں (ص ۲/۲۶۴) پر اس طرح لکھا ہے کہ:

أبو القاسم عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم بن الفضل القزوينى، الاِمام البارع المتبحّر

فی المذهب وعلوم كثيرة، قال الشيخ أبوعمرو بن الصلاح: أظنّ أنّى لم أر فی بلاد العجم مثله، قال: وكان ذا فنون حسن السيرة جميل الأثر، صنّف شرحاً كبيراً للوجيز فی بضعة عشر مجلّداً لم يشرح الوجيز بمثله، قال: بلغنا بدمشق وفاته فی سنة أربع و عشرين وستّمائة، وكانت وفاته فی أوائلها أوفی أواخر السنة التی قبلها بقزوين۔

وقال أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عمرو بن أبی بكر الصفار الأسفرائينی فی أربعين خرّجها شيخنا إمام الدين حقّاً وناصر السنة صدقاً أبو القاسم عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم الرافعی القزوينی: كان أوحد عصره فی العلوم الدينية أصولها و فروعها ومجتهد زمانه فی مذهب الشافعی وفريد وقته فی تفسير القرآن والمذهب، وكان له مجلس للتفسير وتسميع الحديث بجامع قزوين، صنّف شرح مسند الشافعی وأسمعه سنة تسع عشرة وستمائة، وشرَح الوجيز ثمّ صنّف أوجز منه ووقعا موقعاً عظيماً عند الخاصّة والعامّة، وصنّف كثيراً، وكان زاهداً ورعاً متواضعاً سمع الحديث الكثير، و توفّی فی حدود سنة ثلٰث و عشرين وستمائة ودفن بقزوين، هذا آخر كلام الأسفرائينی۔ قلت: الرافعی من الصالحين المتمكّنين وكانت له كرامات كثيرة ظاهرة، رحمه الله تعالى، انتهی كلام النووی۔

مزید تفصیل طبقات ابن السبکی میں دیکھی جاسکتی ہے، اسمیں (ص ۸/۲۸۴) ابن خلکان سے نقل کیا ہے: إنّ الإمام الرافعی توفّی فی ذی القعدة سنة ثلاث و عشرين وستمائة۔

امام رافعی کی شرح کبیر للوجیز کا نام العزیز تھا، بعضوں نے اس کے بجائے الفتح العزیز کہا، تاج سبکی کہتے ہیں: (ص۸/۱۸۱) الرافعی صاحب الشرح الكبير المسمّٰی بالعزيز، وقد تورّع بعضهم عن إطلاق لفظ العزيز على غير كتاب الله، فقال: الفتح العزيز فی شرح الوجيز، انتهى۔ اسی شرح کبیر کو کبھی رافعی کبیر بھی کہا جاتا تھا، اسکی احادیث کی تخریج کے لئے علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(وفی الأعلام للزركلی ولد سنة ۵۵۷ھ وتوفی سنة ۶۲۳ھ، المرتب)

دوسرے جزء کا جواب یہ ہے کہ حسامی مشہور محدث ہیں، جن کا مختصر حال حافظ ابن حجر کی الدرر الكامنة (ص ۱/۱۲۴) سے نقل کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

أحمد بن أيبک بن عبد الله الحسامی الدمياطی أبو الحسين ولد سنة سبعمائة، سمع من

أحـمـد بن عبد الرحيم بن درادة وحسن بن عمر الكردى وشهدة بنت الحصنى وستّ الوزراء وغيـرهـم، وقـرأ وانتـقـى وذيّـل عـلـى ذيل الوفيات التى جمعها المنذرى ثم الحسينى، وخرّج للـدبـوسى مـعـجـماً ولـغيره من الشيوخ، وجمع مجاميع ورحل إلى دمشق بآخرة فسمع بها وظهـرت فـضائله ومات فى طاعون مصر ۷۴۹ھ، وذكـره الـذهبى فى معجمه المختص فقال: المحدث الـحـافـظ المفيد محدث مصر قدم علينا فظهرت معارفه وحسن مشاركته وخرّجت له جـزءً سمع منى وسمعت منه، قرأت بخط الشيخ بدر الدين الزركشى أنّه كان شرع فى تخريج أحاديث الرافعى ولم يكمل، اھ۔

تیسرے جزء کا جواب دوسرے جزء کے جواب سے معلوم ہو چکا۔

(٦) عـلامـه ابن التركمانى علىّ بن عثمان بن مصطفى المارديني المتوفى فى المحرم ۷۵۰ھ مشہور حنفی عالم ہیں، حافظ ابن حجر نے الدرر الكامنة (ص ۱۰۰/ ۴) میں لکھا ہے: له من التصانيف غريب الـقـرآن ومـخـتـصـر ابـن الـصـلاح والجوهر النقى وتخريج أحاديث الهداية و مختصر المحصل والكفاية فى مختصر الهداية وأشياء كثيرة لم تكمل، انتهى۔

(۷) تخریج الزیلعی کا تذکرہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے تخاریج کے ضمن میں آگے چل کر کیا ہے خود دیکھ لیجئے۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۵/شعبان ۱۴۱۶ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

ابدال سے متعلق روایت

حضرت سیدی مصلحی ومرشدی شیخی المعظم صاحب لازالت عنایتکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

'شریعت وطریقت' کتاب میں ابدال کے تعلق سے ایک حدیث نقل کی ہے، ایک صاحب نے اس کو صوفیہ کی موضوعات میں سے کہا ہے، تو کہاں تک حدیث ذیل صحیح ہے؟ اگر حوالہ بھی ذکر فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

عن شريح بن عبيد قال ذكر أهل الشام عند عليؓ وقيل: إلعنهم يا أمير المؤمنين! قال: لَا! إنّي سمعت رسول الله ﷺ يقول: ''الأبدال يكونون بالشام وهم أربعون رجلا كلمّا مات رجل أبدل الله مكانه رجلاً يسقى بهم الغيث وينتصربهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب''۔ (رواه احمد، بحوالۂ شریعت وطریقت ص۳۳۸)۔فقط

جابر حسین

۴/۱/۱۴۱۷ھ

جواب:

عزیز محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ روایت موضوع نہیں ہے، قال السيوطى فى الحاوى (ص ۲۴۲): رجاله رجال الصحيح غير شريح بن عبيد وهو ثقة، ولكن قال ابن عساكر: هذا منقطع بين شريح وعليؓ فإنّه لم يلقه، انتهى۔ وقال السخاوى فى المقاصد الحسنة (ص ۹): رجاله من رواة الصحيح إلّا شريحاً وهوثقة، وقد سمع ممن هوأقدم من عليؓ و مع ذلک فقال الضياء المقدسى: إن رواية صفوان بن عبد الله عن عليؓ من غير رفع لَاتسبّوا أهل الشام جمّاً غفيراً فإنّ فيها الأبدال– قالها ثلثاً– أولى، أخرجها عبد الرزاق و من طريقه البيهقى فى الدلَائل، ورواها غيرهما بل أخرجها الحاكم فى مستدركه ممّا صحّحه من قول عليؓ نحوه، انتهى۔

اس کے بعد حدیث کی قوت کا قرینہ پیش کیا ہے کہ امام شافعی، امام بخاری اور بہت سے علماء نے بعض صلحاء کے بارے میں کہا ہے كنا نعدّه من الأبدال۔

محمد یونس عفی اللہ عنہ

۵/صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

نصائح غالیہ

سوال:

بخدمت گرامی مرتبت حضرت مولانا محمد یونس صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

بندہ رضوان محمد رافع ساکن آسٹریلیا متعلم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھڑوچ گجرات اس سال دورہ حدیث کی تکمیل کر کے آئندہ مہینہ سند فراغ اور دستار فضیلت پا رہا ہے، الحمد للہ علی ذالک

بعدہ وطن کے لئے عازم ہے، لہذا آنحضرت مدظلہ سے عرض ہے کہ مجھے ادعیہ صالحہ اور نصائح غالیہ سے نوازیں۔

شکریہ والسلام مع الاحترام

جواب:

عزیزم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز من آپ نے دین کا علم پڑھا ہے اس لئے آپ اپنے لئے اسی کو منتخب کریں، اسی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں، چند باتیں لکھتا ہوں جو اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے پسند کرتا ہوں۔

(۱) تصحیح نیت واخلاص کا اہتمام

(۲) اتباع سنت پر مداومت

(۳) معاصی سے کلی اجتناب اور مواقعِ معاصی سے حتی الوسع دوری

(۴) تعلیم دین سے اشتغال اور اشاعتِ دین کی مکمل فکر

(۵) تبلیغ سے حتی الوسع ربط

(۶) تزکیہ واصلاح کی غرض سے اہل اللہ سے تعلق اور ان کی ہدایات پر عمل

(۷) اصلاح فیما بین المسلمین کا اہتمام اور منازعت سے کلی گریز

(۸) قدرے نوافل کا اہتمام

(۹) اپنے اندر اللہ پاک کی محبت پیدا کرنے کی فکر۔

محمد یونس عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

محمد بن فضیل راوئِ بخاری کیا شیعہ تھے؟
کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟

سوال:

(۱) محمد بن فضیل رواۃِ بخاری میں ہیں، بخاری کی آخری حدیث کی سند میں ان کا ذکر ہے، ان کے متعلق بھی شیخ سے تشیّع کا الزام مسموع ہوا اور بعض کتاب میں بھی اس کا ذکر دیکھا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور کن لوگوں نے لگایا؟

مسلم جلد ثانی (ص ۳۹۴) میں کئی سند میں ان کا نام ہے، کیا دونوں ایک ہیں؟

(۲) قرآن کریم میں ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ ہے، اور شیخ المشائخؒ نے فضائل ذکر (ص ۱۴۹) میں مفصل تسبیح کا ذکر فرمایا ہے، اہل کشف حضرات تسبیح دوسری چیزوں کی سمجھ لیتے ہیں، اور روایت بھی نقل کی، کیا یہ ﴿لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ کے معارض ہے؟ اگر ہے تو تطبیق اور توفیق کی صورت کیا ہوگی؟

جواب:

(۱) بخاری شریف کی آخری حدیث کے راوی محمد بن فضیل بن غزوان أبو عبد الرحمٰن الضبّی ولاءً الکوفی ہیں، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، اور یہی مسلم کے مذکورہ صفحہ میں واقع ہوئے ہیں۔

حافظ ابن حجر تقریب التھذیب میں لکھتے ہیں: صدوق عارف، رمی بالتشیّع، یحیی بن معین، علی بن المدینی، احمد عجلی وغیرہ ایک جماعت ان کو ثقہ کہتی ہے، ابوزرعہ کہتے ہیں: صدوق من أھل العلم، امام احمد فرماتے ہیں: کان یتشیّع وکان حسن الحدیث، ان کے تشیّع کا ماحصل حضرت علیؓ کی محبت وترجیح میں غلو ہے، ابوہشام الرفاعی کہتے ہیں: سمعت ابن فضیل یقول: رحم الله عثمان ولَا رحم من لَا یترحّم علیه، وسمعته یحلف بالله تعالی أنّه صاحب سنّة، رأیت علی خفّه أثر المسح، وصلیت خلفه مالَا یحصٰی فلم أسمعه یجهر یعنی بالبسملة۔

(۲) ﴿لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ تم سب لوگ نہیں سمجھتے، اس سے بعض کے سمجھنے کی نفی نہیں ہوتی، بخاری شریف میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: کنّا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل۔

محمد یونس عفی عنہ

سوال:

تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) دین سیکھنا اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا سب ہی ضروری ہے، تدریس وتعلیم میں بھی مشغول رہنا چاہئے، اور حسب استطاعت تبلیغ میں حصہ لینا چاہئے، حدیث پاک میں ہے: ’’**إنّ اللہ تعالی لم یبعثنی معنّتاً ولَا متعنّتاً ولکن بعثنی معلّماً میسّراً**‘‘۔ **رواہ أحمد (ص۳۲۸/۳)، ومسلم (ص۴۸۰/۱) عن جابرؓ۔**

مسند دارمی، سنن ابن ماجہ (ص۲۱) میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ’’**إنما بعثنی معلّماً**‘‘ ہے، دیکھو مشکوۃ (ص۳۶)۔

مسند احمد میں (۱۰۱/۴) حضرت معاویہؓ کی حدیث میں ہے ’’**إنّما أنا مبلّغ واللّٰہ یھدی**‘‘۔

مسلم (ص۴۸۲/۱)، ترمذی (ص۲۰۵/۲) میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ’’**إنّ اللہ أرسلنی مبلّغاً ولم یرسلنی متعنّتاً**‘‘ ہے، ترمذی کے الفاظ ’’**إنّما بعثنی اللہ مبلّغاً ولم یبعثنی متعنّتاً**‘‘ ہے، **وفی سندہ انقطاع۔**

(۲) یہ بالکل صحیح ہے کہ ایسی نفلی عبادت جس کا نفع صرف عابد کو پہونچے چاہے کتنی ہی بڑی ہو تعلیم وتبلیغ کا درجہ اس سے بڑا ہے، لیکن تعلیم پر تبلیغ کو ترجیح دینا یا اس کا عکس مناسب نہیں، یہ غالی لوگوں کا کام ہے، دونوں ضروری ہیں، ہاں بعض مواقع میں بعض کو دوسرے پر عارضی تقدیم ہو سکتی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

تعلیم مقدم یا تبلیغ؟

سوال:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پڑھنا اور پڑھانا دو نمبر پر ہے اور تبلیغی جماعت میں کام کرنا نمبر ایک پر ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

تعلیم و تبلیغ دونوں ضروری ہیں، آپ مستقلاً تعلیمی کام کریں، جب تعطیل کے ایام ہوں تو تبلیغ کے لئے بھی سفر کرلیا کریں،

اہل تبلیغ کا اصرار اور نمبر ایک اور دو کہنا ان کی اپنی سمجھ کے اعتبار سے ہے، علم کے بغیر تبلیغ محال ہے، اور علم کے لئے تعلیم ضروری ہے، صحابہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں علم بھی سیکھتے تھے، اور تبلیغ بھی کرتے تھے۔

مالک بن الحویرثؓ کے ساتھی اور اسی طرح وفد عبد القیس جب آئے تو پہلے علم سیکھا اس کے بعد واپسی پر ان کو تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ محمد یونس عفا اللہ عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”ما اجتمع فی شیء من الحلال والحرام...“ کیسی حدیث ہے؟

البداءۃ بالملح و الختم بہ کیا سنت ہے؟

کیا فاسق کو سلام کرسکتے ہیں؟

سوال:

(۱) ”ما اجتمع فی شیء من الحلال والحرام إلّا وقد غلب الحرام الحلال“۔ کما فی مخزن تحقیق (ص ۳۸۱) بحوالہ بیہقی وتوضیح تلویح (ص۵۸۹/ ۴) فی بحث المعارضۃ والترجیح، وطحطاوی۔

کیا یہ حدیث ضعیف تو نہیں ہے؟ بیہقی کے الفاظ کیا ہیں؟ اور کس جلد میں ہے؟ بحوالہ صفحہ ومطبع تحریر کئے جانے کی التماس ہے،

(۲) شامی (ص۲۱۶/ ۵) کتاب الحظر والإباحۃ میں ہے: ”ومن السنۃ البداءۃ بالملح و الختم

به، بل فیه شفاء من سبعین داء"۔ سنت کی تخریج فرمائیں۔

(۳) جلالین میں ہے: وخصّت السنّة الكافر والمبتدع والفاسق ۔ إلى قوله ۔ لا يجب الردّ عليهم بل يكره، (فی تفسیر ﴿وإذا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحسَنَ مِنهَا﴾ پ۵ رکوع۸، جلالین ص۱/۸۳)

دریافت طلب بات یہ ہے کہ فاسق کا لفظ حدیث میں ہے یا علماء کبار کا استنباط ہے؟ جیسا کہ تقویۃ الایمان میں مولانا اسماعیل شہید (ص۳۰۸) پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمرؓ قال: "مرّ رجل وعليه ثوبان أحمران فسلّم على النبی ﷺ فلم يردّ عليه"۔ رواه أبو داود والترمذی.

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسق وفاجر کو سلام کا جواب دینا اچھا نہیں تا کہ باز آجائے، پھر محبت اور دوستی کا تو ذکر ہی کیا ہے، اھ

وکما فی البخاری (ص۲/۹۲۵) 'باب من لم يسلّم على من اقترف ذنباً ولم يردّه حتى يتبيّن توبته' ویسے حدیث "تطعم الطعام وتقرأ السلام علىٰ من عرفت ومن لم تعرف" تو مطلق ہے، کیا اس حدیث کی وجہ سے فاسق و فاجر کو سلام نہیں کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو پھر حضرت گنگوہیؒ فتاوی رشیدیہ میں یہ کیوں تحریر فرما رہے ہیں: حقوق اسلام قرآن وحدیث صرف انہیں لوگوں کے واسطے ہے جو نیک اور پرہیزگار ہیں، فاسق وفاجر سے بالکل انقطاع چاہئے، لہذا فاسق وفاجر کی شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض نہ کرے،

سوال یہ ہے کہ حضور والا حضرت گنگوہی کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف؟ اگر اتفاق کرتے ہیں تو پھر بڑے بڑے علماء کرام فاسق وفاجر کی نماز جنازہ سے کیوں نہیں گریز کرتے ہیں؟ مجوّزین کے دلائل کیا ہیں؟

حضرت! دل کی بات کیا بتاؤں، ڈاڑھی منڈا اور پتلون پہننے والے اور تارکِ صلوۃ وصوم ونحوہم من الآثام سے قطعاً طبیعت نہیں چاہتی ہے کہ سلام کروں یا پھر جواب ہی دوں، مذکورہ بالا باتیں کرنا ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ أى نيةً وقولاً وعملاً كما فى روح المعانى (رکوع۴ پ۱۱) کے بھی خلاف ہے، ویسے آپ جو مشورہ دیں گے عمل کروں گا۔

فقط والسلام

محمد جہاں گیر کٹیہاری از شاگرداں

جواب:

مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حدیث "ما اجتمع الحرام والحلال إلّا غلب الحرام على الحلال". ذكره البيهقى (ص ۱۶۹/۷) تعليقاً وقال: إنّما رواه جابر الجعفى عن الشعبى عن ابن مسعودؓ، و جابر الجعفى ضعيف، والشعبى عن ابن مسعود منقطع، وإنّما رواه غيره بمعناه عن الشعبى من قوله غير مرفوع إلى عبد الله بن مسعودؓ، انتهى.

(۲) عن على بن أبى طالبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا أكلت فابدأ بالملح واختم بالملح، فإنّ الملح شفاء سبعين داءً، أوّلها الجنون والجذام والبرص ووجع الضرس ووجع الحلق ووجع البطن". رواه الحارث بن أبى أسامة كمافى المطالب العالية (ص ۳۱۵/۲).

قال البوصيرى: رواه الحارث عن عبد الرحيم بن واقد عن حماد بن عمرو عن السرىّ بن خالد و هم ضعفاء.

(۳) "خصّت السنّة الكافر و المبتدع والفاسق" بایں الفاظ میرے علم میں کوئی حدیث نہیں، آپ نے جو مطلب سمجھا ہے وہی مراد ہے، کسی حدیث سے کافر اور کسی سے فساق ومبتدعین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، اور فتاوی رشیدیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہی حکم ہے، نصوص مطلقہ دوسرے نصوص سے مقید کی جائیں گی ہاں اگر مصلحت مثلاً دفعِ شر یا تالیف قلب ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ

۱۴۱۲/۱۱/۳۰ھ

⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥○○○⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥⬥

سوال:

بخاری کے معلّقات کا حکم

حدیث کے رفع ووقف میں اختلاف ہو تو کیا وہ شاذ ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیز مکرم زید علمہ وعرفانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ کے دونوں خط ملے، اپنی معذوری اور عدم فرصت کی وجہ سے فوراً جواب تو دشوار تھا اس لیے تاخیر ضروری تھی، آپ نے لکھا ہے کہ بخاری کے معلّقات کا تجزیہ کرتے ہوئے حافظ صاحب نے طاؤس عن معاذ والی روایت کو منقطع بتایا ہے اگر چہ رواۃ صحیح کے ہیں، النکت وغیرہ میں اس کے ضعف کے انجبار کا تذکرہ نہیں مگر الھدی الساری میں اس کے لئے ضعیف منجبر فرمایا ہے، جابر کیا ہے؟ کیا امام شافعی کا قول یا کچھ اور؟

اس کا جواب یہ ہے کہ الھدی الساری میں انجبار کی تصریح ہے، اور النکت میں سکوت ہے، اس صورت میں الھدی الساری کا بیان مقدم ہوگا، لأنّ النا طق حجّة علی الساکت، اور جابر وہ روایات ہیں جو امام بخاری نے باب العرض فی الزکوٰۃ میں ذکر کی ہیں، جہاں حضرت معاذؓ کا اثر ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: ھذا التعلیق صحیح الاِسناد إلی طاؤس، لکن طاؤساً لم یسمع من معاذؓ فھو منقطع، إلّا أنّ إیراده له فی معرض الاِحتجاج به یقتضی قوّته عنده وکأنّه عضده عنده الأحادیث التی ذکرھا فی الباب، انتھی، اور عاضد تو روایت یا اثر ہوگا۔

امام شافعی کا قول: و طاؤس عالم بأمر معاذؓ وإن کان لم یلقه علی کثرة من لقی من أدرک معاذاًؓ من أھل الیمن، انتھی، عاضد نہیں بلکہ معاذؓ کے اثر کے مستند ہونے کی ایک تقریر ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ حدیث کے رفع ووقف اور وصل وارسال کا اختلاف جو کہ ثقہ اور اوثق کے درمیان ہو یہ بھی شذوذ کے تحت آتا ہے یا نہیں؟ احقر کا خیال ہے کہ آتا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فإن خولف أی الراوی بأرجح منه لمزید ضبط أو کثرة عدد أو غیر ذالک من وجوه الترجیحات فالراجح یقال له المحفوظ ومقابله وھو المرجوح یقال له الشاذ۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں (ص ۱/۱۹۷)، ومن ھنا یتبیّن أنّه لَایحکم فی تعارض الوصل والرفع مع الاِرسال والوقف بشیء معیّن بل إن کان من أرسل أو وقف من الثقات أرجح قدم وکذا بالعکس، انتھی۔ محمد یونس عفی عنہ ۴/۴/۱۴۱۳ھ

سوال:

تقوی کیسے حاصل ہوگا؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی عبدالحلیم صاحب سلمہ کے ذریعہ زبانی پیام ملا۔

تقوی وپرہیز اصلاً قلب کی صفت ہے، ''التقوی ههنا وأشار إلی صدره''۔ مسند أحمد (ص ۵/۲۵)

خود قرآن کریم میں تقوی القلوب کا ذکر ہے، اور یہ کیفیت عادۃً غلبۂ خوف سے پیدا ہوتی ہے، جسکی تدبیر آخرت کے ہولناک مناظر کا بار بار پڑھنا اور ان میں تدبر کرنا ہے اور اسکے علاوہ دوسری تدبیر اہل تقوی کی صحبت ہے۔

قال تعالی: ﴿إِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ صحبتِ صادقین کا حکم تحصیلِ تقوی ہی کے لئے دیا گیا ہے اور صادقین سے مراد صادق الاقوال والافعال لوگ ہیں۔ والسلام

محمد یونس عفی عنہ ۶/۸/۱۴۱۴ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم
خط میں '۷۸۶' لکھنے کا حکم

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) عاشوراء کے دن توسیع علی العیال یعنی اچھے کھانے پکانا بعض روایات میں ہے، لیکن اکابر محدثین امام احمد، ابوجعفر عقیلی، ابن طاہر، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن العز الحنفی، مجد الدین فیروزآبادی وغیرہ اس کے ثبوت کے قائل نہیں، اس کے برعکس بیہقی، ابن ناصر، عراقی، سخاوی، سیوطی، مناوی، ابن عراق، علی قاری، شوکانی،

زرقانی ثبوت کے قائل ہیں۔

(۲)　خط میں '۷۸۶' لکھنا بے اصل ہے، ہمارے استاذ و مربی حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم یہی فرماتے تھے اور خود براہ راست مجھ سے فرمایا تھا۔

محمد یونس عفی عنہ　　۱۷/۲/۱۴۱۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

عقیق کی انگشتری کے متعلق ایک روایت میں ہے: **عن أنس رضی اللہ عنہ أنّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "تختّموا بالعقيق فإنّه ينفی الفقر، واليمين أحقّ بالزينة"۔ رواه ابن الجوزی فی العلل المتناهية (ص۲۹۳/ ۲) وقال ابن عدی: هذا حديث باطل والحسين بن إبراهيم يعنی البابی مجهول، وقال الذهبی: لعلّه من وضعه وأقرّه الحافظ فی اللسان،** فقط۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت کہاں ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت مصنف عبدالرزاق (ص۴۸۶/ ۵) اور انہیں کے طریق سے معجم طبرانی (۴۱۰/ ۲۲) اور طوالات للطبرانی (ص۱۳۲/ ۲۴) میں آئی ہے، اس کی سند میں یحیی بن العلاء متروک ہے۔

فقط والسلام　　محمد یونس عفی عنہ　　۹/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم

سوال:

عن النزال بن سبرة قال: ”قتل رجل من المسلمين رجلاً من العباد فذهب أخوه إلیٰ عمرؓ فكتب عمرؓ أن يقتل، فجعلوا يقولون: أقتل حنين، فيقول: حتى يجئ الغيظ، قال: فكتب عمرؓ أن يؤدى ولا يقتل“۔ طحاوی شریف (صفحہ ۲/۹۵ طبع رحیمیہ)۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

السائل:---------------

جواب:

”رجلاً من العباد“ سے مراد ذمی ہے اور ذمی پر عبد کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت ہوتے ہیں جیسے غلام آقا کا ماتحت ہوتا ہے، اور صحیح ”أقتل حنين“ ہے جیسا کہ حاشیہ کا نسخہ ہے، یہ ولی المقتول کا نام ہے۔

اثر کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا اس کے بھائی نے حضرت عمرؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ نے عامل کو خط لکھا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے، لوگوں نے ولی دم حنین سے کہنا شروع کیا ”أقتل!“ اس نے کہا ”حتى يجئى الغيظ“ یعنی جب غصہ آجائے گا تب قتل کروں گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے رویہ سے اس کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تھا، اسکے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط عامل کو لکھا کہ مقتول کی دیت ادا کر دی جائے اور قاتل کو قتل نہ کیا جائے،

امام طحاوی اس فرمان ثانی کی علت یہ بتاتے ہیں کہ جب ولی الدم نے قتل سے توقف کیا تو حضرت عمرؓ کی رائے بدل گئی اور انہیں قتل کے عمد ہونے میں شک ہو گیا اسلئے قتل کی ممانعت کی اور دیت کا حکم دے دیا،

لیکن یہ اثر مختصر ہے مفصل اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرہ کا قصہ ہے، حضرت عمرؓ نے وہاں کے حاکم کو اولاً قاتل کے قتل کا فرمان لکھا اور پھر دیت کا،

چنانچہ امام شافعی کتاب الامّ (ص ۷/۳۲۱) میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن الحسن: حدثنا أبو حنيفة عن حمّاد عن إبراهيم: ”أن رجلاً من بنى بكر بن وائل قتل رجلاً من أهل الحيرة فكتب فيه عمر بن الخطابؓ أن يدفع إلى أولياء المقتول فإن شاؤا قتلوا وإن شاؤا عفوا، فدفع الرجل إلى وليّ المقتول إلى رجل يقال له حنين من أهل الحيرة فقتله، فكتب عمرؓ بعد ذلك: إن كان الرجل لم يُقتل فلا تقتلوه، فرأوا أن عمرؓ أراد أن

يرضيهم من الدية"۔ ورواه البيهقى فى المعرفة من طريق الشافعى أنبانا محمد بن الحسن الخ۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۶ رجب ۱۴۰۲ھ

ختمِ بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت

سوال:

بخاری شریف کے ختم کی فضیلت اور اس کا دستور کب سے رائج ہے؟

شبیر احمد لندنی

جواب:

یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ ختم بخاری شریف کا دستور کب سے چلا، لیکن علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے یہ طریق جاری ہے۔

قال القسطلانی (ص ۲۹): قال الشيخ أبو محمد عبد الله بن أبى جمرة: قال لى من لقيت من العارفين عمّن لقيه من السادة المقرّ لهم بالفضل: أن صحيح البخارى ما قرئ فى شدّة إلّا فرجت، ولَاركب به فى مركب فغرقت، قال: وكان مجاب الدعوة قد دعا لقارئه۔ رحمه الله تعالٰى۔ انتهى۔ عارف ابن ابی جمرہ کی وفات ۶۷۵ھ میں ہوئی اور وہ متقدمین سے نقل کرتے ہیں۔

وقال الحافظ ابن كثير فى تاريخه البداية والنهاية (ص ۲۴): كتاب الصحيح يستسقىٰ بقراءته الغمام، وأجمع العلماء علىٰ قبوله وصحّة ما فيه، وكذلك سائر أهل الاِسلام۔

حافظ ابن کثیر کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی۔

وقال العلامة أحمد بن أحمد التكرورى ثم التنبكتى الشهير ببابا فى نيل الاِبتهاج (ص ۲۷۶): قال القاضى ابن الأزرق: أخبرنى الفقيه القاضى الأجلّ خاتمة السلف أبو عبد الله الترلديوى نزيل تونس مكاتبة قال: كان ابن عرفة فى العلوم كما دلّت عليه تآليفه أوّل ما لقيناه عام ثلاثة وتسعين وله سبع وسبعون سنة وقرأنا عليه جميع صحيح البخارى بقراءة شيخنا قاضى الجماعة أبى مهدى الغبرينى وحضر هذه الختمة جميع أعلام تونس وعلمائها وطلبتها

صغاراً وكباراً، وكانت من الغرائب قراءة عالم على عالم وهما علماء وقتهما وذلك فى رمضان أول عام هذا القرن، وسبب القراءة ما أصاب أمير المؤمنين حجّة الله على السلاطين أبا فارس بجبل أو رأس فأمر بقراءته لأنه ترياق الشدائد فقرئ كذلك ثم أجاز كلّ من حضر أبو مهدى بقراءته والشيخ الإمام بالقراءة عليه، انتهى۔

ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عرفۃ الورغمی التونسی کی وفات جمادی الاولی ۸۰۳ھ میں ہوئی اور یہ ابن عرفۃ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابیّ شارح مسلم کے استاذ ہیں، جن کی وفات ۸۲۷ھ یا ۸۲۸ھ میں ہوئی، حافظ ابن حجر کو بھی ان سے اجازت ہے، اور ابومہدی عیسی ابن احمد التونسی الغبرینی کی وفات ۸۱۵ھ میں ہوئی، اور محمد بن محمد بن عیسی العقوی الترلدیوی کی وفات ۸۸۲ھ میں ہوئی۔

وقال على القارى فى المرقاة (ص ۱۳/ ۱): قيل: ويسمّى أى صحيح البخارى’الترياق المجرّب‘ ونقل السيد جمال الدين عن عمّه السيد أصيل الدين أنّه قال: قرأت البخارى مائة وعشرين مرّة للوقائع والمهمّات لى ولغيرى فحصل المرادات وقضى الحاجات، وهذا كله ببركة سيّد السادات ومنبع السعادات عليه أفضل الصلوات وأكمل التحيّات انتهى۔

سید اصیل الدین کی وفات ۸۸۳ھ یا ۸۸۴ھ میں ہوئی اور سید جمال الدین کی وفات ۹۳۲ھ میں، ملا علی قاری کی وفات ۱۰۱۴ھ میں۔

وقال محمد بن علان الصديقى فى دليل الفالحين (ص ۳۶ / ۱) تحت ترجمة البخارى: لم يقرأ كتابه فى كرب إلّا فرج، انتهى۔ ابن علان کی وفات ۱۰۵۷ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں (ص ۱۱/۱) لکھتے ہیں:

بسیارے از مشائخ وعلماء ثقات از برائے حصول مرادات وکفایتِ مہمات وقضائے حاجات ودفعِ بلیات وکشف ِکربات وبرائے صحت وشفاء بیماران ودر مضایق وشدائد خوانده اند وبمراد رسیده ومقصود خود را یافته اند وآنرا مانند تریاق ِمجرب دانسته، واین معنی نزدِ علماء حدیث بمرتبۂ شہرت واستفاضہ رسیده، نیز جمال الدین محدث از استاذِ خود سید اصیل الدین رحمۃ اللہ علیہ نقل کرده که گفت قریب صد وبست بار صحیح بخاری را در وقائع ومہمات برائے خود وبرائے مردم خوانده ام وبہر نیت که خوانده ام مقصود حاصل شده ومہم بکفایت انجامیده است، ومیان علماء این معنی بحدِ شہرت رسیده است که صحیح بخاری را در ہیچ شدتے نخوانده اند الا که نجات وکشاد ازاں شدت حاصل شده، ودر ہر کشتی وہر خانه که آں کتاب

بودہ خداوند تعالی آنرا از غرق وحرق نگاہداشتہ، ونزدِ ثقات بثبوت رسیدہ کہ بخاری مستجاب الدعوات بودہ ودر شانِ قاریِ صحیح خود دعاءِ خیر کردہ، انتہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، اس تفصیل سے ساتویں صدی سے ختمِ بخاری پر علماء کا تعامل نکلتا ہے، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب جمعہ ۱۱ شعبان ۱۴۰۲ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”سيدة نساء أهل الجنة فاطمةؓ“

”سيدا شباب أهل الجنة الحسن والحسينؓ“ کی تحقیق

سوال:

ایک شخص نے ایک رسالہ دکھلایا جو ایک عالم کا لکھا ہوا ہے اور عجیب خیال کے ہیں، انہوں نے طعنہ دیا ہے کہ ”سیّدة نساء أهل الجنة“ اور ”سیّدا شباب أهل الجنة“ لوگ خطبوں میں پڑھتے ہیں حالانکہ روایت صحیح نہیں۔

ترمذی کی روایت میں شیعہ راوی ہے اور بخاری میں یہ روایت نہیں، حالانکہ بخاری شریف میں ”سیّدة نساء أهل الجنة“ دوجگہ ہے، علامات النبوة میں شک کے ساتھ، اور حضرت سیدہ کے مناقب کے ترجمۃ الباب میں قال النبی ﷺ: ”سیّدة نساء أهل الجنة فاطمة“ ہے۔

ہمارے یہاں دستور ہے کہ شعبان میں کتابیں مدرسہ میں داخل کی جاتی ہیں اس لئے فی الحال احقر کے پاس کتابیں نہیں، پھر کتب خانہ کے منتظم باہر گئے ہیں نہ جانے کب آئیں، اس لئے ترمذی شریف کی روایت کے رجال کی مختصر تشریح اور ان دونوں روایتوں کی ایسی سند جو صحیح ہو درکار ہے، مرقات میں بہت سے صحابہ کا ذکر کیا ہے لیکن روایت کی صحت سے گفتگو نہیں کی، عینی فتح الباری میں بھی زیادہ تفصیل نہیں اس لئے آپ کو زحمت دی جارہی ہے۔

(مولانا) عبدالجبار اعظمی غفرلہ

۱۰ رشوال المکرّم ۱۴۰۲ھ

جواب:

(۱) حدیث ”سیّدة نساء أهل الجنّة فاطمة“، تو بخاری شریف ہی میں ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے، ولیس وراء عبّادان قریة، کیا امام بخاری کی تصحیح کے بعد بھی کوئی کلام رہ جاتا ہے؟ آگے حضرت حذیفہؓ کی حدیث آرہی ہے اس میں بھی یہ جملہ آرہا ہے۔

(۲): حدیث ”الحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنّة“۔ ابوسعید الخدریؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ، حذیفہ بن الیمانؓ سے منقول ہے۔

حدیث أبی سعید الخدریؓ أخرجه أحمد(ص ۸۲ و ۳/۶۲) من طریق سفیان الثوری و(ص ۶۴) من طریق خالد بن عبد الله الطحان، والترمذی (ص ۲/۲۱۸) من طریق سفیان وجریر وابن فضیل کلّهم عن یزید بن أبی زیّاد عن عبد الرحمٰن بن أبی نعم عن أبی سعیدالخدریؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ”الحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنة“۔ زاد خالد الطحان ”وفاطمة سیدة نسائهم، إلّا ما کان لمریم بنت عمران“۔

قال الترمذی: هذا حدیث صحیح حسن، قلت: یزید بن أبی زیاد الهاشمی مولَاهم الکوفی، قال الحافظ فی التقریب: ضعیف کبر فتغیر صار یتلقّن، وکان شیعیّاً من الخامسة مات سنة ستّ وثلاثین، وقال نور الدین الهیثمی (۹/۳۶): یزید بن أبی زیاد حسن الحدیث علٰی ضعفه، وقال ابن دقیق العید فی الاِمام: یزید بن أبی زیاد معدود فی أهل الصدق کوفیّ یکنٰی أبا عبد الله، ذکر أبوالحارث القروی قال أبو الحسن: یزید بن أبی زیاد جیّد الحدیث۔

وذکر مسلم فی مقدمة کتابه صنفا فقال فیهم: إنّ الستر والصدق وتعاطی العلم یشملهم کعطاء بن السائب ویزید بن أبی زیاد ولیث بن أبی سلیم، وادعی الدار قطنی وغیره أنه کان اختلط، والذی علیه المحدثون أنّ روایات المختلط إن لم تتمیّز فلا تقبل، وإن امتازت الأحادیث التی رواها قبل الاِختلاط عمّا رواها بعد الاِختلاط قبلت التی قبل الاِختلاط، وذلک یعرف بتلامذته، فقدمائهم تقبل أحادیثهم، والثوری وخالد الطحان من قدماء أصحاب یزید کما صرّح به البخاری فی جزء رفع الیدین، فالحدیث علی هذا مقبول ولهٰذا حکم الترمذی علیه بالصحة والحسن۔

وأمّا أنّ يزيد شيعيّ فهذا ممّا يتخالج فى القلب، ولكن جوابه أنّ يزيد ليس من الدعاة إلى مذهبهم الذين تردّ حديثهم عند الجمهور، ولم ينفرد به يزيد، فقد تابعه الحكم بن عبد الرحمٰن بن أبى نعم عند النسائى فى الخصائص (ص ٢٦) والحاكم (ص ١٦٦/٣) ولفظه: "الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنة، إلّا ابنى الخالة عيسىٰ بن مريم ويحيىٰ بن زكريا"، قال الحاكم: هذا حديث قد صحّ من أوجه كثيرة وأنا أتعجب أنّهما لم يخرجاه.

قال الذهبى: الحكم فيه لين، قلت: قال يحيى بن معين: ضعيف، وقال أبو حاتم: صالح الحديث، وذكره ابن حبان فى الثقات، وقال ابن حجر فى التقريب: صدوق سيئ الحفظ، قلت: فيعتبر حديثه فى المتابعة ولم يتّهمه أحد بالتشيّع فيما أعلم.

وله متابع ثان يزيد بن مردانبه عند أحمد (ص ٣/٣) والنسائى فى خصائص علىؓ (ص ٢٦) والخطيب فى تاريخه (ص ٩٠/١١) وثّقه وكيع ويحيى بن معين والعجلى وابن حبان، وقال أبو حاتم لَا بأس به ولم يذكر بالتشيّع.

ثم هذان الرجلان الحكم ويزيد بن مردانبة أخرج لهما النسائى فى سننه، وتعنته فى الرجال معروف، وعبد الرحمٰن بن أبى نعم قال ابن معين: ضعيف، وقال ابن سعد والنسائى: ثقة، قال ابن حجر فى المقدمة (ص ١٨١): واعتمده الشيخان، وثبت بهذا التفصيل ما اعتمده الترمذى من تحسينه بل صحّته.

وحديث عبد الله بن مسعودؓ أخرجه الحاكم (ص ١٦٧/٣) من طريق على بن صالح عن عاصم عن زرّ عن ابن مسعودؓ بمثل اللفظ الأول عن أبى سعيد الخدرىؓ وزاد "وأبوهما خير منهما" قال الحاكم: هذا حديث صحيح بهٰذه الزيادة، وأقرّه الذهبى، وعلى بن صالح بن صالح الحمدانى ثقة عابد كما فى التقريب روى له مسلم والأربعة، قال يعقوب بن سفيان فى تاريخه (١٨٤/٣) كان يميل الى التشيّع، قال الحاكم فى علوم الحديث (ص ١٤٢) فى الحسن بن صالح: كان زيديّ المذهب، قلت: وعلى أخوه فالظاهر أنه أيضاً زيديّ، وعاصم هو ابن بهدلة أبو بكر المقرى صدوق له أوهام، أخرج له الشيخان مقروناً.

وحديث ابن عمرؓ أخرجه الحاكم (ص ١٦٧/٣) بلفظ ابن مسعودؓ وفيه معلى بن عبد

الرحمٰن الواسطی متّهم بالوضع ورمی بالرفض، قال أبوداود: وسمعت یحییٰ بن معین وسئل عنه فقال: أحسن أحواله عندی أنه قیل له عند موتہٖ ألَا تستغفر الله؟ فقال: أرجو أن یغفر لی وقد وضعت فی فضل علیؓ سبعین حدیثاً۔

حدیث حذیفةؓ أخرجه أحمد (ص ۳۹۲/۵) حدثنا أسود بن عامر ثنا اسرائیل عن ابن أبی السفر عن الشعبی عن حذیفةؓ قال: ”أتیت النبیﷺ فصلیت معه الظهر والعصر والمغرب والعشاء ثمّ تبعته وهو یرید یدخل بعض حجره فقام وأنا خلفه کأنّه یکلّم أحدا ، قال: ثمّ قال: من هذا؟ قلت: حذیفة، قال: أتدری من کان معی؟ قلت: لَا! قال: فإنّ جبرئیل جاء یبشّرنی أنّ الحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنة، قال: فقال حذیفةؓ: فاستغفرلی ولأمّی، قال: غفر الله لک یا حذیفة ولِأمّک“۔ رجاله ثقات۔

وأخرج أحمد (ص ۳۹۱/۵) والترمذی (ص۲۱۸/۲) والنسائی فی السنن الکبری من طریق إسرائیل عن میسرة بن حبیب عن المنهال بن عمروعن زرّ بن حبیش عن حذیفةؓ قال: ”سألتنی أمّی متی عهدک بالنبیﷺ؟ قال: فقلت لها: منذ کذا وکذا، قال: فنالت منی وسبّتنی قال: فقلت لها: دعینی فإنّی آتی النبیﷺ فأصلّی معه المغرب ثمّ لَاأدعه حتّی یستغفرلی ولک، قال: فأتیت النبیﷺ فصلّیت معه المغرب فصلّی النبیﷺ العشاء ثمّ انفتل فتبعته فعرض له عارض فناجاه ثمّ ذهب فاتبعته فسمع صوتی فقال: من هذا؟ فقلت: حذیفة! قال: مالک؟ فحدثّته بالأمر فقال: غفر الله لک ولِأمّک، ثمّ قال: أما رأیت العارض الذی عرض لی قبیل؟ قال: قلت: بلی! قال: فهو ملک من الملائکة لم یهبط الأرض قبل هذه اللیلة فاستاذن ربّه أن یسلّم علیّ ویبشّرنی أنّ الحسن والحسین سیّدا شباب أهل الجنة وأنّ فاطمة سیدة نساء أهل الجنة“۔ قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب لَا نعرفه إلّامن حدیث إسرائیل انتهی۔ إسرائیل ثقة ومیسرة بن حبیب صدوق والمنهال بن عمرو صدوق ربّما وهم کما فی التقریب، فالإسناد حسن کما قال الترمذی ، والله اعلم۔

کتبه محمد یونس عفی عنه ۱۸ شوال المکرّم ۱۴۰۲ھ

”الدنيا زور“ کی تحقیق

”إنّما ولدت بزمن الملک العادل“ کی تحقیق

سوال:

دوحدیثیں ”الدنیا زور لَا یحصل إلّا بالزور“، اور ”وإنما ولدت بزمن الملک العادل“ کی تحقیق مطلوب ہے، جواب سے نوازیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

۱: حدیث ”الدنیا زور لَا یحصل إلّا بالزور“ باطل ہے، کتب حدیث میں ہماری معلومات میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور ابھی تک کسی معتمد شخص کے کلام میں بھی یہ مقولہ نظر سے نہیں گذرا۔

۲: ”إنّما ولدت بزمن الملک العادل“ یا ”إنّما ولدت بعهد الملک العادل“ یہ حدیث زبان زد ہے، متعدد لوگوں نے اپنی کتابوں میں بلا سند ”ولدت فی زمن الملک العادل“ کے الفاظ سے نقل کی ہے، بعض جگہ ”ولدت“ کے بجائے ”بعثت“ آیا ہے، بوستاں کے حاشیہ پر ”أنا ولدت فی زمان الملک العادل“ آیا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ (ص ۳/ ۴) میں لکھا ہے: قال ﷺ فی تاریخ میلاده عن کسری وهو من جملة النوّاب الملوک قال: ”ولدت فی زمان الملک العادل“۔

لیکن محدثین کے نزدیک کوئی لفظ بھی ثابت نہیں۔ قال الصغانی: حدیث: ”ولدت فی زمن ملک عادل“ موضوع، وقال علی القاری فی الموضوعات: ”ولدت فی زمن الملک العادل“ قال السخاوی: لَا أصل له، وقال الزرکشی: کذب باطل، وقال السیوطی: قال البیهقی فی شعب الایمان: تکلّم شیخنا أبو عبد الله الحافظ ببطلان ما یرویه بعض الجهلاء عن نبینا ﷺ ”ولدت فی زمن الملک العادل“ یعنی نوشیروان۔ انتهی۔

وقال أبو سعد بن السمعانی الحافظ: سمعت أبا أحمد السنجی بمرو یقول: سمعت أبا عبد

الله محمد بن عبد الواحد الحافظ يقول سمعت الزكی أبا عبد الله إسمعيل بن عبد الغافر الفارسی يقول سمعت محمد بن عبد الواحد الأصبهانی قال يحكی أنّ القاضی أبا بكر الحيری حكی له شيخ من الصالحين: أنه رأی النبیﷺ فی المنام قال: فقلت له يا رسول الله! بلغنی أنّک قلت 'ولدت فی زمن الملک العادل' وإنّی سألت الحاكم أبا عبد الله الحافظ عن هذا فقال: هذا كذب ولم يقله رسول اللهﷺ، فقال النبیﷺ: صدق أبو عبد الله، انتهی۔

وحكی هذه الحكاية الحافظ أبو القاسم بن عساكر فی تبيين كذب المفتری (ص ۲۳۰) عن أبی حازم العبدوی الحافظ أنّه حكاها عن القاضی أبی بكر الحيری ، وكذا نقل التاج السبكی فی طبقاته (ص ۳/۶۲) عن أبی حازم ، فهؤلاء الأئمة: الحاكم ومن تبعه كالبيهقی وأبی حازم العبدوی والقاضی أبی بكر الحيری ومحمد بن عبد الواحد الأصبهانی وإسماعيل بن عبد الغافر ومحمد بن عبد الواحد الحافظ وأبی أحمد السنجی وأبی القاسم بن عساكر وأبی سعد السمعانی اتفقوا علی كذب هٰذا الحديث وبطلانه۔

وقد يروی عن بعض الأئمة ما يقتضی ثبوته ، فقد قال الحافظ ابن رجب فی ذيل طبقات ابن أبی يعلی فی ترجمة أبی عمر بن قدامة الحنبلی (ص۴/۵۷) قال أبو المظفّر يعنی السبط ابن الجوزی: كراماته كثيرة وفضائله غزيرة ، فمنها أنّی صليت يوم جمعة بجامع الجبل فی أوّل سنة ستّ وستمائة والشيخ عبد الله البوتانی إلی جانبی ، فلمّا كان آخر الخطبة وأبو عمر يخطب نهض الشيخ عبد الله مسرعاً وصعد إلی منارة قريبة وكان نازلاً بها فظننت أنّه احتاج إلی الوضوء أوآلمه شئ ، فلمّا صلّيت الجمعة صعدت وراء ه وقلت له: خير، ما الذی أصابک؟ فقال هذا أبو عمر ما تحلّ خلفه صلوة، قلت: ولِمَ؟ قال لأنّه يقول علی المنبر ما لَا يصلح، قلت: وما الذی يقول؟ قال: 'الملک العادل' وهو ظالم فما يصدق ، وكان أبو عمر يقول فی آخر الخطبة: اللهم أصلح عبدک الملک العادل سيف الدين أبا بكر بن أيوب، فقلت له: إذا كانت الصلوة خلف أبی عمر لَا تصلح فيا ليت شعری خلف من تصحّ؟

وبينا نحن فی الحديث وإذا بالشيخ أبی عمر قد دخل ومعه مئزر فسلّم وحلّ المئزر وفيه رغيف وخيارتان فكسر الجميع، وقال: بسم الله الصلوة (كذا فی الأصل)، ثم قال ابتداءً: قد

جاء فی الحدیث أنّ النبیﷺ قال: ”ولدت فی زمن الملک العادل کسری“ ، فنظر إلیّ الشیخ عبد اللہ وتبسّم وَمَدَّ یَدہٗ فأکل، وقام أبو عمر فنزل ، فقال الشیخ عبد اللہ: ماذا؟ إلّا رجل صالح، انتھی۔

وقد نقل الحافظ ابن کثیر ھذہ الحکایة فی البدایة والنھایة (ص ۱۳/۶۰) ولفظ الحدیث فی حکایتہ ”بعثت فی زمن الملک العادل کسری“ قال ابن کثیر: ھذا الحدیث الذی احتج بہ الشیخ أبو عمر لَا أصل لہ، ولیس ھو فی شئ من الکتب المشھورة، وعجبًا لہ ولِأبی المظفر ثم لِأبی شامة فی قبول مثل ھذا، وأخذہ منہ مسلّماً إلیہ فیہ، انتھی۔

وقال السخاوی فی المقاصد (ص۴۵۴): ھذا لَایصحّ لِانقطاع سندہ، و إن صحّ فلعلّ الناقل للحکایة لم یضبط لفظ الشیخ وإن ضبط الحکایة، قلت: والذی یظھر أن الشیخ أبا عمرظنّ لِاشتھارہ ثبوتہ فحکاہ ووھم فی ذلک ، قال الحلیمی فی الشعب: إن ھذا الحدیث لَا یصحّ ، وإن صحّ فإطلاق العادل علیہ لتعریفہ بالِاسم الذی کان یدعٰی بہ لَا لوصفہ بالعدل، والشھادة لہ بذلک وبناء علی اعتقاد المعتقدین فیہ أنہ کان عدلاً کما قال تعالیٰ ﴿فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمْ﴾ أی ما کان عندھم آلھة ، ولَا یجوز أن یسمّی رسول اللہ ﷺ من یحکم بغیر حکم اللہ عادلاً، انتھی۔

محمد یونس عفی عنہ
شب ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

**************OOO**************

سوال:

”لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیّین...“ کی تخریج
”لولَاک لما خلقت الأفلاک“ کی تخریج
”أوّل ما خلق اللہ نوری“ کیا حدیث ہے؟

السائل:..............

جواب:

(۱) حدیث ”لوکان موسیٰ وعیسیٰ علیهما السلام حیّین لما وسعهما إلّا اتباعی“ ، اس حدیث میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر غلط ہے، اور یہ غلطی حافظ ابن کثیر کو ہوئی ہے، انہوں نے بے حوالہ یہ روایت اپنی تفسیر (ص ۸/ ۳۷) میں لکھی ہے،اصل لفظ ”لوکان موسی حیّاً ما وسعه إلّا اتّباعی“ ہے، رواه أحمد والبیهقی فی شعب الایمان، کذا فی المشکوة (ص ۳۰).

(۲) ”لولاک لما خلقت الأفلاک“، یہ حدیث بہت مشہور ہے مگر یہ لفظ کہیں ثابت نہیں، مستدرک حاکم (ص ۶۱۵/ ۲) میں حضرت عمرؓ کی ایک حدیث میں ”یا آدم لولا محمد ما خلقتک“ ہے اور طبرانی کی معجم صغیر میں (ص ۸۳/ ۲) ”لولاه یا آدم ما خلقتک“ ہے، قال الحاکم: صحیح الاِسناد ، وقال الذهبی: بل موضوع، و عبد الرحمن أی ابن زید بن أسلم واهٍ، حاکم کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ”لولا محمد ما خلقت الجنة والنار“ ہے،اور فرماتے ہیں: صحیح الاِسناد ، ذہبی کہتے ہیں: أظنّه موضوعاً ، وقال فی المیزان: والخبر منکر وأظنّه موضوعاً، وأقرّه ابن حجر فی اللسان.

(۳) اور حدیث ”أوّل ما خلق الله نوری“ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث بحوالہ عبدالرزاق حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جسمیں ”یا جابر! أول ما خلق الله نور نبیّک“ ہے۔ اسکی سند باوجود تتبع بلیغ کے نہیں ملی، الفاظ کی بندش یہ بتاتی ہے کہ موضوع ہے، قسطلانی کے اعتماد پر بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں لیکن قسطلانی ناقدین حدیث میں نہیں ہیں، اور اگر بالفرض ہوتے تو بھی دوسروں کے اختلاف کی گنجائش ہوتی۔

محمد یونس عفی عنہ

⁂⁂⁂

سوال:

”لوعاش إبراهیم لکان نبیاً“ کی تحقیق

”أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم“ کی تحقیق

”أنا مدینة العلم وعلیّ بابها“ کی تحقیق

السائل:...............

جواب:

(۱) حدیث ”لو عاش إبراهیم لکان نبیّاً“، یہ لفظ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے، ”لما مات إبراهیم بن النبی ﷺ صلّی علیه وقال: إنّ له مُرضعًا فی الجنة، ولو عاش لکان صدّیقا نبیّاً، ولوعاش لأعتقت أخواله من القبط وما استرقّ قبطی“، وفی سنده أبو شیبة إبراهیم بن عثمان الواسطی وهو متروک، ومن طریقه أخرجه ابن منده فی المعرفة وقال: إنه غریب۔

وأخرج أحمد (ص ۲۸۱/۳) بطریق أبی عوانة عن إسماعیل السدّی قال سألت أنس بن مالکؓ قال: قلت صلّی رسول الله ﷺ علی ابنه إبراهیم؟ قال: لَا أدری، –رحمة الله علی إبراهیم– لو عاش کان صدّیقاً نبیّاً، قال الهیثمی (ص ۱۲۲/۹): رجاله رجال الصحیح۔

وأخرجه ابن عبد البرّ فی الاِستیعاب (ص ۴۶/۱) بطریق أسباط بن نصر عن السدّی قال: سألت أنس بن مالکؓ کم کان بلغ إبراهیم بن النبی ﷺ؟ قال: ”قد کان ملأ مهده ، ولو بقی لکان نبیّاً، ولکن لم یکن لیبقٰی لأنّ نبیّکم آخر الأنبیاء ﷺ“،

وأخرج البخاری (ص ۹۱۴) من طریق محمد بن بشر عن إسماعیل بن أبی خالد: قلت لِابن أبی أوفی: ”رأیت إبراهیم بن النبی ﷺ؟ قال: مات صغیراً ، ولو قضی أن یکون بعد محمد ﷺ نبیّ عاش ابنه، ولکن لَا نبیّ بعده“۔

قال ابن عبد البرّ فی الاِستیعاب بعد ذکر روایتَی أنسؓ وابن أبی أوفیؓ : هذا لَا أدری ما هو، وقد وُلِد لِنوح علیه السلام من لیس بنبیّ، وکما یلد غیر النبیّ نبیّاً فکذلک یجوز أن یلد النبیّ غیر نبیّ، والله أعلم، ولو لم یلد النبیُّ إلّا نبیًّا لکان کلّ أحد نبیّاً لأنه من وُلد نوح علیه السلام، وآدم علیه السلام نبیّ مکلّم وما أعلم فی وُلده لصلبه نبیّاً غیر شیث علیه السلام، انتهی

وقال النووی فی تهذیب الأسماء (ص ۱۰۳/۱): وأما ما روی عن بعض المتقدمین

"لو عاش إبراهيم لكان نبيّاً" فباطل وجسارة على الكلام فى المغيبات، ومجازفة وهجوم على عظيم من الزلّات، انتهى۔

قال الحافظ فى الإِصابة (ص ۵۴ / ۱) بعد كلام النووى: وهو عجيب مع وروده عن ثلاثة من الصحابة، وكأنه لم يظهر له وجه تأويله فبالغ فى إنكاره، وجوابه أن القضية الشرطية لَا تستلزم الوقوع ولَا نظنّ بالصحابى أنه يهجم على مثل هذا بظنّه، والله أعلم۔ وكذا أجاب الحافظ فى الفتح (ص ۲۰۰/ ۱۳) وأقرّه تلميذه السخاوى فى المقاصد (ص ۳۴۴)۔

(۲) حديث "أصحابى كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم" یہ حدیث مشہور ہے، متعدد صحابہ ابن عمرؓ، جابرؓ، انسؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ سے مروی ہے لیکن کوئی طریق علت سے خالی نہیں، ابوبکر بزار، ابومحمد ابن حزم، ابوحبان اس کو بے اصل کہتے ہیں، مشکوۃ میں (ص ۵۵۴) پر بھی ہے۔

(۳) حديث "أنا مدينة العلم وعلىّ بابها"۔

أخرجه الحاكم فى المناقب من مستدركه والطبرانى فى معجمه الكبير وأبو الشيخ بن حيّان فى السنّة والخطيب فى تاريخه (ص ۳۴۸/ ۴) من طريق أبى معاوية عن الاَعمش عن مجاهد عن ابن عباسؓ مرفوعاً به بزيادة "فمن أراد المدينة فليأت الباب"،

وهو حديث مختلف فيه، فحكم جماعة كأبى زرعة الرازى وابن عدى ومطيّن وابن حبان بأنه باطل، ومال إليه أحمد بن حنبل، وحكم عليه ابن الجوزى بالوضع، وخالفه المتأخّرون كالصلاح العلائى وابن حجر والسخاوى والسيوطى فمالوا إلى ثبوت الحديث، والكلام فيه طويل ليس هذا موضع البسط، والله أعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

شب ۱۸ محرم ۱۴۰۳ھ

سوال:

جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت ہے؟

کھانے کی برکت کیا ہے؟

ناخن کاٹنے کی ترتیب کیا ہے؟

السائل:...............

جواب:

(۱) میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے، لیکن تلاش کی ضرورت ہے، مجھے فرصت نہیں ہے۔

(۲) روایات میں صرف ''برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده'' ہے، ترمذی (ص ۲/۷)، کلّی کے متعلق کوئی روایت اس وقت مستحضر نہیں۔

(۳) ناخن کاٹنے میں کوئی ترتیب حدیث میں نہیں آئی ہے، امام نووی کی رائے ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور ترتیب وار چھوٹی تک کاٹا جائے، پھر انگوٹھے کا کاٹے اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے۔

محمد یونس عفا اللہ عنہ

***

سوال:

حدیث ''أمرت بیوم الأضحیٰ عیدًا...'' کی تشریح

مشائخ کے یہاں ذِکر کا معمول کیوں؟

کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟

خواب کی تعبیر

السائل:..................

جواب:

(۱) تم نے جو حدیث احکام العیدین کے حوالہ سے لکھی ہے وہ ابوداوٗد (ص۶۹/ ۴) ونسائی (ص۲۰۰/ ۲) کی ہے، **فإنهما أخرجاه من طريق سعيد بن أبى أيوب قال حدثنى عياش بن عباس القتبانى عن عيسى بن هلال الصدفى عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ: ''أن النبى ﷺ قال لرجل أمرت بيوم الأضحى عيداً جعله الله لهذه الأمة، فقال الرجل أرأيت إن لم أجد إلّا منيحة أنثى أفأضحّى بها؟ قال: لَا ، ولكن تأخذ من شعرك وتقلم أظفارك وتقصّ شاربك وتحلق عانتك، فذلك تمام أضحيتك عند الله عزّ وجلّ''،**

سعيد وعياش ثقتان وعيسى بن هلال صدوق فالإسناد حسن۔

قال السندى قوله ''إلّا منيحة أنثى'' أصل المنيحة ما يعطيه الرجل غيره ليشرب لبنها ثم يردّها عليه، ثم يقع على كلّ شاة، لأن من شأنها أن تمنح بها وهو المراد ههنا، وإنما منعه لأنه لم يكن عنده غيرها ينتفع به، قال: ويحتمل أن المراد ههنا ما أعطاه غيره ليشرب اللبن ومنعه لأنه ملك الغير وقول الرجل لزعمه أن المنيحة لَا تردّ ولذلك قال ﷺ: ''المنحة مردودة''، والله تعالىٰ أعلم، انتهى۔

قوله ولكن تأخذ من شعرك الخ ، أراد به يوم الأضحى

وقوله فذلك تمام أضحيّتك ، هذا اللفظ بظاهره يقتضى أن من لم يقدر على الأضحيّة فيقام له قلم الأظفار وأخذ الشعر مقام الأضحيّة، قال السّندى: أى هو ما يتمّ به أضحيّتك بمعنى أنه يكتب لك به أضحيّة تامة، لَا بمعنى أنّ لك أضحيّة ناقصة إن لم تفعل ذلك وإن فعلته تصير تامة، اه۔

وقال القارى (ص ۱۲۷/ ۲): فذلك أى ما ذكر من الأفعال تمام أضحيّتك عند الله، أى أضحيتك تامة بنيتك الخالصة ولك بذلك مثل ثواب الأضحيّة، اه۔

ويحتمل أن يكون معناه أنك لمّا لم تقدر على الأضحيّة مع أنك أردت التضحية فتقوم

أرادتک ونیتک مقام الأضحیة ، وأخذ الشعر وقلم الأظفار متمّم لها۔

قال ابن القیم فی تھذیب السنن (ص ۴/۹۹) فی الکلام علی حدیث أم سلمةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ : ”من کان له ذبح یذبحه، فإذا أھلّ ھلال ذی الحجة فلا یأخذنّ من شعره ولا من أظفاره شیئا حتی یضحّی“، أخرجه مسلم والأربعة، أمّا تقلیم الظّفر وأخذ الشّعر فإنه من تمام التعیّد بالأضحیّة ، وقد تقدّم حدیث عبد الله بن عمروؓ، وقوله تأخذ من شعرک وتحلق عانتک، فتلک تمام أضحیّتک عند الله ، فأحبّ النبیّ ﷺ توفیر الشّعر والظّفر فی العشر لیأخذه مع الأضحیّة فیکون ذلک من تمامها عند الله، وکلام ابن القیم ھذا یؤیّد الاِحتمال الذی ذکرته، والله تعالیٰ أعلم۔

(۲) حضرات صوفیہ نے ذکر کی جو صورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں یہ امراضِ قلب کے ازالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنیکے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجربات ہیں، اگر کسی کو اس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہو جاوے تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اصل تو اعمال مسنونہ ہیں،

جیسے مریض جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مضر چیزوں سے بچایا جاتا ہے لیکن اصل چیز جن سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقوّیات اور اغذیہ ہیں،

حضرات صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں وہ صرف اللہ تعالی کا دل میں دھیان جمانے کیلئے ہیں۔ پہلے لَا اله الّا الله، اور پھر إلّا الله، اور پھر اللهُ الله کا ذکر کراتے ہیں۔

اول تو مصرح ہے ”أفضل الذکر لَا اله الّا الله“ ، اور ثالث بحذف حرف النداء یا بحذف المبتدأ ہے أی ھو الله، اور ثانی -یعنی إلّا الله- صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بسم الله الرحمٰن الرحیم پڑھاتے ہیں تو پہلے با، سین، زیر، بِس، میم، لام زیر مِل، لام الف زبر لَا، ہ زیر ہِ رٹاتے ہیں پھر بسم الله کہلواتے ہیں۔

اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ زیادہ پڑتا ہے، اس لئے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں، اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں، پہلے نفی واثبات کراتے ہیں تاکہ توحید کا مفہوم دل میں اترے پھر ہلکا کر کے صرف اثبات کو رکھتے ہیں، اور پھر صرف اللہ اللہ کا ذکر بسیط کراتے ہیں کہ ذاتِ حق بسیط ہے تو مفہومِ توحید کے استحضار کیساتھ جس کی طرف پورے کلمے سے دل کو متوجہ کیا گیا تھا ذاتِ بسیط کے دھیان کو اسمِ بسیط سے دل میں جماتے ہیں۔

خدا کرے یہ باتیں تمہارے لئے باعث سکون ثابت ہوں، اس وقت ذہن حاضر نہیں ہے، کیف ما اتفق جو آ گیا لکھدیا۔

(۳) یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں، رسول اکرم ﷺ محبوب ہیں، آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے اور اداءِ محبوب محبوب ہوتی ہے، لیکن اس ادا کو پوری طرح اداء کرنے کی ضرورت ہے اور وہ بغیر تزکیۂ قلب کے ناممکن ہے اس لئے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا، اصل تو اعمالِ مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی اور انہیں ہی کرنا ہے، لیکن تھوڑی دیر کیلئے بطور علاج کے حضرات صوفیہ کا مجربہ نسخہ بھی استعمال کرو تا کہ پوری طاقت کے ساتھ اعمال مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورت اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے، اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلبِ مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تا کہ طبیعت لگ جاوے اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے، جیسے مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لئے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورا کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجه (ص ۲۱) عن عبد الله بن عمروؓ: ''خرج رسول الله ﷺ ذات يوم من بعض حُجَره فدخل المسجد فإذا هو بحلقتين: إحداهما يقرؤون القرآن ويدعون والأخرى يتعلمون ويعلّمون، فقال النبی ﷺ كلّ على خيرٍ''، وفی إسناده الإفريقی وهو ضعيف۔

وأخرج مسلم وغيره عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ''ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلّا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفّتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده''۔ یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی نکیر ممکن ہے کسی خاص امر کی بناء پر ہو مثلاً وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہوں، واللہ اعلم۔

حدیث کی کتاب کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک ہے. اللهم آتنا منه حظًا وافرًا ونصيبًا تامًّا ۔

(۴) تمہارے خواب مبارک ہیں، پانی میں تیرنا اور پار ہو جانا طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے، اوپر اڑنا بھی عروج وترقی ہے، عصا سنت ہے، خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے، میکائیل علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی

الرزق کی طرف اشارہ ہے، چھوٹے بچے کا خواب میں إنی عبد الله کہنا بھی اچھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ تمہارا نفس ہے، مبارک ہو، اس کا شیخ کی گود میں کھیلنا یہ شیخ کی نگرانی وتربیت ہے، مراد تمہارے شیخ ہیں، حضور اکرم ﷺ کا کسی کو بوسہ لینا آپ کے رضا ومحبت کی علامت ہے، مبارک ہو۔ فقط

محمد یونس عفی عنہ

شب جمعہ ۳۰ صفر ۱۴۰۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

”إماطة الأذیٰ عن الطریق“ کا مفہوم

لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟

”ما أخطأني ابن مسعودؓ عشیّة ...“ کا مطلب کیا ہے؟

سوال:

(۱) کتاب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ”الإیمان بضع وسبعون شعبة“ والی حدیث میں ”أدناها إماطة الأذی عن الطّریق“ میں کیا ”أدنا“ دنوّ بمعنی قرب سے مشتق ہوکر ”أذی“ سے نفسانی گندگی اور ”طریق“ سے سلوکِ مخصوص (صوفیہ) مراد ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اثبات کی صورت میں کسی نے اس کی تصریح اگر فرمائی ہو تو تحریر فرمانے کی زحمت دیتا ہوں۔

(۲) بخاری جلد اول (ص ۲۷۱) ’باب رفع معرفة لیلة القدر لتلاحی الناس‘ اور مسلم (ص ۱/۳۷۰) میں ابوسعید خدریؓ کی روایت میں علامہ نووی نے ”رجلان یحْتَقّان“ کے ذیل میں لکھا ہے: إنّ المخاصمة والمنازعة مذمومة، وأنها سبب للعقوبة المعنویة۔

حالانکہ عقلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر اس جگہ رفعِ تعیینِ لیل تو خیر وبرکت کا باعث ہوا نہ کہ حرمان کا، اس لئے کہ ابتغاءِ لیل کی وجہ سے پورے عشرہ کا اہتمام ہوگا بلکہ ہوتا ہے، تو پورے عشرہ میں عبادت کا موقعہ ملا، اور تعیین کی صورت میں اتّکال کا خطرہ تھا جیسا کہ امور شرعیہ کی بجا آوری میں کوتاہی پائی جاتی ہے اگرچہ دوسرے مقام پر منازعت حرمان کا باعث ہے۔

تو یہ رفعِ تعیین عقوبتِ معنویہ کیسے ہے؟ نیز ایک واعظ صاحب نے بھی اس رفع کو حرمان وقبیح کہا تھا، اسی وقت یہ سوال ذہن میں آیا، امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳) ابن ماجہ (ص ۴) 'باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ' میں عروہ بن میمون کی حدیث قال: "ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشیّة خمیس إلّا أتیتُه فیه" الحدیث کا مطلب کیا ہے؟

سائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب

(۱) : پہلے اس حدیث کے الفاظ لکھتا ہوں پھر اس کے معنی بیان کروں گا۔

مسلم (ص ۱/۴۷) الادب المفرد للبخاری (ص ۸۸) میں "أفضلها قول لَا الٰہ الّا اللہ، وأدناها إماطة الاَذٰی عن الطّریق" ہے۔

مسند احمد (ص ۲/۴۱۴) ابوداؤد (ص ۵/۲۰۷) میں "أفضلها لَا الٰہ الّا اللہ، وأدناها إماطة العظم عن الطریق" ہے۔

مسند احمد (ص ۲/۴۴۵) ترمذی (ص ۲/۸۶) ابن ماجہ (ص ۷) ابن حبان (۱/۲۱۷) میں "أرفعها قول لَا الٰہ الّا اللہ، وأدناها إماطة الاَذٰی عن الطریق" ہے، مسند احمد کا لفظ أدناہ ہے۔

مسند احمد (۲/۳۷۹) میں ایک جگہ "أرفعها وأعلاها لَا الٰہ الّا اللہ، وأدناها إماطة الاَذٰی عن الطریق" ہے۔

نسائی (۲/۲۶۸) میں "أفضلها لَا الٰہ إلّا اللہ، وأوضعها إماطة الاَذٰی عن الطریق" ہے،

مصنف عبدالرزاق (۱۱/۱۲۷) میں "أفضلها شهادة أن لَا الٰہ الّا اللہ، وأصغرها إماطة الأذی عن الطریق" ہے۔

"لَا الٰہ إلّا اللہ" کے متعلق تین الفاظ أفضل ، أرفع ، أعلٰی وارد ہوئے ہیں، اور آخری شعبہ کے متعلق بھی تین ہی لفظ وارد ہیں أدنٰی ، أوضع ، أصغر۔ ان الفاظ کے جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ ایمان کے اعلیٰ یعنی سب سے اونچے وافضل شعبہ اور ادنی یعنی سب سے پست وکم درجہ کے شعبہ کو بتانا ہے۔

"لَا الٰہ إلّا اللہ" کے متعلق جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ تو ظاہر المراد ہیں، اور آخری شعبہ کیلئے لفظ ادنی آیا ہے، یہی زیادہ محتاج توجہ ہے، اسلئے کہ اس میں دو احتمال ہیں، یا تو دنوّ بمعنی قرب سے ماخوذ ہو، لفظ أوضع اس کا

مؤید ہے، یادناءۃ بمعنی حقارت سے مأخوذ ہو، لفظ أصغر اس کا مؤید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں احتمال درست ہیں اور دونوں میں صرف لفظی فرق ہے، سب سے پست و نیچے اور کم درجہ کو بیان کرنا ہے، چاہے دنوّ سے لیا جائے اور چاہے دنائۃ سے، لیکن شراح کا رجحان اول کی طرف ہے بلکہ بعض نے تو اس کے علاوہ دوسرے مأخذ کو ذکر بھی نہیں کیا۔

قال الأُبّی (ص ۱۳۲/۱): أدناها هو من الدنوّ بمعنی القرب۔ فالمعنی أقربها، یقال: فلان دنیّ المنزلة أی أقربها، کما یقال فی ضدّ ذلک: هو بعیدالمنزلة أی عَلِیُّ الهمة، انتهی۔

وقال قریبها علیّ القاری (ص ۶۱/۱): أدناها أی أقربها منزلةً وأدونها مقداراً ومرتبةً بمعنی أقربها تناولاً وأسهلها تواصلاً من الدنوّ بمعنی القرب۔ فهو ضدّ 'فلان بعید المنزلة' أی رفیعها أو من الدنائة ای أقلها فائدةً لأنّها دفع أدنی ضرر۔ انتهی مختصراً۔

اب أذی کی شرح سنو! اس کے معنی موذی اشیاء ہیں قال الأبّی: إماطة الأذی هی إزالة ما تتوقّع أذیّته من شوک وغیره، وقال ابن الأثیر فی النهایة (ص ۳۴/۱): أدناها إماطة الأذی عن الطریق وهو مایؤذی فی الطریق کالشّوک والحجر والنجاسة انتهی۔

ونحوه فی فیض القدیر للمناوی (ص ۱۸۵/۳)، وزهرالربٰی للسیوطی (ص ۲۶۸/۲)، واللمعات للشیخ عبد الحق (ص ۷۵/۱)، وغیرذلک من کتب شروح الحدیث۔

مسند احمد و ابوداؤد میں "إماطة الأذی" کے بجائے "إماطة العظم" معنی سابق کی تعیین کرتا ہے۔

ہاں دوسرے معنی بعض صوفیہ لکھتے ہیں، ملا علی قاری نے مرقاۃ (ص ۶۱/۱) میں معنی اول لکھنے کے بعد لکھا ہے :

وفی طریق أهل التحقیق: أرید بالأذی النفس التی هی منبع الأذی لصاحبها وغیره إلی آخر ماذکر۔

(۲) خصومت کا موجبِ نقصان ہونا ایک کھلی ہوئی چیز ہے، قال تعالی ﴿وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ﴾ لیلۃ القدر کی تعیین کا خیر ہونا تو ارادۂ نبوی سے ظاہر ہے، اگر اس کی تعیین خیر اور پسندیدہ نہ ہوتی تو حضور اکرم ﷺ اس کے بیان کیلئے باہر کیوں تشریف لاتے؟ اور بہت سے کمزور کم ہمت لوگ اگر تعیین باقی رہتی تو نفع اندوز ہوتے، لیکن منازعت اس خیرِ خاص سے محرومی کا سبب ہوگئی، اگر معلوم ہوتی تو ہر شخص اس کی برکات حاصل کر سکتا تھا، اب ہر شخص تو کیا بہت سے لوگ حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

ایک رات کی بیداری آسان ہے، پورے عشرہ یا پورے ماہ کی بیداری تو بہت ہی مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ **وفعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة**، یہ بھلا دینا بھی خیر ہے، حضور اقدس ﷺ نے خود فرمایا "**فرُفعت عسٰی أن یکون خیرًا لکم**"۔ اور اس میں خیریت یہ ہے کہ اس رات کے تلاش کرنے میں بہت سی راتوں کے قیام کا موقع مل جائے گا،

بہر حال اخبار واطلاع بھی خیر تھی اور اخفاء وعدم اظہار بھی اور دونوں کی جہت مختلف ہے، اطلاع کی خیریت تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کو یہ شرف حاصل کرنا آسان ہے اور منازعت کی وجہ سے اس نفع عام سے محرومی ہوگئی، اور اخفاء کی خیریت اس وجہ سے ہے کہ صرف ایک رات کے قیام پر اتکال واعتماد نہ ہوگا بلکہ لیلۃ القدر کے حاصل کرنے کے لئے پورے ماہ یا کم از کم اس کے آخر عشرے اور یا اس سے بھی اقل درجہ میں وتر راتوں کے قیام کا شرف حاصل ہوگا۔

(۳) یہ عرب کا محاورہ ہے، مقصد یہ ہے کہ میں کسی پنجشنبہ کی شام کو ابن مسعودؓ سے بغیر ملے نہیں رہا۔

قال السندی (ص ۸): قوله: "ما أخطأنی ابن مسعودؓ" أی ما فاتنی لقائه إلّا أتیته، فیه استثناء من أعمّ الأحوال بتقدیر قد، وضمیره للعشیّة باعتبار الوقت، وهذا الاِستثناء من قبیل ﴿لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی﴾، ومعلوم أنه لَایفوته الملاقاة حال إتیانه إیّاه، فهذا تأکید للزوم الملاقاة فی عشیّة کل خمیس، ویحتمل أن المراد أنّ ابن مسعودؓ کان یجیئه، فإن ما جاء یومًا أتاه هو فیه، انتهی۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعة ۳۰ صفر ۱۴۰۲ھ

طحاوی 'باب الرجل ینام' کی پہلی ودوسری روایت کا حکم

سوال:

طحاوی (ص ۱/۲۶۹) 'باب الرجل ینام' کی پہلی ودوسری روایت کیسی ہے؟ اس پر کسی نے کلام کیا ہے یا نہیں؟ یہ دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے؟ یہ روایت کہاں کہاں ہے؟

(حضرت مفتی یحییٰ صاحب)

جواب:

الحديث الاَوّل: أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير (ص۲۷۷ / ۴) حدثنا أحمد بن داود المكّی ثنا قيس بن حفص الدارمی ثنا مسلمة بن علقمة المازنی ثنا داود بن أبی هند عن العباس بن عبدالرحمن مولی بنی هاشم ثنا ذومخمرؓ ابن أخی النجاشی قال: ”كنت مع رسول الله ﷺ فی غزاة فسرَوْا من الليل ما سروا ثم نزلوا، فأتانی رسول الله ﷺ فقال: ياذا مخمر! قلت: لبيک يا رسول الله وسعديک! فأخذ برأس ناقتی وقال: اقعد ههنا ولَا تكونن لكّاعاً الليلة، فأخذت برأس الناقة فغلبتنی عيناى فنِمتُ وانسلّتِ الناقة فذهبت، فلم أستيقظ إلّا بِحَرّ الشمس، فأتانی النبیﷺ فقال: ياذا مخمر! قلت: لبيک يارسول الله وسعديک! قال كنتَ واللّٰه الليلة لكع كما قلت، فتنحّينا عن ذلک المكان، فصلی بنا رسول اللهﷺ، فلما قضی الصلوة دعا أن تُردّ الناقة فجاء ت بها أعصار ريح تسوقها، فلما كان من الغد حين برق الفجر أمر بلالاً فأذّن ثم أمره فأقام ثم صلی بنا، فلما قضی الصلوة قال: هذه صلوتنا بالاَمس ،ثم ائتنف صلوة يومه ذلک“۔

قال الهيثمی فی مجمع الزوائد (ص۳۲۰/ ۱): العباس بن عبد الرحمن روی عنه داود بن أبی هند ولم أر له راويا غيره، وروی عن جماعة من الصحابة .انتهی۔

قال ابن حجر فی تهذيب التهذيب (ص۱۲۱/ ۵): روی له أبوداود فی المراسيل وفی كتاب القدر، وقال فی التقريب: مستور من الثالثة، ومسلمة بن علقمة المازنی صدوق له أوهام قاله ابن حجر، قال ابوزرعة: يحدث عن داود أحاديث حسانا، وقال الساجی: روی عن داود بن أبی هند مناكير، قال العقيلی: له عن داؤد مناكير۔

والحديث الثانی: أخرجه أحمد (ص۲۲/ ۵) قال: ثنا عفان ثنا همام انا بشر بن حرب عن سمرة بن جندبؓ قال: أحسبه مرفوعًا: ”من نسی صلوةً فليُصلّها حين يذكرها ومن الغد للوقت“۔ حدثنا يونس وسريج قالَا ثنا حماد عن بشرقال سمعت سمرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ مثله. بشر بن حرب قال الحافظ فی التقريب: صدوق فيه لين۔

حضرت ذومخمرؓ کی حدیث میں ”فلما كان من الغد حين بزغ الشمس أمر بلالاً فأذّن ثم أمره فأقام

فصلّی بنا الصلوۃ فلمّا قضی الصلوۃ قال: ھذہ صلوتنا بالأمس"۔

اس عبارت میں دو امر جمہور کے مسلک کے خلاف ہیں، ایک اگلے دن دوبارہ قضا کرنا اور دوسرے طلوع شمس کے بعد قضا کرنا،

اورامر ثانی امام طحاوی ہی کی روایت میں ہے، اور طبرانی میں حین بزغ الشمس کے بجائے حین برق الفجر ہے اور یہی محفوظ ہے،

اول تو اس لئے کہ اگر دوسرے دن بھی طلوع شمس کے بعد ادا کیجاتی ہے تو پہلے دن کی قضا اور دوسرے دن کی نماز میں کوئی فرق ہی نہ ہوتا، اور دوسرے اس لئے کہ اس کے آگے طبرانی کی روایت میں "ثم ائتنف صلوۃ یومہ ذلک" ہے، اور دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ہی ہوگی، اس کو بلاوجہ قضا کر کے پڑھے یہ جائز ہی نہیں ہے،

امراول یعنی دوسرے دن دوبارہ قضا کرنا! اس ایک حدیث کے علاوہ میری ناقص معلومات میں اور کسی روایت میں نہیں آیا، ہاں ایسے بعض الفاظ ضرور آئے ہیں جن سے دوسرے دن مقضیّہ (قضاء نماز) کو دوبارہ وقت پر قضا کرنا معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد (ص ۱/۲۵۶) میں ابوقتادہؓ کی حدیث جسمیں لیلۃ التعریس کا ذکر ہے۔ "فمن أدرک صلوۃ الغداۃ من غد صالحا فلْیقض معھا مثلھا" ہے، قال البیھقی فی المعرفۃ: ھکذا رواہ خالد بن سمیر ولم یُتابع خالد علی ھذہ الروایۃ، وإنما الصحیح فیہ "فإذا کان من الغد فلیصلّھا عند وقتھا" کما رواہ مسلم (ص ۱/۲۳۹)، ولکن حملہ خالد علی الوھم، وقد صرّح فی حدیث عمران "أینھاکم اللہ عن الربٰوا ویقبلہ منکم"۔

قلت: حدیث عمران أخرجہ أحمد وابن خزیمۃ وابن حبان والطحاوی (ص ۱/۲۳۳) والدارقطنی (ص ۱۴۸) والحاکم (ص ۱۷۴)۔

قال العلامۃ ابن حزم (ص ۲/۲۰۲): یشکل ھذا اللفظ "من أدرک منکم من صلوۃ الغداۃ فلیقض معھا مثلھا" وإذا تُؤمّل فلا إشکال فیہ، لأن الضمیر فی لغۃ العرب راجع إلی أقرب مذکور إلّا بدلیل، فالضمیر فی "معھا" راجع إلی الغداۃ لَا إلی الصلوۃ، أی فلیقض مع الغداۃ مثل ھذہ الصلوۃ التی یصلّی بلازیادہ علیھا، أی فلیؤدّ ما علیہ مثل ما فعل کل یوم، فتتّفق الألفاظ کلھا علی معنًی واحدٍ، انتھی۔

بعض لوگوں نے مسلم کے لفظ ''**فإن کان الغد فلیصلّها عند وقتها**'' کا مطلب بھی دوبارہ پڑھنا لے لیا اور یہ کہا کہ یہ حکم استحبابی ہے، ابوداؤد میں اسی حدیث میں ''**ومن الغد للوقت**'' ہے، خطابی فرماتے ہیں (ص ۱/۲۵۲) **قوله: ''ومن الغد للوقت'' لَا أعلم أحدًا من الفقهاء قال بها وجوباً، ويشبه أن يكون الأمر به استحبابا ليحرز فضيلة الوقت فی القضاء۔اھ**

اسی طرح یہ توجیہ صاحب فیض القدیر نے ابن حبان سے نقل کی ہے، لیکن مسلم وغیرہ کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز سوجانے یا بھول جانے سے چھوٹ جاوے تو یاد آنے پر پڑھ لے کیونکہ جس وقت یاد آیا ہے وہی فوت شدہ نماز کا وقت ہے، اور ہوسکتا ہے کہ کوئی قلت تأمل کی وجہ سے یہ سمجھ لے کہ اب نماز کا وقت تبدیل ہوگیا، اس لئے ''**فإذا کان الغد فلیصلها عند وقتها**'' کہہ کر یہ بتادیا کہ نماز کا وقت تبدیل نہیں ہوا، اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دولفظ ہیں، ایک مسلم کا یعنی ''**فإذا کان الغد فلیصلها عند وقتها**'' یا اس کے ہم معنی، جیسے ابوداؤد میں ابوقتادہؓ کی حدیث میں اور مسند احمد وطحاوی میں سمرہؓ کی روایت میں ''**ومن الغد للوقت**'' ہے، اس سے بعض نے قضاء فائتہ کا تکرار مراد لیا کہ ایک اس وقت پڑھی جائے جب یاد آئے، اور دوسرے دن وقت پر دوبارہ پڑھی جائے اور اس کو حکم استحبابی سمجھا اور مقصود قضاء میں بھی فضیلتِ وقت کا حاصل کرنا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صحیح مطلب یہ ہے کہ آج یاد آنے کے وقت پڑھنے کا حکم ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وقت بدل گیا بلکہ اگلے دن اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

دوسرا لفظ ابوداؤد کا ہے ''**من أدرک منکم صلوة الغداة من غدٍ صالحا فلیقض معها مثلها**''۔

اس کے بارے میں تین رائیں ہیں۔

اول تو یہ کہ یہ لفظ وہم ہے، اصل مسلم کا لفظ ہے اور اس سے تکرار قضا نہیں ثابت ہوتا،

اور دوسرے یہ کہ یہ استحباب پر محمول ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **لم یقل أحد باستحباب ذلک بل عدّوا الحدیث غلطا۔**

اور تیسری رائے ابن حزم کی ہے کہ ابوداؤد کا لفظ بھی صحیح المعنی ہے اور ''**معها**'' کے معنی **مع الغداة** ہیں **مع الصلوة** نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ صبح کے وقت وقت پر پڑھی جائے، اور اس مضمون کی تیسری روایت طبرانی وطحاوی

کی ہے،ان دونوں میں دوبارہ قضا کرنا حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے، طحاوی میں ’’بعد طلوع الشمس‘‘ اور طبرانی میں ’’بعد طلوع الصبح‘‘ یہی صواب ہے۔

اور دوبارہ قضا کرنے کا ذکر سوائے اس حدیث کے نہیں ہے، اگر ثابت مانا جائے تو یہ روایت استحباب پر محمول ہوگی کما ذکرہ الخطابی فی حدیث أبی داود ، واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ یوم الثلثاء

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

’’اطلبوا العلم ولو بالصین‘‘ پر مفصل کلام

سوال:

حدیث ’’أطلبوا العلم‘‘ کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے درست ہے مگر اس کی حمایت میں اتنا تو کم از کم ملتا ہے کہ اس کی بنیاد پر اسکو بے اصل نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اگلے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔

حکم ابن الجوزی بوضعه، ونُوزع بقول المزّی، له طرق ربما یصل بمجموعها إلی الحسن ویقول الذهبی فی تلخیص الواهیات روی من عدة طرق واهیة وبعضها صالح۔ اهـ

(فیض القدیر ص ۱/۵۴۲)

السائل: مولانا عبداللہ صاحب دہلی

جواب:

حدیث ’’أطلبوا العلم ولوبالصین‘‘ کی تائید میں جو عبارت بحوالہ فیض القدیر آپ نے لکھی ہے وہ میرے سامنے ہے، مناوی کو وہم ہوگیا، اس جملہ کے متعلق امام مزی نے کوئی تحسینی کلمہ نہیں کہا ہے بلکہ اس کے دوسرے جزء کے متعلق ان سے تحسینی کلام نقل کیا جاتا ہے

قال أبو الحسن علیّ بن محمد بن عراق الکنانی (م ۹۶۳ھ) فی تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاَخبار الشنیعة الموضوعة (ص ۲۵۸): حدیث ’’أطلبوا العلم ولو بالصین فإن طلب العلم فریضة علی کل مسلم‘‘ أخرجه ابن عدی والعقیلی من حدیث أنسؓ، وفیه أبوعاتکة طریف بن

سليمان منكر الحديث، وقال ابن حبان: حديث باطل لَا أصل له، وتعقّب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذى ولَا يجرح بكذب ولَا تهمة، وأخرج البيهقى فى الشعب الحديث من طريقه وقال: متن مشهور واسناد ضعيف، انتهى۔

قلت كونه 'لم يجرح' ممنوع كما يعلم من ترجمته فى مقدمة تنزيه الشريعة (ص ٦٩): طريف بن سليمان وقيل بالعكس أبو عاتكة وهو بالكنية أشهر، قال الذهبى فى الكنى من الميزان: عدّه أحمد بن على السليمانى فيمن عرف بوضع الحديث۔

وله متابع أخرجه أبو يعلٰى وابن عبد البر فى العلم من طريق كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ، وأخرجه ابن عبد البر من طريق يعقوب بن اسحاق العسقلانى عن عبيد بن محمد الفِريابى عن ابن عيينة عن الزهرى عن أنسؓ، لكن يعقوب رُمى بالكذب، ووثّقهُ مسلمة بن القاسم وحكى توثيقه عن بعضهم۔

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المزّى الشافعى: وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقى فى الشعب أيضا من حديث أبى سعيد الخدرىؓ۔

قلت: وأخرجه الحافظ العراقى الشافعى فى أماليه من حديث أنسؓ من غير طريق ابن ماجه۔ ثم قال: حديث حسن غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنسؓ رويناه من رواية عشرين رجلا من التابعين عنه، قال وقد ضعف جماعة من الائمة طرقَه كلّها۔ فقال أحمد لَا يثبت عندنا فى هذا الباب شئ۔ وكذا قال أبوعلى النيسابورى الشافعى والبيهقى وابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح فى علوم الحديث مثالاً للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى۔

وفى تلخيص الواهيات للذهبى: روى عن على وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وجابر وأنس وأبى سعيد رضى الله عنهم، وبعض طرقه أوهٰى من بعض وبعضها صالح، والله اعلم۔

ابن عراق کا سارا کلام بلفظہ اس لئے نقل کر دیا تا کہ معلوم ہوجائے کہ حافظ مزی اور حافظ ذہبی کا کلام جزء ثانی سے متعلق ہے، علامہ سخاوی نے مزی کا کلام جزء ثانی کے تحت ذکر کیا ہے اور جزء اول کے ذیل میں نہیں ذکر کیا جیسا کہ مناوی کو وہم ہوا۔اسی طرح اسماعیل جراحی کو کشف الخفا (ص ۱۳۸) میں وہم ہوگیا۔

علامہ سیوطی حدیث مشہور کے تحت تدریب الراوی میں لکھتے ہیں (ص ۲/۱۷۴) مثاله وهو حسن حديث "طلب العلم فريضة على كل مسلم" فقد قال المزّى أن له طرقًا يرتقى بها إلى رتبة الحسن.اهـ، وهو حسن کے معنی یہ ہیں کہ حدیث مشہور کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن کبھی ضعیف، یہ حدیث مشہور حسن کی مثال ہے،

وسئل النووى (ص ۲۷۶) عن هذا الحديث فقال فى فتاويه (ص ۲۷۶): هو حديث ضعيف وإن كان معناه صحيحا، وقال فى مقدمة شرح المهذب (ص ۱/۲۴): هذا الحديث وإن لم يكن ثابتا فمعناه صحيح.

قال السندى فى تعليقه على ابن ماجه (ص ۱۵) تحت حديث طلب العلم: قال السيوطى سئل النووى فذكر كلامه ثم قال: وقال تلميذه جمال الدين المزى: هذا الحديث روى من طرق تبلغ رتبة الحسن وهو كما قال فإنى رأيت له نحو خمسين طرقا وقد جمعتها فى جزء، انتهى.

وقد ذكر الغزالى حديث طلب العلم ثم حديث "اطلبوا العلم" وذكر الزبيدى فى الإتحاف (ص ۱/۹۸) كلام المزى تحت حديث طلب العلم، والله الموفق للصواب.

کثیر بن شنظیر کے طریق میں اطلبوا العلم کا اضافہ ہماری معلومات میں نہیں ہے۔اس طریق میں صرف طلب العلم فریضة ہے

فقد أخرج ابن ماجه فى سننه (ص ۲۰)، وحمزة السهمى فى تاريخ جرجان (ص ۳۴۹)، وابن الجوزى فى العلل (ص ۵۹) من طريق حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". زاد ابن ماجه وحمزة: "وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب".

حفص بن سليمان هو القارى المشهور ضعيف جدا، قال أحمد: متروك الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لَا يصدق، وقال ابن خراش: كذّاب يضع الحديث. وقال الذهبى فى ترجمة كثير بن شنظير: حفص واهٍ.

وأما كثير بن شنظير فقال ابن حجر: صدوق يخطئ.

ولم ينسبه إلى أبى يعلٰى أحد سوى السيوطى فى التعقبات(ص٦) وتبعه ابن عراق۔

نعم أخرج أبو يعلٰى حديث ابن مسعودؓ كما ذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد (ص١١٩/١) وابن حجر فى المطالب العالية (ص١٣٠/٣) وليس فيه "اطلبوا العلم ولو بالصين"، فكلام ابن عراق وهم۔

اب مختصر طور سے حدیث "اطلبوا العلم" کے متعلق سن لیجئے۔

أخرجه ابن عدى فى الكامل وابن عبدالبر فى الجامع (ص ٩)، والخطيب فى تاريخه (ص٣٦٤/٩) والرحلة (ص ٧٢)، وابن الجوزى فى الموضوعات (ص ٢١٥/١)، وأبوحفص السهروردى فى العوارف (ص ٢٣٤/١)، من طريق الحسن بن عطية عن أبى عاتكة عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول اللهﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم"، ولم يزد ابن الجوزى فى أحد طريقيه والسهروردى "فإن طلب العلم" الحديث۔

قال الخطيب فى تاريخه: لَا أعلم أحدًا رواه عن أبى عاتكة غيرالحسن بن عطية۔

وقال ابن عدى: قوله "ولوبالصين" ما أعلم يرويه غيرالحسن بن عطية عن أبى عاتكة عن أنسؓ، وقال الحاكم: أبو عبدالله النيسابورى، تفرد به الحسن بن عطية۔

قلت: تابعه حماد بن خالد الخياط، أخرجه العقيلى فى الضعفاء ومن طريقه ابن الجوزى فى الموضوعات(ص٢١٥/١): قال العقيلى: ولَايحفظ "ولو بالصين" إلّا عن أبى عاتكة وهو متروك الحديث و"فريضة على كل مسلم" الرواية فيها ليّن متقاربة فى الضعف۔

وأخرجه البخارى من هذا الوجه فى تاريخه الكبير(ص٢٥٧/٢) مقتصراً على قوله طلب العلم فريضة، وقال: أبو عاتكة منكر الحديث، وقال ابن حبان(٣٨٢/١): طريف بن سليمان أبو عاتكة منكر الحديث جداً يروى عن أنسؓ ما لَا يشبه حديثه وربما روى ما ليس من حديثه، روى عن أنسؓ عن النبىﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين"۔

قال السيوطى فى اللآلى (ص ١٩٣/١): والحديث أخرجه البيهقى فى شعب الإيمان وتمّام من طرق عن الحسن، قال ابن الجوزى فى الموضوعات (ص٢١٦/١): قال ابن حبان:

هذا الحديث باطل لَا اصل له۔

وللحديث طريق آخر أخرجه ابن عبد البر فى الجامع (ص ۱۰) من جهة يعقوب بن اسحاق العسقلانى عن عبيد بن محمد الفِريابى عن ابن عينية عن الزهرى عن أنسؓ۔

ويعقوب العسقلانى قال الذهبى فى الميزان: كذاب، وقال ابن حجر فى اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم فى الصلة، وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه وهو عندى صالح جائز الحديث۔

وقد ورد من حديث أبى هريرةؓ قال الذهبى فى الميزان فى ترجمة أحمد بن عبد الله الجويبارى الكذاب: ابن كرام حدثنا أحمد عن الفضل بن موسى عن محمد بن عمرو عن أبى سلمة عن أبى هريرةؓ حديث "أطلبوا العلم ولو بالصين"، قال ابن عدى الجويبارى: كان يضع الحديث لاِبن كرام على مايريده۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين" کی مزید تخریج

هذا الحديث رواه ابن عدى فى الكامل والبيهقى فى الشعب وأبو نعيم فى أخبار أصبهان (ص۱۰۶/ ۲)، وأبو القاسم القشيرى فى الأربعين، والخطيب فى التاريخ (ص۳۶۴/ ۹) وفى كتاب الرحلة (ص ۷۲)، وابن عبد البرّ فى جامع بيان العلم (ص ۹)، وابن الجوزى فى الموضوعات (ص ۲۱۵/ ۱)، والضياء فى المنتقىٰ من مسموعاته بمرو، وأبو حفص السهروردى فى العوارف (ص۲۳۴/ ۱)، كلّهم من طريق الحسن بن عطية ثنا أبو عاتكة طريف بن سليمان عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإنّ طلب العلم فريضة على كلّ مسلم"، ولم يذكر السهروردى هذه الزيادة۔

قال ابن عدى: قوله "ولو بالصين" ما أعلم يرويه غير الحسن بن عطية، وكذا قال الخطيب

ومن قبله الحاكم كما نقل عنه ابن الجوزی وغيره، واستغربه ابن الجوزی من الحاكم فقد أخرجه العقيلی فی الضعفاء من جهة حماد بن خالد الخياط قال حدثنا طريف بن سليمان أبو عاتكة به، وقال ولَا يحفظ "ولوبالصين" إلّا عن أبی عاتكة وهو متروک الحديث، "وفريضة علی كلّ مسلم" الرواية فيها ليّن أيضا متقاربة فی الضعف۔

وأخرجه البخاری من هذا الوجه فی تاريخه الكبير (ص۳۵۷/ ۲ق۲) مقتصراً علی قوله "طلب العلم فريضة" وقال: أبو عاتكة منكر الحديث، فمدار الحديث علی أبی عاتكة وهو متّفق علی جرحه، وقد تقدّم جرح البخاری الشديد، وقال أبوحاتم: ذاهب الحديث، وقال النسائی: ليس بثقة، وقال الدارقطنی: ضعيف، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس بالقوی عندهم، وقال ابن عبد البرّ: هو عندهم ضعيف، وقال ابن حبان (ص ۳۸۲/ ۱): منكر الحديث جداً يروی عن أنسؓ ما لَا يشبه حديثه، وربما روی ما ليس من حديثه، روی عن أنسؓ عن النبیﷺ "اطلبوا العلم ولو بالصين"، وذكره السليمانی فيمن عرف بوضع الحديث۔

وذكر ابن قدامة فی المنتخب عن الدوری أنه قال: وسالت يحيیٰ بن معين عن أبی عاتكة فلم يعرفه، وعن المروزی أن أبا عبد الله يعنی الاِمام أحمد ذكر له هذا الحديث فأنكره انكاراً شديداً، وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات (ص ۲۱۵/ ۱) من الطريقين، وقال: هذا حديث لَا يصحّ عن رسول الله ﷺ، قال ابن حبان: وهذا الحديث باطل لَا أصل له، وأقرّه السخاوی فی المقاصد (ص۶۳)، وذكره أبو الفضل بن طاهر فی تذكرة الموضوعات (ص ۲۹) وأعلّه بأبی عاتكة بانّه منكر الحديث۔

وللحديث طريقان آخران:

الأول: ما أخرجه ابن عبد البرّ فی الجامع (ص ۱۰) من حديث يعقوب بن إسحاق العسقلانی عن عبيد بن محمد الفريابی عن ابن عيينة عن الزهری عن أنسؓ مرفوعاً۔

والثانی: ماذكره الذهبی فی الميزان فی ترجمة أحمد بن عبد الله الجويباری:روی ابن كرام حدّثنا أحمد عن الفضل بن موسی عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن أبی هريرةؓ حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين"۔

وهذان الطريقان ذكر هما السيوطى فى اللآلى (ص١٩٣ / ١) متعقباً على ابن الجوزى ولكنهما واهيان، فيعقوب العسقلانى قال الذهبى: كذاب، وقال ابن حجر فى اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم فى الصلة وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه واختلف فيه أهل الحديث فبعضهم يضعّفه، وبعضهم يوثقه، ورأيتهم يكتبون عنه فكتبت عنه وهو عندى صالح جائز الحديث۔

ومال ابن حجر إلٰى قول الذهبى فذكرحديثاً وقال: هذا من أباطيل يعقوب، وقال: وقد وجدت له حكاية يشبه أن يكون من وضعه، وأحمد بن عبد الله الجويبارى دجّال وضّاع، قال النسائى والدار قطنى: كذّاب، وقال ابن حبان: دجّال من الدجاجلة، وقال ابن عدى: كان يضع الحديث لِابن كرام على ما يريده، قال الذهبى فى الميزان: الجويبارى ممّن يضرب المثل بكذبه۔

وقال السيوطى فى التعقبات على الموضوعات (ص٦): أخرجه البيهقى فى شعب الاِيمان من طريق أبى عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأبوعاتكة من رجال الترمذى لم يجرح بكذب ولَا تهمة۔

وقد وجدت له متابعا عن أنسؓ أخرجه أبو يعلى وابن عبد البر فى العلم من طريق كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ به مرفوعا، وأخرجه ابن عبد البر أيضا من طريق عبيد بن محمد الفريابى عن سفيان بن عيينة عن الزهرى عن أنسؓ۔

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن قاله الحافظ المزى۔

وأورده البيهقى فى الشعب من أربع طرق عن أنسؓ ومن حديث أبى سعيد الخدريؓ، انتهى۔

وقال ابن عراق فى تنزيه الشريعة (ص ٢٥٨): حديث "اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم" رواه ابن عدى والعقيلى من حديث أنسؓ، وفيه أبوعاتكة طريف بن سليمان منكر الحديث، وقال ابن حبان: حديث باطل لَا أصل له، وتعقّب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذى ولَا يجرح بكذب ولَا تهمة، وأخرج البيهقى فى الشعب الحديث من طريقه

وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف انتهى.

قال ابن عراق: 'لم يجرح' ممنوع كما يعلم من ترجمته فى المقدمة، وذكر فى المقدمة أن أبا عاتكة قال الذهبى فى الكنى من الميزان: عدّه أحمد بن على السليمانى فيمن عرف بوضع الحديث.

قال ابن عراق: وله متابع فذكر طريق كثير بن شنظير وطريق يعقوب العسقلانى كما تقدم فى كلام السيوطى، وقال: ولكن يعقوب رُمى بالكذب، و وثّقه مسلمة بن القاسم وحكى توثيقه عن بعضهم.

ونصفه الثانى أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المزى: وله طرق كثيرة عن أنسؓ يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقى فى الشعب أيضا من حديث أبى سعيد الخدریؓ، قلت: وأخرجه الحافظ العراقى فى أماليه من حديث أنسؓ من غير طريق ابن ماجه، ثم قال: حديث حسن غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنسؓ رويناه من رواية عشرين رجلًا من التابعين عنه.

قال وضعّف جماعة من الائمة طرقه كلّها، فقال أحمد: لَا يثبت عندنا فى هذا الباب شئ، وكذا قال أبوعلى النيسابورى والبيهقى وابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح فى علوم الحديث مثالًا للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى، وفى تلخيص الواهيات للذهبى روى عن على وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وجابر وانس وأبى سعيد رضى الله عنهم، وبعض طرقه أوهٰى من بعض، وبعضها صالح ، والله اعلم.

قلت: للحديث طرفان، الاَول: "اطلبوا العلم ولوبالصين" والثانى: "طلب العلم فريضة على كل مسلم".

فأمّا الجزء الاول: فزعم السيوطى وتبعه ابن عراق أن البيهقىّ أخرجه من طريق أبى عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأن أبا عاتكة لم يجرح بكذب، وأن له متابعا ، ابن سيرين من رواية كثير بن شنظير عند أبى يعلٰى وابن عبد البر ، والزهرى عند ابن عبد البر،

قلت: لم أرَ أحدًا ممن تكلّم على الطرف الأول أنه ذكر أن البيهقى أخرجه فى شعبه وتكلّم

عليه بما تقدّم، بل ذكروا كلامه فى الطرف الثانى۔

قال صاحب المشكوة (ص۳۴) عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذّهب“۔ رواه ابن ماجه، و روى البيهقى فى شعب الإيمان إلى قوله ”مسلم“ وقال: هذا متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روى من أوجه كلها ضعيف انتهى۔

وهكذا نقل السخاوى كلام البيهقى المذكور فى النصف الثانى، لَا فى النصف الأول، ودعوى السيوطى أن أبا عاتكة لم يجرح بكذب ردّه ابن عراق، وسبق كلام أئمّة الفنّ فيه۔

وأمّا المتابعان فلم أجد فى روايتهما الطرف الأول وليس الطريق إليهما سالمًا، فقد أخرج ابن ماجه (ص۲۰)، وحمزة السهمى فى تاريخ جرجان (ص ۳۴۹)، وابن عبد البر فى جامع العلم (ص ۱۱/۱) و ابن الجوزى فى العلل (ص ۵۹/۱)، من طريق حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“۔ زاد ابن ماجه وحمزة السهمى ”وواضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب“۔ حفص بن سليمان هو القارى المشهور، ضعيف جدًا، قال أحمد: متروك الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لَا يصدق، وقال ابن خراش: كذّاب يضع الحديث، وقال الذهبى فى ترجمة كثير بن شنظير: حفص واهٍ، وكثير بن شنظير صدوق يخطئ۔

ولم أجد أحداً نسبه لأبى يعلىٰ غير السيوطى وابن عراق، ولم يذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد ولَا ابن حجر فى المطالب العالية، ولو كانت هذه الزيادة عند أبى يعلىٰ لذكراه، وإنّما أخرج أبويعلىٰ حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ، كما ذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد (۱۱۹/۱)، وابن حجر فى المطالب العالية (ص ۱۳۰/۲) مقتصراً على قوله ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“۔

ومتابعة الزهرى أخرجها ابن عبد البر من طريق يعقوب بن إسحاق العسقلانى عن عبيد بن محمد الفريابى عن ابن عيينة عن الزهرى عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

"اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم". وقد تقدّم الكلام على يعقوب العسقلانى وأنه كذّاب، وشيخه عبيد بن محمد الفريابى لم يعرف حاله۔

إذا عرفت ذلک فقد علمت أن راوى "اطلبوا العلم ولو بالصين" إمّا أبوعاتكة وإمّا يعقوب العسقلانى، والأول متهم، والثانى كاذب، وفى طريق أبى هريرةؓ الجويبارى وهو أيضا كذّاب، فلاوجه لادّعاء ثبوته، وكلام المزّى والذهبى متعلقان بالجزء الثانى، وقد نقلهما ابن عراق تحت الجزء الثانى، ووهم المناوى فى فيض القدير، فظنّ أنهما يتعلقان بالحديث كله۔

(**فائده**) قال الزبيدى (ص ۱/۹۹): وقد روى هذا الحديث عن أبى عاتكة ستة، محمد بن غالب التمتام، وجعفر بن هاشم، والحسن بن على بن عبّاد، وأبو بكر الأعين، والعباس بن طالب، والحسن بن عطية، وقد أخرج الخطيب فى رحلته من طرق هؤلَاء۔

قلت: هذا وهم فالخمسة الأول يروون عن الحسن بن عطية۔

وأما الجزء الثانى : فقد ورد عن جماعةٍ: علىؓ، وابنه الحسين بن علىؓ، وابن مسعودؓ، وابن عمرؓ، وابن عباسؓ، وجابرؓ، وأنسؓ، وأبى سعيدؓ، وأبى هريرةؓ۔

فحديث علىّ: أخرجه الخطيب (ص۱/۴۰۷) وأعلّه ابن الجوزى فى العلل بأن محمد بن إبراهيم السمرقندى يحدث بالمناكير، وشيخه أبو عبد الله محمد بن أيوب وكذا شيخه جعفر بن محمد فى غاية الضعف۔

قلت: فيه عبد العزيز بن عمران، وهو عبد العزيز بن أبى ثابت الزهرى المدنى، قال البخارى: لَا يكتب حديثه، وقال النسائى وغيره: متروک۔

وأخرجه ابن عدى فى الكامل والخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص ۱/۴۴) وابن الجوزى فى العلل (ص ۱/۵۵) من وجه آخر بلفظ: "طلب الفقه فريضة على كل مسلم"، وفيه عيسى بن عبد الله العلوى، قال الدار قطنى: متروک، وقال ابن حبان: يروى عن آبائه أشياء موضوعة۔
وأخرجه الخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص۱/۴۳) من طريق الصبّاح بن موسى عن عبد الرحمن بن يزيد عن مكحول عن سعيد بن المسيب عن علىؓ مرفوعًا بلفظ: "طلب العلم فريضة على كل مؤمنٍ، أن يعرف الصوم والصلوة والحرام والحدود والاَحكام".

وعبد الرحمن بن يزيد هو ابن تميم الدمشقی، قال البخاری: منكر الحديث، وقال النسائی والدار قطنی: متروک، والراوی عنه الصباح بن موسی إن كان هو الذی روی عن أبی داود السبيعی فقال الذهبی: ليس بذاک القوی، ومشاه بعضهم، وإن كان غيره فلم أعرفه۔

وحديث الحسين بن علیؓ: أخرجه الطبرانی فی الصغير (ص ۲۹)، والخطيب (ص ۵/۲۰۴)، وابن الجوزی فی العلل المتناهية (ص ۱/۵۴)۔

وشيخ الطبرانی أحمد بن يحيیٰ بن أبی العباس الخوارزمی ضعيف، قال الطبرانی: ما كتبنا هذا الحديث إلّا عنه، قال الدار قطنی: وهو متروک۔

وفيه أيضا عبد العزيز بن عمران وهو عبد العزيز بن أبی ثابت الزهری المدنی، وهو ضعيف جدًا تقدم فی حديث علیؓ۔

وحديث ابن مسعودؓ: أخرجه ابويعلیٰ، والطبرانی، وابن عدی، والخطيب فی الموضح (ص ۲/۲۷۰)، وابن الجوزی فی العلل (۱/۵۶)، وفيه عثمان بن عبد الرحمن القرشی، قال البخاری: تركوه، وقال ابو حاتم والنسائی: متروک، وقال ابن معين: لَايكتب حديثه وكان يكذب۔

قلت ولم ينفرد به، فقد تابعه أبوحنيفة الاِمام فی مسنده (ص ۲۰) ولكن ينظر الطريق إلی الاِمام۔

وحديث ابن عمرؓ أخرجه ابن عدی فی الكامل، وابن الجوزی فی العلل (۱/۵۵)، وفيه محمد بن عبد الملک الأنصاری، قال أحمد: كان أعمی يضع الحديث ويكذب، وقال البخاری: منكر الحديث، وقال النسائی: متروک۔

وله طريق آخر: أخرجه ابن حبان فی الضعفاء (ص ۱/۱۴۱)، والدار قطنی فی الرواة عن مالک، وابن الجوزی فی العلل (ص ۱/۵۵) من حديث مهنأ بن يحيیٰ الرملی ثنا أحمد بن إبراهيم بن موسی ثنا مالک عن نافع عن ابن عمرؓ به مرفوعا۔

قال ابن حبان: أحمد بن إبراهيم بن موسی شيخ، يروی عن مالک ما لم يحدث به قط، لَا تحلّ الرواية عنه، ولَا الاِحتجاج به، وهذا حديث لَا أصل له من حديث ابن عمرؓ ولَا من حديث

نافع ولَامن حديث مالک، وإنما هو من حديث أنس بن مالک رضی الله عنه وليس بصحيح انتهى۔

وقالَ ابن عدى: منكر الحديث، وقا ل الدارقطنى فى الرواة عن مالک: أحسبه مهنأ وَهِم فيه، وإنما روى هذا عن مالكٍ موسى بن إبراهيم المروزى، ثم ساقه من طريق موسى به، وذكر الخطيب أن محمد بن بيان رواه عن مهنأ عن موسى بن إبراهيم أيضا عن مالک، وقال: لَا يثبت بشئ من القولين معا، كذا فى اللسان (ص ١٣٢/ ١)۔

وله طريق ثالث: أخرجه ابن عدى، وابن الجوزى فى العلل (ص ٥٥) بلفظ: ”على كل مسلم مؤمن“، وفيه محمد بن أبى حميد الأنصارى الزّرقى ضعيف، قال البخارى: منكر الحديث، والراوى عنه أبو البخترى وهب بن وهب القرشى القاضى متهم فى الحديث، كذّبه وكيع، وأحمد، وابن معين، واسحاق، والنسائى، وابن الجارود وغيرهم، والعجب من ابن الجوزى حيث علله بمحمد بن أبى حميد ولم يعلّله بأبى البخترى۔

وله طريق رابع: أخرجه العقيلى فى الضعفاء، وابن الجوزى فى العلل(ص ٥٦/ ١)، وأعلّه ابن الجوزى بليث بن أبى سليم، قال ابن حجر فى التقريب: صدوق اختلط أخيراً ولم يتميز حديثه فترک، وفيه: روح بن عبد الواحد القرشى الحرّانى، قال العقيلى: لَايتابع عليه، والرواية فى هذا (أى فى طلب العلم فريضة) ليّنة۔ وقال أبوحاتم: ليس بالمتين ، روى أحاديث متناقضة، وقال ابن عدى فى ترجمة خليد بن دَعلج عقب حديث أورده من رواية هذا عن خليد: لعلّ البلاء فيه من الراوى عنه، كذا نقله فى اللسان فى ترجمة روح بن عبد الواحد (٢/ ٤٦٦)۔

وحديث ابن عباس رضی الله عنه: أخرجه العقيلى، والطبرانى فى الأوسط وابن الجوزى فى العلل (ص ٥٦ / ١)، من طريق عبد الله بن عبد العزيز بن أبى رواد عن عائذ بن أيوب رجل من أهل طوس عن إسماعيل بن أبى خالد عن الشعبى عن ابن عباس رضی الله عنه به مرفوعاً۔

قال العقيلى: لَا يصحّ سنده، ثم ساقه من طريق سفيان بن عيينة عن أيوب بن عائذ عن الشعبى قال: ما رأيت أحدًا كان أطلب للعلم من مسروق، قال العقيلى: هذا هوالحديث، وعبد الله بن عبد العزيز أخطأ فى السند والمتن، وقلّب اسم الراوى، قال الحافظ فى اللسان

(ص۲۲۶/۳): فظهر أن لَا ذنب لعائذ بن أيوب، بل لَا وجود له، وأيوب بن عائذ من رجال التهذيب، وعبد الله بن عبد العزيز بن أبی رواد قال أبو حاتم وغيره: أحاديثه منكرة، وقال ابن الجنيد: لَا يساوی فلسًا، يحدّث بأحاديث كذب، وذكره ابن حبان فی الثقات وقال: يعتبر حديثه إذا روی عن غير أبيه، وقال العقيلی: له أحاديث مناكير لَا يقيم الحديث، وقال الهيثمی فی المجمع (۱۲۰/۱): ضعيف جدًا۔

وحديث جابرؓ: أخرجه ابن عدی، وابن الجوزی فی العلل (ص۵۷/۱)، وفيه محمد بن عبد الملك الأنصاری المتقدم فی الطريق الأول من حديث ابن عمرؓ، وفيه العباس بن الوليد الخلال، قال ابن الجوزی: وهو مطعون فيه، قلت: هو صدوق، قاله الحافظ ابن حجر فی التقريب۔

وحديث أنسؓ كثير الطرق، رواه عنه ثمانية عشر نفسا أو أكثر۔

منهم المثنی بن دينار، أخرج حديثه ابن الجوزی فی العلل (ص۵۷/۱)، والمثنی قال العقيلی: فی حديثه نظر، قلت: والراوی عنه الحجاج بن نصر، كما فی العلل واللسان، أو نصير، كما فی الميزان، فان كان الأول فمجهول، وإن كان الثانی فهو الفساطيطی من رواة الترمذی، ضعيف كان يقبل التلقين۔

ومنهم إبراهيم النخعی، أخرج حديثه البيهقی فی الشعب، وابن عبد البر فی الجامع (ص۹/۱) وتمّام فی فوائده، وابن الجوزی فی العلل (ص۵۸/۱) من طريق عبد القدوس بن حبيب الدمشقی الوحاظی عن حماد بن أبی سليمان عنه، قال: لم اسمع من أنسؓ إلّا حديثًا واحدًا سمعته يقول فذكره مرفوعًا، وعبد القدوس بن حبيب كذّاب مشهور۔

وتابعه إبراهيم بن سلام عند البزار وقال: إبراهيم بن سلام لَا نعلم روی عنه إلّا أبوعاصم، قال الذهبی: وهو مقلّ، بل لَا يعرف إلّا بهذا الحديث، قال البزار: إنه روی عن أنسؓ بأسانيد واهية أحسنها هذا۔

ومنهم إبراهيم التيمی، أخرج حديثه ابن عدی وابن الجوزی فی علله (ص۵۸/۱)، وفيه عبد الله بن خراش، قال أبو زرعة: ليس بشئ، ضعيف، وقال البخاری: منكر الحديث، وذكره

ابن حبان فی الثقات وقال: ربما أخطأ، وقال الساجی: ضعیف الحدیث جدًا، لیس بشئ، کان یضع الحدیث۔

ومنهم قتادة، أخرج حدیثه ابن شاهین فی الأفراد، وأبو الحسین بن شمعون فی الشمعونیات، وابن الجوزی فی العلل (۱/۵۸) من طریق موسی بن داود حدثنا حماد بن سلمة عن قتادة عن أنس ؓ به، قال ابن شاهین: إنه غریب، قال السخاوی فی المقاصد (ص۲۷۵): رجاله ثقات، لکن قال ابن الجوزی (ص۱/۶۴): موسی بن داود مجهول۔

قلت: یحتمل أن یکون هو موسی بن داود الضبّی من رجال مسلم، وثّقه جماعة وتکلم فیه آخرون، قال ابن حجر فی التقریب: صدوق فقیه زاهد له أوهام۔

ومنهم ابن سیرین، أخرج حدیثه جماعة: ابن ماجه، وحمزة السهمی فی تاریخ جرجان، وابن عبد البر فی الجامع (ص۱/۱۱)، وابن الجوزی فی العلل، وتقدم الکلام علیه۔

ومنهم ثابت، أخرج حدیثه ابن شاهین، وابن عبد البر فی الجامع (ص۱/۸)، وابن الجوزی فی العلل (ص۱/۵۹)، وفیه سلیمان بن قرم أبو داود البصری سیئی الحفظ، یتشیع، قاله ابن حجر فی التقریب، وروی له الشیخان، وجعفر بن مسافر التنّیسی صدوق ربما أخطأ، قاله ابن حجر فی التقریب، وهذا الطریق یمکن أن یکون أجود الطرق، ثم رأیت السخاوی (ص۲۷۶) قال: وأما ابن أبی داود السجستانی فإنّه أورده عن جعفر بن مسافر التنّیسی حدثنا یحییٰ بن حسّان عن سلیمان بن قرم عن ثابت البنانی عن أنس ؓ به، وقال سمعت أبی یقول: لیس فیه أصح من هذا۔

وله طریق آخر عن ثابت أخرجه ابن عدی وابن عبد البرفی الجامع (ص۱/۸) وابن الجوزی فی العلل(ص۱/۵۹)، ولکن الراوی عنه حسّان بن سیاه، ضعّفه ابن عدی والدار قطنی، وقال ابن حبان: یأتی عن الاَثبات بما لَا یشبه حدیثهم۔

ومنهم زیاد بن میمون، أخرج حدیثه أبو نعیم فی أخبار أصبهان (ص۲/۵۲) وابن عبد البر فی الجامع (ص۱/۹) والخطیب فی تاریخه (ص۴/۱۵۶) وابن الجوزی (۱/۶۰) وهو ضعیف جدًا، قال البخاری: ترکوه، وکذّبه یزید بن هارون، وقال أبوداود الطیالسی: أتیته

فقال: استغفر الله، وضعت هذه الاَحاديث، وعدّ الذهبی هذا الحديث من مناكيره۔

ومنهم أبو حنيفة أخرج حديثه الخطيب (ص۲۰۷/۴ وص ۱۱۱/۹) وابن الجوزی فی العلل (ص۶۰/۱) من طريق أبی العباس أحمد بن الصلت بن المغلّس الحمانی عن بشر بن الوليد عن أبی يوسف عن أبی حنيفة قال: سمعت أنساً فذكره، قال الخطيب (ص۲۰۸/۴): لم يروه عن بشر غير أحمد بن الصلت وليس بمحفوظ عن أبی يوسف، ولَا يثبت لأبی حنيفة سماع من أنس بن مالكؓ، وسئل أبو الحسن الدارقطنی عن سماع أبی حنيفة عن أنسؓ يصحّ؟ قال: لَا، ولَارؤيته، لم يلحق أبوحنيفة أحدًا من الصحابة، وقال الخطيب فی موضع آخر (۱۱۱/۹): لَا يصح لأبی حنيفة سماع من أنس بن مالكؓ. وهذا الحديث باطل بهذا الإِسناد، وضعه أحمد بن الصلت، قال الذهبی: أحمد بن الصلت الحمانی هالک۔ وقال الخطيب (ص۲۰۷/۴): روی أحاديث أكثرها باطلة، هو وضعها۔

ومنهم موسی بن جابان، أخرج حديثه الخطيب (ص۳۸۶/۷)، وابن الجوزی (ص۱۶۱/۱)، وفيه عمران بن عبد الله، قال ابن الجوزی: ضعفوه، قلت: وموسی بن جابان لم أجد من ترجم له، وفيه ميسرة بن عبد الله، ولم يوجد ترجمته، والظاهر بل الصواب أنه ميسرة بن عبد ربه وهو يروی عن موسی بن جابان كما فی تاريخ الخطيب (ص۲۲۲/۳)، وميسرة أقرّ بوضع الحديث۔

ومنهم عبد الوهاب بن بخت، أخرج حديثه ابن عدی وابن الجوزی (ص۱۶۱/۱)، وعبد الوهاب، قال الذهبی فی الميزان: كثير الاَوهام، وذكره ابن حبان فی الثقات، وقال كان يخطئ ويَهِم شديدا، وقال ابن معين وأبوزرعة ويعقوب بن سفيان والنسائی: ثقة، وقال أبو حاتم: صالح لَا بأس به، والراوی عنه معان بن رفاعة الدمشقی، وقيل: الحمصی، وثّقه ابن المدينی، وقال الجوزجانی: ليس بحجة، وليّنه يحيیٰ بن معين۔

ومنهم أبو عمار، أخرج حديثه ابن الجوزی فی العلل (ص۱۶۱/۱)، وفيه سليمان بن كران بالنون، كذا ضبطه عبد الحق، ويقال: كراز بالزای كذا ضبطه ابن ماكولَا وابن القطان والذهبی فی المشتبه، قال ابن حجر: رأيته فی كامل ابن عدی بالوجهين، قال العقيلی: الغالب

علـى حـديثـه الـوهـم، وقال عبد الحق تبعا للبزار: ليس به بأس، وتابعه مستلم بن سعيد الثقفى الواسطى عند ابن الجوزى وهو من رواة الاَربعة، قال ابن حجر صدوق عابد ربما وهِم۔

قلـت: وأبـو عـمـار هذا إن كان عريب بن حميد الدّهنى الكوفى فهو ثقة، وإن كان زياد بن ميمون كما أشار إليه السخاوى فهو مجروح وقد تقدم۔

ومـنهـم مسلـم بـن كيسـان الـضبّـى الملائى الأعور، أخرج حديثه ابن عدى وابن عبد البر (ص ۹) وابن الجوزى فى العلل (ص ۱/۶۲)، ومسلم الأعور ضعيف، والراوى عنه أبو سهيل حصام بن مِصَكّ –بكسر الميم وفتح المهملة بعدها كاف مثقلة– البصرى، قال الدار قطنى: متروك، وقال أحمد: مطروح الحديث، وقال البخارى: ليس بالقوى عندهم، قال فى التقريب: ضعيف يكاد أن يترك، والراوى عنه إسماعيل بن عيّاش ضعيف فى غير أهل بلده، والراوى عنه عند ابن الجوزى عبد الوهاب بن الضحاك فأعلّه به، وقال: قال أبوحاتم الرازى: كذاب۔

قلـت: ولـم ينفرد به، فقد تابعه المعافى بن عمران أبو عمران الظِّهرى الحميرى الحمصى عند ابن عبد البر، وذكره ابن حبان فى الثقات۔

ومـنهـم إسحاق بن عبد الله بن أبى طلحة، أخرج حديثه ابن عدى وابن الجوزى (ص ۶۲) وذكـره ابن عبد البر تعليقًا (ص ۱۰) مـن طـريق سليمان بن سلمة الخبائرى أخبرنا بقية أخبرنا الاَوزاعـى عـنـه، قـال ابـن عبـد البر: هذا الحديث لم يروه عن بقية عن الاَوزاعى إلّا الخبائرى وليس عندهم بالقوى۔

وأكثـر الـرواة عـن بـقيـة يـروون هـذا الحديث عن بقية عن حفص بن سليمان عن كثير بن شنظير عن محمد بن سيرين عن أنسؓ، وعن بقية أيضًا عن أبى عبد السلام الوحاظى عن إسحاق بـن عبـد الـلـه بـن أبى طلحة عن أنسؓ، ولَا يعرف من حديث الاَوزاعى إلّا من رواية سليمان بن سلمة الخبائرى، قلت: والخبائرى قال أبو حاتم: متروك، وقال ابن الجنيد: كان يكذب۔

ومنهم أبو عاتكة طريف بن سليمان، تقدم حديثه فى الجزء الأول من الحديث۔

ومـنهـم الزبير بن خِرِّيت، أخرج حديثه ابن عبد البر فى الجامع (ص ۱/۱۰)، وفيه بقية بن

الوليد ولكنه صرّح بالتحديث، والراوى عنه عمران بن هارون وهو المقدسى، وقال أبوزرعة: صدوق، وقال ابن يونس: فى حديثه لين، وذكره ابن حبان فى الثقات وقال: يخطئ ويخالف.

ومنهم ابن شهاب الزهرى، أخرج حديثه ابن عبد البر(ص ١٠)، وتقدم الكلام عليه فى "اطلبوا العلم"، وله طريق آخر أخرجه ابن الجوزى (ص ٥٩) من جهة إسماعيل بن عياش عن يونس بن يزيد الاَيلى عن الزهرى عن أنس ﷺ به بدون الزيادة فى أوله، وإسماعيل بن عياش ضعيف فى غير أهل بلده.

ومنهم سلّام الطويل، أخرج حديثه أبوالحسن القطان صاحب ابن ماجه فى كتاب العلل وقال: إنه غريب حسن الاِسناد، كذا نقله السخاوى فى المقاصد (٢٧٦).

قلت: ولكن أخرجه ابن عبد البر فى الجامع (ص ٩) من طريق أحمد بن زهير أخبرنا خلف بن الوليد أخبرنا سلام الطويل أخبرنا زياد بن ميمون عن أنس ﷺ به، فأدخل زياد بن ميمون بعده.

ومنهم حميد الطويل، أخرج حديثه الخطيب فى الفقيه والمتفقه (ص ۴۴) من وجهين، لفظ أحدهما "طلب الفقه" ولفظ الآخر "التفقه فى الدين حق على كل مسلم"، فى الاَول بشر بن الوليد الكندى، قال الآجرى: سالت أبا داود أ بشر بن الوليد ثقة؟ قال: لَا، وقال الدارقطنى ومسلمة بن القاسم: ثقة، وقال صالح جزرة: صدوق لكنه لَا يعقل قد كان خَرِفَ، وقال السليمانى: منكر الحديث، وقال الذهبى فى حديث فى إسناده بشر: هذا حديث صالح الاِسناد، وشيخه عبد الحميد بن الحسن الهلالى من رواة الترمذى، قال الحافظ فى التقريب: صدوق يخطئ، وفيه محمد بن عمر بن العلاء تلميذ بشر لم أجد ترجمته.

وفى الثانى معلّى بن هلال بن سويد أبو عبد الله الطحان، إتفق النقّاد على تكذيبه، والراوى عنه محمد بن أبان الغنوى أو العنبرى ذكره فى التهذيب ولم يعرف من حاله بشئ.

وحديث أبى سعيد ﷺ: أخرجه الطبرانى فى الأوسط، قال الهيثمى (ص ١٢٠): وفيه يحيٰى بن هاشم السمسار كذّاب، وأخرجه البيهقى فى الشّعب كماذكره السيوطى ولم أقف على إسناده، وأخرجه ابن الجوزى من وجه آخر (٦٢/١) وفيه عطية العوفى، قال الحافظ: صدوق يخطئ كثيرًا، كان شيعيًا مدلّسا، قلت وقد عنعن، وفيه أيضا إسماعيل بن عمرو البجلى

مختلف فيه، قال ابن عدى: حدّث بأحاديث لَا يتابع عليها، وقال أبوحاتم والدار قطنى: ضعيف، وذكره ابن حبان فى الثقات وذكره إبراهيم بن أورمة فأحسن الثّناء عليه.

وحديث ابى هريرةؓ: أخرجه الإمام أبوحنيفة فى مسنده (ص ۲۰)، ولكن شيخه ناصح بن عبد الله المحلمى ضعيف.

وهؤلَاء تسعة نفر ممن وقفت على أحاديثهم.

قال السخاوى فى المقاصد (ص ۲۷۶): وفى الباب عن أُبىّ وحذيفة وسلمان وسمرة ومعاوية بن حيده ونبيط بن شريط وأم المؤمنين عائشة وعائشة بنت قدامة وأم هانئ وآخرين –رضى الله عنهم–، بسط الكلام فى تخريجها العراقى فى تخريجه الكبير للاحياء.

ومع هذا كله قال البيهقى فى الشعب: متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روى من أوجه كلها ضعيفة، وقال ابن الجوزى فى العلل (ص ۶۶): قال أحمد بن حنبل: لَايثبت عندنا فى هذا الباب شئ.

وقال إسحاق بن منصورالكوسج: سمعت إسحاق بن راهويه يقول: ”طلب العلم واجب ولم يصحّ فيه الخبر إلّا أن معناه أنه يلزمه طلب علم مايحتاج إليه من وضوئه وصلوته وزكوته إن كان له مال وكذا لك الحج وغيره، قال: وما وجب عليه من ذلک لم يستاذن أبويه فى الخروج إليه، وماكان فضيلة لم يخرج إليه حتى يستاذن أبويه.

قال ابن عبدالبر فى الجامع (ص ۱/۱۱): يريد إسحاق والله أعلم أن الحديث فى وجوب طلب العلم فى أسانيده مقال لأهل العلم بالنقل، ولكن معناه صحيح عندهم.

وقال أبو على النيسابورى الحافظ: أنه لم يصح عن النبیﷺ فيه إسناد، و تقدم قول البزار: أسانيده واهية، وقول العقيلى: والرواية فى هذا ليّنة، وقال ابن القطان: لم يصح فيه شئ وأحسن ما فيه ضعف، وقال النووى فى فتاويه (ص ۲۷۶): وهو حديث ضعيف وإن كان معناه صحيحا، وقال فى مقدمة شرح المهذب (ص ۲۴): هذا الحديث وإن لم يكن ثابتا فمعناه صحيح، ومثّل به الحاكم فى علوم الحديث (ص ۱۱۴) وتبعه ابن الصلاح (ص ۲۶۳) للمشهور الذى ليس بصحيح.

لكن قال العراقى: قد صحّح بعض الأئمة بعض طرقه كما بيّنتُه فى تخريج الاِحياء، وقال الحافظ جمال الدين المزّى: هذا الحديث روى من طرق تبلغ رتبة الحسن۔

ووافقه السيوطى فى التدريب (ص ۱۷۴/۲) وقال فى حاشية ابن ماجه: وهو كما قال، فإنى رأيت له نحو خمسين طريقا وقد جمعتها فى جزء، وقال فى التعليقة المنيفة: وعندى أنه بلغ مرتبة الصحيح لأنى رأيت له نحو خمسين طريقا وقد جمعتها فى جزء، ونقل عنه المناوى (۲۴۷/۴): جمعت له خمسين طريقا وحكمت بصحتهٖ لغيره، ولم أصحّح حديثًا لم أسبق لتصحيحه سواه۔

وقال الزركشى: روى عن عدة من الصحابة، وفى كل طرقه مقال، وأجودها طريق قتادة وثابت عن أنسؓ وطريق مجاهد عن ابن عمر، وقد أخرجه ابن ماجه فى سننه عن كثير بن شنظير عن ابن سيرين عن أنسؓ، وكثير بن شنظير مختلف فيه، فالحديث حسن۔

قلت: وهو معلول ضعيف كما تقدم بيانه۔

وتقدم قول البزار: أحسن الطريق ما رواه إبراهيم بن سلام عن حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم النخعى عن أنسؓ به مرفوعا۔

وتقدم قول أبى داود أن أصح الطرق طريق جعفر بن مسافر عن يحيى بن حسّان عن سليمان بن قرم عن ثابت البنانى عن أنسؓ به۔

وتقدم قول أبى الحسن القطان فى حديث سلام الطويل عن أنسؓ أنه غريب حسن الاِسناد، وقال البيهقى فى المدخل: أراد -والله اعلم- العلم العام الذى لَا يسع البالغ العاقل جهلَه أو علم مايطرأ له خاصة، أو أراد أنه فريضة على كل مسلم حتى يقوم به من فيه الكفاية۔

قلت: الاَول ذكره ابن حبيب نقلا عن غيره، والثانى ذكره ابن المبارك، والثالث ذكره أحمد بن صالح المصرى وقبله ابن عيينة، وذكر نصوصهم ابن عبد البر فى جامع العلم (ص ۱۱ وص ۱۲/۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖OOO❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک صحابیؓ کے نماز میں تیر لگنے کا واقعہ
مسحِ رقبہ کا حکم
ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟
ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟

سوال:

(۱) حدیث جابرؓ جس میں ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ حالتِ نماز میں کسی نے تیر مارا مگر وہ نماز ہی پڑھتے رہے۔ **وھذا فی سنن أبی داود وصحیح ابن حبان (إلی أن قال) وزاد فیه فبلغ ذلک رسول اللهﷺ فدعا لهما۔**

اسپر صاحب عون المعبود نے لکھا ہے: **قلت: أورده العلامة العینی فی شرح الهدایة۔ قال العینی: ولم یأمره بالوضوء ولَا بإعادة الصلوة، انتهی** (ص ۱/۷۸)۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ زیادتی علامہ عینی نے ذکر کی ہے؟ اگر ہے تو پھر احناف حدیث جابر کا کیا جواب دینگے؟

(۲) مسحِ رقبہ کے سلسلہ میں جتنی روایات دیکھیں سب میں سر کے مسح کے ساتھ قفا اور عنق کا مسح ثابت ہوتا ہے اور اس میں کلام نہیں، کلام تو مسحِ رقبہ میں ہے جس کو سر کے مسح کے بعد ظہر کفین سے کیا جاتا ہے، اور یہ صورت کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔

نیل الأوطار اور **إحیاء السنن** اور **استدراک** نیز **أمانی الأحبار** اور **أوجز** میں سب جگہ صورتِ اول ہی ملتی ہے، صورت ثانی نہیں ملی، تو کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر نے فرمایا **روی أبوعبید فی کتاب الطهور عن عبد الرحمن بن مهدی الخ** (ص ۱/۳۴)۔

(۳) ابوعبید کون ہیں؟ اور ان کے احوال کہاں لکھے گئے ہیں؟ حوالہ ارشاد فرمائیں۔

نیز اسی میں مسعودی بھی ہیں یہ کون ہیں؟ نیل میں **روی القاسم بن سلام فی کتاب الطهور** ہے جس سے ابوعبید کے نام کی تعیین ہوئی (ص ۱/۱۴۲)۔

(۴) وفی النیل(ص ۲ ۴ ۱ /۱) بـاب مسح العنق قال الحافظ: قرأتُ جزءاً رواہ أبو الحسین بن فارس الخ، ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟ جبکہ حافظ نے بین ابن فارس وفلیح مفازة سے اس پر تعقب کیا ہے۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) مسائل دوقسم کے ہیں، منصوص وغیر منصوص۔

قسم ثانی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ ﷺ پر قیاس کر کے نکالے جاتے ہیں۔

قسم اول دونوع کے ہیں، اول وہ جہاں یکطرفہ دلیل ہو، دوسرے وہ جہاں دونوں طرف دلائل ہیں۔

اول محتاج بحث نہیں، ثانی میں علماء میں اختلاف ہوتا ہے، ہرایک نص کے ساتھ اپنے فکرونظر علم واجتہاد کو استعمال کرتا ہے،

حضرت امام ابوحنیفہ وامام احمد خون کو ناقض مانتے ہیں اور امام مالک وامام شافعی ناقض نہیں مانتے اور حدیث جابر یا اس جیسی روایات کو پیش کرتے ہیں،

نقضِ وضوء کے قائلین نے حدیث استحاضہ "فإنّہ دم عرق، فإذا أقبلت الحیضۃ فدعی الصلوۃ وإذا أدبرتْ فاغسلی عنکِ الدم وصلّی"، وفی لفظ: "فاغتسلی"، وزاد فی روایۃ: "فتوضئ" سے استدلال کیا ہے، وضو کے حکم کو دم عرق پر مرتب کرنا اس کی دلیل ہے کہ دم ناقض ہے۔

ان حضرات نے جابرؓ کی روایت کے مختلف انداز میں جواب دئے!

کوئی کہتا ہے کہ ابن اسحاق متکلم فیہ ہیں، کوئی عقیل بن جابر پر کلام کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو علم نہیں ہوسکا ہے کیونکہ کسی روایت میں ذکر نہیں کہ صحابہ نے ذکر کیا ہو لیکن یہ بعید ہے، ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو واقعہ کا علم ہوا ہوگا، اور علامہ عینی نے تو ایسی روایت بھی نقل کردی جیسا کہ صاحبِ عون نقل کرتے ہیں۔

اس وقت ہمارے پاس البنایہ نہیں ہے لیکن ہماری معلومات میں اس روایت کے طرق میں حضور اکرم ﷺ کو اطلاع نہ پانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

یہ حدیث ابن اسحاق نے سیرۃ میں اور احمد نے مسند (ص ۵۵ ۳ / ۳) میں اور ابن المبارک نے الجہاد (ص ۱۴۹) میں اور ابوداؤد نے سنن میں (ص ۱۲۱ / ۱) اور ابن خزیمہ وابن حبان (ص ۳۰۲ / ۲) وحاکم

(ص ۱/۱۵۶) ودارقطنی (ص ۸۲) وبیہقی نے اپنی کتب میں روایت کی ہے، اور کسی کی روایت میں مذکورہ زیادتی نہیں ہے۔

یہ جوابات ایسے نہیں کہ ان کا جواب نہ ہو اسلئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ استحاضہ والی روایت اس سے اقوی ہے، وہ ارجح ہوگی، لیکن دوسرے حضرات اس کا جواب دے سکتے ہیں کہ حدیث استحاضہ میں دخل 'خروج من احدی السبیلین' کو ہے۔

غرض یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں ظن غالب پر اعتماد کیا جاتا ہے، جس مجتہد کو جس طرف کا رجحان معلوم ہوا اس کو اختیار کرلیا۔

(۲) مسحِ رقبہ کے بارے میں سب روایات معلول ہیں، مسح رأس مع العنق ابوداود وغیرہ کی روایت سے جس میں مسح علی القذال کا ذکر ہے ثابت ہوتا ہے، صورت ثانیہ کا مستدل مجھے معلوم نہیں!

(۳) یہ ابوعبید القاسم بن سلام مشہور محدث ولغوی ہیں، مکہ میں ۲۲۴ھ میں وفات ہوئی کما فی التذکرة الذهبی (۲/۴۱۷)، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جیسے کتاب الاموال، کتاب الطہور، کتاب الناسخ و المنسوخ۔

اور مسعودی کا نام ونسب عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الکوفی المسعودی ہے، قال الحافظ فی التقریب: صدوق اختلط قبل موته، وضابطه أن من سمع منه ببغداد فبعد الاِختلاط، انتہی۔

(۴) ابن فارس کی روایت حافظ ابن حجر نے التلخیص (ص ۱/۹۳) میں نقل کی ہے اور حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے پوری سند نہیں ہے۔ قال: وأنا قرأتُ جزءاً رواه أبو الحسين بن فارس بإسناده عن فليح بن سليمان عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ قال: "من توضّأ ومسح بيديه على عنقه وُقِيَ الغلّ يوم القيمة"، وقال: هذا إنشاء الله حديث صحيح، قلت: بين ابن فارس وفليح مفازة فلينظر فيها، انتهى۔

ہمارے سامنے نہ ابن فارس کا جزء ہے اور نہ اور کہیں یہ روایت نظر پڑی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

”یبدأ بالملح ویختم به“ کی تحقیق

سوال:۔

”یبدأ بالملح ویختم به“ الخ کی تحقیق اختصار کے ساتھ تحریر فرمائیں!

(حضرت مفتی محمد یحیٰ صاحب)

الجواب:۔

(۱) عن علیؓ قال: قال لی رسول الله ﷺ: ”إذا أکلت فابدأ بالملح واختم بالملح، فإن الملح شفاء سبعین داء، أولها الجنون والجذام والبرص ووجع الأضراس ووجع الحلق ووجع البطن“، رواه الحارث بن أبی أسامة فی مسنده کما فی المطالب العالیة (۲/۳۱۵).

قال البوصیری: رواه الحارث عن عبد الرحیم بن واقد عن حماد بن عمرو عن السریّ بن خالد وهم ضعفاء۔

قلت: عبد الرحیم بن واقد قال الطبری فی تفسیره: مجهول غیر معروف بالنقل غیر جائز الاِحتجاج بما یرویه، کذا فی اللسان، وشیخه حماد بن عمرو هو النصیبی متّهم بالکذب والوضع، قال البخاری: یکنی أبا إسماعیل منکر الحدیث، وقال النسائی: متروک الحدیث۔ قال الجوزجانی: کان یکذب، وقال ابن حبان: کان یضع الحدیث وضعًا۔ وشیخه السریّ بن خالد! قال الذهبی: السریّ بن خالد مدنیّ لَایعرف، قال الأزدی لَا یحتجّ به۔

حضرت علیؓ سے اور بھی طریقوں سے بدائة بالملح مرفوعًا وموقوفًا منقول ہے لیکن سب معلول ہیں، کسی کا راوی متروک ہے تو کسی کا متہم بالوضع،

وفی الباب عن أنسؓ رفعه إلی رسول الله ﷺ قال: ”ابدأوا بالملح فإن فیه بضعا وسبعین دواءً، ومن بدأ بالملح فقال: بسم الله والحمد لله، اللهم بارک لنا فیما رزقتنا وارزقنا ما هو أفضل منه، وقاه الله من عذاب القبر، ثم لَا تستقرّ اللقمة فی بطنه حتی یغفر الله له“، أخرجه حمزة بن یوسف السهمی فی تاریخ جرجان (ص ۳۴۱)، وقال: هذا حدیث منکر، وعلی بن یزداد الجرجانی متّهم۔

محمد یونس عفی عنه

یوم الاحد ۲ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ

باب ما یقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق

سوال:۔

طحاوی (ص ۳۸۴) ’باب ما یقتل المحرم من الدوابّ‘ کا حاصل مختصر الفاظ میں تحریر فرما کر بھیجئے، مجھے اس میں اطمینان نہیں ہوا، حضرت ناظم (مولانا اسعد اللہ) صاحبؒ کی تقریر بھی اس کی گم ہے۔

(حضرت مفتی یحیٰی صاحب)

جواب:۔

نبی اکرم ﷺ نے پانچ دوابّ کے قتل کی مُحرم کو اجازت دی ہے، اب اسمیں اختلاف ہے کہ حدیث میں کلب عقور کے قتل کی جو اجازت دی گئی ہے یہ صرف کلب کے ساتھ خاص ہے یا عام؟

ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عام ہے اور کلب عقور سے مراد صرف کلب نہیں ہے بلکہ کل ما عدا علی الناس وعقرھم ہے، چنانچہ ابو ہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے جو سباع کی ایک نوع ہے، معلوم ہوا کہ اگر کلب سے نوع مخصوص مراد ہوتی تو ابو ہریرہؓ اس کی تفسیر اسد سے نہ کرتے،

حضرت ابو ہریرہؓ نے کلب عقور کی تفسیر اسد سے جو کی ہے یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے، جیسے کہتے ہیں ما الاِسم؟ جواب دیتے ہیں زید، تو اسمیں عمرو بکر سب داخل ہوتے ہیں، ایک فرد کو ذکر کر کے بقیہ پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے، اسی طرح یہاں کلب عقور کی تفسیر اسد سے کر کے بقیہ انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اسد کے وصف خاص عدو (حملہ کرنا) وعقر (زخمی کرنا) میں جو شریک ہوں گے سب مراد ہوں گے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں یہ ابو ہریرہؓ کی تفسیر ہے مرفوع نہیں ہے، اور حضرت جابرؓ کی حدیث مرفوع ’’الضبع صید وفیہ کبش‘‘ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ضبع کو جو سباع کی قسم میں ہے اپنے دانت اور پنجوں سے شکار کرتا ہے صید قرار دیا اور قاتل پر فدیہ واجب قرار دیا، اگر ہر سبع کے قتل کی اجازت ہوتی تو قاتلِ ضبع پر جو سبع ہے فدیہ کیوں واجب ہوتا؟

لیکن امام طحاویؒ کا یہ اعتراض جمہور پر وارد نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ لوگ تمام سباع کا قتل جائز نہیں کہتے بلکہ صرف انکا قتل مباح کہتے ہیں جنہیں عدوان و عقر یعنی حملہ کی صفت ہوتی ہے، ضبع میں یہ وصف نہیں ہے۔

فان قال قائل: فلم لَا تبیحون قتل الذئب؟ سائل کہتا ہے کہ قتل ذئب کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

امام طحاوی کہتے ہیں اسلئے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف پانچ حیوانات کے قتل کی اجازت دی ہے مزید کی نہیں،

اوران پانچ کی تعیین فرمادی ہے، اگراوروں کے قتل کی بھی اجازت ہوتی تو صرف پانچ ہی کو کیوں ذکر فرماتے ،

فالّذين أباحوا الخ۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے قتل ذئب کی اجازت دی ہے سارے ہی سباع کے قتل کی اجازت دی، اور جو منع کرتے ہیں وہ سب کے قتل سے منع کرتے ہیں، صرف کلب عقور کے قتل کی ورودِ نص کی وجہ سے اجازت دیتے ہیں۔

فأمّا ما روى عن النبى ﷺ فيما يقتل فى الاِحرام والحرم الخ۔امام طحاویؒ نے اس کے بعد حفصہؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ کی روایات ذکر کی ہیں جن میں غراب، حدأة، فارة، عقرب، کلب عقور کے قتل کی اجازت وارد ہے، پھر ابو سعیدؓ کی روایت لائے ہیں جس میں عقرب وحیّہ وفارة کا ذکر ہے۔

فهذا ما أباح الخ۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان حیوانات کے قتل کی حضور اکرم ﷺ نے اجازت دی ہے اور سب کو پانچ شمار کیا ہے، اس عدد کی تعیین سے معلوم ہوا کہ باقی حیوانات جو مذکورہ حیوانات کے ساتھ وصف سبعیت میں شریک ہیں مراد نہ ہوں گے ورنہ پانچ کے عدد کی تخصیص بے سود ہوگی، ہاں وہ دوابّ داخل ہوں گے جن کے متعلق اجماع ہو گیا ہے کہ یہ مراد ہیں۔

فان قال قائل فقد رأينا الحيّة الخ۔معترض کہتا ہے کہ حیّہ اور جمیع ہوام کا قتل مباح ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے صرف عقرب کا ذکر فرمایا، تو جیسے یہاں تنصیص علی العقرب تعیین کو مقتضی نہیں اسی طرح کلب عقور کی تنصیص تعیین کو مقتضی نہیں ہوگی بلکہ اشارہ ہوگا کہ انکے امثال کا قتل مباح ہے۔

قيل له قد أوجدناک نصًّا الخ۔امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ ہم حضرت جابرؓ کی حدیث ”**الضبع صيد وفيه كبش**“ کے نص سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سارے سباع مراد نہیں ورنہ ضبع کے قتل پر فدیہ نہ آتا

ثم رأيناه أباح مع ذلک أيضًا قتل الغراب الخ۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو حدیث میں غراب وحدأة کے قتل کی اجازت ہے جو ذی مخلب طیور میں سے ہیں، اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ سارے ذی مخلب طیور جیسے باز، شکرہ وغیرہ کو قتل کیا جاسکتا ہے بلکہ اجماع ہے کہ سوائے دونوں منصوص طیور کے اور کسی کا قتل مباح نہیں، اور اس پر اجماع ہے کہ عقرب کے حکم میں جس کے قتل کی اجازت ہے سارے ہی ہوامّ الارض داخل ہیں۔

تو حاصل یہ ہوا کہ حدیث میں تین طرح کے جانوروں کے قتل کی اجازت ہے،

ایک غراب وحدأة، اسمیں اجماع ہے کہ باقی ذی مخلب طیور ان دونوں کے حکم میں نہیں ہیں اور ان کا قتل جائز نہیں ہے،

دوسرے عقرب ہے، اس پر اجماع ہے کہ سارے ہوامّ الارض کا حکم وہی ہے جو عقرب کا حکم ہے کہ اس کا قتل جائز ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث جو آگے آرہی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حیّہ کے قتل کی اجازت دی گئی جو ہوامّ الارض میں سے ہے تو باقی ہوام کا حکم بھی یہی ہوگا، اور معلوم ہوا کہ عقرب کی ذات مقصود نہیں ہے بلکہ عقرب بولکر ہوامّ الارض مراد ہے،

تیسری قسم کلب عقور ہے، اب یہاں دو احتمال ہیں، ایک یہ اس کو عقرب کی طرح جو ہوامّ میں سے ہے عام کیا جاوے، اور دوسرے یہ کہ غراب وحدأۃ کی طرح خاص کر دیا جائے،

فذو الناب من السباع الخ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں ذوناب سباع کو ذی مخلب طیر کے حکم میں رکھنا زیادہ انسب ہے کہ دونوں شکار پکڑ کر کھانے میں مشترک ہیں بخلاف **ھوامّ الاَرض** کے، اور مزید یہ کہ جابرؓ کی حدیث جو ضبع کے بارے میں اوپر نقل کی گئی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ کلب عقور بول کر مطلقاً سبع مراد نہیں ہے،

فإن قال قائل إنما جعل الخ۔ معترض کہتا ہے کہ ضبع کو جو عام سباع کے حکم سے الگ رکھا اور اس کا قتل حرام کیا گیا اور اس پر فدیہ واجب ہوا وہ تو اسلئے کہ ضبع کھایا جاتا ہے بخلاف اسد و فہد وغیرہ سباع کے۔

قیل لہ قد غلطت فی التشبیہ الخ۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اباحتِ اکل یعنی ماکول ہونا اگر حرمتِ قتل کا سبب ہوتا تو غراب وحدأۃ وفارۃ کسی کا قتل بھی جائز نہ ہوتا اسلئے کہ یہ سب تمہارے یہاں یعنی امام مالک کے یہاں جائز الاکل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اباحتِ اکل حرمتِ قتل کا موجب نہیں ہے بلکہ صید ہونا موجبِ حرمت ہے اور چونکہ یہ سبع ہے لہٰذا ہر سبع صید ہوگا اور جابرؓ کی حدیث کے تحت اس کا قتل جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ صید جو سبع ہے محرّم القتل ہے، ہاں کلبِ عقور تنصیص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

فان قال قائل فکیف تکون سائر السباع الخ۔ معترض کہتا ہے کہ سارے سباع ضبع کے حکم میں کیسے ہو سکتے ہیں؟ ضبع کھایا جاتا ہے اور باقی سباع کھائے نہیں جاتے۔

قیل لہ قد یکون من الصید الخ۔ امام طحاویؒ جواب دیتے ہیں کہ بعض شکار کا کھانا انسان کیلئے جائز نہیں لیکن اگر وہ حلال ہو اور حرم سے باہر ہو تو انکو پکڑ کر اپنے کتوں کو کھلا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مطلقاً غیر ماکول ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، ضبع اگر بہت سے علماء کے یہاں انسان کیلئے جائز الاکل ہے تو دوسرے سباع انسان کے کتے کھا سکتے ہیں، لہٰذا جیسے ضبع کے شکار سے آدمی کا فائدہ ہے دوسرے سباع کے شکار سے بھی فائدہ ہے، اگر ضبع فائدۂ اکل کی وجہ سے ممنوع القتل ہے تو دوسرے سباع بھی ممنوع القتل ہوں گے اسلئے کہ ان کے شکار میں اس کے کتوں کا

فائدہ ہے، وہ کھائیں گے۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇○○○◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ

(مفتی یحییٰ صاحب نے مزید خلاصہ کی خواہش فرمائی اس پر اگلی عبارت لکھی گئی)

مختصر خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانچ دواب کے قتل کی محرم کو اجازت دی ہے اس میں کلب عقور بھی ہے۔

اب یہ اختلاف ہے کہ کلب عقور کے حکم میں جملہ سباع داخل ہیں یا خاص کلب ہی مراد ہے۔

ائمہ ثلاثہ اول کے قائل ہیں اور امام طحاویؒ ثانی کے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کلبِ عقور کی تفسیر اسد سے کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خاص کلب مراد نہیں بلکہ اس کی صفت سبعیّت مراد ہے لہذا سارے سباع مراد ہوں گے۔

امام طحاوی نے جواب دیا کہ ابو ہریرہؓ کی تفسیر ان کی اپنی رائے ہے، اور حدیثِ مرفوع سے تو تخصیص ہی معلوم ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ نے ضبع کے قتل پر جو سباع کی قسم ہے فدیہ واجب قرار دیا ہے، اگر ہر سبع کلبِ عقور سے مراد ہوتا تو قتلِ ضبع پر جو سبع ہے فدیہ نہ آتا، معلوم ہوا کہ جنسِ سبع مراد نہیں بلکہ خاص کلب مراد ہے۔

معترض کہتا ہے کہ آپ ذئب کے قتل کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟

طحاوی کہتے ہیں کہ حدیث میں صرف پانچ کی اجازت مراد ہے، اگر ذئب کے قتل کی اجازت دیں گے تو عدد فوت ہو جائے گا۔

اس کے بعد امام طحاوی نے جن دواب کے قتل کی اجازت وارد ہوئی ہے ان کے متعلق روایات ذکر کی ہیں اور پھر آگے ایک لمبی بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث میں تین قسم کے دواب کا ذکر ہے، غراب وحُدَیّا بالاتفاق مخصوص ہیں، یہاں تمام شکاری پرندے مراد نہیں ہیں، دوسرے عقرب وفارۃ اسمیں سارے ہوامّ الارض

داخل ہیں، اور تیسرے کلب عقور اس میں اختلاف ہے کہ اس میں سارے سباع داخل ہیں اور یہ تعریف بالمثال کے قبیل سے ہے یا کلب کی خاص ذات مراد ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کلب کو جو ذوناب ہے ذومخلب طیر یعنی حدأۃ کے حکم میں رکھنا ، بنسبت فارہ وہوام کے حکم میں رکھنے کے زیادہ اولیٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سباعِ بہائم اور سباعِ طیور دونوں شکار کرتے ہیں۔

معترض کہتا ہے کہ ضبع کی روایت سے تخصیص پر استدلال نہیں کر سکتے اس لئے کہ ضبع تو ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے۔

طحاوی نے جواب دیا کہ اباحتِ اکل اگر سببِ حرمتِ قتل ہوتا تو حدأۃ، غراب، فارہ، کسی کا قتل جائز نہ ہوتا، اس لئے کہ سب تمہارے یعنی مالکیہ کے یہاں ماکول ہیں بلکہ علتِ حرمت صید ہونا ہے لہٰذا جو صید ہوگا اس کا قتل ناجائز ہوگا، جیسے ضبع جو سبع ہے اس کا قتل ناجائز ہے صرف کلب تنصیص کی وجہ سے حرمت سے خارج ہوگا۔

معترض نے کہا کہ سارے سباع کو ضبع کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ ضبع ماکول ہے بخلاف دیگر سباع کے۔

امام طحاوی نے جواب دیا کہ دوسرے سباع کو انسان کے کتے کھا سکتے ہیں لہذا سباع کے ماکول ہونے کی مطلقا نفی صحیح نہیں ہے، اور جب فی الجملہ سب سے ہی فائدۂ اکل متعلق ہے کہیں اکل انسان کا کہیں اکل کلاب کا، تو ماکول وغیر ماکول کو مابہ الفرق بنانا صحیح نہیں، انتہٰی حاصل مراد الطحاوی، وفیہ منوع وخدشات لَا تخفٰی علی المتأمل۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۱ جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

حدیث ”لَا یحلّ مال امرئ إلّا...“ طحاوی میں ہے؟

مفتی یحییٰ صاحب

جواب:

مخدومی حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

روایت طحاوی میں تو نہیں ملی، لیکن حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ (۱/۴۲۲) میں نقل کی ہے۔

اس کے الفاظ یہ ہیں: معتمر عن أبيه حدثنی شیخ لقيته بالبحرين عن خطبة النبی ﷺ فی حجة الوداع أنه قال: ”لَا يحلّ مال امرئ إلّا ما أعطى عن طيب نفسه“۔

اور مجمع الزوائد میں اس مضمون کی کئی روایتیں ذکر کی گئی ہیں:

عن عمرو بن يثربی رضی اللہ عنہ قال: ”خطبنا رسول الله ﷺ فقال: أَلَا وَلَا يحلّ لِامرئ من مال أخيه شئ إلّا بطيب نفس منه، فقلت يا رسول الله! أرأيتَ إن لقيتُ غنم ابن عمی أجتزر منها شاةً؟ فقال: إن لقيتَها نَعْجَةً تحملُ شَفْرةً، وأزنادًا بِخَبْتِ الجُمِيْشِ فلا تَهِجْها۔ قال: يعنی بِ’خبت الجميش‘ أرضاً بين مكة والجار ليس بها أنيس“، (كذا فی مسند أحمد رقم الحديث ٢١١٣٩)۔

وفی رواية عن عمرو بن يثربی رضی اللہ عنہ قال: ”سمعت خطبة النبی ﷺ بِمنى فكان فيما خطب به أن قال: لَا يحل لِامرئ من مال أخيه إلّا ما طابت به نفسه، قال: فلما سمعت ذلک قلت يا رسول الله! أرأيتَ إن لقيتُ غنم ابن عمی“ فذكر نحوه۔ رواه أحمد (١١٣/٥) وابنه من زياداته أيضا ورجال أحمد ثقات، والطبرانی فی الكبير والأوسط، وقال: بِ’خَبْتٍ‘ على الصواب۔

وخبت الجميش بالخاء والباء الموحّدة ثم التاء المثناة: صحراء بين الحرمين كما فی القاموس۔

وعن أبی حرّة الرقاشی عن عمّه رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: لَا يحلّ مال امرئ مسلم إلّا بطيب نفس منه، رواه أبو يعلى، وأبوحرة وثّقه أبوداود وضعفه ابن معين، مجمع الزوائد (ص ١٧١/٤ وص ١٧٢/٤)۔

قلت: حديث أبی حرّة رواه الدارقطنی (ص ٢٦/٣) والبيهقی فی السنن الكبرى (١٠٠/٦)، قال النووی فی شرح المهذب (ص ٥٤/٩) إسناده ضعيف۔

وحديث عمرو بن يثربی رضی اللہ عنہ أخرجه الدارقطنی (ص ٢٥) وأخرج (ص ٢٥) عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: ”لَا يحل مال امرئ مسلم إلّا بطيب نفسه“، وإسناده واهٍ۔

وفی الباب أحاديث۔

محمد یونس عفی عنہ

ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

سوال:

دارالعلوم چھاپی میں مولانا زین العابدین اعظمی حدیث شریف پڑھاتے ہیں جو مولانا انظر شاہ صاحب کے ساتھیوں میں ہیں، وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے، وہ کس باب میں اور کس صفحہ پر ہے؟ کئی دنوں سے اس کی تلاش تھی لیکن مل نہ سکی۔

جواب:

امام ابوحنیفہ کا ایک کلام ترمذی فی العلل الصغریٰ میں جابر جعفی اور عطاء بن ابی رباح کے متعلق روایت کیا ہے، امام صاحب کے واسطہ سے کوئی مرفوع یا موقوف اثر نقل نہیں کیا ہے، وہ کلام ترمذی مطبوعہ مصر میں موجود ہے جو مطبوعہ رشیدیہ کے اعتبار سے (ص۲۳۶/ ۲) کی حسب ذیل عبارت: **أخبرني موسیٰ بن حزام قال: سمعت یزید بن هارون یقول: لَا یحل لأحد أن یروی عن سلیمان بن عمرو النخعی الکوفی** کے بعد ہے وہ یہ ہے:

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا أبو یحییٰ الحمانی قال: سمعت أبا حنیفة یقول: ما رأیت أحدًا أکذب من جابر الجعفی ولَا أفضل من عطاء بن أبی رباح، انتهی۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث

سوال:

تعویذ گنڈے کے جواز کے دلائل کیا ہیں؟ جبکہ ابوداؤد کی روایت موجود ہے "**من علّق تمیمةً فقد أشرک**" تاویلی جواب سے بچتے ہوئے نقلی جواب تحریر کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ حضور ﷺ سے کسی موقعہ پر تعویذ کا دینا یا اس کا امر یا صحابہ کرامؓ سے کوئی فعلی حکم سرزد ہوا ہے؟

عقلی وتاویلی جواب سے احتراز کرتے ہوئے بالدلیل ثابت کریں۔

السائل ــــــــــــــــــــ

جواب:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ؓ ”أن رسول الله ﷺ قال: إذا فزع أحدكم فى النوم فليقل ’أعوذ بكلمات الله التامّات من غضبه وعقابه وشرّ عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون‘ فإنها لن تضرّه، وكان عبد الله بن عمرو ؓ يعلّمها من بلغ من وُلده، ومن لم يبلغ منهم كتبها فى صكّ ثم علّقها فى عنقه“۔

رواه أبوداود والترمذى وهذا لفظه، كذا فى المشكوة (ص۲۱۷) فى باب الاِستعاذة۔

وكذا رواه البخارى فى خلق أفعال العباد (ص۸۸) والنسائى فى اليوم والليلة من سننه، قال الترمذى: حسن غريب، قال المباركفورى فى تحفة الأحوذى (ص۴/۲۶۷): وأخرجه الحاكم وقال: صحيح الاِسناد وليس عنده تخصيصها بالنوم۔

وأخرج الطحاوى (ص۲/۳۲۳) عن عائشة ؓ قالت: ”ليست بتميمة ما علّق بعد أن يقع البلاء“۔

وأخرج أبو نعيم فى أخبار أصبهان (ص۱۰۲) عن عائشة ؓ قالت: ”إنما التمائم ما علّق قبل البلاء، فأما ما علّق بعد البلاء فليس من التمائم“، وكذا أخرجه الحاكم (ص۴/۴۱۸) وصحّحه على شرط الشيخين، وفى تلخيص الذّهبى ذكر التصحيح فقط۔

راجع المسئلة من شرح المهذب (ص۲/۷۱) وتحفة الأحوذى (ص۳/۱۷۱)۔

وفى طبقات الحنابلة لاِبن رجب (ص۴/۵۷) فى ترجمة أبى عمر بن قدامة قال الموفّق: كان مُجاب الدّعوة، وما كتب لأحد ورقةً للحمّى إلّا شفاه الله تعالى، اھ ۔

اس سے بھی بظاہر تعویذ مراد ہے اور سلف کا یہ معمول ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب

حضرت موسیٰ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟

سوال:

(۱) ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خواب پرندوں کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے اور جب اس کی تعبیر بیان کردی گئی تو وہ تعبیر واقع ہوجاتی ہے۔

خواب کے پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۲) ہمارا ایک دوست پوچھتا ہے کہ سب پیغمبروں کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی کا پیغام پہنچایا گیا، کیا بات ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر خود خدا آکر دکھائی دیا اور کلام کیا؟۔ فقط والسلام

السائلہ: زینب بی بی صاحبہ

جواب:

(۱) ابوداؤد شریف میں (ص ۴۶۴/۴) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''**الرؤیا علیٰ رِجل طائر ما لم تعبّر، فإذا عبّرت وقعت**''، خطابی کہتے ہیں (ص ۲۹۸/۷): **هذا مثل، ومعناه أنها لَا تستقرّ قرارها ما لم تعبّر**۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ایک تمثیلی کلام ہے، مقصد یہ ہے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے اس کی کوئی معین مراد نہیں ہوتی ہے گویا وہ پرندے کے پاؤں پر بندھا ہوا ہے، جیسے پرندے کو اکثر اوقات قرار نہیں ہوتا اور وہ کسی معین جگہ پر نہیں بیٹھتا اسی طرح خواب کی تعبیر دینے سے پیشتر اس کی کوئی معین مراد نہیں ہوتی، ہاں تعبیر دے دینے کے بعد معین ہوجاتی ہے اور جو تعبیر دی جاتی ہے واقع ہوجاتی ہے۔

لیکن اس حدیث کا تعلق اس خواب سے ہے جسکی مختلف تعبیریں ہوسکتی ہوں اور جو محتمل ہو، اور اگر کوئی خاص تعبیر ہو تو تعبیر کی صحت پر دارومدار ہے۔

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ نے ایک شخص کے خواب کی تعبیر دی اور حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے تعبیر صحیح دی یا غلط؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**أصبت بعضًا وأخطأت بعضًا**'' یعنی کچھ صحیح ہے کچھ غلط، امام بخاریؒ (ص ۱۰۴۳) نے اس حدیث پر '**باب من لم یر الرؤیا لأوّل عابر إذا لم یُصب**' ترجمہ منعقد کیا ہے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے سرعتِ سقوط اور وقوع کو بیان کرنا ہے، پرندے کے پیر پر جو چیز ہوتی ہے وہ جلدی سے گر جاتی ہے، ادنیٰ حرکت سے ساقط ہوجاتی ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے پرندہ کے پاؤں پر جو چیز لٹکا دی

جائے وہ ادنیٰ حرکت سے گرجاتی ہے اسی طرح خواب کی تعبیر کا حال ہے کہ معبّر کے تعبیر بیان کرنے کے ساتھ تعبیر واقع ہوجاتی ہے یعنی اس کی مراد معین ہوجاتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا دیکھا نہیں بلکہ ﴿رَبِّ أَرِنِیْ أَنْظُرْ إِلَیْکَ﴾ کہہ کر جب دیکھنے کی تمنا کی تو ﴿لَنْ تَرَانِیْ﴾ کا جواب ملا، یعنی دنیا میں کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

اب سنو! سارے انبیاء ہم رتبہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعض بعض کو خاص فضائل عطا فرمائے ہیں:

قال تعالیٰ: ﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلیٰ بَعْضٍ، مِّنْهُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ عام انبیاءؑ کے پاس فرشتہ وحی لیکر آتا تھا، حضرت موسیٰؑ سے اللہ پاک نے براہ راست کلام فرمایا اور حضور اقدس ﷺ کو اللہ پاک نے لیلۃ المعراج میں سارے آسمانوں کے اوپر بلایا، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے ہے، اس کو وہی جانتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

”تخلّقوا بأخلاق الله“ کیا حدیث ہے؟

السائل.................

جواب:

”تخلّقوا بأخلاق الله“ صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ

سوال:

مکرمی ومعظمی متّعنا الله بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے حکایاتِ صحابہ میں ازواجِ مطہرات کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حفصہؓ کو نبی کریم ﷺ نے طلاق دی ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ حضرت سودہؓ تھیں۔

اب آں محترم سے دونوں قول میں سے راجح قول کی وضاحت کی درخواست ہے، ظاہر و باطن کی اصلاح اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہنے کیلئے دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام

احقر محمد انعام اللہ شاہجہاں پوری

مدرسہ امدادیہ مرادآباد

جواب:

مکرم ومحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

آپ کا کارڈ کئی روز سے رکھا ہوا تھا لیکن موقع نہیں ملا، آج لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

حضرت حفصہؓ کو طلاق دینا تو مشہور ہے، فأخرج أبوداود (ص۳/۳۱۸) والنسائی (ص۲/۱۲۰) وابن ماجه (ص۱۴۶) والدارمی (۲/۱۶۰) وعبد بن حمید وابن سعد (ص۸/۸۴) والحاكم (ص۲/۱۹۷) من طريق يحيىٰ بن زكريا بن أبی زائدة عن صالح بن صالح بن حیّ عن سلمة بن كهيل عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ عن عمرؓ أنّ النبیّ ﷺ طلّق حفصةؓ ثمّ راجعها.

قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين.

وأخرج ابن سعد (ص۸/۸۴) والدارمی (ص۲/۱۶۱) والحاكم فی المستدرک (۲/۱۹۷) من طريق هشيم عن حميد عن أنس: "أنّ النبی ﷺ طلّق حفصةؓ ثمّ راجعها"،

قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين وأقرّه الذهبی، وقال الدارمی: كان علی بن المدينی أنكر هذا الحديث وقال: ليس عندنا هذا الحديث بالبصرة عن حميد.

وأخرج الحاكم (ص۴/۱۵) من طريق الحسن بن أبی جعفر عن ثابت عن أنسؓ: "أنّ النبی ﷺ طلّق حفصةؓ تطليقة، فأتاه جبريلؑ فقال: يا محمد! طلّقت حفصة وهی صوّامة وقوّامة وهی زوجتک فی الآخرة، فراجعها".

وأخرج الحارث بن أبی أسامة وابن سعد (ص۸/۸۴) والحاكم (ص۴/۱۵) من طريق حمّاد بن سلمة عن أبی عمران المولىٰ عن قيس بن زيد: "أنّ رسول الله ﷺ طلّق حفصة بنت

عمرؓ، فأتاها خالاَها عثمان وقدامة ابنا مظعون فبكت وقالت: والله ما طلّقنی رسول الله ﷺ عن شبع، فجاء رسول الله ﷺ فدخل علیها فتجلببت، فقال رسو ل الله ﷺ: إنّ جبرئیل أتانی فقال لی: ارجع حفصة فإنّها صوّامة قوّامة وهی زوجتک فی الجنة"۔

وهو مرسل، فإنّ قیساً مختلف فی صحبته والصواب أنّه تابعیّ، وذكر عثمان وهم لأنّه مات قبل أحد بلا خلاف، وتزوّج النبی ﷺ حفصة بعد أحد بلا خلاف، كما قاله الحافظ فی الإصابة۔

اس کے علاوہ اور بھی بعض روایات ہیں، بعض متصل اور بعض مرسل جو کہ طبقات ابن سعد اور اصابہ میں حضرت حفصہؓ کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت سودہؓ کے طلاق کا تذکرہ بعض روایات میں ہے۔

قال ابن سعد (ص ۸/۵۴): أخبرنا مسلم بن إبراهیم قال حدثنا هشام الدستوائی حدثنا القاسم بن أبی بزة "أنّ النبی ﷺ بعث إلی سودة بطلاقها، فلمّا أتاها جلست علی طریقه بیت عائشة، فلمّا رأته قالت: أنشدک بالذی أنزل علیک کتابه واصطفاک علٰی خلقه بماطلّقتنی؟ ألموجدة وجدتها فیّ؟ قال: لَا، قالت: فإنّی أنشدک بمثل الأولی لمّا راجعتَنی وقد کبرتُ ولَا حاجة لی فی الرجال، ولکنّی أحبّ أن أبعث فی نسائک یوم القیامة، فراجعها النبی ﷺ، قالت: فإنّی قد جعلت یومی ولیلتی لعائشة حِبّة رسول الله ﷺ"، رجاله ثقات وهو مرسل۔

وأخرج البیهقی (ص ۷/۷۵) من طریق أحمد بن عبد الجبار العطاردی عن حفص بن غیاث عن هشام بن عروة عن أبیه: "أنّ رسول الله ﷺ طلّق سودة، فلمّا خرج إلی الصلوة أمسکت بثوبه وقالت: ما لی فی الرجال حاجة، ولکنّی أرید أن أحشر فی أزواجک، قال: فراجعها وجعل یومها لعائشة، وکان یقسم لها بیومها ویوم سودة"، وهو مرسل وأحمد بن عبد الجبار مختلف فیه۔

لیکن اس سے قوی روایات میں ہے کہ حضرت سودہؓ کو طلاق کا خطرہ تھا۔

فأخرج أبوداود (ص ۳/۳۵۰) والحاکم من طریق هشام بن عروة عن أبیه عن عائشةؓ قالت: "قالت سودة بنت زمعةؓ حین أسنّت وفرقت أن یفارقها رسول الله ﷺ: یا رسول الله! یومی لعائشة، فقبل رسول ﷺ ذلک منها، قالت: تقول فی ذلک أنزل الله عزّوجلّ وفی

أشباهها أراه ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزاً﴾، صحّحه الحاكم وأقرّه الذهبی۔

وفی تخريج الإحياء (۲/۴۵) للعراقی بعد ذكر هذا الحديث: وللطبرانی 'فأراد ان يفارقها'

وأخرج الترمذی (ص ۲/۲۹) من طريق سليمان بن معاذ عن سماک عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال: ”خشيت سودة أن يطلّقها رسول الله ﷺ فقالت: لَا تطلّقنی وأمسكنی واجعل يومی لعائشة، ففعل فنزلت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ فما اصطلحا عليه من شئ فهو جائز، قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح غريب۔

ہوسکتا ہے کہ بعض رواۃ نے مجازاً ارادۂ طلاق پر طلاق کا اطلاق کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

محمد یونس عفی عنہ

۲۷ صفر ۱۴۰۴ھ

”مسح علٰی رأسہٖ ثلاثًا“ کی تحقیق

ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟

دارقطنی کی ایک عبارت کا حل

سوال:

حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب دامت فیوضہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حدیث کے سلسلہ میں چند باتیں دریافت کرنی ہیں اس لئے یہ عریضہ پیش خدمت کررہاہوں اور امید کرتا ہوں کہ جوابات عنایت فرماکر سرفراز فرمائیں گے۔

(۱) نصب الرایہ (ص ۱/۸) میں بزار سے وائل بن حُجرؓ کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”ثمّ مسح على رأسه ثلاثًا وظاهر أذنيه ثلاثًا وظاهر رقبته وباطن لحيته ثلاثًا“۔ اوراسی طریق میں محمد بن حجر ہیں، اوریہی روایت طبرانی کے اندر کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ بطریق سعید بن عبدالجبار مروی ہے۔

قابل طلب یہ امر ہے کہ اس وائل کی روایت کے اور بھی طرق ہیں؟ اگر ہیں تو براہ کرم نشاندہی فرمادیں۔

صاحب اعلاء نے استدراک الحسن (ص۱/۲۶) پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے **فذکر مسح ظاهر الرقبة لَا ینافی روایة الثّقات الذین صرّحوا بِکون المسح مرّةً واحدةً** الخ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے طرق بھی ہیں جن میں تثلیثِ مسح کا ذکر نہیں ہے بلکہ مرۃً واحدۃً کی تصریح ہے۔

(۲) لیث بن ابی سلیم سے طبرانی نے کعب بن عمرو (جدّ طلحہ) کی ایک روایت ابوسلمہ کندی روایت کرتے ہیں۔ ابوسلمہ کندی جن کو حافظ نے تقریب میں مجہول کہا ہے اور صاحبِ اعلاء نے اس پر تعقب کیا ہے، یہ ابوسلمہ لیث سے آیا اختلاط سے قبل سننے والوں میں ہیں یا بعد الاختلاط؟

اس کی جو تحقیق ہو حضرت کے پاس اس کو تحریر فرمادیں، نیز اگر یہ محقق نہ ہوا تو محدثین کے یہاں روایت کا کیا درجہ ہے؟

(۳) لیث کے بارے میں بذل (ص۱/۷۸) پر دارقطنی کا یہ قول نقل کیا ہے **إنما أنکروا علیه الجمع بین عطاء وطاؤس ومجاهد حسب الخ**۔ اس انکار کا حاصل کیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا، اس کی ذرا وضاحت فرمائیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

حرّره الأحقر محمد شعیب الله

الجواب:

عزیز گرامی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) حدیث اوّل نصب الرایہ (ص۱/۱۳) پر مذکور ہے اور حافظ نورالدین الہیثمی نے کشف الاستار (ص۱/۱۴۰) میں نقل کی ہے اور مجمع الزوائد میں (ص۱/۲۳۲) بزار کے ساتھ طبرانی کا بھی حوالہ ہے، اور دونوں کا طریق **محمد بن حجر عن سعید بن عبد الجبار بن وائل عن أبیه عن أمّه عن وائل** ہے، مجھے اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا طریق معلوم نہیں ہے۔

اور صاحب اعلاء کے استدراک الحسن کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وائل کی روایت میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک مسح ظاہر الرقبۃ، دوسرے تثلیثِ مسحِ رأس،

مضمون اول ثقات کی روایت کے خلاف نہیں ہے اس لئے مقبول ہے، اور مضمون ثانی ثقات کی روایات کے خلاف ہے اس وجہ سے مقبول نہیں ہے، اور یہاں روایاتِ ثقات سے مراد خاص اس روایت کے رواۃ نہیں بلکہ

دوسرے صحابہ کی وہ روایات ہیں جو ثقہ راویوں نے نقل کی ہیں، اس لئے اس سے حدیثِ وائل کے تعدد طرق پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) ابوسلمۃ الکندی سے زید بن الحباب اور شیبان بن فرّوخ روایت کرتے ہیں، اس سے جہالۃ العین تو ختم ہو گئی لیکن جہالۃ الحال باقی ہے، یہی حافظ ابن حجر وغیرہ کے مجہول کہنے کا مطلب ہے،

یہ تحقیق نہیں کہ ابوسلمۃ الکندی نے لیث بن ابی سلیم سے قبل الاختلاط سنا ہے یا بعد الاختلاط۔

مختلط راوی کی روایات اگر قبل الاختلاط ہیں اور وہ اختلاط سے قبل مقبول الروایۃ تھا تو مقبول ہیں ورنہ نہیں، اور اختلاط کے بعد کی روایات مقبول نہیں ہیں، یہی حال ان روایات کا ہے جن کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہو سکی اس لئے کہ جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ اختلاط سے قبل کی روایات ہیں تو اس وقت تک یہ روایات موقوف رہیں گی **لعدم المرجّح للعمل،**

علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں (ص ۳۵۲): **والحكم فيهم أنه يقبل حديث من أخذ عنهم قبل الاِختلاط ولَا يقبل حديث من أخذ عنهم بعد الاِختلاط أو أشكل أمر فلم يدر هل أخذ عنه قبل الاِختلاط أو بعده۔**

وقال النووی فی التقريب (ص ۴۷): يقبل ماروی عنهم قبل الاِختلاط ولَا يقبل مابعده أو شكّ فيه، وقال العراقی فی ألفيته:

وفی الثقات من أخيرًا اختلط فما روی فيه أو أبهم سقط

قال السخاوی فی شرح الألفية (۲/۳۳۲): فماروی المتّصف بذلك فی حال اختلاطه أو أبهم الأمر فيه وأشكل بحيث لم يعلم أروايته صدرت فی حال اتّصافه به أو قبله؟ سقط حديثه فی الصورتين، بخلاف ما رواه قبل الاِختلاط، هكذا أطلقوه، ومذهب وكيع حسبما نقله عنه ابن معين كما سيأتی فی سعيد بن أبی عروبة قريباً أنه إذا حدّث فی حال اختلاطه محدّث واتّفق أنه كان حدّث به فی حال صحته فلم يخالفه أنه يقبل، فليُحمل إطلاقهم عليه، ويتميز ذلك بالراوی عنه فإنه تارة يكون سمع منه قبله فقط أو بعده فقط أو فيهما مع التمييز وعدمه۔

(۳) دارقطنی کا کلام حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

قال البرقانی: سألت الدارقطنی عنه أی عن ليث، فقال: صاحب سنّة، يخرّج حديثه، ثم قال:

إنما أنكروا عليه الجمع بين عطاء وطاؤس ومجاهد حسب، انتهى۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشائخ سے روایات مختلف الفاظ سے سنتے تھے اور سوء حفظ کی وجہ سے ان کے الفاظ میں فرق نہیں کرتے تھے۔

قال ابن سعد: كان رجلاً صالحًا عابدًا وكان ضعيفًا فى الحديث، يقال: كان يسأل عطاءً وطاؤسًا ومجاهدًا عن الشئ فيختلفون فيه فيروى أنهم اتفقوا من غير تعمّد.

محمد یونس عفی عنہ

دار قطنی کی ایک روایت کی تحقیق

دار قطنی کے استاذ ابوبکر البزاز کا مختصر ترجمہ

سوال:

(۱) حدثنا أبوبكر يعقوب بن إبراهيم البزّاز ثنا العباس بن يزيد ثنا غسّان بن مضر ثنا أبو سلمة قال: سألت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ "أكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يستفتح بالحمد لله أو بسم الله الرحمن الرحيم؟ فقال: إنك تسئلني عن شئ ما أحفظه وما سألني أحد قبلك "

سنن دار قطنی (ص ۱۲۰/۱) ومسند احمد (ص ۱۶۶ و ۲۷۳/۳)، غالباً ص ۱۹۰ سے ص ۲۰۰ کے درمیان میں بھی ہے۔ دار قطنی میں خط کشیدہ الفاظ اسی طرح ہیں، دونوں جملوں کے درمیان واؤ ہے، فتح الباری (ص ۱۸۹/۲) میں بھی اسی طرح ہے، نصب الرایہ میں بجائے واو کے أو ہے، (ص ۳۵۹/۱) نصب الرایہ (ص ۳۸۷/۱) میں واؤ ہے، عینی میں (ص ۲۹/۳) پر بھی أو ہے، تحفۃ الاحوذی (ص ۲۰۵/۱) میں بھی أو ہے، یہ روایت مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے لیکن وہ احقر کے پاس نہیں ہے، ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیں کہ اسمیں أو ہے یا واؤ۔

(۲) نیز دار قطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم کا مختصر ترجمہ چاہئے۔

(مولانا) عبد الجبار اعظمی غفرلہ

الجواب:

(۱) دار قطنی کے ہندی (ص ۱۲۰) ومصری (۳۱۶/۱) نسخوں میں واو واصلہ ہی ہے، اور علامہ جمال الدین

الزیلعی نے نصب الرایہ میں (ص ۱/۳۶۳) اور حافظ ابوبکر الحازمی نے الاعتبار میں (ص ۸۳) جب بحوالہ دارقطنی یہی روایت نقل کی تو واؤ کے ساتھ نقل کی۔

مسند احمد میں (ص ۳/۱۶۶) میں او فاصلہ کے ساتھ واقع ہے، اس کی سند ومتن حسب ذیل ہے:

حدثنا غسان بن مضر ثنا سعید یعنی ابن یزید أبو مسلمة قال: سألت أنسًا رضی اللہ عنہ "أ كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم أو الحمدلله ربّ العٰلمین؟ قال: إنّک لتسئلنی عن شئی ما أحفظه أو ماسألنی عنه أحد قبلک"

علامہ احمد بن عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے **الفتح الربّانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی** میں (ص ۳/۱۸۵) اسی طرح اُونقل کیا ہے، امام جمال الدین الزیلعی نے (ص ۱/۳۵۹) بحوالہ مسند احمد ودارقطنی اسی طرح نقل کیا ہے۔

خیال ہے کہ علامہ زیلعی نے تجوّز سے کام لیا، مسند کے الفاظ نقل کئے اور معنی میں اشتراک کے امکان یا اصل روایت میں اتحاد کیوجہ سے دارقطنی کی طرف بھی نسبت کردی، علامہ عینی اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے زیلعی کا اتباع کیا، حافظ بن حجر نے فتح الباری (ص ۲/۲۲۸) اور الدّرایہ میں (ص ۱/۱۳۶) **"إنک لتسئلنی عن شئی ما أحفظه ولَاسألنی عنه أحد قبلک"** نقل کیا ہے، درایہ میں امام احمد اور دارقطنی کا حوالہ دیا ہے، **"ولَا سألنی"** نہ تو مسند میں ہے اور نہ ہی سنن دارقطنی میں۔

مسند احمد میں **"أو ما سألنی"** ہے اور دارقطنی میں **"وما سألنی"**۔

مسند احمد میں دوسری جگہ (ص ۳/۱۹۰) یہ ہے:

حدثنا إسماعیل قال سعید بن یزید: أخبرنا قال: قلت لأنس بن مالک رضی اللہ عنہ: "أكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح القراء ة ببسم الله الرحمن الرحیم أو بالحمد لله ربّ العٰلمین؟ فقال: إنک لتسئلنی عن شئی ماسألنی عنه أحد"۔

تیسری جگہ ہے (ص ۳/۲۷۳) **حدثنا حجاج حدثنا شعبة قال قتادة: "سألت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ بأیّ شئ کان یستفتح رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم القراء ة؟ فقال إنک لتسئلنی عن شئی ماسألنی عنه أحد"۔**

ان دونوں مقامات میں بس روایت کے الفاظ اتنے ہی ہیں۔

(۲) یعقوب بن ابراہیم ثقہ راوی ہیں، حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں (ص ۲۹۳ / ۱۴) ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے، چونکہ مختصر ہے اسلئے بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

یعقوب بن إبراهيم بن أحمد بن عيسٰى بن البختری أبوبكر البزّاز يعرف بالجراب، سمع رزق الله بن موسى وعلىّ بن مسلم الطوسی والحسن بن عرفة وعمر بن شبّة وجعفر بن محمد بن فضيل الراسبی وأحمد بن بديل اليامی والحسين بن علی الأسود العجلی، روى عنه الدارقطنی وابن شاهين ويوسف بن عمر القواس وأبو القاسم الصيدلَانی المُقری.

وذكر لی الخلاّل أن يوسف القواس ذكره فی جملة شيوخه الثقات اخبرنا الاَزهری أخبرنا علی بن عمر الحافظ قال: يعقوب بن إبراهيم بن أحمد بن عيسى أبوبكر البزاز لقبه جراب، كتبنا عنه، كان ثقةً مامونًا مكثرًا، أخبرنی الصوری أخبرنا عبد الغنی بن سعيد الحافظ قال: يعقوب بن إبراهيم الجراب ثقة، أخبرنا السمسار أخبرنا الصفار حدثنا ابن قانع أن يعقوب بن إبراهيم البزاز مات فی شهر ربيع الآخر سنة اثنتين و عشرين وثلاثمائة، قال غيره: مات وهو ساجد فی ليلة الجمعة، ودفن يوم الجمعة لثمان بقين من شهر ربيع الآخر، ومولده فی سنة سبع وثلاثين ومأتين، انتهى۔

محمد یونس عفی عنہ

”أن الثلاث كانت تجعل واحدة“ صحیحین میں کہاں ہے؟

سوال:

فتح القدیر (ص ۳۲۹ / ۳) میں صحیحین کے حوالہ سے یہ حدیث ہے ”أن أبا الصّهباء قال لابن عباسؓ: ”ألم تعلم أن الثلاث كانت تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبی بكرؓ وصدرًا من خلافة عمرؓ؟ قال: نعم“۔

مسلم میں تو (ص ۴۷۸ / ۱) پر موجود ہے، مگر بخاری شریف میں نہیں ملی، نشاندہی فرما کر مشکور فرمائیں۔

محمد یوسف

دار العلوم امروہہ

الجواب:

یہ حدیث صرف مسلم، ابوداود، نسائی میں ہے، باقی کتب ستہ میں نہیں ہے، امام بیہقی، جمال الدین المزی، ابن القیم (ص ۴/۵۴)، ابن حجر وغیرہ نے صرف مسلم کی طرف نسبت کی ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں: "ھذا الحدیث أحد ما اختلف فیه البخاری ومسلم، فأخرجه مسلم، وترکه البخاری۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ماہ رمضان میں موت کی فضیلت
میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا
میت کیلئے بہترین ذکر

سوال:

(۱) رمضان المبارک میں موت واقع ہونے کی کیا فضیلت ہے؟ رمضان کے بعد سوال ہوگا یا نہیں؟

(۲) قبرستان میں جاتے ہیں تو دو تین کے بعد ان کو پتہ چلتا ہے کہ میرا فلاں رشتہ دار آیا اور اس نے مجھ پر یہ پڑھا؟

(۳) بہترین ذکر کون سا ہے جو زیادہ مفید ہو (میت) کے واسطے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:

(۱) تمہارے والد صاحب کا انتقال رمضان شریف میں ہوا جو رحمت ومغفرت کا مہینہ ہے۔

خاص رمضان میں وفات کی فضیلت کی کوئی حدیث اسوقت یاد نہیں، علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۱۳۶) میں بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن سے رمضان کے اخیر میں یا روزہ کی حالت میں موت کی فضیلت مذکور ہے، ایک حدیث بروایت ابی نعیم نقل کی ہے "من وافق موته عند إنقضاء رمضان دخل الجنة"۔

اسی طرح ایک حدیث بروایت دیلمی نقل کی ہے "من مات صائماً أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة"۔ اور لکھا ہے: أخرج أبو نعيم عن خيثمة قال: كان يعجبهم أن يموت الرجل عند خير عمله، إمّا حجّ وإمّا عمرة وإمّا غزوة وإمّا صيام رمضان۔

(۲) تمہاری خاص مسئول حدیث تو نہیں ملی،

علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں متعدد حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جس میں قدرے مشترک یہ مضمون ہے کہ مُردوں کو زیارت کرنے والے کا علم ہوتا ہے، دیکھو (ص ۸۸ مطبوعہ مطابع الرشید)۔

(۳) مُردوں کیلئے دعاء واستغفار اور صدقہ کرنا باتفاقِ اہلِ حق مفید ہے،

عباداتِ بدنیہ میں اختلاف ہے، حنفیہ وحنابلہ وصول کے قائل ہیں، یہی مالکیہ کا ایک قول ہے، اور متاخرین شافعیہ میں سے بعض جواز کے قائل ہیں،

علامہ ابن القیم نے الروح میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور مثبتین کے قول کو ثابت ومحقق قرار دیا ہے، بہر حال متفق علیہ مختلف فیہ سے افضل ہے، لیکن ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ میت کیلئے بیحد مفید ہے اور مجرب بھی۔

محمد یونس عفی عنہ

❍❍❍

سوال:

کیا حضرت عیسیٰ ؑ نبی ہوکر نازل ہوں گے یا امتی؟

السائل: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ جب نازل ہوں گے تو نبی ہونے کے ساتھ امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نزول ہوگا۔

نبوت نبی کا وصفِ لازم ہے، خدائے پاک کی طرف سے یہ ایک عطیۂ دائمہ ہے، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں کہیں کوئی آیت یا روایت نہیں ہے کہ جس میں نبی کے وصفِ نبوت سے معزولی کا ذکر ہو۔ بالفرض ایسا ہوتا بھی تو دار دنیا میں جو کہ نبی کا مقامِ عمل ہے جس کے لئے یہاں بھیجا جاتا ہے اور جب اس دنیا سے اسکو تعلق نہیں رہا تو اب وصف نبوت کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

حضرت علامہ قسطلانی نے المواہب میں علامہ تقی الدین السبکی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے التعظیم والمنّة فی لتؤمننّ به ولتنصرنّه میں لکھا ہے :

يأتی عيسى فی آخرالزمان على شريعته أی نبيّنا ﷺ بمعنى أنه مأمور بالعمل بها لكونه مأموراً باتباعه.

وهو نبی كريم على حاله لَا كما يظنّ بعض الناس أنه يأتی واحداً من هذه الأُمّة ليس متصفا بنبوته، وحذف هذه الجملة تأدباً، قال السيوطی وسبب هذا الظنّ تخيّله ذهاب صفة النبوة منه وهوفاسد لأنه لَا يذهب أبداً.

ولَا بعد موته، نعم هو واحد من هذه الأمّة لما قلنا من اتّباعه النبی ﷺ وإنما يحكم بشريعة نبينا محمد ﷺ بالقرآن والسنّة، وهو نبی كريم على حاله لم ينقص منه شیء إذ النبوة لَا تذهب بالموت فكيف بمن هو حیّ. اهـ بزيادة من الزرقانی(ص ١٦٥/ ٦).

وقال الذهبی فی التجريد (٤٣٢/ ١): عيسى ابن مريم صحابی ونبی، فإنه رأى النبیﷺ ليلة الإسراء وسلّم عليه، فهو آخر الصحابة موتًا. وقال التاج السبكی فی طبقاته (ص ٢٢١/ ٥): قال: لی شيخنا الذهبی مرةً: من فی الأُمّة أفضل من أبی بكر الصديقؓ بالإجماع؟ فقلت: يفيدنا الشيخ! فقال: عيسى ابن مريم عليه السلام، فإنه من أمة المصطفى ﷺ، ينزل على باب دمشق، ويأتم فی صلوة الصبح بإمامها، ويحكم بهذه الشريعة.

قلت: هذا ما أشرت إليه بقصيدتی التی نظمتها فی المعاياة منها.

من باتّفاق جميع الخلق أفضل من خير الصحاب أبی بكر ومن عمر

ومن علی ومن عثمان وهو فتی من أمة المصطفى المختار من مضر

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ذہبی اور تاج الدین السبکی کا کلام بلانکیر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وأنكر مغلطای على من ذكر خالد بن سنان فی الصحابة كأبی موسیٰ، وقال: إن كان ذكره لكونه ذكر النبیﷺ فكان ينبغی له أن يذكر عيسیٰ وغيره من الأنبياء أو من ذكره هو من الأنبياء غيرهم، ومن المعلوم أنهم لَا يذكرون فی الصحابة انتهى.

قال الحافظ: ويتّجه ذكر عيسیٰؑ خاصّة لأمور اقتضت ذلك.

أولها: أنه رُفع حيًّا وهو على أحد القولين۔

ألثاني: أنه ينزل إلى الأرض فيقتل الدجال، ويحكم بشريعة محمد ﷺ، فبهذه الثلاث يدخل في تعريف الصحابي، وهو الذي عليه الذهبي اھ۔ اورحافظ ابن حجر نے فتح الباری میں (ص ۲/۷۵) ابن عمرؓ کی حدیث: ”أرأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة لَا يبقى ممّن هو اليوم على ظهر الاَرض أحد“ الحديث. رواه البخاری کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وأمّا من قال: المراد أمة محمد ﷺ سواء أمّة الإجابة وأمّة الدعوة، وخرج عيسٰى والخضر لأنهما ليسا من أمته، فهو قول ضعيف لأن عيسٰیؑ يحكم بشريعته فيكون من أمّته، والقول في الخضر إن كان حيًّا كالقول في عيسٰى، انتهى۔

علامہ جلال الدین السیوطی نے الإعلام بحكم عيسٰى عليه السلام میں تقی الدین السبکی کی عبارت سابقہ اوردوسرے امور کے ساتھ بعض احادیث بھی لکھی ہیں جن سے حضرت عیسیٰؑ کا صاف اس شریعت کے اوپر ہونا معلوم ہوتا ہے۔

أخرج أحمد والبزار والطبراني من حديث سمرةؓ عن رسو ل الله ﷺ قال: ”ينزل عيسى ابن مريمؑ مصدّقا بمحمد ﷺ وعلى ملّته، فيقتل الدّجال، ثم إنما هو قيام الساعة“۔

وأخرج الطبراني في الكبير، والبيهقي في البعث بسند جيّد عن عبدالله بن مغفلؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ”يلبث الدّجال فيكم ما شاء الله، ثم ينزل عيسٰى ابن مريمؑ مصدّقا بمحمد ﷺ وعلى ملّته، إمامًا مهديًّا وحكمًا عدلاً فيقتل الدّجال“۔

وأخرج ابن حبان في صحيحه عن أبي هريرةؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ”ينزل عيسٰى ابن مريمؑ فيؤمّهم، فإذا رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده قتل الله الدّجال، وأظهر المؤمنين“۔

ووجه الاستدلال عن هذا الحديث أن عيسٰیؑ يقول في صلوته يومئذ ”سمع الله لمن حمده“، وهذا الذكر في الاعتدال من خواصّ هذه الأمّة كما ورد في حديث ذكرت في كتاب المعجزات والخصائص۔

وأخرج ابن عساكر عن أبي هريرةؓ قال: ”يهبط المسيح بن مريمؑ فيصلّي الصلوات ويجمع

الجمع"۔ فهذا صريح أنه ينزل بشرعنا، لأنّ مجموع الصلوٰت الخمس وصلوة الجمعة لم يكونا فى غير هذه الملّة۔

وأخرج ابن عساكر من حديث عبد الله بن عمرو بن العاصؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "كيف تهلك أمّة أنا أوّلها وعيسىٰ بن مريم آخرها"۔

وأخرج بن عساكر أيضا من حديث ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "كيف تهلك أمّة أنا أوّلها وعيسى آخرها والمهديُّ من أهل بيتى فى وسطها"۔

عیسی علیہ السلام پر وحی بھی نازل ہوگی۔فأخرج مسلم وأحمد أبوداود والترمذى والنسائى وغيرهم من حديث النواس بن سمعانؓ قال: "ذكر رسول الله ﷺ الدّجال إلى ان قال: فبينما هم كذلك إذ بعث الله المسيح بن مريمؑ فينزل عند المنارة البيضاء شرقى دمشق واضعا يده على أجنحة ملَكين فيدركه فيقتله عند باب الشّرقى، فبينما هم كذلك أوحى الله إلى عيسى ابن مريم أنى قد أخرجت عبادًا من عبادى لَا يدان لک بقتالهم فحرّز عبادى إلى الطور، فيبعث الله يأجوج ومأجوج" الحديث۔

قال السيوطى: فهذا صريح فى أنه يوحٰى إليه بعد النزول، ثم قال بعد كلام طويل (ص ۱۶۶/۲): فعرف بذلک أنه لَا تنافى بين كونه ينزل متبّعًا للنبى ﷺ وبين كونه باقيًا على نبوته، ويأتيه جبرئيل ماشاء الله من الوحى. اھ۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس وقت نبی ہونے کے باوجود ان پر احکام تشریعیہ کے متعلق وحی نازل نہ ہوگی۔

قال النووى فى تهذيب الاَسماء: إذا نزل عيسى كان مقرّرًا للشريعة المحمدية، لَا رسولاً إلى هذه الاُمّة، ويصلّى وراء إمام هذه الاُمّة تكرمةً من الله لها من أجل نبيّها.

وفى الصحيح: "كيف بكم إذا أنزل عيسى ابن مريم وإمامكم منكم، قال: وقدجاء أنه يتزوج بعد نزوله ويولد له ويدفن عند النبىﷺ"، انتهى۔

كذا نقله ابن حجر فى الاِصابة (ص ۵۴/۳)، وهو فى تهذيب الأسماء (ص ۴۷/۲) وفى أوّله لفظ "ينزل عيسىٰ حكماً لَا رسولاً" والباقى نحوه۔ *بندہ محمد یونس عفی عنہ*

عمدہ پلیٹ میں شہد اوراس میں بال کی تحقیق

’’أنهن صواحب یوسف ، و کرسف‘‘ کہاں ہے؟

’’الخیر فیما وقع‘‘ کیا حدیث ہے؟

بخاری باب من سمّی الحیض نفاساً کی تحقیق

سوال:

(۱) آج کل واعظین حضرات ایک حدیث بیان کررہے ہیں جو بنگلہ ماہانہ رسائل ’قرآن پرچار‘ وغیرہ میں چھپ رہی ہے کہ ’’حضرت نبی کریم ﷺ مع خلفائے ثلاثہ، حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک عمدہ چمکدار صاف شفاف پلیٹ میں شہد پیش کیا، لیکن اس میں ایک بال پڑا ہوا تھا، اس پر سرورکائنات علیہ التحیات والتسلیمات نے فرمایا کہ تم سب اس کی حکمت بیان کرو اور تمثیل پیش کرو کہ عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال، چاروں خلفاء نے الگ الگ حکمتیں بیان کیں اور حضرت فاطمہؓ نے ایک الگ حکمت بیان کی۔

حضور ﷺ نے ایک نرالی شرح فرمائی کہ معرفتِ الٰہی پلیٹ سے زائد منوّر، اور اس معرفت کا حاصل کرنا شہد سے زائد لذیذ، اور اس معرفت وعلمِ معرفت کی حفاظت اس باریک بال سے بھی زیادہ باریک اور دشوار ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر فرمایا کہ راہِ خدا اس پلیٹ سے زیادہ روشن ہے، اس میں نکلنا شہد سے زیادہ لذت دہ ہے لیکن اس پر قائم رہنا بال سے بھی زیادہ باریک ودشوار ہے۔حوالہ کنز المعارف للعلامۃ القسطلانی۔

اب سوال حضور سے یہ ہے کہ علامہ قسطلانی کی کوئی کتاب کنز المعارف ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اس کی براہ کرم تحقیق فرمادیں۔

اصل سوال مولانا عزیز الحق صاحب قاسمی کا ہے انہوں نے مجھے حکم کیا حضرت والا کی جانب رجوع کرنے کا۔ انہوں نے اللآلی المصنوعۃ دیکھی اسمیں نہیں ہے،

(۲) غالباً حضرت ہی کی زبانی درسِ بخاری میں حدیث میں أنتنّ صواحب یوسف وصواحب کرسف سنا تھا، صرف ذہنی طور پر یاد ہے قلم بند نہیں ہوسکا، صحاح ستہ میں غالباً کہیں بھی یہ زیادتی نہیں ہے، تو کیا کسی دوسری کتاب مسند احمد وغیرہ میں ہے یا سماع وذہن نے خطا کی ہے؟

(۳) آپ بیتی میں ایک جگہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے الخیر فی ما وقع "الحدیث" لکھا ہے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اکثر فرمایا کرتے تھے: حضرت نے الحدیث لکھا، آج تک مقولہ سمجھتے رہے، کیا یہ حدیث ہے؟

(۴) آج تک بخاری میں باب من سمّی الحیض نفاسًا میں ابوالحسن ابن بطال کی غرض الحامل لَا تحیض کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی۔ ان الفاظِ ترجمہ سے یہ غرض کیسے مترشح ہوتی ہے؟ نیز اس غرض پر حدیث الباب کیسے منطبق ہوتی ہے؟

تقریر بخاری، فتح الباری، الابواب والتراجم وغیرہ نیز حضرت سے ضبط کردہ کاپی کی مراجعت کی مگر اس میں انطباق لکھنے سے رہ گیا، سمجھ میں نہیں آیا۔

فقط والسلام مع الاحترام۔

ننگ تلامذہ عبدالواحد بردوان

خادم جامعہ مدینۃ العلوم معماری بردوان

الجواب:

عزیزم سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تمہارا خط عین رمضان میں اس وقت پہونچا جبکہ میری طبیعت حاضر نہیں تھی اور خراب بھی تھی۔

بہر حال مختصر طور سے جوابات لکھ رہا ہوں۔

(۱) حدیث اول کے متعلق پہلے بھی سوال کیا گیا، یہ حدیث پہلے بھی کسی نے معلوم کی تھی، اسوقت لاعلمی کا اظہار کردیا تھا اور اب بھی یہی بات ہے، علامہ قسطلانی کی تالیفات میں کنز المعارف کوئی کتاب مجھے معلوم نہیں۔

صاحبِ ہدیۃ العارفین نے جہاں قسطلانی کی تالیفات کا تذکرہ کیا ہے اس میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) حدیث ثانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور عطیۃ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ أخرجه أحمد (ص ۱۶۳/ ۵) عن عبد الرزاق، وقد أخرجه عبد الرزاق فی مصنفه (ص ۱۷۱/ ۶) عن محمد بن راشد قال: سمعت مكحولاً يحدّث عن رجل عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: "دخل علىٰ رسول الله ﷺ رجل يقال له: عكاف بن بشر التميمی، فقال له النبی ﷺ: هل لک من زوجة؟ قال: لَا، قال: ولَا جارية؟ قال: ولَا جارية، قال: وأنت موسر بخير؟ قال: وأنا

موسر بخير، قال أنت إذن من إخوان الشياطين، لو كنت فى النّصارىٰ كنتَ من رهبانهم، إنّ من سنّتنا النكاح، شرار كم عزّابكم، وأراذل موتاكم عزّابكم، بالشياطين تتمرسون، ما للشياطين من سلاح أبلغ من النساء إلّا المتزوجين، أولئک المطهّرون المبرّء ون من الخنا، ويحک يا عكاف! إنهن صواحب أيوب وداود ويوسف وكرسف، فقال له بشر بن عطية: ومن كرسف يارسول الله؟ قال: رجل كان يعبد الله بساحل من سواحل البحر ثلاثمائة عام يصوم النّهار ويقوم الليل، ثم إنّه كفر بالله العظيم فى سبب امراة عشقها، وترک ماكان عليه من عبادة ربه، ثم استدركه الله ببعض ماكان منه فتاب عليه، ويحک يا عكاف تزوّج! وإلّا فأنت من المذبذبين، قال: زوّجنى يا رسول الله! قال: قد زوّجتک كريمة ابنة كلثوم الحميرى“۔

رجاله ثقات إلّا الرجل المبهم، وهكذا فى هذا الطريق عكاف بن بشر، والمعروف عكاف بن وداعة الهلالى، وسيأتى كلام الحافظ۔

وحديث عطية بن بسر المازنیؓ، أخرجه أبويعلىٰ قال: ”جاء عكاف بن وداعة الهلالیؓ إلى رسول الله ﷺ، فقال له رسول الله ﷺ: يا عكاف! أ لک زوجة؟ قال: لَا، قال: ولَا جارية؟ قال: لَا، قال: وأنت صحيح موسر، قال: نعم والحمد لله، قال: فأنت إذن من إخوان الشياطين، إمّا أن تكون من رهبان النصارىٰ فأنت منهم، وإمّا أن تكون منّا فاْصنع كما نصنعُ، فإنّ من سنّتنا النكاح، شراركم عزّابكم، وأراذل موتاكم عزّابكم، إن الشيطان ما له فى نفسى سلاح أبلغ فى الصالحين من الرجال والنساء إلّا أن المتزوّجين أولئک المطهّرون المبرّء ون من الخنا، ويحک يا عكاف! إنّهن صواحب داود وصواحب أيّوب وصواحب يوسف وصواحب كرسف، قال: فقال: وماكرسف يارسول الله؟ قال: رجل كان فى بنى إسرائيل على ساحل من سواحل البحر يصوم النهار و يقوم الليل، لَا يفتر من صلوة ولَاصيام، ثم كفر بعد ذلک بالله العظيم فى سبب امرأة عشقها فترک ماكان عليه من عبادة ربه فتداركه الله بما سلف منه فتاب عليه، ويحک يا عكاف! تزوّج فإنک من المذبذبين، قال: فقال عكاف: لَا أتزوّج حتى تزوّجَنى من شئت، فقال رسول الله ﷺ: قدزوّجتک على اسم الله وبركته كريمة بنت كلثوم الحميرى“۔

هـكـذا ذكره الحافظ فى المطالب العالية، ولكنه فرّقه فى موضعين (ص ٣٦/ ٢و٧٧/ ٢/ ٣)، وعزاه فى مجمع الزوائد (ص ٢٥١/ ٤) لأبى يعلٰى والطبرانى، وقال الحافظ فى الإِصابة: رواه أبـويـعلٰى وابن مندة من طريق بقية عن معاوية بن يحيىٰ عن سليمان بن موسىٰ عن مكحول عن غُـضَيْف بـن الحارث عن عطية بن بسر المازنىؓ، وقال بعد ذكر عدة طرق: والطرق المذكورة كلّها لَا تخلو عن ضعف واضطراب اهـ.

وقال الذهبى فى التجريد (ص٣٨٧/ ١): والحديث قوى.

قلـت: فـمداره عـنـد الأكثر عـلـى معاوية بن يحيىٰ الصدفى، وهو ضعيف، ولكن أخرجه الـطبـرانـى فـى مسـند الشاميين، والعقيلى، وفيه برد بن سنان وهو مختلف فيه، قال الذهبى فى الـميـزان: وثّـقـه ابـن معين والنسائى، وضعّفه ابن المدينى، وقال أبوحاتم: ليس بالمتين، وقال مـرةً: كان صدوقا قدريّا، وقال أبوزرعة لَا بأس به، وكأنّ الذهبى اعتمد على هذا الطريق، وقال ابن عبد البر فى الاِستيعاب: فى إسناده مقال.

(**فائدہ**) قـال الـحـافـظ: واتـفـقت الطرق على أنه –أى صاحب هذه القصة– عكاف بن وداعة الهلالى، وشذّ محمد بن راشد فقال: عكاف بن بشر التميمى، وخالف فى الإِسناد، اهـ.

(۳) "الـخـيـر فـى ما وقـع" حدیث نہیں ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی املاء کرائی ہے، انداز یہ ہے کہ کاتب کے قلم سے لغزش ہوئی، صاحب کشف الخفاء لکھتے ہیں: 'والخيرة فى الواقع' ليس بحديث.

(۴) تم نے لکھا ہے آج تک بخاری میں 'بـاب من سمّى الحيض نفاسا' میں ابوالحسن ابن بطال کی غرض الـحـامـل لَا تـحـيض کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی، ان الفاظ سے یہ غرض کیسے مترشح ہوتی ہے؟ اس غرض پر حدیث الباب کیسے منطبق ہوتی ہے؟ انتہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غرض ابن بطال نے باب مذکور کے تحت نہیں لکھی ہے بلکہ انہوں نے علامہ مہلب کے اتباع میں یہ غرض بیان کی۔ امام بخاریؒ نے حیض کو نفاس کہنے سے یہ اخذ کیا ہے کہ حیض ونفاس کے خون کا ایک حکم ہے، (لیعنی ما خصّ بـأحدهما كمقدار الزمان کو چھوڑ کر)، اوراس غرض میں نیز أخـذ من الحديث اور مطابقت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اگر 'سـمّـى' 'أطـلـق' کے معنی میں لے لیا جائے یا اوراس کے علاوہ وہ معانی جو شراح نے بیان کئے ہیں جیسے

الحیض مفعول ثانی ہو یا منصوب بحذف الخافض ہو وغیرہ۔

اور اگر بالفرض ابن بطال نے اس ترجمہ کی غرض الحامل لَا تحیض ہی بیان کی ہوتی تو بھی تقریر مطابقت ممکن تھی، اسلئے کہ جب حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ دمِ نفاس دمِ حیض ہے کما یقتضیہ قولہ ﷺ ''أنفستِ'' حیث أطلق النفاسَ علی الحیض، فعُلم أن دم الحیض هو دم النفاس، ولذا أطلق علیه النفاس فلا بدّ أن یکون دم النفاس دم الحیض، تو معلوم ہوگیا کہ نفاس کا خون وہی حیض کا خون ہے جو ولد کی وجہ سے محبوس تھا، خروج ولد کے بعد اب نکل رہا ہے، اگر حامل کو حیض آتا تو بعد میں نفاس کا خون کیوں کر آتا؟ ولکن فیه خدشة ظاهرة، لأنه یمکن أن تکون الحامل تحیض، فإذا ولدت ألقت دم النفاس وهو دم آخر غیر دم الحیض، ولکن الإمام البخاری یستدل بنحو هذه الاِستدلَالات۔

ہاں تم نے جو غرض لکھی ہے وہ ابن بطال نے باب قول الله ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ کے تحت لکھی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

یوم الجمعۃ ۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖〇〇〇❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

''من مات ولیس فی عنقه بیعة'' سے کون سی بیعت مراد ہے؟

سوال:

''من مات ولیس فی عنقه بیعة'' سے کون سی بیعت مراد ہے؟

ازراہِ کرم شرح وبسط سے تحریر فرمادیں، جسارت کی معافی چاہتا ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے، جواب کیلئے لفافہ ارسال خدمت ہے۔

طالب دعا پرویز احمد

محلّہ کانلی باغ قصبہ بارہ مولا کشمیر

جواب:

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ حدیث پاک مسلم شریف (ص ۲/۱۲۸) پر ہے، پورے الفاظ یہ ہیں:

عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلی عبد الله بن مطیع حین کان من أمر الحرّة ما کان

زمن يزيد بن معاوية، فقال: إطرحوا لأبی عبد الرحمٰن وسادةً، فقال: إنی لم آتک لأجلس، أتيتک لأحدّثک حديثاً سمعت رسول الله ﷺ يقول: ”من خلع يدًا من طاعة لقی الله يوم القيامة لَا حجّة له، ومن مات وليس فی عنقه بيعة مات مِيتةً جاهليةً“۔

یہ حدیث پاک کے پورے الفاظ ہیں جس سے بیعت کی مراد خود معلوم ہوتی ہے کہ بیعۃ الخلافہ مراد ہے، جنگ حرہ سے پیشتر اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور عبداللہ بن مطیع کے ساتھ جمع ہوگئے، ابن عمرؓ ان کو سمجھانے آئے تھے کہ بیعت کرکے توڑنا ممنوع ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اکثر منع کرتے ہیں بلکہ ابن مجاہد نے جمیع علماء کا یہی مسلک بتایا ہے اور ایک جماعت جواز کی قائل ہے اگر امام جادۂ حق سے ہٹ جائے، لیکن اکثر حضرات ظاہر احادیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حدیث بالا بھی ہے۔

قال الأبّی (ص ۵/۲۰۲): كان مذهب ابن عمرؓ منع القيام على الإِمام وخلعه إذا حدث فسقه بعد عقد البيعة فلذلک ذكر له الحديث، والمنع من القيام هو مذهب الأكثر أو هو مذهب الجميع كما ذكر ابن مجاهد۔

واحتج من أجاز القيام والخروج بقيام الحسينؓ وابن الزبيرؓ بمكة وأهل المدينة على بنی أمية۔

واحتج الأكثر للمنع بأنه ظاهر الأحاديث، وبأنّ القيام ربما أثار فتنةً وقتلاً وانتهاکَ حرمةٍ كما اتفق فی قضيّة الحرّة،

وقيل: أن الخلاف كان فی الصّدر الاَول ثم انعقد الاِتّفاق على المنع، اهـ۔

اور ”من مات وليس فی عنقه بيعة“ میں جیسے بیعت کرنے کے بعد قلادۂ بیعت گردن سے نکال دینے کی صورت داخل ہے اسی طرح قدرت کے باوجود بیعتِ امامت نہ کرنا بھی داخل ہے، اقامتِ امام واجبات میں ہے، قال التفتازانی فی شرح العقائد (ص ۱۰۹) ثم الاِجماع على أن نصبَ الاِمام واجب .اھ۔

یہ امر شرعی ہے جو حدیث بالا اور اس جیسی دوسری احادیث سے ثابت ہے اور دل سے اس کا ارادہ بھی رکھنا چاہئے اور حسبِ مقدور کوشش بھی کرے، لیکن لفظی کوشش اور محض پروپیگنڈہ جیسا کہ مولانا مودودی کے ہمنوا کرتے ہیں کچھ مفید نہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ یوم الجمعۃ ۲۳ محرم ۱۴۰۵ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

کیا ”النکاح من سنتی فمن رغب...“ پوری ایک حدیث ہے؟

”أنت ومالک لأبیک“ کہاں ہے؟

السائل.................

جواب:

(۱) حدیث ”النّکاح من سنّتی فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی“ زبان زد خواص بلکہ عوام ہے اور بعض فقہاء جیسے ابوالقاسم الرافعی صاحبِ فتح العزیز نے اسی طرح نقل کی ہے، لیکن ان الفاظ سے کتب حدیث میں موجود نہیں، بلکہ ابن ماجہ (ص ۱/۵۶۷) نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے **قال النبی ﷺ: ”النّکاح من سنّتی فمن لم یعمل بسنّتی فلیس منّی“، الحدیث، وفی إسناده عیسی بن میمون وهو ضعیف۔**

صحیحین میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں ”**لکنّی أصوم وأفطر وأصلّی وأنام وأتزوّج، فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی**“ وارد ہوا ہے، اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ لفظِ مشہور مجموعی طور پر کہیں نہیں ہے بلکہ دو حدیثوں سے مرکب ہے، جزء اول ابن ماجہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے اور جزء ثانی صحیحین کی حدیث کا۔

مسند احمد کی طرف لفظِ مشہور کی نسبت وہم ہے۔

(۲) حدیث ”**أنت ومالک لأبیک**“ ابن ماجہ نے (ص ۲/۴۴) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے جو مسند احمد (ص ۲/۱۷۹) اور ابوداود (ص ۴/۲۹۵) میں بلفظ ”**أنت ومالک لوالدک**“ وارد ہے۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

❍❍❍

سوال:

کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟

السائل.................

جواب:

اللہ تعالیٰ کے یہاں پیر وجمعرات کو اعمال کی پیشی تو سنن کی روایت میں ہے: **عن أبی هریرةؓ قال: قال**

رسول الله ﷺ: "تعرض الاَعمال يوم الاِثنين والخميس، فأحبّ أن يُعرض عملي وأنا صائم" رواه الترمذى (ص ۹۳/ ۱) مشكوة (ص ۱۸).

وعن أسامةؓ: "رأيت رسول الله ﷺ يصوم يوم الاِثنين والخميس، فسألته فقال: إن الأعمال تعرض يوم الاِثنين والخميس، فأحبّ أن يُرفع عملي وأنا صائم"، أخرجه النسائى وأبو داود وصحّحه ابن خزيمة (فتح البارى ص ۲۳۶/ ۴).

حضور ﷺ کے یہاں اعمال کی پیشی بعض روایات میں تو آتی ہے لیکن صرف جمعہ کو،

أخرج الحكيم الترمذى فى نوادر الأصول من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ: "تعرض الأعمال يوم الاِثنين والخميس على الله تعالى، وتعرض على الاَنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضًا وإشراقًا، فاتقوا الله عباد الله ولَا تؤذوا موتاكم"، (التذكرة ص ۵۵ وشرح الصدور ص ۱۱۵) ولكن عبد الغفور ضعيف. كتبه محمد يونس عفى عنه

خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت

سوال:

(۱) اگر کسی شخص کو حالت ایمان میں خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہو تو ایسے شخص کیلئے حدیث میں کوئی بشارت وارد ہوئی ہے کہ نہیں؟ جیسے کہ وہ آخرت میں حضور اقدس ﷺ کیساتھ ہوگا یا اور کوئی بشارت صحیح حدیث سے ملتی ہو تو لکھ کر بھیجنے کی کوشش کریں۔

(۲) دوسری بات یہ کہ بخاری شریف کی یہ حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو مجھ کو خواب میں دیکھے گا وہ مجھکو بیداری میں ضرور دیکھے گا، کی تشریح وتفسیر لکھ کر بھیجنے کی کوشش کریں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

(۱) حضور اقدس ﷺ کی زیارت بڑی زبردست سعادت ہے، حدیث شریف میں ہے "من رآنى فى المنام فقد رآنى"، یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا ہے، ایک روایت میں "فقد رأى

الحقّ“ ہے یعنی یہ خواب اضغاث واحلام نہیں۔

البتہ اگر آپ ﷺ کو اصلی شکل میں دیکھے تو آپ ﷺ ہی کو دیکھا، ورنہ وہ خواب محتاج تعبیر ہے، اگر اچھی حالت میں دیکھے تو دیکھنے والے کے دین کی اچھائی یا اس کے مقصد میں کامیابی کی بشارت ہے، اور اچھے حال میں نہ دیکھا تو معاملہ برعکس ہے۔

اس کے بعد ایک روایت نظر پڑی جو بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

ویروی عنه ﷺ أنه قال: ”من صلّی علی روح محمد فی الأرواح وعلی جسده فی الأجساد وعلی قبره فی القبور رآنی فی منامه، ومن رآنی فی منامه رآنی یوم القیامة، ومن رآنی یوم القیامة شفعت له، ومن شفعت له شرب من حوضی، وحرّم الله جسده علی النار“.

ذکره أبو القاسم السبتی فی کتابه ’الدّر المنظّم فی المولد المعظّم‘ له، لکنّی لم أقف علی أصله إلی الآن، کذا فی القول البدیع (ص ۴۳).

(۲) حدیث بخاری شریف **”من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة“** کے محمل میں اختلاف ہے، علامہ ابوعبداللہ المازری کی رائے ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر کسی نے آپ کی حیات میں آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اس کو بیداری میں آپ کی زیارت نصیب ہوگی، بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کل قیامت میں اس کی تعبیر دیکھے گا اور حضور اقدس ﷺ کی شفاعت اور خاص قرب پائے گا۔

قاضی ابن العربی کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ اس کی تعبیر بیداری میں دیکھے اس لئے کہ یہ خواب حق ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ جس کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت کا اشتیاق ہو اور خواب میں آپکو دیکھ لے تو بیداری میں ایسی طمانینت وتسلی حاصل ہوگی جیسے بیداری ہی میں دیکھ لیا ہو **وقیل غیر ذلک۔**

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ

سوال:

کیا رمضان میں تہجد کی جماعت کے بارے میں کوئی روایت ہے؟

السائل ــــــــــــــــ

جواب:

محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رمضان میں تہجد میں جماعت کی کوئی صریح روایت تو نہ یاد ہے اور نہ ہی تلاش کرنے کے بعد ملی، ہاں تہجد میں گاہے کسی کا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کھڑا ہونا وارد ہوا ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: "صلّيت مع النبی ﷺ ليلةً فلم يزل قائماً حتی هممت بأمرٍ سوءٍ، قلنا: ما هممتَ؟ قال: هممتُ أن أقعد وأذر النبی ﷺ"، رواه البخاری (ص ۱۵۳ / ۱) ومسلم (ص ۲۶۴ / ۱).

وعن حذيفةؓ قال: "صلّيت مع النبی ﷺ ذات ليلةٍ فافتتح البقرة، فقلت: يركع عند المائة ثم مضى، فقلت: يصلی بها فی ركعة فمضى، فقلت: يركع بها، ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها، يقرأ مترسّلاً، إذا مرّ بآية فيها تسبيح سبّح"، الحديث، رواه مسلم (ص ۲۶۴ / ۱).

ہاں بعض روایات کچھ اجمال کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جن کو محدثین قیامِ رمضان پر محمول کرتے ہیں، اور بعض متاخرین علماء کا خیال ہے کہ وہ تہجد کی نماز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: **"إن رسول الله ﷺ خرج ليلةً من جوف الليل، فصلّى فی المسجد وصلّى رجال بصلوته، فأصبح النّاس فتحدّثوا، فاجتمع أكثر منهم فصلّى فصلّوا معه، فأصبح الناس فتحدّثوا، فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة، فخرج رسول الله ﷺ فصلّى فصلّوا بصلوته، فلما كانت الرابعة عجز المسجد عن أهله حتى خرج لصلوة الصبح، فلمّا قضى الفجر أقبل على الناس فتشهّد ثم قال: أما بعد فإنّه لم يخف علیّ مكانكم ولكنّی خشيت أن تُفترض عليكم فتعجزوا عنها، فتوفّی رسول الله ﷺ والأمر على ذلک"، رواه البخاری (ص ۲۶۹ / ۱) ومسلم (ص ۲۵۹) وابوداود (ص ۲/۳۰۲).**

وأخرج أحمد وابن أبی شيبة (ص ۳۹۴) وأبوداود (ص ۲/۳۰۳) والترمذی والنسائی (ص ۱۲۳ / ۱) ومحمد بن نصر عن ابی ذرؓ قال: "صمنا مع رسول الله ﷺ رمضان، فلم يقم بنا شيئاً من الشّهر حتی بقی سبع، فقام بنا حتی ذهبت ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا،

فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل، فقلت: يا رسول الله! لو نفّلتنا قيام هذه الليلة؟ قال فقال: إن الرجل إذا صلّى مع الاِمام حتى ينصرف حُسب له قيام ليلةٍ، قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونسائه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح، قال قلت ما الفلاح قال: السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر"۔

ان دونوں روایتوں کواہل فن محدثین نے قیام رمضان پرمحمول کیا ہے۔

ایک اورروایت ہے جس کوبعض لوگ نص فی الباب سمجھتے ہیں:

عن قيس بن طلق قال: "زارنا طلق بن عليؓ في يوم من رمضان وأمسىٰ عندنا وأفطر، ثم قام بنا تلك الليلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلى مسجده فصلّى بأصحابه حتى إذا بقي الوتر قدّم رجلاً فقال: أوتِر بأصحابك فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول لَا وتران في ليلةٍ"، رواه أبوداود (ص ۲/۳۳۲) والنسائي (ص ۲۴۷) وابن خزيمة۔

حضرت گنگوہی فتاوی رشیدیہ میں (ص ۳۱۱) حضرت طلق کی مسجد کی نماز کوصلوۃ تہجد پرمحمول فرماتے ہیں،لیکن حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ نے بذل المجہود میں اس کوتراویح ہی پرمحمول فرمایا ہے،آگے عبارت آرہی ہے، صاحب المنہل کارجحان بھی یہی ہے، وہ تکرار پرمحمول کرتے ہیں،اورمسئلہ مذکورفی الحدیث کو اقتداء المفترض بالمتنفل پرمحمول کرتے ہیں۔ان کااصل کلام المنہل (ص ۸/۷۷) میں دیکھا جائے۔

ہمارے حضرت سہارنپوری فرماتے ہیں (ص ۲/۳۳۳) :

أما أداء طلق بن عليّ صلوة التراويح مرّتين، فيمكن أن يوجّه أنه صلّى عند ابنه قيس بن عليّ بعضها مع الوتر ثم صلّى ما بقي منها بأصحابه في مسجده ، انتهى۔

لیکن کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ پیشگی وتر پڑھنے کا کوئی سوال نہیں ہوتا،طلق بن علیؓ افطار کے وقت اپنے بیٹے قیس بن طلق کے یہاں موجود تھے تو ظاہر ہے کہ تراویح میں ابتداہی سے شامل ہوں گے۔واللہ اعلم۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۲۷ شوال ۱۴۰۵ھ

حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات

(محترم مولانا عبداللہ طارق دہلوی مظاہر علوم کے قابل فضلاء میں ہیں۔ کسی زمانہ میں وہ حیاۃ الصحابہ پر تحقیقی کام کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں حضرت الاستاذ مدظلہ سے بار بار رجوع فرماتے رہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے سوالات آچکے ہیں جنکے تحقیقی جوابات پچھلے صفحات میں موجود ہیں۔ اب بقیہ سوالات کو نمبروار مسلسل ایک ساتھ نقل کیا جا رہا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں اور بالخصوص حیاۃ الصحابہ کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے ان جوابات کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

نوٹ: مرتب نے سوال وجواب کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے متعلقہ سوال کی پوری عبارت اولاً نقل کی ہے)

أبو شبیل عوف بن أبی حیّۃ یا عوف بن أبی جمیلۃ

(۱) **سوال:**

قالوا: ورجل اشتری نفسه یعنون عوف بن أبی حیّة الأحمسی أبا شُبیل، حیاة الصحابة باب الصوم فی سبیل الله (ص ۱/۴۶۳)۔

عوف بن ابی حیّہ ابوشبیل یہ نام ٹھیک ہے؟

ابوشبیل مصغر ہے یا مکبر؟ تاریخ کبیر بخاری (ص ۴/۲ ۵۸) میں عوف بن ابی جمیلہ ابوسہل ہے، یہ کہیں اسکا مصحّف تو نہیں؟ یہ راوی حیاۃ الصحابہ میں (ص ۱/۴۶۳) میں آیا ہے۔

جواب:

حیاۃ الصحابہ میں حافظ ابن حجر کی الاصابۃ سے عوف بن ابی حیّہ ابوشبیل الاحمسی نقل ہوا ہے اور اسی طرح الاصابہ میں ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کا ایک مطبوعہ ناقص نسخہ میرے پاس ہے، اسمیں (ص ۵/۳۰۳) پر اثر تو ہے لیکن عوف بن ابی حیّہ کا کوئی تذکرہ نہیں، لیکن جو نقل ہوا ہے وہ صحیح ہے۔

انکے بیٹے شبیل کے ترجمہ میں امام بخاری (ص ۲/۲۵۸) ابن ابی حاتم (ص ۲/۳۸۱ ق ۱) نے لکھا ہے

شبیل بن عوف بن أبی حیّة أبو الطفیل الأحمسی، زاد ابن أبی حاتم: البجلی أدرک الجاهلیة، قال البخاری: قال أبو أسامة: وربما قال إسماعیل بن أبی خالد: شبل، وکان یقال: قد أدرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انتهی مختصرًا۔

پھر یہ یعقوب الفسوی کی تاریخ میں (ص ۲۳۰/۲) اور انہیں کی سند سے سنن بیہقی میں (ص ۹/۴۶) ملا، اس کے آخر میں ہے **والمقتول هو عوف بن أبی حیّة وهو أبو شبل**، بیہقی کے حاشیہ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور یہی درست ہے، اور متن میں عوف بن ابی حمید چھپا ہے وہ غلط ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ شخص مسئول عنہ عوف ابن حیّہ الاحمسی ہیں، قبیلہ بُجیلۃ سے تعلق نسبی ہے اور ان کو ابو شُبیل اور ابو شِبل دونوں ہی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ ان کے بیٹے کے نام میں دونوں روایتیں ہیں،

امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں (ص ۴/۵۸ ق ۱) پر جن کا تذکرہ کیا ہے وہ **عوف بن أبی جمیلة الأعرابی أبو سهل عبدی** ہیں جو صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں، بہت بعد کے آدمی ہیں، حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا تو حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پانے کا کیا سوال ہوتا ہے۔

مجمّع بن جارية يا مجمّع بن حارثة

(۲) سوال:

مجمع بن جاریہ کے علاوہ کوئی مجمع بن حارثہ بھی ہیں؟ بظاہر تو کوئی نہیں،

جواب:

صحابہ میں مجمع بن حارثہ کوئی نہیں۔

جند بن مکیث کی تحقیق

(۳) سوال:

کیا کوئی راوی وصحابی (جندب نہیں) جند بن مکیث ہے؟

جواب:

صحیح جندب بن مَکیث ہے، مشہور صحابی ہیں، ان کا قصہ ابوداود (بذل ۴/۱۴) وغیرہ میں ہے،
جند بن مکیث کوئی صحابی نہیں۔

ابو جہاد صحابی کی تحقیق

(۴) **سوال**:

ابو جہاد صحابی کا نام ونسبت اور صحیح ضبط کیا ہے؟

جواب:

یہ صحابی غیر معروف الاسم ہیں، میرے پاس موجودہ کتابوں میں ان کا تذکرہ صرف ابو بشر الدولابی کی کتاب الکنٰی میں (ص ۱/۲۳) اور **تجريد أسماء الصحابة للذهبي** اور **الإصابة** میں ہے، ذہبی نے اشارہ کیا ہے کہ ابن مندہ ابو نعیم نے ان کو اپنی **كتاب المعرفة** میں ذکر کیا ہے۔

لیکن کسی نے کوئی نام نہیں لکھا، امام بخاری نے **كتاب الكنى** میں اور ابن ابی حاتم نے **الجرح والتعديل** میں اور ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ میں تو ان کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔

جہاد **بكسر الجيم** ہی ہوگا اسلئے کہ محدثین کا طرز یہ ہے کہ معروف الاوزان الفاظ میں ضبط چھوڑ دیتے ہیں، اگر غیر معروف وزن ہو یا اشتباہ کا اندیشہ ہو تو ضبط کرتے ہیں، کسی کے کلام میں ضبط نہیں ملا۔

ضغينة کی تحقیق

ثم ذكر عن عائشةؓ قالت قدمنا مهاجرين فسلكنا فى ثنيّة ضعينة فنفر جمل كنت عليه نفورًا منكراً، حياة الصحابة باب هجرة النساء والصبيان (۱/۳۵۵)۔

(۵) **سوال**: مجمع الزوائد (ص ۹/۲۲۸) کی روایت میں ہے "**فسلكنا فى ثنيّة ضعينة**"، یہ ضعينة شاید الضغنة ہوگا جو **عسرة المرور** کے مفہوم میں ہے، یہ روایت ذرا فرق سے مستدرک (ص ۴/۴) میں بھی ہے۔

میرا قیاس درست ہے یا ضعینہ ہی درست ہے؟ اگر ضعینہ یاء کے ساتھ ہی ہے تو کیا مراد ہے؟

یہ روایت حیاۃ الصحابہ طبع حیدر آباد میں (ص ۱/۳۵۵) پر اور طبع دار القلم میں (ص ۱/۵۵۰) پر ہے۔

جواب:

اس لفظ کی پوری تحقیق نہیں ہوسکی، ممکن ہے کہ **ضغينه بالضاد والغين المعجمتين** ہو جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، لیکن تھوڑا سا تأمل یہ ہے کہ یہ لفظ **ثنيّة** کی صفت بن رہا ہے اور **ضغينه دابّة عسرة الانقياد** کیلئے آئے

گا،فإنّ الضّغن فی الدابّة أن تکون عسرة الاِنقیاد کما فی النهایة۔ بظاہر صعبة ہے دشوار کے معنی میں، واللہ اعلم۔

’’لتر دنه حافیًا و لتر کبنّه قائمًا‘‘

ولقد رأیتنی وإنّی لأجیر لاِبن عفّان وابنة غزوان بطعام بطنی وعقبة رجلی أسوق بهم إذا رکبوا وأخدمهم إذا نزلوا، فقالت لی یوما: لتردنّه حافیًا ولترکبنّه قائمًا، قال: فزوّجنیها الله بعد ذلک، فقلت لها: لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً، (حیاة الصحابة باب جوع أبی هریرة ؓ ص ۱/۲۹۹)۔

(۶) **سوال:**

’’لَتَرِدَنَّهُ حافیًا ولترکبنّه قائمًا‘‘ اسی طرح اگلی سطر میں ’’لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً‘‘ (ابن سعد ص ۴/۵۳ ق ۲ حیاۃ الصحابہ طبع حیدرآباد ص ۱/۲۹۹ وطبعة الدارص ۱/۴۶۸)

اس عبارت میں کوئی تصحیف وتحریف تو نہیں؟ مراد کیا ہے؟ حافیًا اور حافیةً اسی طرح قائمًا اور قائمةً انسان سے حال ہے، تو اشکال یہ ہے کہ ترکبنّه سے مراد سوار ہونا ہے، تو اسمیں نئی بات کیا ہوئی؟ سوار ہوتے وقت آدمی کھڑا ہی تو ہوتا ہے اور یہ حال ہے سواری سے تو دونوں جگہ صفت یکساں ہونی چاہئے تھی۔

جواب: یہ عبارت طبقات ابن سعد کے قدیم وجدید (ص ۴/۳۲۶ و ص ۴/۳۲۷) نسخوں میں اسی طرح ہے، آپ کا اشکال بظاہر معقول ہے الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ ’’لتردنّه حافیًا‘‘ میں فاعل سے حال ہے اور ’’لترکبنّه قائمًا‘‘ میں مفعول سے، اور عبارت میں یہ انداز بر بنائے مزاوجت اختیار کیا گیا ہے جیسے غدایا وعشایا میں عشایا عشیة کی جمع ہے، اس کی مناسبت سے غدوة کی جمع غدوات لانے کے بجائے غدایا لائی گئی،

لیکن ’’لتردنّه حافیةً ولترکبنّه قائمةً‘‘ سے اشکال ہوتا ہے کہ پھر یہاں ذوالحال کی رعایت نہیں، قائمًا ہونا چاہئے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں حافیةً کی مناسبت سے قائمةً کہہ دیا گیا تو ممکن ہے، اور اقرب یہ ہے کہ دونوں جگہ فاعل ہی ذوالحال ہے۔

ایک دوسرے طریق میں طبقات ابن سعد میں (ص ۴/۳۲۶) فکانت تکلّفنی أن أرکب قائمًا وأن أردی أو أورد حافیاً، فلمّا کان بعد ذلک زوّجنیها الله فکلّفتها أن ترکب قائمةً وأن ترد أو

تـردی حافیۃ ہے۔جس میں حال من المفعول کا امکان نہیں ہے، اس صورت میں رکوب قائماً کا مطلب یہ ہوگا کہ سواری کھڑی ہو اسلئے کہ سواری کے کھڑی ہونے کی صورت میں سوار ہونے کیلئے راکب کا قیام لازم ہے، تو گویا قیامِ راکب بول کر جو لازم ہے قیامِ مرکوب جو ملزوم ہے مراد لیا گیا ہے اور سواری کھڑی ہونے کی صورت میں سوار ہونا مشقت کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

مِمّن القوم، میم پر کیا اعراب ہے؟

(۷) **سوال**:

ایک جگہ کچھ لوگوں سے سوال کیا گیا کہ مِمّن القوم؟ آپ لوگ کون ہیں؟۔ جواب ملا من بنی فلان۔
سوال یہ ہے کہ القوم کی میم پر ضمہ ہوگا یا کسرہ؟ مجھے ضمہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب:

مِمّن خبر مقدم ہے اور القوم مبتدا مؤخر، لہٰذا قوم کی میم مرفوع ہوگی۔

(۸) **سوال**:

مسند احمد (ص ۲۵۷ / ۴) میں عدی بن حاتمؓ کی روایت میں ان کی پھوپھی کا قول ہے واللہ لولَا أتیت هذا الرجل، اس میں 'لَا' مسند احمد میں ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو یہ کاتب کی غلطی تو نہیں؟ بظاہر یہاں 'لا' غلط ہے۔

جواب:

یہ تو حضرت عدیؓ ہی کا قول ہے، ان کی پھوپھی کا قصہ دوسرا ہے جو (ص ۳۷۸ / ۴) پر ہے، 'لا' صحیح ہے،
یہاں 'لولَا' تندیم کیلئے ہے، لفظ 'لوْ' تمنائیہ جب 'لاٗ' پر داخل ہوتا ہے تو تندیم و تحضیض کے لئے مفید ہے، ماضی پر داخل ہو تو تندیم یعنی عمل نہ کرنے پر کوتاہی و کمی دکھانے کیلئے ہوتا ہے جیسے ﴿لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾۔
اور اگر مضارع پر داخل ہو تو تحضیض و ترغیب کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾۔

حریدۃ جبل کی تحقیق

’عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ استعمل المقداد بن الأسودؓ علی حریدة جبل، فلمّا قدم قال: کیف رأیت‘ الخ، حیاۃ الصحابة باب الإنکار عن قبول الأمانة (ص ۴۸ / ۲)۔

(۹) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ۴۸ / ۲ وطبع دارالقلم ص ۱۷۰ / ۱) میں ہے استعمل المقداد بن الاَسودؓ علی حریدة جبل یہ نشان زدہ عبارت حیاۃ الصحابۃ میں اور مجمع الزوائد (ص ۲۰۱ / ۵) میں اسی طرح سے ہے بے نقطہ، اصابہ اور حلیہ وغیرہ میں یہ لفظ نہیں ہے، اگر کہیں یہی روایت آئی ہو تو اس کے نقطوں کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

جواب:

حضرت انسؓ کی حدیث کے اصل الفاظ ”إن رسول الله ﷺ استعمل المقداد بن الاَسود علی جریدة خیل“ ہے، مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہے اور اہمال واقع ہوگیا، جریدۃ کے نقطے چھوڑ دئے اور خیل کا جبل بنا دیا، کشف الاستار میں (ص ۲۴۲ / ۲) صحیح چھپا ہے، جریدۃ گھوڑے سوار یا گھوڑے سواروں کی جماعت جن میں کوئی پیادہ نہ ہو، قال فی القاموس: الجریدة خیل لَا رَجالة فیها، ولم یتعرّض صاحب النهایة عن هذا الحدیث، مجمع الزوائد میں اس حدیث کے بعد حضرت مقدادؓ کی حدیث: ”بعثنی رسول الله ﷺ مَبعثاً“ بھی اسی مضمون کی ایک تعبیر ہے، کسی سریہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا عامل بنا کر نہیں۔

معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟

’أخرج الدینوری وابن عساکر عن معاجر العامری قال: ”کتب علی بن أبی طالبؓ عهدًا لبعض أصحابه علی بلد فیه“ الخ حیاۃ الصحابة باب وصایا علی بن أبی طالبؓ (ص ۱۱۷ / ۲)۔

(۱۰) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۱۷ / ۲ و طبع دارالقلم ص ۲۸۱ / ۲) میں صحابی کا نام معاجر عامری ہے، اس میں ضرور تحریف ہوگئی ہے، یہ میرے خیال میں مہاجر ہے اور یہ عَلَم نہیں بلکہ وصف ہے، اور اس سے مراد سکران بن عمرو عامری ہیں جو مہاجرین حبشہ میں سے ہیں (اصابہ ص ۵۹ / ۲ قسم اول صرف سین)، کیا میرا گمان صحیح ہے؟ یا پھر جو صحیح ہو وہ تحریر فرمائیں۔

جواب:

یہ لفظ اس طرح منتخب کنز العمّال (ص ۵۸/۵) حیاۃ الصحابہ کے مأخذ میں بھی معاجر العامری واقع ہوا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ مہاجر العامری ہے، کنز العمال کے حاشیہ میں (ص ۱۶۵/۱۵) اسی طرح کنز العمال کے بعض غیر مطبوعہ نسخ اور الجامع الکبیر کے حوالہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور مطبوعہ کنز العمال میں یعنی قدیم وجدید میں اصل میں مہاجر بن عامری واقع ہوا ہے جو غلط ہے، مہاجر العامری کا ترجمہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بہت مختصر سا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں (ص ۳۸۱/۴ق):

مهاجر بن شمّاس العامری عن عمّه روی عنه فضيل بن غزوان الخ، وقال ابن أبی حاتم (ص ۲۶۱/۴ق): مهاجر بن شمّاس هو مهاجر العامری كوفی روی عن عمّه، روی عنه فضيل بن غزوان، سمعت أبی يقول ذلک، ثم نقل عن يحيىٰ بن معين قال: مهاجر العامری ثقة، السكران بن عمرو العامری من ولد عامر بن لؤیّ مراد نہیں، وہ تو عہد نبوی میں وفات پا گئے تھے اسلام کی حالت میں مکہ میں كما هو الأصحّ وعليه ابن إسحاق وغيره، یا حبشہ میں نصرانی ہوکر كما عليه أبو عبيدة، بہرحال وہ ہرگز مراد نہیں۔

ابو شُبیل یا ابو شِبل مکبرًا ہے یا مصغر؟

(۱۱) **سوال:**

عوف بن ابی حیّہ ابو شبیل الاحمسی میں شبیل مصغر ہے یا مکبر؟

جواب:

عوف بن ابی حیّہ کو ابو شبیل اور ابو شبل دونوں کہہ سکتے ہیں، عوف کے بیٹے کے نام میں دونوں قول ہیں، پہلے خط میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے، الاصابہ میں ابو شبیل اور تاریخ الفسوی اور سنن بیہقی میں ابو شِبل ہے۔

فقال کے بجائے فقلت ہے

(۱۲) **سوال:**

أخرج البزار عن ابن عمرؓ قال: ”حضرتنی هذه الآية ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ الخ، فقال: هی حرّة

لوجـــه الـلـــه'' الـحـديـث یہ خط کشیدہ لفظ مجمع الزوائد (ص ۶/۳۲۶) میں اسی طرح ہے جبکہ مستدرک (ص ۳/۵۶۱) میں 'فـقـلـت' ہے اور یہی اظہر ہے، دیکھنا یہ ہے کہ درِّ منثور یا کہیں اور بزار ہی کی روایت میں فقلت ہے؟

جواب:

مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی، حافظ ابن کثیر نے (ص ۱/۳۸۱) میں یہ حدیث مسند بزار سے سند و متن کے ساتھ نقل کی ہے، اسمیں 'فقلت' ہی ہے۔ پوری روایت مع السند یہ ہے:

حدثنا زياد بن يحيىٰ الحسانى حدثنا يزيد بن هارون حدثنا محمد بن عمرو عن أبى عمرو بن حماس عن حمزة بن عبد الله بن عمر قال قال عبد اللهؓ: ''حضرتنى هذه الآية ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ فذكرت ما أعطانى الله، فلم أجد شيئًا أحبّ إلىّ من جارية لى رومية، فقلت: هى حرّة لوجه الله، فلو أنّى أعود فى شئى فعلته لله لنكحتُها يعنى تزوّجتها''، انتهى ما نقله الحافظ ابن كثير، علامہ سیوطیؒ نے الدر المنثور میں (ص ۲/۵۰) یہی روایت نقل کی ہے اور عبد بن حمید اور بزار کی طرف نسبت کی ہے، اس میں بھی ''**فقلت هى حرّة لوجه الله**'' ہے اور اس میں ''**فلم أجد شيئًا أحبّ إلىّ من مرجانة جارية لى**'' روایت ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے۔

فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟

(۱۳) سوال:

مجمع الزوائد (ص ۳۲ و ۷/۳۳) میں ہے عن أبى عقيل: ''**أنّه بات يجرّ الجرير على ظهره على صاعين من تمر، فانفلت بأحدهما إلى أهله**''۔

یہ روایت اصابہ میں طبری کے حوالہ سے اور دوسرے ماخذ میں مختلف الفاظ سے ہے، مگر نشان زدہ لفظ صرف طبرانی کی روایت میں ہے اور بظاہر یہ فانقلب کا مصحف ہے، اگر طبرانی کے الفاظ درِّ منثور وغیرہ میں ملیں تو یہ لفظ ملنے کی توقع ہے، یہ سورۂ توبہ کی ۷۹ ویں آیت ﴿أَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ﴾ کی تفسیر کے تحت ہوگی۔

جواب:

علامہ سیوطیؒ نے الدرّ المنثور (۳/۲۶۲) میں لکھا ہے:

أخرج ابن أبی شیبة وابن جریر وابن أبی حاتم والبغوی فی معجمه والطبرانی وأبو الشّیخ وابن مردودیه وأبو نعیم فی المعرفة عن أبی عقیل قال: ”بتّ أجُرّ الجریر علٰی ظهری علٰی صاعین من تمر، فانقلبت بأحدهما إلی أهلی یتبلّغون به، وجئت بالآخر إلٰی رسول الله ﷺ أتقرّب به إلی ربّی، فأخبرته بالذی کان، فقال: أنثره فی المسجد، فسخر القوم وقالوا: کان الله غنیا عن صاع هذا المسکین. فأنزل الله ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ الآیة۔

حافظ ابن کثیر نے یہی حدیث بروایۃ ابن جریر طبری انہیں الفاظ سے نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے: رواه الطّبرانی الخ ، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں (۸/۳۳۱) طبرانی، طبری، باوردی کا حوالہ ذکر کیا ہے لیکن طبرانی کے خاص الفاظ نہیں لکھے، ’فانفلت‘ مصحف ہے، صحیح ’فانقلب‘ ہے، صاحب مجمع الزوائد نے صرف طبرانی کا حوالہ دیا ہے، طبرانی کی عادت ہے کہ وہ روایت کے مختلف الفاظ بعض اوقات درج کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض میں ’فانقلبت‘ اور بعض میں ’فانقلب‘ ہو، کسی نے صرف طبرانی کے حوالہ کے وہ الفاظ نہیں لکھے جو صاحب مجمع نے ذکر کئے ہیں۔

”فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف“ کی تحقیق

(۱۴) **سوال**:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۳۰۳/ ۲ س ۳) میں ہے، ”وفرض لمن شهد اُحدًا ثلاثة آلاف“، یہ روایت مسند احمد (ص ۵۷ ۴/ ۳) کنز العمال (طبع دوم ص ۴۷ ۳/ ۴) میں ہے۔ اسی روایت میں بحوالہ بیہقی اُحد کی جگہ الحدیبیة ہے، (بیہقی ص ۳۴۹/ ۶)۔

پہلے تو مسند اور بیہقی دیکھنے کی ضرورت ہے اور پھر اگر دونوں میں مذکورہ فرق موجود ہو تو آپ یہ فرمائیں کہ اس کو اختلاف روایات مان کر خاموشی اختیار کر لی جائے یا ان دونوں میں سے کوئی ایک غلط ہے؟

جواب:

مسند احمد (ص ۵۷ ۴/ ۳) اور وہیں سے مجمع الزوائد (ص ۳/ ۶) میں ”فرض لمن شهد أحدًا ثلثة آلاف“ ہے، اور تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی (ص ۴۶۳/ ۱) اور وہیں سے بیہقی (ص ۳۴۹/ ۶) میں اور بیہقی سے کنز العمال میں نقل ہوئی اور اس میں اُحد کی جگہ الحدیبیہ ہے، اسکا عبد اللہ بن المبارک پر دار مدار ہے، کہیں اور یہ روایت کسی دوسرے طریق سے نہیں ملی۔

ابن سعد نے طبقات میں (ص۲۹۶/ ۳) ایک روایت نقل کی ہے اس میں: "فبدأ لمن شهد بدراً من المهاجرين والأنصار، ففرض لكل رجل منهم خمسة آلاف درهم فى كل سنة حليفهم ومولاهم معهم بالسّواء، وفرض لمن كان إسلامه كإسلام أهل بدر من مهاجرة الحبشة، ومن شهد أحدًا أربعة الآف درهم لكل رجل منهم" الخ ہے، لیکن عام آثار میں جو ابو عبید نے الاموال (ص۲۸۷) میں اور دوسرے حضرات نے نقل کیا ہے، مہاجرین کیلئے ۵ ہزار اور انصار کیلئے چار ہزار کا ذکر ہے اور یہی راجح ہے۔

مغضب ومعصب کی تحقیق

فقال عمر بن الخطابؓ: "إنک قريب القرابة حديث السن مغضب فى ابن عمک"، حياة الصحابة 'باب قسم عمر الفاروقؓ وتفضيله على السابقة والنسب (ص۲۰۳/ ۲).

(۱۵) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص۲۰۳/ ۲ س۱۱) میں جو 'مغضب' ہے یہ اسی طرح مسند احمد (۴۷۵/ ۳) میں ہے۔ اور مجمع الزوائد (ص۳/ ۶) میں 'معصب' ہے، مگر یہ روایت اسد الغابہ میں احمد بن حفص بن المغیرہ کے حالات میں ہے اسمیں 'مغضب' ہے جیسا کہ اس کے حوالے سے میں نے ایک اردو کتاب میں ترجمہ دیکھا ہے وہ ترجمہ مغضب کا ہے،

تو ایک تو اسد الغابہ دیکھ کر اس کی جلد وصفحہ تحریر فرمائیں۔ اور یہ کہ واقعۃً اس میں مغضب ہی ہے،

دوسرے یہ کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں (۱۳۹/ ۴) اس مطلوبہ روایت کا ابتدائی حصہ لکھ کر باقی کے لئے نسائی کا حوالہ دیا ہے، تو نسائی (مجتبیٰ) میں کہاں ہوگی؟ مزید اس میں کیا راجح ہے؟

جواب:

مسند احمد میں (ص۴۷۵/ ۳) تو 'معصب' بالمهملتين ہے، اسی طرح مجمع الزوائد (ص۳/ ۶) میں بھی لیکن تاریخ الفسوی (۴۶۳/ ۱) میں 'تغضب فى ابن عمک' اور الاستیعاب (۱۲۴/ ۴) میں بطریق النسائی 'تغضب لابن عمک' ہے، اور الکنیٰ للبخاری میں (ص۵۴) 'فغضب فى ابن عمه' ہے۔

الکنیٰ کے الفاظ میں کچھ تقدیم وتاخیر اور تحریف ہے، بعد میں اس کی تصدیق ہوگئی، حافظ ابن کثیر نے البداية والنهاية میں (۱۱۵/ ۷) 'مغضب فى ابن عمک' ذکر کیا ہے اور تاریخ البخاری کا حوالہ دیا ہے، تاریخ سے

مراد الکنی ہے اسلئے کہ وہ تاریخ کا ایک جزء ہے، پھر بخاری کی تاریخ صغیر میں (ص ۱/۵۷) علی الصواب ملی اور اس کے الفاظ 'مغضب فی ابن عمک' ہیں، اسی طرح سیر اعلام النبلاء میں بھی ہے (ص ۳/۷۹)۔

یہ روایت نسائی کی سنن کبری میں ہے کما ذکرہ المزّی فی تحفة الأشراف اور کبری ہی کے طریق سے ابن عبدالبر نے استیعاب میں لی ہے جس کا لفظ اوپر نقل ہوا، اسد الغابہ تو نہیں ہے، مدرسہ میں ایک ہی نسخہ ہے اسلئے وہ میرے پاس نہیں۔

عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہنا

"وفرض لعثمان بن عبد الله بن عثمان وهو ابن أخي طلحة بن عبيد الله ؓ۔ يعني عثمان بن عبد الله ۔ ثمان مائة" حياة الصحابة باب قسم النبي ﷺ المال و كيف كان قسمه (ص ۲/۲۰۱)۔

(۱۶) **سوال**:

ایک معضلہ یہ حل فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۲/۲۰۱ س ۱۰) میں حضرت عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہا ہے، اسی طرح (ص ۲/۲۰۲ س ۱۰ و ۱۱) بالکل مختلف روایت اور مختلف مأخذ میں ہے،

جبکہ الاصابہ (ص ۲/۴۶۱) میں عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا اخ کہا ہے نہ کہ ابن الاخ۔

پہلی (ص ۲/۲۰۲) والی روایت مجمع الزوائد (ص ۶/۴) سے ہے، وہاں بھی اسی طرح ہے، اور یہی روایت کنز العمال طبع جدید (ص ۵/۳۴۵) میں ہے، اس میں 'فجاءه طلحة بن عبيد الله بابنه عثمان' ہے۔

سوال یہ ہے کہ حیاۃ (ص ۲۰۲ اور ص ۲۰۱) کی روایتیں دو مختلف ماخذ سے ہیں، دونوں میں کیسے غلط ہوا ہے؟

اور بقیہ (ص ۲۰۱) والی روایت معمولی لفظی فرق سے نقل کرتے ہیں تو اس میں بھی غلط ہوا تو یہ کیا بات ہے؟

کیا ہم اصابہ کے بیان کو قول فیصل سمجھیں اور ان سب کو غلط سمجھیں؟

بیہقی میں بھی عثمان بن عبید اللہ کو طلحہ بن عبید اللہ کا بھائی ہی کہا ہے اور بدایۃً یہی درست معلوم ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی دقیق بات اور پوشیدہ ہو، توجہ فرما کر حل فرمایئے، کرم ہوگا۔

جواب:

حیاۃ الصحابہ میں عثمان بن عبد اللہ مکبّر ہے، اسی طرح مجمع الزوائد، کشف الاستار (ص ۲/۲۹۲) میں بھی ہے، اور الاصابہ میں عثمان بن عبید اللہ مصغّر ہے۔

احتمال کے درجہ میں کہا جاسکتا ہے کہ عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کا سلسلۂ نسب عثمان بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عثمان ہے، عبداللہ کو روایت میں ان کے جد عثمان کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ اور الاصابہ میں عثمان بن عبید اللہ کو ان کے باپ عبید اللہ بن عثمان کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔

اور کنز العمال اور منتخب الکنز (ص ۱۶۳/ ۲) میں بظاہر تحریف ہوگئی، اصل میں تھا ابن عثمان اور نسبت الی الجد کی گئی اور محرّف ہوکر بابنہ ہوگیا۔

لیکن ایک کھٹک رہ جاتی ہے کہ عثمان بن عبداللہ بن عثمان کا ترجمہ کہیں نہیں حالانکہ طلحہ کے بھتیجے یا تو صحابی ہوں گے یا تابعی۔

ایک احتمال یہ ہے کہ اصل میں باخیہ ہو اور صحیح عثمان بن عبید اللہ بن عثمان ہو یعنی عثمان کے باپ کا نام عبداللہ مکبر نہ ہو بلکہ عبید اللہ بالتصغیر ہو۔ اس صورت میں یہ وہی صحابی ہوں گے جنہیں حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔

پھر متعدد کتابوں سے اس کی تصدیق ہوئی۔ امام ابن ابی شیبۃ نے المصنف میں مطوّلا (ص ۳۰۶/ ۱۲) اور انہیں کے طریق سے امام بیہقی نے السنن الکبری میں مختصرًا (ص ۳۵۰/ ۶) عن زيد بن الحباب عن أبی معشر عن عمر مولى غفرة وغیرہ یہی روایت نقل کی ہے، اس میں فجاءه طلحة بن عبيد الله بأخيه عثمان واقع ہوا ہے۔ اسی طرح قاضی ابو یوسف نے الخراج میں (ص ۴۳) عن أبی معشر عن مولى غفرة وغيره یہی روایت مفصل نقل کی ہے اس میں بھی اسی طرح فجاء طلحة بن عبيد الله بأخيه واقع ہوا ہے۔

اقرب یہ ہے کہ یہی من حیث الروایۃ راجح ہے۔

اسلئے کہ روایت کا مدار ابو معشر پر ہے اور ان سے دو شخص قاضی ابو یوسف اور زید بن الحباب بأخيه نقل کرتے ہیں۔ اور بزار (ص ۴۰۷/ ۱) کی روایت میں تنہا حسین بن محمد اس کے خلاف نقل کرتے ہیں، امام طحاوی نے بھی روایت معانی الآثار میں (ص ۱۴۶/ ۲) بطريق محمد بن أبی رجاء الهاشمی عن أبی معشر عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر بن عبد الله مولى غفرة نقل کی ہے، اسکے الفاظ سے بھی بھائی ہونا معلوم ہوتا ہے

ہاں دوسری روایت جو حیوۃ الصحابہ میں بحوالہ ابن عساکر ابن اخ واقع ہوا ہے وہ بزار کی روایت کی مؤید ہے لیکن وجدان یہ ہے کہ اول ہی صواب ہے اور اصابہ کا بیان راجح ہے۔

جیش اسامہ کی تعداد

(۱۷) **سوال**:

جیشِ اسامہؓ کی صحیح تعداد کیا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے،

حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۴۱۴) میں کنز العمال (قدیم ص ۱/۱۲۹ وجدید ص ۳/۳۵۰) کے حوالے سے سبع مائۃ ہے جبکہ ابن عساکر (ص ۱/۱۲۴) میں 'ثلاثۃ آلاف' ہے اس میں صحیح یا راجح کیا ہے؟

براہ کرم تحریر فرمائیں۔ مجھے ثلاثۃ آلاف راجح معلوم ہوتا ہے مگر حوالہ پیش نظر نہیں ہے۔

جواب:

دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ابن عساکر کی روایت میں پوری تعداد مذکور ہے اور کنز العمال میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو قریشی تھے،

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں (۸/۱۵۲): **وعند الواقدی أن عدّة ذلک الجیش -أی جیش أسامة- کانت ثلاثة آلاف، فیهم سبعة مائة من قریش"۔ وفیه عن أبی هریرةؓ: "کانت عدّة الجیش سبعمائة"، انتهی۔**

عبد الرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق

وأخرج الطبرانی عن عبد الرحمن بن الحارث بن أبی مرداس السلمیؓ قال: "کنا عند النبی ﷺ" الخ۔ حیاة الصحابة باب توقیر النبی ﷺ وإجلاله (ص ۲/۳۰۶)۔

(۱۸) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ (ص ۲/۳۰۶ س ۳) میں عبد الرحمٰن بن حارث بن اَبی مرداس السلمی کی روایت ہے اور یہ نام بطور صحابی کے لکھا ہے، جبکہ استیعاب واصابہ میں اس نام کا یا حارث بن ابی مرداس نام کے کسی صحابی کا ذکر نہیں۔

مجھے شبہ ہے کہ کسی جگہ کوئی سقط یا تصحیف ہے، براہ کرم رہبری فرمائیں۔

جواب:

یہاں پر مجمع الزوائد میں تو اسی طرح عبد الرحمٰن بن الحارث بن ابی مرداس واقع ہوا ہے اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے،

لیکن یہی روایت علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں (ص ۹۸/ ۳ فیض) بحوالہ طبرانی نقل کی ہے اور صحابی کا نام عبد الرحمٰن بن أبی قراد لکھا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے الإصابة (ص ۴۱۹/ ۲) میں عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے ترجمہ میں بحوالہ أبو نعيم من طريق الحسن بن أبی جعفر الجفری عن أبی جعفر الخطمی عن الحارث بن فضيل عن عبد الرحمٰن بن أبی قراد، والحسن بن أبی جعفر ضعيف، وقد خالفه فيه ضعيف آخر كما سأذكره فی الكنى۔

ثم ذكر فی الكنى (ص ۱۶۰/ ۴): أخرج ابن أبی عاصم وابن السكن من طريق أبی جعفر الخطّی عن عبد الرحمٰن بن الحارث عن أبی قُراد السّلمیؓ قال: "كنّا عند النبیﷺ فدعا بطهور فغمس يده فيه فتوضأ فتتبّعناه فحسوناه، فلما فرغ قال: ماحملكم على ما صنعتم؟ قلنا: حبّ الله ورسوله، قال: فإن أحببتم أن يحبّكم الله ورسوله فأدّوا إذا ائتمنتم واصدقوا إذا حدّثتم وأحسنوا جوار من جاوركم"۔ قال الحافظ: ومداره على عبد الله بن قيس وهو ضعيف، قال: وأحد الطريقين وهم، وأخلق أن تكون هذه -ای طريق الحسن بن أبی جعفر- أولى، انتهى مختصرًا من موضعين۔

عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے متعلق ایک روایت میں ابن الفاکہ آیا ہے کما ذکرہ البخاری فی التاریخ (۲۴۴/ ۳) تو بہت ممکن ہے کہ مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہو، اصل میں عبد الرحمٰن بن الفاكه بن أبی قراد ہو یا پھر اصل میں عبد الرحمٰن بن الحارث عن أبی قراد ہو۔

لیکن صاحبِ مجمع الزوائد کا طبرانی کا نسخہ محرف ہو، اور عن ابی قراد کی جگہ بن ابی قراد ہو اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے،

اور اگر طریق اول ہوتا تو عبدالرحمٰن کے بعد حارث کے واقع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا لیکن سیوطی وغیرہ کا اس حدیث کو مسانید عبدالرحمٰن بن ابی قراد میں قرار دینا اور طبرانی کے حوالہ سے نقل کرنا خدشہ پیدا کرتا ہے،

بہت ممکن ہے کہ طبرانی نے عبدالرحمٰن بن ابی قراد کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی ہو اور طرق مختلفہ لائے ہوں، متن کا لفظ جس طریق سے وارد ہے اس میں عبدالرحمٰن بن الحارث عن ابی قراد ہو لیکن طبرانی کے عنوان کی رعایت کرتے ہوئے حدیث کو مسانیدِ عبدالرحمٰن بن ابی قراد میں ذکر کیا ہو۔

اور مجمع الزوائد میں جو ابی مرداس واقع ہوا ہے یہ بلاشبہ محرّف ہے، صحیح ابی قراد ہے۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق

وأخرج ابن سعد (ص ۱/۲۵۴) عن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عبد القارى: "أنه نظر إلى ابن عمرؓ وضع يده على مقعد النبى ﷺ" الخ. حياة الصحابة باب توقير النبى ﷺ وإجلاله (ص ۲/۳۱۰).

(۱۹) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۲/۳۱۰ س۹) میں ایک تابعی کا نام ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ہے، یہ نام التقریب اورلسان کے اصل حصہ میں اور متفرقات میں کہیں نہیں ہے، تاریخ بخاری میں ہے مگر عبدالرحمٰن بین القوسین ہے (ص ۱/۲۶۴)، محشی نے لکھا ہے کہ یہ ابن ابی حاتم وغیرہ سے اوراصل نسخہ مخطوطہ سے اضافہ ہے، اور دوسری جگہ تاریخ بخاری میں (ص ۱/۲۶۷) میں اورتقریب وغیرہ میں ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالقاری ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ عبد اللہ کا عبدالرحمٰن ہوگیا ہو؟

جواب:

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری اورابراہیم بن عبداللہ بن عبدالقاری دوراوی الگ الگ ہیں۔

كذا فرّق بينهما البخارى فى التاريخ (۱/۲۹۷) و (۱/۳۰۰)، وأبوحاتم الرازى، وابنه أبو محمد عبد الرحمٰن (ص ۱/۱۰۸ او ص ۱/۱۱۱)، وأبوحاكم بن حبان البستى.

فالأوّل يروى عن ابن عمر وروى عنه حمزة بن أبى جعفر، كذا قالوا، ولفظ البخارى "رأى ابن عمر"، وزاد فى الرّواة عنه جعفر بن أبى جعفر، زاد ابن حبان قال: "رأيت ابن عمر وضع يده على مقعد النبیﷺ من المنبر ثم وضعها على وجهه"، وهذا الأثر هو الذى ذكره صاحب حياة الصحابة برواية ابن سعد (ص ۱/۲۵۴).

والثّانى قال أبو حاتم: روى عن علىّ مرسل، روى عن ابن عباس، روى عنه الجعيد.

وقال ابن حبان فى الثقات: روى عن رجل من أصحاب النبیﷺ روى عنه الجعيد بن عبد الرحمن، وذكر البخارى فى تاريخه (ص ۱/۳۳۰) روايته عن رجل من الصحابة وكذا عن ابن عباسؓ وأبى هريرةؓ، وذكر رواية الأوّلَين من طريق الجعيد، وروايته الثالث من طريق عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله بن عبد القارى عن أبيه أو عمّه إبراهيم عن أبى هريرةؓ، وهذا

الراوی أخرج له النّسائی فی عمل الیوم واللیلة، وفی مسند علیّ، وترجم له المزّی فی تهذیب الکمال (ص۱/۵۷) وابن حجر فی تهذیب التهذیب (ص۱/۱۳۴) وتقریب التهذیب وهو ابن عبد الرحمٰن بن عبدالقاری کما ذکره المزّی۔

حطّ درس یا حطّ ورس؟

وأخرج عبد الرزاق عن الحسن: "أن النبی ﷺ لقی رجلاً مختضبًا بصفرة وفی ید النبی ﷺ جریدة، فقال النبی ﷺ حطّ درس، فطعن بالجریدة بطن الرجل وقال: ألم أنهک عن هذا" الخ۔ حیاة الصحابة باب تقبیل جسده ﷺ (ص ۲/۳۱۱)۔

(۲۰) **سوال**:

حیاۃ الصحابۃ (ص۲/۳۱۱) 'حط درس' ہے، حاشیہ میں مصنفؒ نے 'خط درس' درست ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے جیسا کہ اگلے صفحہ پر ہے۔

سوال یہ ہے کہ صحیح لفظ کیا ہے؟ میرے خیال میں خط کے بجائے حط ہی درست ہے چھوڑنے اور ہٹانے کے معنی میں، البتہ 'ورس' واؤ سے ٹھیک لگتا ہے، دوسرے یہ کہ ترکیب میں اگر ورس مفعول ہے تو ورساً آنے میں کیا مانع ہے؟ یا الف لام سے کیا مانع ہے؟ اس کی ترکیب اور معنی تحریر کیجئے۔

جواب:

مصنف عبدالرزاق میں (۹/۴۶۶) 'حط ورس' ہے اور معنی ظاہر ہے، أی أسقط هذا ورس وهو لایجوز للرجل، اور بہت ممکن ہے کہ ورس منصوب ہے، لغتِ ربیعہ میں منصوب بغیر الف لکھتے ہیں، طبقات ابن سعد میں (ص۳/۵۱۶) بظاہر ضمہّ ہوگا لیکن واضح نہ ہونے کے سبب کاتب یا طابع نے نقطہ سمجھ لیا۔

ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق

وأخرج أبوسعید النیسابوری فی کتابه شرف المصطفی من طریق ابن إسحاق عن الزهری عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن الخ۔ حیاة الصحابة کتابه ﷺ إلی کسریٰ ملک فارس (ص ۱/۱۱۳)۔

(۲۱) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ۱/۱۱۳) میں ابوسعید نیساپوری کی کتاب **شرف المصطفیٰ** کا حوالہ ہے، دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ ابوسعید نیساپوری دو ہیں، اور دونوں کی کتابیں **شرف المصطفیٰ** کے نام سے ہیں۔

ایک عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیساپوری المتوفی ۴۰۶ھ **أنظر الأنساب (ص ۵/۸۵) و (ص ۱۰۱) والأعلام (ص ۴/۱۶۳).**

اوردوسرے عبدالرحمٰن بن حسن النیساپوری المتوفی ۴۰۳ھ **أنظر الأعلام (ص ۳/۳۰۴) من الرسالة المستطرفة (ص ۵۴).**

پھران کی سنین وفات میں بھی التباس ہے، ایک کا دوسرے کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے،

اصل سوال یہ ہے کہ اس جگہ **حیاۃ الصحابة** میں اور **الاِصابة** میں جو حوالہ ہے وہ کون سے مصنف کا ہے؟

شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں (ص ۱/۳۶) عبدالملک نیساپوری کی '**شرف المصطفیٰ**' کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ الاصابۃ میں بکثرت اس کے حوالے ہیں، شبلی بھی وسیع النظر محقق ہیں مگر **للتحقيق مجال واسع،** خاص طور پر اسلئے بھی کہ دوسری '**شرف المصطفیٰ**' کا ذکر انھوں نے نہیں کیا، انہیں مغالطہ بھی ہوسکتا ہے۔

آپ براہِ کرم اس کی تعیین فرمائیں اور وجوہِ تعیین بھی تحریر فرمائیں۔

واضح رہے کہ ابن الجوزی کی '**شرف المصطفیٰ**' جس کا کشف الظنون اور شبلی نے ذکر کیا ہے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

(نوٹ) ابوسعید پر بھی روشنی ڈالیں کہ ابوسعید ہے یا ابوسعد؟ میرے نزدیک تو ابوسعد راجح ہے۔

جواب:

'**شرف المصطفیٰ**' حضور اقدس ﷺ کی سیرت سے متعلق ایک کتاب ہے، اس میں حضور پاک ﷺ کے خصائص ومعجزات وخوارق وعادات کا تذکرہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے (۱/۴۳۹): **وقد ذكر أبو سعد النيسابوری فی كتاب شرف المصطفیٰ أن العدد الذی اختصّ به نبيناﷺ عن الأنبياء ستّون خصلة، وقال السيوطی فی الخصائص الكبری(ص ۲/۱۸۴): قال أبوسعيد النيسابوری فی شرف المصطفیٰ: الفضائل التی فضّل بها النبیﷺ علی سائر الأنبياء عليهم السلام ستّون خصلة، انتهی۔**

حافظ ابن حجر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں (ص ۶/۵۸۳): قوله 'باب علامات النبوة فی الاِسلام'، أی من حین المبعث وهلمّ جرًّا دون ما وقع قبل ذلک، وقد جمع ما وقع من ذلک قبل المبعث بل قبل المولد الحاکم فی الاِکلیل وأبو سعید النیسابوری فی شرف المصطفٰی وأبو نعیم والبیهقی فی دلَائل النبوة، اھ۔

حافظ سخاوی نے الاِعلان بالتوبیخ میں (ص ۹۱) سیرت کے متعلق کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: ولأبی سعید النیسابوری شرف المصطفٰی فی مجلدات. اھ اس میں زہدیات کے مضامین بھی ہیں کما یستفاد من فهرست ابن خیر الاِشبینی،

اس کے مؤلف ابوسعد عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم الخرکوشی النیسا پوری ہیں کما صرّح به ابن خیر فی فهرسته، ان کا حال ابوعبداللہ الحاکم نے تاریخ نیساپور اور ابوسعد السمعانی نے الانساب (ص ۵/۱۰۱) اور ابن الاثیر نے لباب الانساب اور ابن السبکی نے طبقات اور یاقوت الحموی نے معجم البلدان (ص ۳/۴۲۲) میں کیا ہے۔

قاضی ابومحمد یحیٰی بن منصور بن عبدالملک، ابوعمرو اسماعیل بن نجید السلمی، ابوعلی حامد بن محمد بن عبداللہ الرفاء، ابوسہل بشر بن احمد الاسفرائینی، علی بن بندار الصوفی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے بھی ایک جماعت ابوعمرو الحسن بن محمد الخلال، ابوالقاسم الازہری، عبدالعزیز بن علی الازجی، ابوالقاسم تنوجی وغیرہ روایت کرتے ہیں، انہیں میں ابوعبداللہ الحاکم کا بھی نام آتا ہے جو خرکوشی سے علم وفضل سن وسال میں بڑے تھے۔

تاریخ نیساپور میں ان کے زہد وعبادت، مجاہدات ومحبوبیت کا تذکرہ کیا ہے، کہتے ہیں کہ: تفقّه فی حداثة سنّه علی أبی الحسن الماسَرْجَسِی۔

سمعانی اور ان کے متبعین لکھتے ہیں کان عالماً زاهدًا فاضلاً رحل إلی العراق والحجاز ودیار مصر، وأدرک العلماء والشیوخ وصنّف التصانیف المفیدة، صنّف فی علوم الشریعة ودلَائل النبوة وفی سیر العباد والزهّاد۔

وفات میں اختلاف ہے، الحموی نے معجم البلدان میں ۴۰۶ھ لکھا ہے، اور حافظ ذہبی نے التذکرة میں ۴۰۷ھ لکھا ہے۔ حافظ ابوسعد السمعانی (ص ۸۵ و۵/۱۰۱) اور انہیں کی اتباع میں ابن الاثیر نے لباب الانساب

(ص۶ ۴۳/ ۱، وص ۲ ۴۳/ ۱) میں ایک جگہ توفی سنة ستّ وأربع مائة بنیسابور لکھا ہے، اور دوسری جگہ توفی فی جمادی الأولی سنة سبع واربع مائة لکھا ہے۔

والخرکوشی -بفتح المعجمة وسکون الرّاء المهملة وضمّ الکاف، وفی آخرها شین معجمة- هذه النسبة إلی خرکوش وهی سکة بنیسابور کبیرة یقال لها: خرجوش -بالجیم بدل الکاف- قال السمعانی: لَا أدری أبوسعد هذا نسب إلی هذه السکة أو السکة نسبت إلی أبی سعد .اھ

ان کی کنیت ابوسعد 'بفتح السین وسکون العین' ہے، اسی طرح 'تاریخ نیشابور للحافظ أبی إسحاق إبراهیم بن محمد الصّیرفینی میں (ص۱۰۵) جو حافظ ابو الحسن عبد الغافر بن إسماعیل الفارسی کی تصنیف کا اختصار ہے، اورالأنساب للسمعانی (ص۸۵/ ۵) و(ص۱۰۱/ ۵) اللباب لاِبن الأثیر (۴۳۲/ ۳) و(ص۴۳۶/ ۱) معجم البلدان لیاقوت الحموی (ص۴۱۸ و ص۴۲۲/ ۳) طبقات ابن السبکی (ص۳۸۲/ ۳) القول البدیع (ص۴۶) والإعلان بالتوبیخ (ص۹۱) کلاهما للسخاوی'' میں واقع ہوا ہے۔ اور ابن خیر أشبیلی کی الفهرست (ص۲۸۹) میں اسی طرح ہے لیکن ضبط کسی نے نہیں کیا ہے۔

لیکن الریاض النضرة للمحب الطبری (ص۴/ ۱) تذکرة الحفاظ (ص۱۰۶۶) میں کشف الظنون (ص۱۰۴۵) کی طرح ابوسعید ہے، اسی طرح سمعانی کی الأنساب کے بعض نسخوں میں ہے۔

الإصابة اور فتح الباری میں کہیں ابوسعد ہے جیسے فتح (ص۳۶/ ۱) اصابہ (ص۴۳۶/ ۱) اور کہیں ابوسعید ہے جیسے اصابہ (ص ــــ) فتح (ص۵۸۳/ ۶) میں ہے۔

میرے نزدیک راجح ابوسعد ہے کما فی کثیر من المراجع وسیأتی دلیله.

الف: الاِصابة، فتح الباری، القول البدیع، الخصائص الکبریٰ میں جس کتاب شرف المصطفی کے حوالے ملتے ہیں وہ ابوسعد عبدالملک بن محمد النیساپوری کی تالیف ہے، حافظ ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاموی الاشبیلی المولود ۵۰۲ھ المتوفی ۵۷۵ھ نے اپنی فہرست میں کتب الزهد والرقائق وما یتصل بها کے عنوان کے تحت لکھا ہے: وکتاب شرف المصطفیٰ تألیف أبی سعد عبد الملک بن محمد الواعظ -رحمه الله- حدثنی به أبو محمد بن عتّاب عن الشیخ أبی محمد عبد الله بن

سعيد السنتجالى عن مؤلفه أبى سعد المذكور، انتهى۔

واضح رہے کہ یہ زہد کی کوئی دوسری الگ کتاب نہیں ہے، ابن خیر نے عنوان بالا کے تحت أخبار مكة للأرزقى ، أخبار مكة وفضائلها للفاكهى، أخبار مكة والمدينة وفضلهما لرزين بن معاوية العبدرى وغیرہ کتب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اسی 'شرف المصطفیٰ' کو علامہ محبّ الدین طبری نے 'شرف النبوة' لکھدیا ہے۔

الرياض النضرة فى مناقب العشرة کے دیباچہ میں کتاب مذکور کے مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وشرف النبوة لأبى سعيد عبد الملك بن عثمان الواعظ۔ اسی طرح ابن عثمان الواعظ واقع ہوا ہے جو کاتب کی تحریف ہے، صحیح ابن ابی عثمان ہے کما نقل الملا كاتب الچلپى فى كشف الظنون (ص ۱۰۴۵) عن الكتاب المذكور، اورگمان یہ ہے کہ سمعانی کے کلام میں جس دلائل النبوۃ کا ذکر آیا ہے اس سے یہی کتاب مراد ہے، واللہ اعلم۔

ب: عبدالرحمٰن بن حسن النیساپوری کی 'شرف المصطفى' کا تذکرہ میری معلومات میں مذکورہ بالا مؤلفین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ سب سے پہلے جس نے لکھا ہے وہ علامہ زرقانی ہیں، صاحبِ الرسالة المستطرفة نے ان کا اتباع کرلیا ہے، اور وہیں سے بعد والوں نے لیا ہے، پہلے محمد بن جعفر کتانی کی الرسالة المستطرفة کی عبارت درج کرتا ہوں پھر زرقانی کی نقل کروں گا۔

قال صاحب الرسالة المستطرفة (ص ۶۱): ومسند أبى سعد –بسكون العين– على ما هو الصواب فيه عبد الرحمن بن الحسن الاِصبهانى الأصل النيسابورى، وهو أيضا صاحب كتاب شرف المصطفىٰ الحافظ المتوفّى فى هذه السنة (۴۰۷ھ) ، وأيضا ذكره الذهبى فى تاريخه بوصف 'الحافظ' وأغفله فى طبقات الحفاظ، انتهى۔

وقال الزرقانى فى شرح المواهب (ص ۱/۸۱): وقد ذكر الحافظ أبو سعيد عبد الرحمن الحسن الاِصبهانى الأصل النيسابورى بفتح النون نسبة إلى نيسابور أشهر مدن خراسان، صاحب المسند وكتاب شرف المصطفى، الثقة، المتوفّى فى سنة سبع وثلاث مائة۔

وقلّد المصنف –أى القسطلانى صاحب المواهب– فى قوله أبو سعيد –بالياء– السهيلى،

وقد تعقّبه مغلطائی بأنه إنما هو سعد بسکون العین، انتهی۔

وکذا قال صاحب رونق الألفاظ وقال: إن الذهبی ذکره أی بوصف 'الحافظ' فی تاریخه وأغفله من طبقات الحفاظ، انتہی۔

لیکن ان کا تذکرہ میرے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملا، اور غالب گمان ہے کہ یہ وہم ہے، ابن خیر اور محبّ طبری وغیرہ زرقانی اور ان کے اَتباع سے اَثبت ہیں، اسلئے انکا قول مقدم ہے۔

حافظ ذہبی نے أبو سعد عبد الملک الخرکوشی النیساپوری کو تذکرۃ الحفاظ میں ضمناً لیا ہے اور أبو سعد یا أبو سعید عبد الرحمن بن الحسن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ہاں ایک اور عالم ہیں أبو سعید عبد الرحمن بن الحسین بن خالد القاضی۔

حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں (ص ۲۸۴/ ۱۴) ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ وهذه عبارته: عبد الرحمٰن بن الحسین بن خالد القاضی العلامة شیخ أهل الرأی بخراسان أبو سعید النسیابوری الحنفی سمع الحسن بن عیسی بن ماسرجس ومحمد بن رافع وعلی بن سلمة اللبقی وسعدان بن نصر وأقرانه ببغداد وأبازرعة وأبا حاتم بالریّ، حدّث عنه ابنه القاضی عبد الحمید وأحمد بن هارون الفقیه وطائفة، قال أبوعبد الله الحاکم: کان إمام أهل الرأی فی عصره بلا مدافعة، قلت: مات فی سنة تسع وثلاث مائة بنیسابور عن نیف وثمانین سنة، اھ۔

ہوسکتا ہے کسی نے اپنے ظن سے 'شرف المصطفی' کو عبدالرحمٰن النیسا پوری کی تألیف قرار دیدیا ہو اور تسع کا سبع بن گیا ہو، پھر ابو سعید کا ابو سعد بنادیا ہو واللہ اعلم۔

بہر حال گمان یہ ہے کہ زرقانی اور ان کے اَتباع کا کلام وہم ہے، والعلم عند الله۔

ج: ابو سعد ہی راجح ہے بلکہ صواب ہے وتقدم دلیله فی کلام الزرقانی عن مغلطای وصاحب رونق الألفاظ۔

حنین کا لفظ یہاں درست ہے؟

قال الواقدی عن رجاله: وقال سهیل بن عمرو یوم حنین: "لَا یختبرهما محمد وأصحابه" الخ۔ حیاة الصحابة، قصة إسلام عکرمة بن أبی جهل رضی الله عنه (ص ۱۵۷/ ۱)۔

(۲۲) **سوال**:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۱۵۷/۱) کی اس عبارت میں جو لفظ 'حُنین' ہے اس پر منتخب کنز العمّال میں علامتِ شک ہے، یعنی یہاں یہ لفظ پتہ نہیں درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے بعد ہی جو **لَا یختبرهما محمد وأصحابه** ہے اس پر دار القلم کے محشی نے لکھا ہے: **كذا فی الأصل و كنز العمال** گویا انہوں نے اس پر شک کا اظہار کیا ہے،

آپ براہ کرم ان دونوں چیزوں کو دیگر مآخذ میں مراجعت بھی فرمائیں، پھر غور فرما کر لکھیں، کیا درست ہے؟ نیز یہ کہ '**لَا یختبرهما**' سے کون سا اختبار مراد ہے؟

جواب:

یہ روایت کہیں اور نظر نہیں پڑی، سیرت واقدی اور تاریخ ابن عساکر پاس نہیں ہے، حنین بظاہر درست ہے، عکرمہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے ہیں اور بظاہر '**لَا یختبرها**' ہے، **هما** کے بجائے **ها** ہے اور ضمیر ہوازن کی طرف عائد ہے، سہیل کا مطلب یہ ہے کہ محمد اور ان کے رفقاء نے ہوازن کا تجربہ نہیں کیا تھا اب معلوم ہو جائے گا۔

عکرمہ نے جواب دیا کہ محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ طاقت اور تجربہ پر جنگ ہوتی ہے، معاملہ اللہ کی تقدیر پر موقوف ہے، اگر آج ناکامی ہوگئی تو کیا ہوا، کل کامیابی ہو جائے گی، واللہ اعلم، فقط۔

ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟

(۲۳) سوال:

ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حیّان کو اکثر لوگ ابن حبّان (بالباء الموحدۃ) لکھتے ہیں، یہ غلطی تقریباً ۹۸ فی صد ہے، حتی کہ الترغیب کے ایک قدیم نسخہ (مطبوعہ فاروقیہ دہلی ۱۲۹۹ھ) میں تو جدول الخطاء میں حبان کو صحیح کے خانہ میں اور حیان کو غلط کے خانہ میں لکھا ہے، اور مزید یہ کہ اس پر حاشیہ دیا ہے کہ '**حبان بالموحدة لَا بالتّحتانية فليُعلم**' مگر نصب الرایۃ (ص ۲۷۸/۱) میں صراحۃً الفاظ میں ضبط کیا ہے کہ یہ یاءِ مثناۃ کے ساتھ ہے:

قال القاضی شمس الدين السروجی فی الغاية: روى ابن حيان أنه عليه السلام: "أمر بلالاً أن يجعل إصبعيه فی أذنيه، وهذا ليس ابن حبان صاحب الصحيح، وإنما هو ابن حيان -بالياء المثناة- أبو الشيخ الاِصبهانی، رواه فی كتاب الأذان وهو جزء حديثی ظاہر ہے کہ یہ بالکل تحقیق بات ہے۔ تاہم آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کوئی مزید حوالہ بھی آپ دیں تو بہت بہتر ہے۔

الأعلام میں بھی (ص ۱۲۰/۴) یہ حبّان (بالموحدہ) ہی ہے۔ غالباً آپ کے پاس انتخاب الترغیب کی جلد

اول موجود ہے۔ اسمیں میں نے (ص ۱/۲۳۴) پر اس کی مفصل تحقیق لکھی ہے، بس آپ سے مزید اطمینان کرنا ہے، مختصراً اپنا حاصلِ مطالعہ یا تائید میں کوئی حوالہ ضبط بالالفاظ لکھ دیجئے۔

جواب:

ابو حاتم بن حبّان اور ابو الشیخ بن حیان میں جو فرق منسوب الیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اول 'حِبّان' -بکسر الحاء المهملة وبالموحّدة- اور ثانی 'حَیّان' -بفتح الحاء المهملة وبالياء المثنّاة التحتية- ہے، اسی طرح ہمیشہ سے ذہن میں تھا، اور اصل منشا زیلعی ہی کا کلام ہے، انہوں نے صاحبِ 'الغایۃ' پر نقد کرتے ہوئے یہ فرق واضح کیا ہے۔

اور وجہ یہ پیش آئی کہ صاحبِ 'الغایۃ' نے ابو الشیخ ابن حیان کی ایک روایت جو انہوں نے کتاب الاذان میں درج کی ہے 'روى ابن حيان' کہہ کر نقل کردی، حالانکہ محدثین کے یہاں اوّل الذکر 'ابن حبّان' کو اس طرح علی الاطلاق ذکر کرتے ہیں اور ثانی الذکر (ابن حیّان) کو ابو الشیخ کے ساتھ یا ابن حیّان کے اضافہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

بہر حال باوجود تتبعِ کثیر کے اپنے پاس موجودہ کتب میں یہ فرق اس وضاحت سے نظر نہیں پڑا۔

ہاں ابو حاتم ابن حبان البستی کے متعلق امیر ابو نصر بن ماکولا نے یہی لکھا ہے کہ حاء مہملہ مکسورۃ اور باء موحّدہ سے ہے، (دیکھو الاکمال ص ۳۰۳ و ۳/۳۱۶، ۲ و ص ۳/۳۰۷)، اسی طرح امام نووی نے شرحِ مقدمۂ مسلم (ص ٦) اور سخاوی نے فتح المغیث (ص ۱/۳۵) میں ضبط کیا ہے، لیکن ابو الشیخ اصبہانی کے متعلق اب تک کوئی تصریح نہ مل سکی۔

پھر اتفاق سے الرسالة المستطرفة میں (ص ۳۴) ان کے متعلق بھی تصریح مل گئی، ان کے ترجمہ میں لکھا ہے حيّان بفتح المهملة والتحتيّة، فقط۔

تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟

عن عبد الرحمٰن بن أبی لیلیٰ قال: "قدم علٰی عمرؓ ناس من أهل العراق فرأى كأنهم يأكلون تعزيزًا، فقال: هذا يا أهل العراق" الخ۔ حياة الصحابة، زهد عمر بن الخطابؓ (ص ٢/٢٦٦)۔

(۲۴) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ٢/٢٦٦) پر ایک لفظ 'تعزیزًا' ہے، میں نے مجمع البحار سے مختلف مادوں میں تلاش کرنیکے بعد تقذیرًا (قذر) کو ترجیح دی ہے، وهكذا فی كنز العمّال (طبع جديد ص ١٤/٢٧٨) ومنتخب الكنز (ص ۴/۴۰٦)۔

اورحلیۃ الاولیاء(ص۱/۴۹) میں تعزیزًا (عزز) ہے حیاۃ کی طرح۔

تعذیراً (عذر) کا معنی بھی درست ہوسکتا ہے،مگر روایۃً اس کی تائید نہیں ہوتی، کیا میری ترجیح سے آپ کو اتفاق ہے؟

ہاں کنز العمال طبع جدید کے محشّی کے بقول الجامع الکبیر للسیوطی (رقم الحدیث ص ۲۳۰۳) میں تقدیرًا (قدر) ہے، یہ تو بظاہر غلط ہے۔

جواب:

'تقذیرًا' بالقاف والذال کا مطلب تو ظاہر ہے،

اور 'تعزیزًا' بزائین معجمین ہونے کی صورت میں کنایہ ہے ناخوشگواری اور تکلف سے کھانے سے، جیسا کہ موٹا کھانا کھانے کے وقت اہل رفاہیت وخوشحال لوگوں کو پیش آتا ہے، کہتے ہیں 'عزّز المطر الأرض' ومنها تعزیزًا بعدها۔ جب بارش سے زمین میں جماؤ پیدا ہوجاتا ہے اور اجزاء ارض جمع ہوجاتے ہیں، ضخامت کی ایک صورت بن جاتی ہے اور ایک سختی سی آجاتی ہے، موٹے کھانے میں چونکہ خشونت ہوتی ہے اسلئے اس کے کھانے میں کھانے والے کو خوشگواری نہیں ہوتی ہے،

اور تعزیرًا بزائے معجمہ وبراء مہملہ تو تحریف ہے۔

ایک احتمال یہ ہے کہ 'تغریزاً' یعنی (بغین معجمة وراء مهملة وزای معجمة فی آخره) ہو، کہا جاتا ہے 'غرّزت الناقة تغریزًا' إذا ترک حلبها أو کسع ضرعها بماء بارد لینقطع لبنها أو ترکتْ حلبةً بین حلبتین (قاموس)، اور مقصد یہ ہے کہ رک رک کر کھا رہے تھے، معتاد طور سے نہیں کھا رہے تھے جیسے مرغوب غذا کھائی جاتا ہے، وهذا إنشاء الله أقرب۔

اُحفف صحیح ہے یا اُحنق؟

عن سعید الجریری عن رجل قال: "رأیت ابن عباسؓ أخذ بثمرة لسانه وهو یقول: ویحک! قل خیرا تغنم، واسکت عن شر تسلم، فقال له رجل : یا ابن عباس! ما لی أراک آخذًا بثمرة لسانک تقول کذا؟ قال: انّه بلغنی أن العبد یوم القیامة لیس هو علی شیء أحنق منه علی لسانه"۔ حیاۃ الصحابة، باب الصمت وحفظ اللسان (ص ۲/۶۲۲)،

(۲۵) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ (ص ۲/۶۲۲) میں سطر آخری 'أحنق منه' ہے، یہ روایت ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء سے لی گئی ہے، اور حلیہ کے مرتب نے لکھا ہے کہ حلیہ کے وہ دونوں نسخے جن پر اس کی طباعت کی بنا ہے ان میں سے ایک میں یہ لفظ أحفف ہے اور دوسرے میں أحق ہے۔ اور یہ دونوں محشی کے خیال میں تصحیف ہے، اسلئے اپنے قیاس سے اس نے أحنق بنادیا،

أحنق کے معنی اشتدّ غیظه یہاں مناسب ہیں، مگر خود یہ لفظ روایت میں قیاساً لکھا گیا ہے روایۃً نہیں ہے۔

جواب:

حلیۃ الاولیاء کے مطبوعہ نسخہ میں (ص ۱/۳۲۸) أحنق ہے اور یہی صواب ہے، اسی طرح ہونا چاہئے، مخطوطتین میں جو کچھ ہے محرّف ہے۔ صاحب الحلیہ نے یہ روایت بطریق عبدالله بن الاِمام أحمد عن أبیه تخریج کی ہے اور کتاب الزهد للامام أحمد بن حنبل بروایة ابنه عبد الله میں (ص ۱۸۹) اسی طرح أحنق ہے، اوراسی طرح کتاب الزهد للامام عبد الله بن المبارک (ص ۱۲۶) میں بھی ہے، فقط۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

۸ شوال ۱۴۰۵ھ

یحییٰ بن ابی راشد البصری

وأخرج ابن سعد عن یحیی بن أبی راشد النصری: "أن عمر بن الخطابؓ لمّا حضرته الوفاة قال لاِبنه" الخ ، حیاة الصحابة، باب الاِیمان بما هو کائن فی القبر والبرزخ (ص ۳/۳۶).

(۲۶) **سوال**:

حیاۃ الصحابہ (ص ۳/۳۶۔ سطر ۵) میں ابن سعد کے حوالہ سے ایک روایت یحییٰ بن ابی راشد البصری سے مروی ہے، اس میں دوجگہ گڑبڑ ہے۔

ایک النصری جو مطبوع ہے وہ تو تصحیف ہے، صحیح البصری ہے، حیاۃ الصحابۃ میں طبقات ابن سعد کے اتباع میں یہ غلطی ہوگئی ہے۔

دوسرا مسئلہ ابن ابی راشد کا ہے۔ تاریخ کبیر بخاری (ج ۴ قدیم ۲/ ۲۷۱ و ۲۷۲) میں یحییٰ بن راشد ہے، تقریب میں بھی یہی ہے، اسی طرح لسان المیزان میں بھی بلاکنیت ہے، لیکن کنز العمّال طبع دوم (ص ۱۴/۳۲۶)

میں یحییٰ بن ابی راشد ہے، محقق نے حاشیہ میں کچھ نہیں کہا، حیاۃ الصحابہ میں یحییٰ بن راشد چھپا تھا مگر اخیر میں غلطنامہ میں اس کو غلط کے خانہ میں اور یحییٰ بن ابی راشد کو صحیح کے خانہ میں لکھا ہے۔ تحقیق سے نوازیئے۔

جواب:

طبقات ابن سعد (ص ۳۵۸/ ۳) کنز العمال (ص ۳۲۶/ ۱۴) منتخب الکنز (ص ۴۲۷/ ۴) میں تو اسی طرح یحییٰ بن ابی راشد البصری ہے۔

یہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ البصری بالباء الموحدۃ ہے۔ اسی طرح کنز العمّال منتخب الکنز، تاریخ کبیر للبخاری (ص ۲۷۱/ ۴)، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (ص ۱۴۳ ج ۴/ ۲) میں ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ یحییٰ بن راشد ہے یا بأداۃ الکنیۃ ابن ابی راشد ہے۔ طبقات ابن سعد، کنز، منتخب الکنز میں تو یحییٰ بن ابی راشد بأداۃ الکنیۃ ہے اور الجرح والتعدیل کے نسخوں میں اختلاف ہے۔ جو متن میں بلا کنیت ہے اور حاشیہ میں کنیت کے ساتھ دوسرا نسخہ ذکر کیا گیا ہے، تاریخ البخاری میں بلا کنیت ہی ہے، انکی روایت حضرت عمرؓ سے مرسل ہے، قال ابن حاتم: **عن أبیه روی عن عمرؓ مرسل۔**

(**فائدہ**) تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، لسان المیز ان میں دوسرے رجال مذکور ہیں۔

نفیلہ یا بقیلہ

عن حمید بن منهب قال: قال جدّی خریم بن أوسؓ: "هاجرتُ إلی النبی ﷺ وقدمتُ علیه منصرفه من تبوک فأسلمت فسمعته یقول: هذه الحیرة البیضاء قد رفعت لی وهذه الشیماء بنت نفیلة الأزدیّة علی بغلة شهباء معتجرة بخمار أسود" الخ ، حیاة الصحابة، باب الیقین بما أخبر به رسول الله ﷺ (ص ۳/ ۶۸).

(۲۷) **سوال:**

حیاۃ الصحابۃ (ص ۳/ ۶۷ وص ۱۱ و ۱۴ و ۱۷) میں نفیلۃ آیا ہے، یہ روایت دلائل النبوۃ لابی نعیم (ص ۱۹۶ وطبع ۳ ص ۴/ ۲۷) سے لی گئی ہے۔ اسمیں بھی ہر سہ مقامات پر نفیلۃ ہے۔ وکذا فی الاِصابۃ (ص ۳/ ۳۷۱) محمد بن بشیر و الاِستیعاب علی حاشیۃ الاِصابۃ (ص ۳/ ۲۴۳)، اور مجھے یہی درست معلوم ہوتا ہے،

مگر حیاۃ الصحابہ کے ایک محشی نے نفیلۃ کو تصحیف قرار دے کر کتاب میں ہر جگہ بقیلۃ -بالباء الموحدة والقاف- بتایا ہے، دلیل کوئی نہیں لکھی، آپ مختصراً کسی ایک کی تائید دوسرے کی تردید فرمادیجئے، جزاک اللہ۔

جواب:

صحیح بقیلۃ بالباء الموحدۃ والقاف ہے۔ یہ شیماء بنتِ بقیلہ عبد المسیح بن بقیلہ کی بہن ہیں، یہ نسبت الی الجد ہے، اصل عبد المسیح بن عمرو بن بقیلہ ہے، اسی طرح علامہ ابونصر بن ماکولا نے الاکمال (ص۳۴۷ج۱) میں ضبط کیا ہے، حرف باء میں لکھتے ہیں:

أما بقيلة -بقاف مفتوحة- فهو بقيلة الأكبر الأشجعى وهو أبو المنهال وهو الذى أمدّ النبى ﷺ يوم أحد شاعر فارس، وبقيلة الأصغر وهو أبو المنهال أيضا واسمه جابر بن عبد الله بن عامر بن قيس شاعر أيضا، ثم ذكر من آبائه بقيلة فقال: عبد المسيح بن عمرو بن بقيلة، له خبر مشهور مع خالد بن الوليد،

قلت: والخبر أورده الطبرى فى تاريخه.

عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں

عن أبى جابر الوالدى قال: قلت لأبى هريرةؓ: "هكذا كان رسول الله ﷺ يصلّى بكم؟ قال: وما أنكرتم من صلوتى" الخ۔ حياة الصحابة، باب الإمامة و الإقتداء فى عهد النبى ﷺ وأصحابهؓ (ص۱۳۵/۳)

(۲۸) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص۱۳۵/۳ س۱۵) میں عن ابی جابر الوالدی کی روایت ہے، اس کنیت میں یا نسبت میں کہیں کوئی تصحیف تو نہیں؟ کنز العمال طبع دوم (ص۱۷۵/۸) میں اسی کے ہم معنی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے:

عن إسماعيل بن أبى خالد عن أبيه: "أنّه كان يصلّى خلف أبى هريرةؓ" فذكر نحوه۔

ایسا تو نہیں کہ یہ ابو خالد الوالبی ہو اور اس سے مصحّف ہو کر ابو جابر الوالدی ہو گیا ہو، اگر ممکن ہو تو المسند بھی دیکھی جائے، والسلام۔

جواب:

یہ ابوخالد الاحمسی ہیں، پوری حدیث مع السند والمتن درج کرتا ہوں۔

حدثنا عبد الصمد ثنا عبد العزیز ثنا إسماعیل –یعنی ابن أبی خالد– عن أبیه قال: قلت لأبی هریرةؓ: هکذا کان رسول الله ﷺ یصلّی بکم؟ قال: وما أنکرتَ من صلٰوتی؟ قال: قلت: أردت أن أسألک عن ذلک، قال: نعم وأوجز، قال: وکان قیامه قدر ما ینزل المؤذن من المنارة ویصل إلی الصف" مسند أحمد (ص ۲/۳۳۶).

خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل

(۲۹) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۶۹/ ۳ س ۴) پر ایک روایت ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو خروجِ منی کے باوجود عدمِ وجوبِ غسل کا فتویٰ دیا ہے بوجہ عدمِ شہوۃ وعدمِ فتور بعد الخروج کے۔

اس پوری صورت مسئولہ کے بارے میں براہ کرم ائمہ اربعہ کے مسالک تحریر فرمایئے۔ حنفیہ کا مسلک جو منیۃ المصلی وغیرہ کے حوالہ سے بہشتی زیور میں ہے وہ تو حضرت ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق ہی معلوم ہوتا ہے۔ باقی شوافع ومالکیہ اور حنابلہ کی رائے دریافت طلب ہے۔

اس روایت کو آخر تک **إنما هذا بردة یجزیک منه الوضوء** تک ملاحظہ فرمائیں۔

جواب:

قال النووی فی شرح مسلم (ص ۱/۱۴۵): مذهبنا أنه یجب الغسل بخروج المنی سواء کان بشهوة ودفق أم بنظر أم فی النوم أو فی الیقظة وسواء أحسّ بخروجه أم لَا، وسواء خرج من العاقل أم من المجنون، وقال نحوه فی شرح المهذب (ص ۱/۱۳۹)، وقال: وقال أبوحنیفة ومالک وأحمد لَا یجب إلّا إذا خرج بشهوة ودفق کما لَایجب بالمذی لعدم الدفق.

نعیم بن نحمہ یا قحمہ؟

جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان؟

وعنده أيضًا عن نعيم بن نمحة قال: "كان فی خطبة أبی بكر الصديقؓ...الحديث، حياة الصحابة باب خطبات أمير المؤمنين أبی بكر الصديقؓ (ص ٣/٤٣٦)۔

(۳۰) سوال:

(۱) حیاۃ الصحابۃ (ص۳/۴۳۶ وص ۴۳۷) میں تین جگہ 'نعیم بن نمحہ' آیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء (ص۱/۳۶) میں بھی دیکھ چکا ہوں اس میں بھی یہی ہے، تفسیر ابن کثیر میرے پاس نہیں ہے مگر اس کے حوالہ سے حیاۃ الصحابۃ میں یہی لکھا ہے، کنز العمال (طبع ثانی ص ۲۱/۹۹) میں نعیم بن قحمۃ ہے اور کتب رجال میں ان میں سے کوئی نہیں ملتا، جبکہ درمنثور (ص ۶/۲۰۱) میں یہی روایت 'نعیم بن محمد الرجبی' سے نقل کی ہے اور بخاری نے تاریخ کبیر (ف ۲ ص ۴/۱۰۰) میں نعیم بن محمد نامی ایک راوی کے ترجمہ میں اسی خطبے کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ میرے خیال میں درمنثور میں درست ہے اور تاریخ کبیر والے نعیم بن محمد یہی شخص ہیں۔

آپ میری مدلل تائید متعدد حوالوں سے فرمادیں یا اختلاف فرمائیں۔ ثقات ابن حبان اور لسان المیزان، تقریب میں نہیں ملا۔

(۲) دوسری تصحیف حیاۃ الصحابۃ (ص ۳/۴۳۷ س ۶) میں جریر بن عثمان ہے جبکہ صحیح حریز بن عثمان ہے کما فی الحلیۃ (ص۱/۳۶) والاکمال (ص ۲/۸۵) سمعانی (ص ۹۳و۶/۹۵) تاریخ کبیر (ف ۱ ص ۲/۱۰۳) لسان (ص ۶/۵۲۶)۔

اس میں دریافت طلب صرف یہ ہے کہ تہذیب وغیرہ سے دیکھ کر یہ فرمائیں کہ ابن کثیر نے (ص ۴/۳۴۲) جو جریر بن عثمان کے متعلق ابوداؤد سجستانی کا قول نقل کیا ہے یہ جریر بن عثمان کے متعلق ہے یا حریز بن عثمان کے متعلق ہے؟

اور یہ کہ یہ قول ابوداؤد کا کہاں ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ ابن کثیر کو التباس ہو رہا ہو اور ابوداؤد کی یہ رائے کسی جریر کے متعلق ہو حریز کیلئے نہ ہو،

براہِ کرم حیاۃ الصحابہ میں یہ مقام پورا دیکھ کر اپنی تحقیقات سے نوازیں۔

جواب:

(۱) تینوں مذکورہ کتابوں میں نعیم بن نمحہ ہی ہے۔ کنز العمال اور منتخب الکنز (ص ۶/۲۰۳) میں نعیم بن قحمۃ ہے۔ اس راوی کا تذکرہ کتب رجال۔ تاریخ البخاری، والجرح والتعدیل لابن ابی حاتم والثقات لابن حبان (۴۷۶

و۸۷/۴/۵و۵۳۶و۷ ۵۳/۷) وطبقات ابن سعد وتاریخ الفسوی اور بعد کے مؤلفین کی کتابوں میں نہیں ہے۔

نعیم بن محمد الرجبی کی روایت کا سراغ درمنثور کے علاوہ کہیں نہیں لگ سکا، تاریخ بخاری کے نسخے نعیم بن محمد کے تذکرہ میں مختلف ہیں جیسا کہ محشی کے کلام سے واضح ہے۔ حافظ ابن ابی حاتم نے رجال التاریخ کا استقصاء کیا ہے لیکن انہوں نے الجرح والتعدیل میں اس شخص کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی مذکورہ بالا کتب (یعنی نعیم بن نحہ کے تذکرہ سے متعلق کتب) میں ان کا کوئی ترجمہ ہے۔ تاریخ ابن عساکر اور اس کی تہذیب یہاں موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ یہ اور کوئی راوی ہوں اور ممکن ہے کہ محمد باپ کا نام ہو اور نحہ ماں کا یا دادا کا، واللہ اعلم بالصواب۔

بہت تلاش وجستجو کے بعد بھی اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲) حیاۃ الصحابہ میں جو روایت لی گئی ہے وہ طبرانی نے معجم کبیر میں (ص ۱/۱۴) اور انہیں سے ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں (ص ۱/۳۶) روایت کی ہے۔ دونوں کتابوں میں حریز بن عثمان ہے اور ابوداؤد سجستانی نے اسی کے متعلق کہا ہے شیوخ حریز کلّهم ثقات۔

حافظ ابن کثیر نے یہ روایت طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے لیکن طابع نے حریز کو جریر بنا دیا جو طابع کی غلطی ہے، اس میں کوئی تردد نہیں ہے۔

بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟

عاص بن اَبی قرصافہ ہے یا عیاض؟

وذكر ابن جرير فى تاريخه عن أشياخ من غسّان وبَلقين قالوا، الخ، حياة الصحابة باب انتفاض غرفات الأعداء بالتهليل والتكبير (ص۵۶۷/۳)۔

(۳۱) سوال:

(۱) تاریخ ابن جریر طبری (ص ۹۷/۳) کے حوالہ سے حیاۃ الصحابہ (ص ۵۶۷/۳) میں ایک لفظ 'بلقین' ہے جس کو حیاۃ الصحابہ کے محشی نے قبیلہ بنی القین کہا ہے اور بَلقین کی ب پر زبر دیا ہے، اور یہ ہوتا بھی ہے کہ بنی فلاں کو مخفف کر کے ایسا کر دیتے ہیں جیسے 'بلحارث'

مگر میرا قیاس یہ ہے کہ یہ بلقین وہ مقام ہے جو مصر کا ایک قریہ اور مشہور امام وفاضل بلقینی کا وطن ہے۔

آپ فرمائیے کہ یہاں سیاق وسباق میں کیا صحیح ہے؟ اور بنی القین کوئی قبیلہ ہے بھی یا نہیں؟

انساب سمعانی (ص ۵۴۴/ ۱۰) کے حاشیہ میں ابن الاثیر کے حوالہ سے اس کو ایک شخص کا نام بتایا ہے جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ ہے، واللہ اعلم یہاں کون مراد ہے؟

(۲) عزہ بنت عاص بن ابی قرصافہ، یہ عاص ہے یا عیاض؟ تہذیب میں اس کا ذکر ابو قرصافة جندرة بن خیشنة کے حالات میں ہے، وہاں اور دیگر مقامات سے اس کی تحقیق سے نوازیں، کتاب الثقات لِابن حبان (ص ۲۸۹/ ۵) میں عزہ کا ذکر ہے مگر دادا کی طرف نسبت کر کے عزہ بنت ابی قرصافہ لکھا ہے۔ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

یہ روایت مجمع الزوائد (ص ۹/۳۹۶) میں ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۵۷۰/ ۳)۔

جواب:

(۱) صحیح بَلقَین ہے بفتح الباء الموحدة والقاف ۔اور یہ بنی القین کا مخفف ہے۔ امام ابن جریر الطبری نے کئی جگہ اس قبیلہ کا تذکرہ کیا ہے، ایک جگہ ایک خبر کے ذیل میں لکھتے ہیں (ص ٦١٦) وأقبل رجلان أخوان من بَلقين، يقال لهما: مالک وعقيل ابنا فارج بن مالک بن كعب بن القين بن جسر، الخ۔

ایک دوسری جگہ (ص ۷۳/ ۳) لکھتے ہیں: وانضمت إليه (ہرقل) المستعربة من لخم وجذام وبلقين وبهراء وبلی۔ ایک اور جگہ بھی (ص ۵۷۰/ ۳) لخم وجذام وبلقين وبلی کا تذکرہ ہے۔

جس واقعہ کے متعلق استفسار ہے وہ (ص ۶۰۰/ ۳) پر ہے۔ غسان بھی قبیلہ ہے۔ اسی طرح بلقین۔ تاریخ طبری میں اس قبیلہ کا تذکرہ متعدد جگہ آیا ہے۔

(۲) صحیح عزہ بنت عیاض بن ابی قرصافہ ہے كما فی ترجمة جندرة بن خيشنة، أبی قرصافة، من تهذيب الكمال (ص ٢٠٦) وتهذيب التهذيب (ص ١١٩)۔

مستقل طور سے عزہ کا ترجمہ ثقات ابن حبان کے علاوہ اس وقت مل نہ سکا۔

محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟

وقال الهيثمی: رواه أبويعلی والطبرانی، إلّا أنه قال زينب بدل ربيبة، وفی إسنادهما محمد بن زياد البرجمی وهو اليشكری وهو كذاب ، حياة الصحابة باب البركة فی اللبن والسمن

(ص ۶۴۵/ ۳)۔

(۳۲) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۶۴۵/ ۳ س ۵) میں تحت وفی إسنادهما محمد بن زياد البرجمي وهو اليشكري وهو كذّاب۔ اشکال یہ ہے کہ محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو الگ الگ راوی ہیں؟

تاریخ کبیر بخاری (ص ۸۳/ ۱/ ۱) میں ان دونوں کا الگ الگ حال لکھا ہے، برجمی کو ابن حبان نے ثقات (۳۹۹/ ۷) میں لکھا ہے، اس کے ساتھ یشکری نہیں ہے، ابن حجر نے یشکری کا ذکر تقریب میں کر کے کذّب وہ لکھا ہے اور لسان میں (ص ۱۷۲/ ۵) میں برجمی کا ذکر کر کے توثیق کی ہے۔

ان کے علاوہ اسناد میں بھی اس کا ذکر ابن حجر نے اصابہ (ص ۳۲۰/ ۴) میں زینب غیر منسوبہ کے ترجمہ میں بحوالہ طبرانی کیا ہے، وہاں صرف برجمی لکھا ہے، اسی طرح ابونعیم نے دلائل النبوة، الفصل الثلاثون ذكر قصة عكّة أم سليم (ص ۴۹۰) میں اپنی مسند میں اسی حدیث کے تحت صرف محمد بن زیاد برجمی لکھا ہے، یشکری کا ذکر نہیں، تو سوال یہ ہے کہ نشان زدہ عبارت کہاں سے مندرج ہوگئی یا یہ مصنف ہیثمی کا وہم ہے؟ یا کوئی اور بات ہے۔ رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

مسند ابی یعلیٰ کی سند حافظ ابن کثیر نے (ص ۱۰۳/ ۶) پر نقل کی ہے، اس میں تو محمد بن زیاد البرجمی ہے، اسی طرح ابونعیم کے دلائل میں بھی (ص ۴۹۰) اور طبرانی کی سند کا آخری حصہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لیا ہے، اس میں بھی برجمی ہی ہے، اسلئے یہ تو متعین ہے کہ راوی الحدیث محمد بن زیاد البرجمی ہے،

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ محمد بن زیاد المیمونی الیشکری بھی اسی کو کہا جاتا ہے یا یہ کہ وہ اور شخص ہے؟

حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں ابوظلال القسملی ہلال بن ابی ہلال کے ترجمہ میں (جس سے برجمی یہ حدیث نقل کرتا ہے) اس کے تلامذہ میں الیشکری کا تذکرہ کیا ہے اور البرجمی کو نہیں لیا،

اسی طرح الیشکری کے ترجمہ میں شیبان بن فروخ کو ذکر کیا ہے جو حدیث کتب بالا میں برجمی سے نقل کرتا ہے، اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ محمد بن زیاد البرجمی وہی ہے جس کو الیشکری بھی کہا جاتا ہے، غالبًا اسی لئے علامہ نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں فيه محمد بن زياد البرجمي وهو اليشكري وهو كذّاب لکھدیا،

لیکن اتنا قرینہ کافی ہوجاتا جب کہ اس کے خلاف کا قرینہ نہ ہو، اور یہاں کھلا ہوا قرینہ موجود ہے کہ دونوں الگ

الگ راوی موجود ہیں، امام بخاری نے تاریخ کبیر (۱/۱/۸۳) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۳/۲/۲۵۸) میں دونوں میں تفریق کی ہے اور الگ الگ ترجمہ لکھا ہے۔

امام بخاری نے الیشکری کے متعلق لکھا ہے 'یتھم بوضع الحدیث'۔ اور البرجمی کے متعلق توثیق یا تجریح کچھ بھی نہیں کی۔ ابن ابی حاتم نے الیشکری کے ترجمہ میں امام احمد سے 'کان أعور کذّاباً خبیثاً یضع الأحادیث' اور عمرو بن علی الفلاس سے 'کان کذّاباً متروک الحدیث' اور اپنے والد ابو حاتم سے 'متروک الحدیث' نقل کیا ہے، اور محمد بن زیاد البرجمی کے ترجمہ میں اپنے والد ابو حاتم سے مجھول نقل کیا ہے۔

ابن حبان نے البرجمی کو توثقات میں ذکر کیا ہے اور الیشکری کو الضعفاء والمجروحین میں (۲/۲۵۰) وضع الحدیث کیساتھ متہم قرار دیا،

اب صرف دو باتیں اور رہ جاتی ہیں،

ایک تو یہ کہ الیشکری کا تلمیذ شیبان بن فروخ ہے، وہی راوی حدیث ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ شیبان بن فروخ محمد بن زیاد البرجمی سے بھی روایت کرتا ہے کما صرّح بہ ابن أبی حاتم الرازی نقلاً عن أبیہ،

دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاری، ابو حاتم رازی، ابن حبان، البرجمی کے اساتذہ میں صرف ثابت البنانی کو ذکر کرتے ہیں، ابو ظلال القسملی کو کوئی بھی نہیں لکھتا ہے۔ اور حافظ جمال الدین المزی نے القسملی کو الیشکری کے اساتذہ میں لکھا ہے، اس سے شک ہوتا ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ البرجمی القسملی سے بھی نقل کرتا ہو۔ عدم الذکر عدم کی دلیل نہیں ہے بلکہ روایت مذکور فی السوال اس کی دلیل ہے، اسلئے صحیح یہ ہے کہ البرجمی اور ہے اور الیشکری اور،

واللہ اعلم بالصواب۔

(**تنبیہ**) البدایہ والنہایہ میں محمد بن زیادۃ: بزیادۃ التاء المدورۃ چھپ گیا ہے جو کاتب کی غلطی ہے۔

مقام تبالہ کیا ہے؟

أخرج الحاکم (۳/۹۴) عن مالک بن دینار قال: سمع صوت بجبل تبالۃ حین قتل عمر بن الخطابؓ الخ، حیاۃ الصحابۃ باب نوحۃ الجن علی قتلھم (ص ۳/۶۷۴)۔

(۳۳) سوال:

براہِ کرم مقام تبالہ کے متعلق رہنمائی فرمایئے۔ حیاۃ الصحابۃ (ص ۶۷۴ / ۳ س ۱۲) میں تبالہ جو آیا ہے حاشیہ میں اس کو 'بلد بالیمن' کہا ہے، منجد کے دوسرے حصہ میں بھی یہی ہے۔ یہ مجمع البحار (ص ۸۳ / ۲) سے مأخوذ ہے۔ جبکہ انساب سمعانی (ص ۱۱ / ۳) نے اس کو موضع بنواحی مکۃ کہا ہے، اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن داؤد بن سالم التبالی کے حالات میں یہی بات کہی ہے۔

تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ دو جگہیں ہیں یا ایک غلط ہے؟ اگر دو ہیں تو یہاں کونسی مراد ہے؟ ابن ابی حاتم کا ذرا صفحہ نمبر بھی لکھئے گا۔

جواب:

تبالہ کا ذکر مسلم شریف (ص ۳۹۴ / ۲) میں ایک جگہ ہے اور طبقات ابن سعد میں متعدد جگہ،

علامہ ابن الاثیر الجزری نہایۃ الغریب میں (ص ۱۸۰ / ۱) لکھتے ہیں: هو بفتح التّاء وتخفيف الباء بلد باليمن معروف، وقال الميداني في مجمع الأمثال (ص ۴۰۸ / ۲): 'أهون من تبالة على الحَجّاج' يعني الحجّاج بن يوسف، وتبالة بلدة صغيرة من بلدان اليمن، هذا مثل من أمثال الطائف،

وقال الزمخشري في المستقصى (۴۴۵ / ۱): هي بلدة باليمن وليها الحجّاج أولاً فسار إليها، فلما قرب منها قال للدلّيل: أين هي؟ قال: تسترها عنك هذه الأكمة، فقال: أهون عليّ بعمل تستره عنّي أكمة ورجع عن مكانه، انتهى۔

وقال صاحب القاموس: تبالة بلد باليمن (۳۴۰ / ۳)، ثم ذكر المثال المذكور، وقال أبو عبيد القاسم بن سلاّم في الأمثال (ص ۱۶۹): تبالة بلاد باليمن مخصبة، وقال شهاب الدين ياقوت بن عبد الله الحموي في معجم البلدان (۳۵۷ / ۲): تبالة بالفتح، قيل: تبالة التي جاء ذكرها في كتاب مسلم بن الحجاج موضع ببلاد اليمن وأظنّها غير تبالة الحجّاج، فإن تبالة الحجّاج بلدة مشهورة من أرض تهامة في طريق اليمن، وقال النووي (۳۹۴ / ۲): تبالة الحجاج في الطائف۔

قال المهلبي: تبالة في الإقليم الثاني، عرضها تسع وعشرون درجةً، أسلم أهل تبالة وجرش

عن غير حرب فأقرّهما رسو ل الله ﷺ فى أيدى أهلهما على ما أسلموا عليه، وهى مما يُضرب المثل بخصبها، وفيها قيل 'أهون من تبالة'، وبين تبالة ومكة اثنان وخمسون فرسخا نحو مسيرة ثمانية أيام، وبينها وبين الطائف ستة أيام، وبينها وبين بيشة يوم واحد، قيل سميت بتبالة بنت مكنف من عمليق، وزعم الكلبى: أنها سمّيت بتبالة بنت مدين بن إبراهيم، ولو تكلف متكلّف تخرّج معانى كل الأشياء من اللغة لساغ أن يقول تبالة من التبل وهو الحقد، وينسب اليها أبو أيوب سليمان بن داود بن سالم بن زيد التبالى، روى عن محمد بن عثمان بن عبد الله بن مقلاص الثقفى الطائفى، سمع عنه أبو حاتم الرازى، انتهى باختصار۔

وقول ياقوت يؤيّده ماذكره ابن سعد (ص ۱۶۲ /۲): ثم سرية قطبة بن عامر بن حديدة إلى خثعم بناحية بيشة قريبا من قرية، بعث رسول الله ﷺ قطبة بن عامر فى عشرين رجلا إلى حىّ من خثعم بنا حية تبالة، اھ۔ فناحية بيشة وناحية تبالة ليستا من أرض اليمن۔

وذكر ابن سعد أيضا (ص ۴۰۴ /۷): فقبض رسول الله ﷺ وعكرمة (بن أبى جهل) بتبالة والياً على هوازن، اھ۔

وهوازن ما كانت باليمن، وقال ابن أبى حاتم (۲ /۱ /۱۱۳): سليمان بن داود بن سالم بن زياد التبالى من أهل تبالة من مخاليف مكة، أبو أيوب روى عن محمد بن عثمان بن عبد الله بن مقلاص الثقفى الطائفى، كتب عنه أبى فى الرحلة الأُولى، اھ۔

وأخرج الطبرى فى تاريخه (۲ /۲۴۴) عن ابن عباسؓ: لما خرج عبد المطلب بعبد الله ليزوّجه مرّ به على كاهنة من خثعم يقال لها فاطمة بنت متهودة من أهل تبالة قرأت الكتب، وقال فى موضع آخر (۹ /۱۴۹): وصاروا بتبالة وما يليها من حد عمل اليمن۔

قال الحافظ (ص ۷۶ /۱۳): تبالة قرية بين الطائف واليمن، بينهما ستة أيّام، وهذا يدل على أن تبالة عمل اليمن فالظاهر أن الراجح ما صنعه ياقوت۔ والعلم عند الله۔

عوف صحیح ہے یا عون؟

و أخرج الطبرانى عن عون قال عبد الله بن مسعودؓ لأصحابه حين قدموا عليه الخ۔ (حياة

الصحابة، باب زیارة المسلم ۲/۴۲۳)۔

(۳۴) سوال:

حیاۃ الصحابۃ (ص ۲/۴۲۳ سطر نمبر ۱۳) میں ایک روایت مجمع الزوائد (ص ۸/۱۷۵) ترغیب (ص ۳/۳۶۵ وفی نسخۃ ص ۴/۱۴۴) کے حوالہ سے ہے۔

مجمع الزوائد میں 'عن عوف عن أبی مسعود' ہے، اور ترغیب میں 'عون' ہے ترغیب کا ایک ملخّص التقریب المنتزع من الترغیب مخطوطہ (ص ۳/۲۱) اس میں 'عوف' ہے، مگر طبرانی کبیر کے مخطوطہ نسخہ میں جو لکھنؤ میں ایک صاحب کے پاس ہے اور مطبوعہ طبرانی کبیر (ص ۹/۲۲۶ رقم الحدیث ۸۹۷۹) میں 'عون' ہے۔

میں نے خط لکھا ہے کہ طبرانی کی سند نقل کر کے بھیجیں، سند سے شاگرد کو دیکھ کر تحقیق میں سہولت ہوگی، سردست مجھے عوف راجح نظر آتا ہے، اور یہ عوف بن مالک بن نضلہ أبو الأحوص الجشمی ہو سکتے ہیں، فإنّ له سماعاً عن ابن مسعودؓ، انظر التاریخ الکبیر (ج۴ ق ۱ ص ۵۶) الثقات (ص ۵/۲۷۴) اپنی تحقیق سے نوازیں۔

جواب:

عبداللہ بن مسعودؓ سے عوف بن مالک ابوالاحوص اگرچہ روایت کرتے ہیں لیکن یہاں صحیح 'عون' ہے جیسا کہ طبرانی کبیر مطبوعہ ومخطوطہ اور الترغیب میں ہے، اور یہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

ایک قرینہ تو یہ ہے کہ طبرانی نے اس سے پہلے ایک روایت بطریق عبد الله بن رجاء وأبی نعیم الفضل بن دکین کلاهما عن المسعودی عن عون بن عبد الله نقل کی ہے، اس میں عون کی نسبت عبداللہ کی طرف کی ہے اور عون بن عبداللہ کہا ہے۔

اس کے بعد پھر دوسری حدیث جو سوال مذکور ہے لائے ہیں اس میں صرف 'عون' آ گیا اس لیے اشتباہ لگ گیا۔

اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ المسعودی جنکا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود ہے، وہ عون کے تلامذہ میں ہیں کما ذکرہ المزّی (ص ۲/۷۹۹)، عوف بن مالک الجشمی کے تلامذہ میں نہیں ہیں۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ عوف بن مالک کا سماع تو عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت ہے لیکن عون بن عبداللہ کا نہیں ہے اور اس روایت میں المنذری الهیثمی وغیرہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ سند منقطع ہے، حافظ مزّی تہذیب الکمال میں عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں (ص ۲/۷۴) عوف بن مالک اور عون بن عبداللہ دونوں ہی کو ذکر کرتے ہیں لیکن

عون کے بعد لکھا 'ولم یدرکہ' عوف کے بعد نہیں لکھا۔

ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟

قال الهيثمى (ص١٧/٦) و فيه: تدروس جدّ أبى الزبير، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات، انتهى. وذكره ابن عبد البر فى الاِستيعاب (٢/٢٤٧) عن ابن عيينة عن الوليد بن كثير عن ابن عبدوس عن أسماءؓ، فذكر بنحوه، وبهذا الاِسناد أخرجه أبو نعيم فى الحلية (ص ٣١/١) مختصراً و فيه ابن تدرس عن أسماءؓ. (حياة الصحابة، باب تحمل النبى ﷺ الشدائد والأذى ص٢٤٧و٢٤٨/١).

(۳۵) **سوال** :

حیاۃ الصحابہ کی اس عبارت میں میرے نزدیک ایک ہی راوی کو تدروس ابن عبدوس اور ابن تدرس کہا گیا ہے، محمد بن مسلم بن تدرس ابوالزبیر الاسدی مولاہم المکی کا ترجمہ تاریخ کبیر، لسان اور ثقات اور تقریب وغیرہ میں میں دیکھ چکا ہوں، اسی طرح مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ نام نمبر ایک اور نمبر دو غلط و تصحیف ہے، اور تیسرے نمبر والا یعنی ابن تدرس صحیح ہے۔

مصنف نے جو تین حوالے دیئے ہیں وہ سب میں دیکھ چکا ہوں، نقل مطابق اصل ہے۔

استیعاب (ص ۲۴۷/۲) اور حلیہ کی ایک ہی سند ہے صرف ابن عبدوس کا فرق ہے، استیعاب میں ابن عبدوس ہے اور حلیہ میں ابن تدرس ہے۔

اب آپ یہ رہنمائی فرمائیں کہ ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ اور اگر ابن تدرس صحیح ہے تو کیا یہ محمد بن مسلم بن تدرس ہی ہے یا کوئی اور؟ مجمع الزوائد میں (ص ۱۷/۶) جو تدروس جدّ ابی الزبیر ہے یہاں (ر) کے بعد (و) تو غلط ہے، مگر میرے خیال میں ہیثمی کی اصل میں 'ابن' بھی چھوٹ گیا ہے اسی لیے انہوں نے اسکو جدّ ابی الزبیر کہا ہے، کیونکہ جدّ ابی الزبیر (ابوالزبیر محمد بن مسلم کی کنیت ہے) تدرس ہی ہے جبکہ راوی حدیث تدرس نہیں ابن تدرس ہے، جیسا کہ حلیہ اور استیعاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

میرے سوال کا خلاصہ صرف تین باتیں ہیں، (۱) ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ (۲) ابن تدرس محمد بن مسلم ہی ہے دادا کی طرف منسوب ہو گئے ہیں یا کوئی اور؟ (۳) میرا اندازہ کیا صحیح ہے کہ ہیثمی کی اصل میں 'ابن' ساقط ہو گیا

تھا، شیخ محمد طاہر پٹنی کی المغنی میں 'تدرس' کے خانہ میں محمد بن تدرس نامی ایک راوی کا ذکر ہے، میرے خیال میں یہ یہی ہیں کیونکہ مجھے کہیں محمد بن تدرس نہ مل سکے۔

جواب:

صحیح ابن تدرس ہے، اسی طرح مسند حمیدی (ص ۱۵۵) الحلیہ لابی نعیم (ص ۱۳۱ ج ۱) میں ہے، اور مسند ابی یعلی میں بظاہر تدرس ہے ابن کا لفظ ساقط ہے، غالبا وہی نسخہ امام جمال الدین المزی صاحب تہذیب الکمال کے سامنے ہے انہوں نے الولید بن کثیر راوی الحدیث کے اساتذہ میں تدرس جد ابی الزبیر محمد بن مسلم کا تذکرہ کیا ہے (۳۲ ۱۴۷)، اور حضرت اسماء کے تلامذہ میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے (۱۶۷۷)، لیکن بظاہر یہ نسخہ سقیم ہے اور بعض میں ابن تدرس ہوگا اور بظاہر حافظ ابن حجر وغیرہ کے نسخہ میں بھی یہی ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں (ص ۱۶۹) لکھا ہے: أخرجه أبو يعلى بإسناد حسن اور البوصیری نے الاتحاف میں لکھا ہے: رواه الحميدى وأبو يعلى ورواته ثقات، اور یہ جبھی ممکن ہے کہ یہاں ابن تدرس ہو اور یہ بظاہر ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی ہیں، ورنہ تو تدرس اور مسلم بن تدرس کا حال کتب رجال میں نہیں ملتا، پھر رجال کے ثقات یا سند کے حسن ہونے کا سوال ہی نہیں ہوسکتا۔

الاستیعاب میں ابن عبدوس تحریف ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ تمام مخرجین من طريق الوليد بن كثير عن ابن تدرس عن أسماء نقل کرتے ہیں اور ابن عبدالبر نے بھی اسی سند سے نقل کیا ہے مگر نسخہ مطبوعہ میں ابن تدرس کی جگہ ابن عبدوس واقع ہوگیا ہے۔

اب ایک خلجان رہ جاتا ہے کہ ابولزبیر اپنی کنیت سے مشہور ہیں تو تلمیذ نے مشہور چھوڑ کر غیر مشہور کو کیوں ذکر کیا لیکن ہوسکتا ہے کہ ایسا تفنن فی التعبیر کی غرض سے کیا ہو هذا ما عندى، والعلم عند الله تعالىٰ فقط۔

مقبل صحیح ہے یا معبد؟

أخرج الطبرانى عن عمير بن مقبل الجذامى عن أبيه قال الخ: حياة الصحابة، باب كتابه ﷺ إلى بنى جذامة (ص ۱۲۴ / ۱)۔

(۳۶) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۲۴/۱ س ۷) میں عمیر بن مقبل الجذامی ہے، پھر اسی صفحہ کے اخیر میں عمیر بن معبد بن فلاں

الجذامی ہے، یہ ایک ہی شخص ہیں؟ میرے نزدیک 'مقبل' معبد کا محرّف ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ان عمیر کا تذکرہ کہیں نہیں ملا۔

یہ معبد اصابہ میں علاوہ (ص ۳/۴۴۱) کے رفاعہ بن زید جذامی کے ترجمہ میں بھی ہے، یہ عمیر اسی طرح مجمع الزوائد اور اصابہ میں ہے، مگر کہیں نہ ملنے سے تصحیف کا شبہ ہوتا ہے۔

آپ ایک تو یہ فرمائیں کہ مقبل کو میرا محرف سمجھنا درست ہے؟ دوسرے عمیر کیوں نہ ملے؟ کیا اس میں تو کوئی تحریف نہیں؟

جواب:

صحیح عمیر بن معبد ہے، علامہ ہیثمی کی مجمع الزوائد میں تحریف ہوگئی ہے، معبد کا مقبل بن گیا، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے **معبد بن فلان الجذامی ذکرہ الطبرانی وغیرہ فی الصحابة۔**

حافظ نے اس کے بعد بحوالہ مغازی الاموی وہی روایات نقل کی ہیں جو حیاۃ الصحابہ میں ذکر کی گئی ہیں، اسلئے معبد صحیح ہے مقبل محرّف ہے۔

۲:۔ عمیر ہی صحیح ہے، اسی طرح مجمع الزوائد اور الاصابہ میں ہے لیکن راوی مجہول ہے۔

سلمہ بن یسوع کی تحقیق

أخرج البيهقي عن يونس بن بكير عن سلمة بن عبد يسوع عن أبيه عن جدّه، قال يونس: وكان نصرانياً فأسلم الخ، حياة الصحابة باب كتابه ﷺ إلى أهل نجران (ص ۱/۱۱۸)۔

(۳۷) **سوال:**

ایک راوی 'سلمة بن یسوع' ہے،

حیاۃ الصحابہ (ص ۱۱۸/۱، ۱۱۱س) میں بحوالہ تفسیر ابن کثیر (ص ۱/۳۶۹) وبحوالہ البدایہ (ص ۵/۵۵) میں ہے، تفسیر میں دیکھا اسی طرح ہے، البدایہ میرے پاس نہیں ہے، یہ راوی کہیں نہیں ملا، ابن ابی حاتم میرے پاس نہیں ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تصحیف تو نہیں؟ یا کسی اور لفظ سے معروف ہوگا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ عن أبیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اور ان کے باپ دادا سب مسلمان تھے تو 'عبد یسوع' نام کیوں نہ بدلا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ ان کے دادا کا کیا نام ہے؟ جس کے متعلق یونس بن بکیر نے کہا ہے کہ **کان نصرانیاً فأسلم۔**

اسی روایت کے اندر حضور اقدس ﷺ کے مکتوب گرامی کے شروع میں ''**أسلم فإنّی أحمد، الخ**'' ہے، اس میں تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں بطرز مذکور ہے اور بعض میں '' **أسلم أنتم**'' ہے جبکہ میں نے کہیں ''**سِلمٌ أنتم**'' بھی دیکھا ہے، اسلئے بیہقی وغیرہ سے اس لفظ کے متعلق بھی تحریر فرمائیے گا، یہ روایت بیہقی کی ہی ہے۔

جواب:

(۱) اس راوی کی تحقیق نہیں ہوسکی حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں یونس کے اساتذہ میں ان کو ذکر نہیں کیا، آجکل طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے استقراء تام کی ہمت بھی نہیں ہے۔

(۲) عبد یسوع مشہور ہونے کی وجہ سے ذکر ہوگیا ورنہ ظاہر ہے کہ نام تبدیل ہوگیا ہوگا، بعض لوگ غیر اسلامی ناموں سے مشہور ہوگئے، اسی لئے الاصابہ میں عبد الحجر وغیرہ اسماء بھی آئے ہیں، یہ ساری بحث اس وقت ہے جبکہ **وکان نصرانیاً ثم أسلم** کا تعلق عبد یسوع سے ہو۔

صحیح یہ ہے کہ اس کا تعلق سلمہ بن عبد یسوع سے ہے، وہ مسلمان ہوگئے تھے، اور بظاہر انکے آباء واجداد اپنے دین پر ہی ہونگے۔

(۳) ان کے جد کی بھی تحقیق نہیں ہوسکی۔

(۴) **أسلم أنتم** ہی تفسیر وتاریخ میں واقع ہوا ہے، البتہ حیاۃ الصحابہ کے حاشیہ میں **سِلمٌ أنتم** تصحیح کے طور پر لکھا گیا ہے، درمنثور میں **إن أسلمتم** ہے، اور **سِلمٌ أنتم** ہی صواب ہے، یہی ابن القیم کی کتاب **ھدایة الحیاریٰ** میں (ص ۴۴) واقع ہوا ہے۔

کیا أبو ہریرۃؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟

(۳۸) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۹۷/ ۳) **عنوان بناء المسجد** کے شروع ہی میں جو روایت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرۃؓ شریک تھے جبکہ ان کا اسلام ۷ھ میں ہے **بین الحدیبیة والخیبر۔**

تو کیا عہد نبوی میں مسجد نبوی ایک بار سے زیادہ تعمیر ہوئی ہے؟ اگر یہی ہے تو اس کا تاریخی ثبوت ضروری ہے یا

روایت میں کوئی گڑبڑ ہے؟

جواب:

مسجد نبوی حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں دو مرتبہ تعمیر کی گئی ہے، **صرّح به العلامة السمهوی فی الوفاء وخلاصته، ولفظها (ص ۱۱۲): وقد صرّح ابن زیاد فیما رواه من طریق ابن جریج عن جعفر بن عمرو بأنّ النبی ﷺ بنیٰ مسجده مرّتین وقال: بناه حین قدم أقلّ من مائة فی مائة، أی فی أقلّ من مائة أیضاً، فلما فتح الله علیه خیبر بناه، وزاد علیه مثله فی الدور،** پھر مزید اس سلسلہ کی روایات ومؤیدات ذکر کی ہیں۔

الأنحات ہے یا کچھ اور؟

وکان ینقلب إلی بیته فیجد الأرحام والدماء والأنحات قد نصبت علی بابه، فینحّی ذالک بسیة قوسه ویقول الخ۔ حیاة الصحابة، باب تحمل النبی ﷺ الشدائد والأذی فی الدعوة إلی الله (ص ۲۵۳/۱)۔

(۳۹) سوال:

حیاۃ الصحابہ (ص ۲۵۳/۱) میں اس جگہ الأنحات ہے، نحت کا مادہ برادہ یا تراشہ کیلئے آتا ہے مگر وہ سیاق وسباق کے مناسب نہیں، شاید یہ أنحاء ہے، جس کے معنی چوڑے پھلوں کے تیر کے آتے ہیں۔

جواب:

اپنی وسعت کے موافق دوسرے مآخذ میں یہ روایت دیکھنے کی کوشش کی لیکن نہ مل سکی، میرا خیال ہے کہ الأنحات محرف ہے، صواب الأنجاس ہے، طبقات ابن سعد (ص ۲۰۱/۱) میں اسی مضمون کی ایک روایت میں الفروث آیا ہے۔

عبید اصل ہے یا عباد؟
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟

وأخرج الطبرانی فی الأوسط عن ربیعة بن عبید الدیلی قال: ما أسمعکم تقولون الخ۔ حیاة الصحابة، باب تحمل النبی ﷺ الشدائد والأذی فی الدعوة إلی الله (ص ۲۵۳ / ۱)۔

(۴۰) سوال:

(۱) حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۲۵۳) میں مجمع الزوائد (ص ۶/۲۱) کے حوالہ سے ایک روایت ربیعہ بن عبید الدیلی سے نقل ہوئی، سیاق سے ان کا قطعی طور پر صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن اصابہ میں اس نام کا کوئی صحابی نہیں، شاید عبید مصحّف ہو اور صحیح عباد ہو مگر اس کا موید نہیں ملتا۔

(۲) اسی روایت کے ختم پر ایک راوی ابراہیم بن علی بن حسین الرافقی ہے، اب ہوسکتا ہے کہ یہ ابراہیم بن علی بن حسن الرافعی ہوں جن کا ذکر تاریخ بخاری (ص ۱/۲۷۶ /۱) اور تقریب التہذیب میں ہے، اور تحریف ہوکر حسن کا حسین اور الرافعی کا جو ابورافع کی طرف نسبت ہے الرافقی ہوگیا ہو، کما فی الأنساب (ص ۶/۴۱) والتقریب، یا ابراہیم بن علی الرافقی ہوں، جنکا تذکرہ لسان المیزان (ص ۱/۸۵) میں ہے، اور رافقی بالفاء والقاف لفظوں میں ضبط کیا ہو، لیکن انکے جد کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب:

تلاش بسیار کے بعد بھی ربیعۃ بن عبید الدیلی کی نہ تو یہ روایت ہی کہیں ملی اور نہ ہی ان کا ترجمہ، اقرب تو یہی ہے کہ عبید محرّف ہو اصل عباد ہو، لیکن ربیعۃ بن عباد الدیلی کے ترجمہ میں صاحب الاستیعاب اور صاحب الاصابہ نے ان کی اس روایت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، بلکہ امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں انکا مستقل ترجمہ ذکر کیا اور اس روایت کو نہیں لیا، واللہ اعلم کیا حقیقت ہے۔

۲:۔ میرے نزدیک راجح إبراھیم بن علی بن حسن الرافعی ہے، مجمع میں حسن کا حسین اور الرافعی کا الرافقی بن گیا، رافقی بالفاء والقاف تو غیر معروف سا راوی ہے، انکا نسب ہی نہیں لیا گیا، ہاں الرافعی معروف الحال والنسب ہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے یہاں لکھ کر معلوم کرلیں، ان کے یہاں مجمع البحرین ہے اس میں یہ حدیث ضرور ہوگی۔

سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟

قال الهیثمی (ص ۶/۶۴): رواه الطبرانی فی الأوسط من طریق عبد الله بن محمد بن عمارة

الأنصاری عن سلیمان بن داود بن الحصین وکلاھما لم یوثّق ولم یضعّف الخ۔ حیاۃ الصحابۃ، باب ھجرۃ عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ من الصبیان (ص ۱/۳۵۹)۔

(۴۱) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۳۵۹) میں مجمع الزوائد کے حوالہ سے سلیمان بن داود بن الحصین کا ذکر ہے، مجھے موجودہ کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں ملا، مجھے شبہ یہ ہوا کہ یہ سلیمان بن داود بن قیس ہے، یہ قیس کا حصین ہو گیا ہو، مگر موخر الذکر کا ترجمہ ثقات ابن حبان میں (ص ۸/۲۷۵) پر موجود ہے، جبکہ ہیثمی نے **لم یوثّق ولم یضعّف** لکھا ہے۔

جواب:

مجمع الزوائد میں جو ہے بظاہر وہی درست ہے، اور یہ راوی مجہول الحال ہے، یہی ہیثمی کے قول **لم یوثّق ولم یضعّف** کا مطلب ہے۔

اگر قیس کا الحصین بن گیا ہوتا اور یہ کاتب کی غلطی ہوتی تو یہ تو سلیمان بن داود بن قیس ہوتے جو مشہور راوی ہیں، صاحب المیز ان (ص ۱/۲۰۶) نے ان کے متعلق لکھا ہے **قال أبو حاتم: لَا أفھمہ کما ینبغی، وقال الأزدی: تکلّم فیه، انتھیٰ۔ وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔**

ہاں اگر ہیثمی کا نسخہ جس سے انھوں نے نقل کیا ہے محرّف ہو تو اور بات ہے۔

عبدالرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب؟

أخرج ابن مردویہ بإسناد صحیح إلی معمر عن الزھری أخبرنی عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک عن رجل من أصحاب النبی ﷺ قال: الخ۔ حیاۃ الصحابۃ، باب حدیث بنی النضیر (ص ۱/۳۷۴)۔

(۴۲) **سوال:**

حیاۃ الصحابہ (ص ۱/۳۲۴ س۶) کے اخیر میں جو "**عبد اللہ بن**" ہے، میرے خیال میں یہ زائد ہے بس "**أخبرنی عبد الرحمٰن بن کعب**" ہونا چاہئے، کیونکہ راوی حدیث عبدالرحمٰن ہے، میری تلاش میں کوئی راوی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک ہے بھی نہیں، اور ان سے روایت کرتے ہیں زہری جیسا کہ بذل المجہود (ص ۴/۱۴۲) میں ہے، اور اسی طرح درمنثور (ص ۶/۱۸۹) میں ہے،

یہ بھی تحقیق سے معلوم نہیں کہ مصنفِ حیاۃ الصحابہ نے یہ روایت فتح الباری سے ہی لی ہے یا کہیں اور سے؟ کہیں اور سے ہوتی تو حوالہ ضرور ہوتا، بہرحال اگر فتح الباری سے ہوتو براہ کرم دیکھئے کہ اس میں بھی "عبد الله بن" ہے یا نہیں، اگر ہے تو ابوداؤد اور بذل سے مطابقت کس طرح ہے، اور اگر "عبد الله بن" غلط ہے تو کیا یہ غلطی فتح الباری میں بھی ہے یا حیاۃ الصحابہ میں ہی ہوگئی۔

براہ کرم اپنی تحقیق سے نوازیں، جزاکم الله خیراً۔

جواب:

حدیث بنونضیر کی سند کے متعلق آپ کے خط میں چند امور ہیں۔

(۱) سند میں عبداللہ زائد ہے۔

(۲) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک نامی کوئی راوی نہیں ہے۔

(۳) فتح الباری میں یہ روایت کہاں ہے؟

(۴) فتح الباری اور بذل المجہود و درمنثور کی نقل میں اختلاف ہے، اول الذکر نے 'عبداللہ' کو لیا ہے اخیر دو نے نہیں لیا۔

(۵) زہری تابعی ہوکر 'عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب' سے جو تابعی ہیں کیسے روایت لے سکتے ہیں؟

ان نمبروں کا جواب ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ص ۶/۳۳۱ طبع محبّ الدین الخطیب) میں یہ روایت بحوالہ ابن مردویہ نقل کی ہے، اس میں **معمر عن الزهری أخبرنی عبد الله بن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک عن رجل من أصحاب النبی ﷺ** آیا ہے، اسی طرح عبدالرزاق (ص ۵/۳۵۸) نے المصنف میں معمر سے یہ روایت مفصلاً نقل کی ہے اور عبد بن حمید نے عبدالرزاق سے کما فی الفتح (ص ۷/۳۳۱) وشرح المواہب اللدنیہ (ص ۲/۸۱)۔

صرف ابوداؤد (ص ۴/۱۴۲) میں اور انہیں کے طریق سے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۲/۴۴۵) میں یہ روایت لی ہے، ان دونوں کتابوں میں **عبد الرزاق أخبرنا معمر عن الزهری عن عبد الرحمٰن بن کعب، الخ،** واقع ہوا ہے، ابن المنذر اپنے پاس نہیں اور کسی کے کلام میں ان کی سند نظر نہیں پڑی۔

اس اختلاف میں راجح اول ہے اس لئے کہ مدارِ سند عبدالرزاق ہیں انکی مصنَّف میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن

کعب ہے اور عبدالرزاق کے بلا واسطہ تلمیذ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اسی طرح نقل کیا ہے **وهو إمام حافظ۔**

اور ابوداؤد نے محمد بن داؤد بن سفیان کے واسطہ سے یہ روایت لی ہے، اور وہ عبدالرزاق سے روایت کرتا ہے **ولَا يعرف له حال، ولم يَرو عنه غير أبى داود، ولذا قال ابن حجر فى التقريب: مقبول أى يعتبر به فى المتابعة، وههنا لم يتابع بل خالفه من هو أوثق منه، فعلم أنّ 'عبد الله' فى الاِسناد ثابت وليس بزائد، ولكن 'عبد الله' هذا لم أجده فى كتب الرجال الّتى بحثت عن كتب الستّة، ولكنه موجود فى كتب الرجال كما يأتى۔**

ولو قيل يمكن أن يقال: الأصل 'عبد الرحمٰن بن عبد الله بن كعب'، فانقلب على الراوى، ولعله الزهرى أو عبد الرزاق، فإن كان كذالک فـ'عبد الرحمٰن بن عبد الله بن كعب' ثقة عالم مشهور من رواة الصحيحين، ودعوى الوهم إن ثبت إلى عبد الرزاق أقرب، والله أعلم۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب نام کا کوئی راوی تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب میں نہیں ہے، لیکن امام بخاری نے تاریخ کبیر میں (ص ۱۳۳/ ۱/۳) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (ص ۹۵/ ۲/۲) ان کا تذکرہ کیا ہے، **قالَا: روى عن أبيه وروى عنه عبد الله بن محمد العقيلى، زاد البخارى 'وعاصم بن عبيد الله'، وذكره ابن حبان فى الثقات (ص۷/ ۳)۔**

(۳) فتح الباری کتاب المغازی میں یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

(۴) فتح الباری کی نقل مستند ہے، صاحب البذل نے درمنثور کا اتباع کیا ہے، اور صاحبِ درمنثور نے تساہل سے کام لیا، ابوداؤد اور بیہقی کی دلائل کی سند کے مطابق سب ہی کی طرف **عن عبد الرحمٰن بن كعب** منسوب کردیا، اور اگر قلب کا دعوی تسلیم کرلیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ عبدالرحمٰن جد کی طرف منسوب ہیں، واللہ اعلم۔

(۵) اس میں کوئی اشکال نہیں، بلکہ صحابہ تابعین سے روایت کرتے ہیں، سہل بن سعدؓ مروان سے ایک روایت نقل کرتے ہیں **وهى فى صحيح البخارى فى التفسير وغيره، ونبّه الترمذى على أنّ فيه رواية الصحابى عن التابعى۔**

محمد یونس عفی عنہ

۹ رمضان ۱۴۰۶ھ

ابوبکرہؓ کی تحقیق

سوال:

ابوبکرہ: یہ لفظ بفتح باء بکرہ ہے یا بکسر، اول کے معنی جماعت اور ثانی کی معنی اول صبح کے ہے،

الاصابہ میں یہ عبارت ملی ہے جس میں دونوں احتمال ہیں، کسی ایک کی تعیین میں تردد ہے، فی الاِصابة فی ترجمة نفیع بن الحارث المشهور بأبی بكرة ما نصّه: وكان تدلّی إلی النبیﷺ من حصن الطائف ببكرة فاشتهر بأبی بكرة۔

الاِستيعاب علی هامش الاِصابة میں ہے: كنّاه بأبی بكرة لأنه تعلّق ببكرة من حصن الطائف فنزل إلی رسول اللهﷺ (ص ۴/۲۳)، عبارتِ ثانیہ کے سیاق سے بكرة بالفتح معلوم ہوتا ہے؟

(مولانا) عقیل الرحمٰن

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد

جواب:

صحیح أبوبكرة بفتح الباء ہے، وجہ کنیت وہی ہے جو آپ نے نقل کی ہے، وصرّح به صاحب القاموس أيضاً والنووی فی تهذيب الأسماء والكرمانی فی شرح البخاری (ص ۱/۱۴۲)۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی طرف نسبت 'بکراوی' بفتح الباء آتی ہے، كما فی الأنساب للسمعانی (ص ۱/۲۹۴) ولباب الأنساب لِابن الأثير۔

اس کے بعد کرمانی شرح بخاری میں تصریح بھی مل گئی، قال: 'وأبوبكرة' بفتح الموحدة (ص ۲/۱۰۷)۔

بُکرة بضم الباء، اول الصبح کیلئے آتا ہے، مولانا عبدالرؤف داناپوری صاحبِ اصح السیر کو وہم ہوگیا کہ انہوں نے ابوبکرہ بالضم ضبط کردیا ہے، یہ یاد سے لکھ رہا ہوں، اصحّ السیر اس وقت سامنے نہیں ہے، اگر مدرسہ میں ہوتو غزوۃ الطائف میں دیکھ لیں اور بکسر الباء بھی غلط ہے، فقط والسلام۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❍❍❍❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سات آدمی

سوال:

وہ سات آدمی کون ہیں جنہوں نے ایک بادشاہ کے دربار میں حق کا اعلان کیا اور ان کی تاریخ کیا ہے؟

خورشید احمد

امام مسجد ناروا ماجرہ، پنجاب

جواب:

وہ سات آدمی اصحاب کہف ہیں، سورہ کہف میں ان کا قصہ مذکور ہے، کتب تفسیر میں انکی تاریخ دیکھی جا سکتی ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مطلّقہ مبتوتہ کے نفقہ میں ما دامت العدّة کی قید

کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟

سوال:

(۱) صاحب ہدایہ نے باب النفقة میں مطلقہ مبتوتہ کے نفقہ کی بابت احناف کے مسلک کے اثبات میں حضرت عمرؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد نفقہ وسکنی کے ثبوت کا نقل کیا ہے اس میں ما دامت فی العدة کی قید بھی مذکور ہے، یہ قید مسند ابن خسرو میں حسن بن زیاد کے واسطے سے امام صاحب سے بسند عن حماد عن إبراهيم عن علقمة مروی ہے مگر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے طور پر نہ کہ فرمان نبویؐ کے طور پر۔

آنجناب کے علم میں اگر اس قید کے دوسرے مخارج وماخذ ہوں۔ نیز یہ کہ فرمان نبویؐ کے طور پر کہاں ہے؟ اگر علم ہو تو تحریر کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

(۲) ایک دوسری چیز استفسار طلب یہ ہے کہ ختان کی دعوت کا علماء نے مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے۔ ابن حجر وغیرہ نے تو تائید وتاکید کے ساتھ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کے اثر کی توجیہ بھی ذکر کی ہے،

آنجناب کی نظر میں ہوگی۔ تحقیق یہ کرنی ہے کہ علماء نے اس اہتمام کے ساتھ جواس کو مشروع دعوتوں میں ذکر کیا ہے تو کیا اس سلسلہ میں کوئی دوسری روایت بھی موجود ہے جس میں اس کا کسی انداز میں اثبات ہو؟

السائل محمد عبید اللہ الاسعدی ہتھورا باندہ

جواب:

(۱) **ما دامت فی العدة** کی قید کسی روایت میں میری معلومات میں نہیں ہے بجز اس روایت کے جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، خوارزمی نے جامع المسانید میں (ص ۱۶۲/ ۲) بحوالہ مسند حسین بن محمد بن خسرو البلخی **بروایة الحسن بن زیاد عن الإمام أبی حنیفة بسنده (المذکور فی السوال)** نقل کیا ہے، تعجب علامہ زیلعی سے ہے کہ صاحب ہدایہ کے ذکر کردہ لفظ کی تخریج ہی نہیں کی اور نہ ہی حافظ ابن حجر نے۔

ایک اور روایت ہے جو پورے مدعاء کیلئے تو مفید نہیں ہے لیکن جس موضوع کیلئے آپ کو ضرورت ہے اس میں کسی قدر مدد ضرور دیگی۔ امام نسائی نے (ص ۱۰۰/ ۲) پر اپنی سند سے فاطمہ بنت قیسؓ کا قصہ روایت کیا ہے، اس میں یہ لفظ ہے: **فقال رسول الله ﷺ: ”إنما النفقة والسکنٰی للمرأة إذا کان زوجها علیها الرجعة“۔**

(۲) دعوت ختان مشروع دعوتوں میں شمار ہوئی ہے۔ اس کی ایک دلیل تو وہ عمومات ہیں جن میں اجابتِ دعوة کو کہا گیا ہے اور دوسری ایک اور دلیل ہے۔

عن أبی هریرةؓ قال: ”الولیمة حق وسنّة، فمن دعی فلم یجب فقد عصی الله ورسوله، والخرس والإعذار والتوکیر أنت فیه بالخیار، قال: قلت: إنّی والله لَا أدری ما الخرس والإعذار والتوکیر؟ قال: الخرس الولَادة، والإعذار الختان، والتوکیر الرجل یبنی الدار وینزل فی القوم فیجعل الطعام فیدعوهم، فهم بالخیار إن شاءوا جاءوا وإن شاءوا قعدوا“۔ رواه الطبرانی فی الأوسط وغیره، وبقیة رجاله رجال الصحیح، کذا فی مجمع الزوائد (ص ۵۲/ ۴)، وعزاه الحافظ (ص ۲۳۰/ ۹) لأبی الشیخ والطبرانی من طریق مجاهد عن أبی هریرةؓ وقال (ص ۲۴۲/ ۹): ظاهر سیاقه الرفع ویحتمل الوقف.

بندہ محمد یونس عفی عنہ

مداہنت کی سزا

سوال:

ماہنامہ وصیۃ العرفان (ماہ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۸۲ء) میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے (بعنوان مداہنت کی سزا) فرمایا کہ روح المعانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خطیب بغدادی حضرت ابوسلمہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد ﷺ کی جان جس کے قبضہ میں ہے، میری امت میں سے بروز قیامت اپنی اپنی قبروں میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جن کی صورتیں بندر اور سور کی سی ہوں گی (العیاذ باللہ) اور یہ اس لئے ہوگا کہ ان لوگوں نے اہل معصیت کو انکی معصیت سے روکنے میں مداہنت (سستی) کی ہوگی، یعنی ان کو باوجود قدرت کے اس سے روکا نہ ہوگا۔

السائل محمد غفران کٹکی

جواب:

یہ روایت علامہ سیوطی نے درّ منثور (ص ۲/۳۰۲) میں خطیب بغدادی کی کتاب 'رواۃ مالک' کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ وہ کتاب سامنے نہیں ہے۔ اس لئے روایت کے متعلق اسنادی حیثیت سے کلام کرنا دشوار ہے۔

روایت تو جیسی بھی ہو لیکن قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا بہت سخت ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض تم نے مشکوۃ شریف میں پڑھی ہیں۔ اور بہت سی حافظ ابن کثیر نے (ص ۲/۸۳) پر اور علامہ سیوطی (ص ۳۰۱ وص ۲/۳۰۲) نے درج کی ہیں۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

**************OOO**************

حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا

سوال:

ایک ضروری امر یہ قابل دریافت ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۂ بقرہ کے ختم پر خوشی میں شیرینی تقسیم فرمائی تھی، اس کا حوالہ نہیں مل رہا ہے، اگر حضرت کے ذہن میں ہو تو تحریر فرمادیں۔

محمد زید کانپوری

جواب:

حضرت عمرؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا درمنثور میں ہے قال (ص ۲۱/۱): أخرج الخطیب فی رواۃ مالک والبیھقی فی شعب الایمان عن ابن عمرؓ قال: ''تعلّم عمرؓ البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ، فلمّا ختمھا نحر جزوراً''۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی

سوال:

ہم نے اپنی علمی کم مائیگی اور قلتِ وسائل کے پیشِ نظر حتی المقدور کوشش کرلی لیکن مسئلہ حل نہ ہوسکا، یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کون صحابیؓ ہیں جو سب صحابہ کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے، صرف ان کے اسم گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

سب سے آخر میں جس صحابیؓ کی وفات ہوئی ہے وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی ہیں صرح بہ الاِمام ابن الصلاح والنووی والحافظ ابن حجر والسیوطی (ص ۲/۲۲۸) وغیرھم۔

محمد یونس عفی عنہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟

سوال:

ابھی حال ہی میں ایک فتوی شائع ہوا ہے جس میں لڑکی والوں کو دعوت کرنا مسنون لکھا ہے اور مصنف عبد الرزاق (ص ۵/۴۸۷) حدیث تزویج فاطمہؓ کا حوالہ دیا ہے، اس کے بارے میں جناب والا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، تو اس حدیث میں کیا سقم ہے؟ اور وہ قابل احتجاج ہے یا نہیں؟

السائل محمد زید

جواب:

بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا مسنون ہونا اگرچہ بعض اہل فتوی نے لکھ دیا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت پر جس میں حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا مفصل تذکرہ ہے اعتماد کیا ہے جو امام عبدالرزاق نے (ص ۴۸۷/۵) پردرج کی ہے، لیکن اسکا راوی یحیٰ بن العلاء البجلی ہے وهو متروک قاله الدارقطنی، وقال أحمد بن حنبل: كذّاب يضع الحديث.

نکاح فاطمہؓ کے سلسلہ میں اسی انداز کی ایک روایت ابن حبان (ص ۵۵۰) نے نقل کی ہے جس میں دعوت کا مضمون نہیں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ص ۳۰۴/۱۱) میں اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے اور حاشیہ موارد الظمآن میں لکھا ہے: والحديث ظاهر عليه الإفتعال.

میرے خیال میں یہ حدیث بھی موضوع ہے، متروک راوی کی روایت سے مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے جبکہ وہ متّہم بھی ہو۔

اسکے بعد ایک روایت ملی جس سے فی الجملة اسکی تائید ہوتی ہے: عن جابر بن عبد اللهؓ قال: ”حضرنا عرس علی بن أبی طالبؓ وفاطمة بنت رسول الله ﷺ، فما رأينا عرساً كان أحسن منه حسناً، هيّأ رسول الله ﷺ زبيباً وتمراً فأكلنا، وكان فراشها ليلة عرسها إهاب كبش“. رواه الطبرانی فی الأوسط وفيه مسلم بن خالد الزنجی وهو ضعيف وقد وثّق، كذافی مجمع الزوائد (ص ۵۰/۴)، لیکن سنیت کا اثبات مشکل ہے، بظاہر یہ من باب ضيافة الأضياف الحاضرين ہے۔

واللہ اعلم۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ

سوال:

”علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل“ من خرّجه؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

”علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل“، هذا حديث لَا يثبت، وقد كنت أجبت بذالک، فقال بعض الطلبة: أنه فی البخاری، فأجبت بأنه ليس فی الصحاح الستّة، ولَا يصحّ لفظه عن حضرة

النبوة علىٰ صاحبها الصلوة والسلام، ثم رأيت السخاوى قال فى المقاصد: قال شيخنا ومن قبله الدميرى والزركشى أنه لَا أصل له، زاد بعضهم: ولَا يعرف فى كتاب معتبر۔

قال السخاوى: وقد ورد ”كاد حملة القرآن أن يكونوا أنبياء إلّا أنهم لَا يوحىٰ إليهم“، أخرجه الديلمى وقال: إنّه غريب جدّاً من رواية الأكابرعن الأصاغر، قال السخاوى: وفيه من لَا يعرف وأحسبه غيرصحيح۔

قلت: وعزاه المناوى فى فيض القدير (ص ۱۹ / ۲) للدارقطنى أيضا وقال: فيه خلف الضرير، أورده الذهبى فى الضعفاء وقال: قال ابن الجوزى: روى حديثاً منكراً، كأنّه يشير إلى هذا، انتهى۔

قلت: هذا الحديث كما ترى لَا يثبت، ومع ذالک ليس بواضح فى معنى الحديث المذكور فى السوال، ولعل حديث ”العلماء ورثة الأنبياء“ عند أحمد وأبى داود والترمذى وغيرهم أقرب، وصحّحه ابن حبان والحاكم وحسّنه حمزة الكتانى، وضعّفه غيرهم بالاِضطراب فى سنده، لكن له شواهد يتقوى بها، ولذا قال الحافظ ابن حجر: له طرق يعرف بها أن للحديث أصلاً، ومع ذالک فأصل حديث السؤال لَا يثبت، والله أعلم۔

ثمّ رأيت حديث السؤال ذكره المناوى (ص ۱۵ / ۱) فى فيض القدير حاكياً عن ابن عطاء الله الاِسكندرى، وتكلّم المحشّى على الحديث بما مفاده أنّ هذا الحديث لَا يثبت۔

وفى شرح المواهب للزرقانى (ص ۱۵۸ / ۶) سئل عنه الحافظ العراقى فقال: لَا أصل له ولَا إسناد بهذا اللفظ، ويغنى عنه ”العلماء ورثة الأنبياء“، وهو حديث صحيح۔

کتبه محمد یونس عفی عنه

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖○○○❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سوال:

صُبّت علیّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟

السائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواب:

علامہ نورالدین سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ (ص ۲/۴۴۴) میں نص کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور تحفہ ابن عساکر میں بھی اس طریق سے ہے،

عن طاهر بن يحيى الحسينى قال: حدثنى أبى عن جدّى عن جعفربن محمد عن أبيه عن علیؓ قال: لمّا رمس رسول الله ﷺ جاء ت فاطمةؓ فوقفت على قبره ﷺ وأخذت قبضة من تراب القبر ووضعت على عينيها وبكت، وأنشأت تقول:

ما ذا على من شمّ تربة أحمد
أن لَا يشمّ مدى الزمان غواليا
صبّت علىّ مصائب لوأنها
صبّت على الأيام صرن لياليا

پھر مجھے اس کے بعد علم ہوا کہ ابن النجار نے الدرة الثمينة فى تاريخ المدينة (ص ۲/۳۸۷) میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: أنبأنا أبوجعفر الواسطى عن أبى طالب عن ابن يوسف أخبرنا أبو الحسن بن الآبنوس عن عمر بن شاهين أخبرنا محمد بن موسى حدثنا أحمد بن محمد الكاتب حدثنى طاهر بن يحيى حدثنى أبى عن جدّى عن على بن أبى طالبؓ قال: لمّا رمس رسول الله ﷺ جاء ت فاطمة فوقفت على قبره وأخذت قبضة من تراب القبر فوضعته على عينها وبكت، وأنشأت تقول:

ماذا على من شمّ تربة أحمد
أن لَا يشمّ مدى الزمان غواليا
صبّت علىّ مصائب لوأنها
صبّت على الأيام صرن لياليا

ان کی التاریخ میں 'صِرن' کی جگہ 'عُدن' کا لفظ ہے، اور ابن القدامہ نے المغنی میں اور قسطلانی (۳/۲۸۲) نے شرح بخاری میں اس کو اسی طرح نقل کیا ہے۔

محمد یونس عفی عنہ

تم المجلد الثانی من الیواقیت الغالیة وبه تم سلسلة المكاتیب
فلله الحمد علی التوفیق، و یتلوه المجلد الثالث إن شاء الله
ویشتمل علی الأجزاء والرسائل فی علم الحدیث وغیره

سوالاتِ کتبِ حدیث

عنوان صفحہ/جلد

بخاری شریف

باب الاِقتداء بسنن رسول اللہ اور باب الاِقتداء بأفعال النبی ﷺ میں کیا فرق ہے؟	۱/۱۶۹
خطبۃ الإستسقاء یا خطبۃ الجمعہ ؟	۱/۲۳۱
حدیث ہرقل کے ایک جز کی تحقیق	۱/۲۴۱
حضرت شیخ کی ایک عبارت کی تحقیق	۱/۲۴۹
’ھل ترون قبلتی ھھنا الخ‘ کہاں ہے؟	۱/۲۷۹
الدین النصیحۃ الخ کی تشریح	۱/۳۱۴
کیا بخاری شریف میں کچھ احادیث ضعیف ہیں؟	۲/۲۲۱
کیا رُحماً رحیم سے مشتق ہے؟	۲/۳۷۶
صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہاء غریب حدیث سے کیوں؟	۲/۳۷۹
بخاری کے معلّقات کا تجزیہ	۲/۳۹۸
ختمِ بخاری شریف کا دستور اور اس کی فضیلت	۲/۴۰۳
باب من سمّی الحیض نفاساً کی تحقیق	۲/۴۷۲

مسلم شریف

’استحبّ کونھما‘ تثنیہ کی ضمیر ہے یا واحد کی؟	۱/۲۰۹
مقدمۂ مسلم کے متعلق چند قابل تحقیق امور	۱/۲۱۲
مقدمۂ مسلم اور مقدمۂ حدیث سے متعلق چند سوالات	۱/۲۷۵

ترمذی

ترمذی کی ایک عبارت کا حل ۲/۱۸۳
ترمذی شریف میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟ ۲/۴۵۵

ابوداود

ابوداوٗد شریف میں ثلاثی حدیث ہے یا نہیں؟ ۲/۱۳۳
ابوداود شریف کی کچھ احادیث پر وضع کا حکم ۲/۱۹۹
الجهاد واجب عليكم الخ کی تحقیق ۲/۳۸۲
اوپر کے مکتوب پر مکرر سوال ۲/۳۸۳

نسائی

أقيموا صفوفكم کو الجماعة للفائت من الصلوٰة ترجمہ سے کیا مناسبت ہے؟ ۲/۳۴۰

ابن ماجہ

تركتكم علىٰ مثل البيضاء الخ کا مطلب ۲/۳۵۸
ابن ماجہ کی سند مطلوب ہے ۲/۳۵۸

طحاوی

طحاوی کی ایک سند، حبان کا عطف کس پر ہے؟ ۱/۳۴۰
محدث دہلویؒ تک طحاوی کی سند مطلوب ہے ۲/۲۵۰
ورزقهم كلّ شهر والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟ ۲/۳۴۳
فاروق اعظمؓ کا پہلے قتل پھر دیت دینے کا حکم ۲/۴۰۲
طحاوی کی باب الرجل ينام کی پہلی ودوسری روایت کس درجہ کی ہے؟ ۲/۴۲۲
باب مايقتل المحرم من الدوابّ کی تحقیق ۲/۴۴۹
مضمونِ بالا کا مزید خلاصہ ۲/۴۵۲

دارقطنی

دار قطنی کی ایک عبارت کا حل ۲/۴۶۱
دار قطنی کی ایک روایت کی تحقیق ۲/۴۶۴
دار قطنی کے استاذ ابو بکر یعقوب بن ابراہیم البز از کا مختصر ترجمہ ۲/۴۶۴

مشکوٰۃ

مشکوۃ المصابیح کی ایک روایت کی تحقیق ۱/۳۰۷
مشکوۃ میں سمعت اُبيًّا ہے یا سمعت أبِی؟ ۱/۳۵۸
کتاب الفتن میں باب الفضائل و المناقب وغیرہ کیسے؟ ۱/۳۵۸
إذا سمعتم بجبلٍ زال عن مكانه اور تحسینِ اخلاق کے امر میں تعارض ۱/۳۵۸
سند مشکوٰۃ شریف (مولانا امیر احمد صاحبؒ) ۱/۳۵۸ و ۲/۵۳

حیاۃ الصحابہ

حیاۃ الصحابہ سے متعلق مختلف سوالات ۲/۴۸۳
ابو شبیل عوف بن ابی حيّۃ یا عوف بن ابی جمیلۃ ۲/۴۸۳
مجمّع بن جاریۃ یا مجمّع بن حارثۃ ۲/۴۸۴
جند بن مکیث کی تحقیق ۲/۴۸۴
ابو جہاد صحابی کی تحقیق مطلوب ہے ۲/۴۸۵
ضغينة کی تحقیق ۲/۴۸۵
لتردنه حافيًا ولتركبنّه قائمًا ۲/۴۸۶
مِمّن القوم، القوم کی میم پر کیا اعراب ہے؟ ۲/۴۸۷
حریدۃ جبل کی تحقیق ۲/۴۸۸
معاجر عامری یا مہاجر عامری کون ہے؟ ۲/۴۸۹
ابو شُبیل یا ابو شِبل مکبرًا ہے یا مصغر؟ ۲/۴۸۹
فقال کے بجائے فقلت ہے ۲/۴۸۹

فانفلت کے بجائے فانقلب ہے یا نہیں؟ ۲/۴۹۰

فرض لمن شهد أحدًا ثلاثة آلاف کی تحقیق ۲/۴۹۱

مغضب ومعصب کی تحقیق ۲/۴۹۲

عثمان بن عبید اللہ بن عثمان کو طلحہ بن عبید اللہ کا ابن الاخ کہنا ۲/۴۹۳

جیش اسامہ کی تعداد ۲/۴۹۵

عبدالرحمٰن بن حارث بن أبی مرداس السلمی کی تحقیق ۲/۴۹۵

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی تحقیق ۲/۴۹۷

حطّ درس یا خطّ ورس؟ ۲/۴۹۸

ابوسعید کی کتاب شرف المصطفی کی تحقیق ۲/۴۹۸

حنین کا لفظ یہاں درست ہے ۲/۵۰۳

ابن حیّان صحیح ہے یا ابن حبّان؟ ۲/۵۰۴

تعزیزاً صحیح ہے یا تقذیراً؟ ۲/۵۰۵

أحفف صحیح ہے یا أحنق؟ ۲/۵۰۶

یحییٰ بن ابی راشد البصری ۲/۵۰۷

نفیلہ یا بقیلہ ۲/۵۰۸

عن أبی جابر الوالدی میں کوئی تصحیف تو نہیں؟ ۲/۵۰۹

خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل ۲/۵۱۰

نعیم بن نحہ یا قحمہ ۲/۵۱۰

جریر بن عثمان یا حریز بن عثمان ۲/۵۱۰

بلقین قبیلہ کا نام ہے یا مقام کا؟ ۲/۵۱۲

عاص بن ابی قرصافہ ہے یا عیاض؟ ۲/۵۱۲

محمد بن زیاد البرجمی اور محمد بن زیاد الیشکری دو راوی ہیں یا ایک؟ ۲/۵۱۳

مقام تبالہ کیا ہے ۲/۵۱۵

عوف صحیح ہے یا عون ۲/۵۱۷
ابن تدرس صحیح ہے یا کچھ اور؟ ۲/۵۱۹
مقبل صحیح ہے یا معبد ۲/۵۲۰
سلمہ بن یسوع کی تحقیق ۲/۵۲۱
کیا ابو ہریرہؓ مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے؟ ۲/۵۲۲
الأنحات ہے یا کچھ اور؟ ۲/۵۲۳
عبید اصل ہے یا عباد؟ ۲/۵۲۳
الرافقی صحیح ہے یا الرافعی؟ ۲/۵۲۳
سلیمان بن داود بن حصین کون ہے؟ ۲/۵۲۴
عبدالرحمٰن بن کعب صحیح ہے یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن کعب؟ ۲/۵۲۵

اصول حدیث

رواۃ متواتر کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے؟ ۱/۳۹
تواطؤ علی الکذب کا محال ہونا عقلاً مراد ہے یا عادۃً؟ ۱/۳۹
صوفیاء کا روایاتِ حدیث میں اعتبار کیوں نہیں؟ ۱/۱۰۹
محدثین کے یہاں رکاکت کا مفہوم کیا ہے؟ ۱/۱۶۴
ضعیف حدیث کو لفظ قال اور روی سے بیان کرنا ۱/۲۴۶
شہادت اور روایت کا فرق ۱/۳۱۳
روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟ ۲/۲۸۳
مراتبِ جرح ۲/۲۸۸
اقسامِ ناقدین ۲/۲۹۲
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ۲/۲۹۶
حدیث موضوع کی بحث ۲/۳۰۴

ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟ ۲/۳۰۵

حدیث کے رفع ووقف میں اختلاف ہوتو کیا وہ شاذ ہے؟ ۲/۳۹۸

تشریح احادیث

جہاد حقیقی کی فضیلت تبلیغی جماعت پر منطبق ہوگی؟ ۱/۴۳

شعبِ اربعہ کی تشریح ۱/۱۰۸

برکۃ الوحی کا مصداق کیا ہے؟ ۱/۱۳۲

فرشتوں کا طالب علم کے قدموں کے نیچے پر بچھانے کا مطلب ۱/۱۵۹

کیا وضو سے گناہ صغیرہ ہی معاف ہوتے ہیں؟ ۱/۱۵۹

حدیث من عزّی مصاباً میں 'فله مثل أجره' سے کیا مراد ہے؟ ۱/۲۰۳

مخدع اور بیت میں کیا فرق ہے؟ ۱/۲۰۳

الحرب خدعة کا مفہوم ۱/۲۳۸

کرجل الجراد کی تشبیہ کا تعلق ۱/۳۱۵

حدیث لَا تغزٰی بعد الیوم کا مطلب ۱/۳۱۷

کل بنی آدم خطّاء میں آدم اور انبیاء داخل ہیں؟ ۱/۳۱۷

وعلی مصر عقبةؓ وعلی الجماعة فضالةؓ کا کیا مطلب؟ ۱/۴۰۱

احسان کی جامع اور عمدہ تفسیر ۱/۴۰۴

لَا تتّخذوا شيئاً فيه الرّوح غَرَضاً کی تحقیق ۲/۱۱۷

لَا يدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۱۴۱

صومِ رمضان کو حج سے مؤخر کیوں کیا؟ ۲/۲۱۵

قام رسول الله ﷺ عام أول ۲/۳۳۱

يركبون على سُرج كأشباه الرحال الخ کا کیا مطلب ہے؟ ۲/۳۴۶

امانت اور حتّى يقال للرجل ما أجلده کی تشریح ۲/۳۸۰

کیا اہل کشف مخلوقات کی تسبیح سن لیتے ہیں؟ ۲/۳۹۴
إماطة الأذٰی عن الطریق کی تحقیق اور اس کا مفہوم ۲/۴۱۹
لیلۃ القدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟ ۲/۴۱۹
ما أخطأنی ابن مسعودؓ عشیّة خمیس الخ کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۴۱۹
من مات ولیس فی عنقه بیعة سے کون سی بیعت مراد ہے؟ ۲/۴۷۶

تحقیقی مضامین

بسم اللہ یا کسی آیت قرآنی کے اعداد نکال کر استعمال کرنے کی حقیقت ۱/۵۰
مفتاح الصلاة الطهور کی سند میں سفیان سے کون مراد ہے؟ ۱/۵۴
کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے ۱/۵۸
حدیث پاک کا پہلا راوی کون ہے؟ ۱/۷۰
أقیمت الصلوٰة والنبی ﷺ ینادی رجلاً میں رجل کی تعیین؟ ۱/۱۰۹
کتبِ ترغیب وترہیب کون کون سی ہیں؟ ۱/۱۳۰
ایک حدیث میں تقسیمِ صدقات کی جگہ کی تعیین ۱/۱۳۳
نبی کریم ﷺ کا بال مونڈنا ۱/۱۳۴
احادیث شفاء کا مقام اور اس کے مصنف کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۱/۱۴۱
حدیث ترکت فیکم أمرین لن تضلّوا ما تمسّکتم الخ کی تحقیق ۱/۱۴۵
حدیث نهٰی عن قتل النساء الخ میں سند کی تحقیق ۱/۱۵۲
فتنۂ انکارِ حدیث ۱/۱۵۷
محیّصة بن مسعود کا سلسلہ نسب کیا ہے؟ ۱/۱۷۰
'إنها خلقت من ضلع آدم' میں آدم کا اضافہ کہاں ہے؟ ۱/۱۷۱
اعتکاف کی ابتدا کس سال ہوئی؟ ۱/۱۸۷
نزول عیسیٰؑ کس نماز میں ہوگا؟ ۱/۱۸۸

چند علمی باتوں کی تحقیق ۱/۱۹۹
الفیومی کے حالات کیا ہیں؟ ۱/۱۹۹
منذری کی تصانیف کیا کیا ہیں؟ ۱/۲۰۰
قاطن کے کیا معنی ہے؟ ۱/۲۰۰
منذری شامی ہیں یا مصری؟ ۱/۲۰۰
کیا قیمتی پتھروں کا ذکر حدیث میں ہے؟ ۱/۲۰۰
پردہ کی مشروعیت کس سن میں ہوئی؟ ۱/۲۰۵
یوم عاشوراء کی فرضیت ۱/۲۰۶
حدیث التوسعۃ علی العیال اور استحباب صوم عاشوراء میں بظاہر تعارض ہے ۱/۲۰۷
کتاب ’امام ابوحنیفہ اور علم حدیث‘ معتبر ہے یا نہیں؟ ۱/۲۱۰
سورۂ فاتحہ کلام اللہ کا جز ہے یا نہیں؟ ۱/۲۲۰
کلام اللہ اور کلام من اللہ کا فرق ۱/۲۲۰
لفظ افطار کی توضیح وتحقیق ۱/۲۲۴
کن حدیث بو ہریرہ راشمار الخ ۱/۲۲۹
تحیۃ الوضوء نام صحیح ہے؟ ۱/۲۴۲
آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے الخ اس حدیث کی تحقیق ۱/۲۶۱
پیر دابنے اور پنکھا جھیلنے کی تحقیق ۱/۲۶۲
بئر اریس میں انگوٹھی کا گرنا ۱/۲۶۵
حضرات صحابہ کی تعداد کتنی تھی؟ ۱/۲۶۵
سبق المهاجرون الناس بأربعين خريفا الخ کی تحقیق ۱/۲۶۶
وبالأسماء الثمانية المكتوبة الخ کہاں ہے اور کیا مراد ہے؟ ۱/۲۶۸
حضور اکرم ﷺ کی معراج جسمانی یا منامی؟ ۱/۲۷۱
بلال ہجری ہے یا ہلال ہجری؟ ۱/۲۸۱

ابن حاتم یا ابن ابی حاتم ؟ ۱/۲۸۱

می سے دیلمی مراد ہے؟ ۱/۲۸۳

روایت میں خلید صحیح ہے یا خالد؟ ۱/۲۸۶

ہدایہ یا بدایہ؟ ۱/۲۸۶

حضور ﷺ کا پورے موئے مبارک کا منڈوانا ۱/۲۹۱

عبداللہ بن جابر صحابی کتنے ہیں؟ ۱/۲۹۱

امام کو لقمہ دینے سے متعلق کوئی کتاب ؟ ۱/۲۹۷

انتخاب الترغیب پر تبصرہ ۱/۲۹۷

حکایات صحابہ سے متعلق چند دریافت طلب امور ۱/۳۰۳

ظہر کے قبل کی چار رکعتوں کا ثواب ۱/۳۰۴

ثلٰثة لَا تردّ دعوتهم الخ کے لفظ کی تحقیق ۱/۳۰۶

کیا تنعیم سے عمرہ کرنا بدعت ہے؟ ۱/۳۰۸

متقدمین ومتاخرین کے درمیان حد فاصل کیا ہے؟ ۱/۳۲۶

سلف وخلف کا مفہوم ۱/۳۲۶

حضور اکرم ﷺ کا کفن مبارک؟ ۱/۳۴۱

ركوبه أجر وعاريته أجر کی تحقیق ۱/۳۴۴

کیا امام دعا میں اپنے ساتھ مقتدیوں کو شریک کرے؟ ۱/۳۴۶

حدیث میں ۴۰ خصلتیں کونسی ہیں؟ ۱/۳۴۹

ایمان کے ۷۰ شعبے کیا کیا ہیں؟ ۱/۳۴۹

حضور ﷺ کا ام حرامؓ کے یہاں آرام کیوں؟ ۱/۳۶۶

سفر ہجرت کی ابتداء دو پہر کو ہوئی یا رات کو ۱/۳۷۴

کیا کوئی جن صحابی یا تابعی جسم انسانی میں حلول کرسکتا ہے؟ ۱/۳۸۰

اگر اس کو کسی انسان نے دیکھا اس کی فضیلت کیا ہے؟ ۱/۳۸۰

مقصوصة، مضرّجة یا مخضوبة کیا صحیح ہے؟ ۱/۴۰۱
کیا گرمی کا تعلق جہنم کی سانس سے ہے؟ ۲/۵۴
قرآن پڑھتے ہوئے جنت کے درجات طے کرنے کا مطلب ۲/۵۴
آپ ﷺ کے کرتے کی لمبائی ۲/۵۶
صلوٰۃ الاوّابین کی تحقیق ۲/۷۱
حدیث التوسعۃ علی العیال کی کیا حقیقت ہے؟ ۲/۸۱
کیا جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا اللہ کے فضل سے؟ ۲/۱۱۶
مَنسأة فی الأثر والی حدیث کی تحقیق ۲/۱۱۷
فصل کے بیاض میں کیا لفظ ہے؟ ۲/۱۳۱
حدیث قدسی کی تعریف ۲/۱۳۲
فضائل ذکر کی ایک حدیث پر نقد کا جواب ۲/۱۳۴
غزوات وسرایا میں حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۲/۱۴۷
نیز عید کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے جھنڈے کا رنگ کیسا تھا؟ ۲/۱۴۷
خلفاء راشدین کے زمانے میں جھنڈے ایک ہی قسم کے تھے؟ ۲/۱۴۷
ایک روایت میں ابن عمر یا ابن عمرو کیا صحیح ہے؟ ۲/۱۵۳
اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟ ۲/۱۵۴
کس صحابی نے تطویل قراءت کی اور کس نماز میں؟ ۲/۲۰۹
حضور ﷺ کے زمانہ میں کن کن صحابی نے نماز پڑھائی؟ ۲/۲۰۹
جائیداد غیر منقولہ کے بارے میں حدیث کا حکم ۲/۲۲۶
باجماعت ایک نماز کا ثواب تین کروڑ سے بھی زیادہ ہے ۲/۲۲۸
حضور ﷺ کے تاخیرِ جنازہ کی وجہ سے ایک انگلی میں سیاہ دھبہ کا آجانا ۲/۲۳۳
حضور ﷺ کا قیام قباء ۱۴ دن ہے یا ۲۴ دن؟ ۲/۲۴۴
عون المعبود کی ایک سند کی تحقیق ۲/۲۴۵

ایک عبارت کا ترجمہ	۲/۲۴۷
ایمان تو یمنیوں کا ہے	۲/۲۵۱
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا	۲/۲۵۲
ملفوظات جوامع الکلم کے کچھ اجزاء پر تفصیلی نوٹ	۲/۲۵۵
زہری کا عروہ سے سماع ؟	۲/۲۷۳
زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟	۲/۲۷۵
النکاح من سنتی، فمن رغب کہاں ہے؟	۲/۲۸۲
۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟	۲/۲۸۳
روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟	۲/۲۸۳
مراتبِ جرح	۲/۲۸۸
اقسامِ ناقدین	۲/۲۹۲
ماہ شعبان کے روزے	۲/۲۹۵
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟	۲/۲۹۶
حدیث موضوع کی بحث	۲/۳۰۴
ابوبکر بن ابی سبرہ کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟	۲/۳۰۵
کیا صاحبِ تحفۃ الاحوذی کی تحقیق صحیح ہے؟	۲/۳۰۶
شب براءۃ کا روزہ کیا بدعت ہے؟	۲/۳۰۶
شب برأت میں عبادت کے فضائل کی تحقیق	۲/۳۰۸
فصل اول۔ اس رات کی فضیلت کی روایات	۲/۳۰۸
نسخ آجال والی روایات	۲/۳۱۶
فصل ثانی۔ اس رات میں بیداری اور اجتماع	۲/۳۱۹
صلوۃ الرغائب کا حکم	۲/۳۲۲
فصل ثالث۔ شب براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم	۲/۳۲۳

منبر نبوی کے کتنے زینے تھے ۲/۳۳۳
کیا حافظ ابن حجر اور عینی ہم زلف ہیں؟ ۲/۳۳۶
حضرت آدمؑ کی اجتہادی لغزش کو ان کی ذرّیت بھگت رہی ہے، یہ انداز گفتگو کیسا ہے؟ ۲/۳۳۷
حضرت معاویہؓ کی اجتہادی لغزش پر تنقید وتبصرہ ۲/۳۳۷
ایک راوی کی تحقیق ۲/۳۴۱
حضرت علیؓ کے ساتھ 'کرّم الله وجهه' لکھنے کی وجہ ۲/۳۴۴
مسامحات الإمام الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وغیرہ ۲/۳۵۰
کیا صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؟ ۲/۳۵۵
حضرت موسیٰؑ کو ہی کوہِ طور پر کیوں بلایا گیا؟ ۲/۴۵۶
حضرت حفصہؓ وسودہؓ کی طلاق کا تذکرہ ۲/۴۵۸
مسح علٰی رأسہٖ ثلثًا کی تحقیق ۲/۴۶۱
ابوسلمہ کندی نے لیث سے کب سنا؟ ۲/۴۶۱
مذاہب اربعہ کے علماء سے تعلیم وتعلم ۲/۳۶۱
علم منطق کا پڑھنا کیسا ہے؟ ۲/۳۶۱
میت کیلئے بہترین ذکر ۲/۴۶۷
کیا حضرت عیسیٰؑ نبی ہو کر نازل ہوں گے یا امتی؟ ۲/۴۶۸

تخریج احادیث

الف

ابدال سے متعلق روایت ۲/۳۹۱
ابن فارس کی روایت کیسی ہے؟ ۲/۴۴۵
ابوطلحہؓ کے مہمانوں کا واقعہ مشکوۃ (ص ۵۸۰) ۱/۳۰۷
أتیت رسول الله ﷺ فی رهط من مزینة ۱/۲۶۶

أحبّ العرب لثلاث (عربی زبان کی فضیلت پر ۱۳ احادیث) ۱/۳۸۷

إحفظ الله يحفظك، واحفظ الله تجده تجاهك ۱/۱۸۶

أخّروهن من حيث أخّرهن الله ۱/۳۰۷

إدخال السرور فی قلب مؤمن ۲/۱۲۵

إذا أحبّ الله عبداً الخ کا حوالہ ۲/۲۱۶

إذا أدخلتمونی فی قبری فضعونی فی اللحد وقولوا... ۱/۱۳۹

إذا جلس بين شعبها الأربع ۱/۱۰۸

إذا سلمت الجمعة سلمت الأيام کس نے تخریج کی ہے؟ ۲/۳۷۷

إذا سمعتم بجبل زال عن مكانه ۱/۳۵۸

إذا عظّمت أمتى الدنيا نزعت منها هيبة الإسلام ۱/۱۳۱

إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره ۱/۱۴۰

أربع خصال من كن فيه ۲/۱۲۵

أربعون خصلة اعلاهن منيحة العنز ۱/۳۴۹

أصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم ۲/۲۳۳ و ۲/۴۱۳

أطلبوا العلم ولو بالصين ۲/۱۸۴

أطلبوا العلم ولو بالصين پر مفصل کلام ۲/۴۲۶ و ۲/۴۳۰

اعتلّ أبى فعاده علىّ ۱/۲۶۲

إعمل لدنياك كأنك تعيش أبداً ۱/۲۸۷

إفتح الطعام بالملح واختم به ۱/۳۰۱

أقيمت الصلوٰة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ينادى رجلاً میں رجل کی تعیین؟ ۱/۱۰۹

أكرموا أولَادكم ۲/۱۲۷

أَلَا إنّ الدنيا خلقت لكم الخ کیا حدیث ہے؟ ۲/۳۵۴

أَلَا! رحىٰ الإسلام دائرة ۱/۲۸۴

ألَا من ظلم معاهداً أو انتقصه	۱/۵۲
الاِحسان أن تعبد الله كأنّک تراه	۱/۴۰۴
الاِيمان بضع وسبعون شعبة	۱/۳۴۹
اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے فاقہ کا شکار ہوتے ہیں؟	۲/۱۱۴
أمرت بيوم الاَضحٰى عيدًا الخ کی تشریح	۲/۴۱۵
إن أسماء بنت أبى بكر الصديقؓ كانت تصدع فتضع يدها	۱/۲۶۸
إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة	۱/۳۴۴
إنّ اعظم الأيّام عند الله يوم النحر	۱/۱۰۱
إن الأرواح تتلاقى فى المنام	۱/۲۲۰
إنّ البلاء والدعاء يتصارمان کیا حدیث ہے؟	۲/۳۵۵
أن الثلاث كانت تجعل واحدة الخ صحیحین میں کہاں ہے؟	۲/۴۶۶
إن الله تعالىٰ يتجلّى بصور كثيرة	۱/۳۹۵
إن الله قبض أرواحكم	۱/۲۲۱
إن الله نظيف يحبّ النظافة	۱/۳۴۶
إن الله يدعو الناس يوم القيامة بأمهاتهم	۱/۲۰۹
إن الله يريد العذاب بأهل الأرض	۱/۳۱۸
إن الله ينظر إلى وجه الشيخ صباحًا و مساءً	۲/۱۲۶
إن الرجل ليصلّى ستين سنة	۱/۲۶۱
إن الروح إذا قبض تبعه البصر	۱/۲۲۱
إن العالم والمتعلم إذا مرّا على قرية	۱/۴۲
إن النوائح يجعلن يوم القيامة صفّين	۱/۱۸۳
إن جبريل أتى النبىﷺ فى مرضه الذى قبض فيه	۱/۱۸۱
إن خالد بن الوليد لمّا نزل الحيرة قيل له احذر السمّ	۱/۲۰۸

إن لنفسک علیک حقاً ۱/۲۹۷
أنا أحمد بلا میم ۲/۱۱۱
أنا حبیب الله ولَا فخر ۲/۱۲۸
أناقائد المرسلین ولَافخر ۲/۱۲۵
أنا مدینة العلم وعلیّ بابها کی تحقیق ۲/۴۱۳
أنت ومالک لأبیک کہاں ہے؟ ۲/۴۷۸
إنّما بُعِثتُ معلّماً ہے یا إنّما أنا بُعِثتُ معلّماً؟ ۲/۳۴۵
إنّما ولدت بزمن الملک العادل کی تحقیق ۲/۴۰۹
إنها خلقت من ضلع آدم ۱/۱۷۱
إنهما أتیا النبی ﷺ فی حجة الوداع وهو یقسم الصدقة ۱/۱۳۳
إنّهن صواحب یوسف ، صواحب کرسف کا مفہوم ۲/۴۷۲
أوتیت علم الأولین والآخرین ۲/۱۸۹
أوّل ما خلق الله نوری ۲/۶۲ و ۲/۲۰۵ و ۲/۴۱۱
أیام التشریق أیام أکل وشرب ۱/۲۵۲
ایک دعا کا ثواب اوراس کی تحقیق ۲/۱۸۵
أیّما رجل تزوج امرأة فنوی ۱/۱۸۴
ایمان کی تجدید کرلیا کرو ۲/۲۲۷

ب

باب من العلم یتعلّمه أحب إلینا ۱/۳۱۸
البلاء مؤکل بالمولود کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸
بینما نحن یوماً جلوس فی بیت أبی بکرؓ فی نحر الظهیرة ۱/۳۷۴

ت

تختّموا بالعقیق فانه مبارک ۱/۲۰۰

تختّموا بالعقیق فانه ینفی الفقر ۱/۲۰۰

تخلّقوا بأخلاق الله کیا حدیث ہے؟ ۲/۴۵۸

تداووابالصدقة ۱/۲۳۰

ترکت فیکم أمرین لن تضلّوا ما تمسّکتم ۱/۱۴۵

تزوّجوا الودود الولود ۱/۳۲۰

تزویجِ فاطمہؓ کی روایت ۲/۴۰۱

تسعة أعشار الرزق فی التجارة کیسی حدیث ہے؟ ۲/۲۱۱

تعرض الأعمال... وتعرض علی الأنبیاء وعلی الآباء ۱/۲۹۵

تعلّمنا الاِیمان قبل أن نتعلّم القرآن کس جگہ ہے؟ ۲/۱۲۳

تعویذ گنڈے کے متعلق صریح احادیث ۲/۴۵۵

تفکّر ساعة خیرمن عبادة ستین سنة ۱/۴۳

توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں ۲/۲۲۷

ث

ثلاثة لَا تردّ دعوتهم ۱/۳۰۶

ثلاثة لعنهم الله، من تقدّم قوماً ۱/۱۸۸

ثلاث لَا یحلّ لأحد أن یفعلهن ۱/۳۴۶

ثم رجع ومحجن فی مجلسه ۱/۲۹۰

ج

جزی الله عنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بما هو أهله ۱/۳۳۷

جماعت کے رہبر کی فضیلت ۱/۴۳

جمع بین الازواج فی ساعۃ واحدۃ والی روایت ۲/۳۳۰

الجمعة واجبة علیٰ کلّ قرية ۱/۱۹۶

الجمعة واجبة علیٰ کلّ محتلم ۱/۱۹۶

جمعہ کے دن سرمہ لگانا ۲/۴۱۵

جوآدمی کسی خیر کی مجلس میں جانے کی تمنا کرے تو اس مجلس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا؟ ۲/۶۲

جوشخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے الخ ۲/۲۵۴

ح

حبّب إلیّ من دنیاکم ثلاث ۱/۴۰۷

حتّٰی استقرّ کل عضو موضعه ۱/۱۹۲

حدیث ظہور صحابی ۲/۱۹۵

حدیث عطارہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟ ۲/۳۷۱

الحرب خدعة ۱/۲۳۸

حضرت ابراہیمؑ نے اس امت کو سلام پہونچایا؟ ۲/۱۸۹

حضرت عمر فاروقؓ کا سورۂ بقرہ کے ختم پر اونٹ ذبح کرنا ۲/۵۳۱

حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں ۲/۱۸۶

حضرت موسیٰؑ نے اس امت میں داخل ہونے کی تمنا کی؟ ۲/۱۸۹

حضور ﷺ سے 'یا بُنیّ' کہنا منقول ہے؟ ۲/۳۶۷

حضور ﷺ کا طویل خطبہ دینا ۲/۲۵۴

حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟ ۲/۳۶۹

خ

خرجت ليلة إلی مقابر مكة فوضعت رأسي علی قبر ۱/۱۳۹

خطّ لنا رسول الله ﷺ خطاً	۱/۱۸۶
الخلق السيئة يفسد العمل	۲/۱۲۸
خلق الله العقل فقال له	۱/۳۹۵
خلقت النخلة والرمّانة والعنب یہ حدیث کہاں ہے؟	۲/۲۳۰
خواب میں بحالتِ ایمان حضور اقدس ﷺ کی زیارت	۲/۴۷۹
خياركم الذين إذا رأوا ذكر الله	۱/۱۵۲
الخير فيما وقع کیا یہ حدیث ہے	۲/۴۷۲

د

دخلت امرأة النار فی هرّة ربطتها فلم تطعمها	۱/۱۹۴
دخل رجل على أهله فلما رأى ما بهم من الحاجة	۱/۴۲
الدرجة الرفيعة اور وارزقنا شفاعته يوم القيامة کا ثبوت	۱/۱۵۲
دعاءِ حضرت عمرؓ اللّهم كبرت سنّى کہاں ہے؟	۲/۳۴۷
الدنيا جيفة وطالبها كلاب	۱/۲۸۷
الدنيا زور کی تحقیق	۲/۴۰۹
الدين النصيحة، لله ولرسوله	۱/۳۱۴

ذ

ذكرت الطيرة عند رسول الله ﷺ	۱/۱۸۷
الذنب لَا ينسىٰ والبرّلَا يبلىٰ	۲/۱۲۶

ر

رأيت ظلّى و ظلّ قومى فى النار	۲/۱۸۹
ربّ تالٍ للقرآن والقرآن يلعنه	۲/۶۲

رکوبه أجر وعاریته اجر ۱/۳۴۴

س

سألتنی زماماً من نار ۱/۳۸۵
سب سے آخر میں جن صحابیؓ کی وفات ہوئی ۲/۵۳۲
سبق المهاجرون الناس بأربعین خریفا ۱/۲۶۶
السعید من وعظ بغیره ۲/۱۲۹
سوتے وقت حضرت علیؓ کو پانچ ہدایات ۱/۳۳۷
سؤر المؤمن شفاء ۲/۱۲۷
سیأتی زمان علیٰ أمّتی یأکل الدخان الخ کی تخریج ۲/۶۰
سیّد القوم خادمهم ۱/۱۹۶ و ۲/۱۳۰
سیدة نساء أهل الجنة فاطمةؓ اورسیدا شباب أهل الجنة الخ کی تحقیق ۲/۴۰۵

ش

شرّ ماء علی وجه الارض ماء بوادی برهوت ۱/۳۱۵
شقّ صدره ﷺ ۱/۱۱۲

ص

صُبّت علیّ مصائب الخ کیا حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے؟ ۲/۵۳۴
الصدق ینجی والکذب یهلک ۲/۱۲۷
صل من قطعک و عزّ من قنعک ۲/۱۲۶
صلّوا خمسکم وصوموا شهرکم ۱/۲۷۳
صلّوا کما رأیتمونی أصلّی ۲/۳۳۰
الصلوة معراج المؤمن ۲/۶۲ و ۲/۳۳۰

ض

ضحّی رسول الله ﷺ بکبشین ۱/۹۶

ط

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة میں مسلمة کی زیادتی ۱/۳۱۸ و۲/۳۳۰

ظ

ظِلُّ رسول الله ﷺ ۶۲ و۱/۳۰۰

ع

عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ ۲/۴۰۱
’علماء أمتی کأنبیاء بنی إسرائیل‘ من خرّجه؟ ۲/۵۳۳
العلماء ورثة الأنبیاء ۱/۲۸۶
علّمنی النبی ﷺ وکفّی بین کفّیه ۱/۲۸۲
علمنی ربی فأحسن تعلیمی ۲/۱۸۹
العمائم تیجان العرب ۱/۳۶۷
عمدہ پلیٹ میں شہد اور اس میں بال کی تحقیق ۲/۴۷۲

ف

الفاجر الراجی برحمة الله أقرب ۲/۱۲۶
فإذا سمع تعلیم الصبیان الخ کی تخریج ۱/۳۱۸
فضائل گشت میں گشت کے راستے دوسرے راستے پر فخر کرتے ہیں؟ ۱/۴۲

فضل أهل قباء و مسجدهم ۲/۱۶۵

فضل ما بين القبر و المنبر ۲/۱۶۳

فضل المدينة المنورة ۲/۱۵۷

فضل المسجد النبوی ۲/۱۶۱

فقدت رسول الله ﷺ ليلةً، فإذا هو بالبقيع ۱/۲۹۱

فلما كان يوم الاِثنين اشتدّ الأمر وأوحىٰ الله عزوجل إلى ملک الموت ۱/۱۸۱

ق

قال أبو ذرؓ: أوصانی خليلیﷺ بأربع كلمات ۲/۱۲۴

قد أحصر رسول اللهﷺ فحلق رأسه ۱/۲۹۱

ک

كان أبوهريرةؓ يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول کہاں ہے؟ ۲/۳۲۷

كان إذا ادّهن صبّ فی راحته اليسرىٰ ۱/۲۲۹

كان إذا ادّهن لحيته بدأ بالعنقفة ۱/۲۳۰

كان إذا تغدّٰى تمدّٰى وإذا تعشّٰى تمشّٰى ۱/۱۶۳

كان إذا تغدّىٰ لم يتعشّ ۱/۱۶۳

كان رسول اللّٰه ﷺ إذا أطلى ولی عانته بيده ۱/۱۳۴

كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث ۱/۳۴۱

كان عمرؓ يتعوّذ من معضلة ليس لها أبو حسن کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸

كانت الأنصار إذا مات لهم الميت ۱/۱۳۹

كانت أم الدرداء تجلس فی صلاتها جِلسةالرجل ۱/۷۹

كانت عائشةؓ تعتمر بعد الحجّ من مكة ۱/۳۰۸

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں ۲/۱۸۹

كفن رسول الله ﷺ فی ثلاثة أثواب بيض ۱/۳۴۱

كل بنی آدم خطّاء و خير الخطّائين التوّابون ۱/۳۱۷

كل ضلالة فی النار ۱/۲۰۳

كل عبادة لم يتعبّدها أصحاب رسول الله ﷺ ۲/۳۳۰

كل عشبة نابتة فی الأرض ۱/۲۹۷

كنا نغزو مع رسول الله ﷺ ليس معنا نساء ۱/۳۲۰

کوہِ طور پر جانے کی حدیث ۱/۲۹۷

کھانے کی برکت ۲/۴۱۵

کیا ایک بلی کے بدلے میں مومن کو عذاب دیا جا سکتا ہے؟ ۱/۱۹۴

کیا باسی روٹی کھانا مسنون ہے؟ ۲/۳۴۵

کیا حضور ﷺ سے 'یا بُنیّ' کہنا منقول ہے؟ ۲/۳۶۷

کیا حضور ﷺ کے یہاں بھی اعمال کی پیشی ہوگی؟ ۲/۴۷۸

کیا حضور ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا ہے؟ ۲/۳۶۹

کیا قبرستان کے مردوں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہو جاتا ہے؟ ۱/۴۲

کیا کوئی صحابی پیٹ چاک کر کے علاج کرتے تھے؟ ۲/۳۲۹

کیا مسجد العشّار کی فضیلت والی حدیث موضوع ہے ؟ ۲/۱۴۳

کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے؟ ۲/۳۸۱

گ

گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟ ۲/۳۸۴

ل

لَا أدری ما یفعل بی یوم القیامة حدیث ہے یا نہیں؟ ۲/۳۷۷

لَا تتمارضوا فتمرضوا ۱/۲۶۲

لَا تدخلوا مساکن ... إلّا أن تکونوا باکین ۱/۲۴۱

لَاتغزٰی هذه بعد ها أبداً إلی یوم القیامة ۱/۳۱۷

لَا صلوة إلّا بحضور القلب ۲/۶۲

لَلَا فقر أشد من الجهل ۲/۱۳۰

لَا یحلّ مال امرئ إلّا الخ طحاوی میں ہے؟ ۲/۴۵۳

لَا یدخل الجنّة ولد زنا کا مطلب کیا ہے؟ ۲/۱۴۱

لبس الخاتم بعد النبی ﷺ أبوبکرؓ ثم عمر ثم عثمانؓ ۱/۲۶۵

لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة ۱/۱۸۳

لکل شئی معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین ۵۲و۱/۵۸

لما اقترف آدم الخطیئة قال: یا رب بحقّ محمّد ۱/۲۶۹

لما قدمنا المدینة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبّل ۱/۱۶۵

لما کان قبل وفاة النبی ﷺ بثلاث ۱/۱۷۷

لما عقر ثمود الناقة ۱/۲۹۹

لوعاش إبراهیم لکان نبیاً کی تحقیق ۲/۴۱۲

لوکان موسٰی و عیسٰی حیّین الخ کی تخریج ۲/۴۱۱

لوکنت متخذاً من أمتی خلیلاً ۱/۲۹۶

لولَا علیّ لهلک عمر کہاں ہے؟ ۲/۳۷۸

لولَاک لما خلقت الأفلاک ۶۲ و۱۸۹ و۲۰۳ و۲۰۵ و۲/۴۱۱

لیس منا من حلق ۱/۱۸۴

لیس منا من خصیٰ ولَا اختصیٰ ۱/۳۲۰

م

ماجتمع فی شیء من الحلال والحرام کیسی حدیث ہے؟ ۲/۳۹۶
ما رأیت منه ولَا رأی منّی ۱/۱۹۳
ما من أحد یسلّم علیّ إلّا ردّ الله علیّ روحی ۱/۷۵
ما من صباح ولَارواح إلّابقاعُ الأرض ینادی ۱/۴۲
ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة ۱/۲۳۲
ماہ رمضان میں موت کی فضیلت ۲/۴۶۷
مداہنت کی سزا ۲/۵۳۱
مُرن أزواجکن أن یغسلوا أثر الغائط والبول ۱/۳۴۱
مسواک کے ستر فائدے، کس روایت میں ہے؟ ۲/۳۸۴
مطلّقۂ مبتوتہ کے نفقہ میں مادامت العدّۃ کی قید ۲/۵۲۹
المعاصی برید الکفر کیا حدیث ہے؟ ۲/۲۱۱
من اتّبع الصید غفل ۱/۲۴۱
من أحیا سنتی بعد ما أمیتت ۱/۲۷۳
من أرسل نفقة فی سبیل الله وأقام فی بیته ۱/۲۳۲
من أرسل نفقة فی سبیل الله وأقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم الخ ۲/۶۲
من استطاع منکم ....إلّا وعلیه إمام ۱/۲۷۳
من أشراط الساعة أن تکثر السیول والأمطار کہاں ہے؟ ۲/۳۴۸
من السنة البداء ۃ بالملح والختم به کی تخریج ۲/۳۹۶
من أعان تارک الصلٰوۃ متعمّداً بذرّۃ الخ کی تخریج ۲/۶۰
من أکل البنج مرّۃ فکأنّما زنیٰ الخ کی تخریج ۲/۶۰
من أمّ قوماً وهم له کارهون ۱/۱۸۸

'من ترک سنّتی لم ینل شفاعتی ' کیا حدیث ہے؟	۲/۱۱۵
من تزوّج لله توّجه الله تاج الملک	۲/۱۲۹
من تمسّک بسنّتی عند فساد أمتی	۱/۱۸۵و۴۳
من خرج من بیته مجاهداً وأصلح	۱/۲۷۳
من خضع لغنیّ أو وضع له نفسه	۱/۲۰۳
من دخل المقابر ثم قرأ ''فاتحة الکتاب'' و﴿ قل هو الله أحد ﴾	۱/۱۳۸
من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس	۱/۱۳۸
من دلّ علی خیر فله مثل أجر فاعله	۱/۴۳
من زار قبر والدیه أو أحدهما فقرأ	۱/۱۳۸
من سمع الأذان والإِقامة ولم یحضر الجماعة الخ کی تخریج	۲/۶۰
من صلّٰی علیٰ رُوح محمّد فی الأرواح الخ پوری حدیث لکھیں	۲/۸۶
من صلّٰی علیّ یوم الجمعة ثمانین مرة	۱/۳۳۷
من ضارّ ضارّ الله به الخ کی تخریج	۲/۱۹۸
من عادٰی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب	۱/۵۲
من عرف نفسه فقد عرف ربه	۲/۱۳۰
من مرّ بین المقابر فقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾	۱/۱۳۸
من وسّع علی عیاله یوم عاشوراء	۱/۳۲۶
موتوا قبل أن تموتوا	۲/۶۲
المؤمن القوی خیر	۱/۲۲۹
المؤمن أعظم حرمة من الکعبة	۲/۶۲
میت کا اپنے اقرباء کی آمد کا علم ہونا	۲/۴۶۷
میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا کی تحقیق	۲/۲۰۶

ن

ناخن کاٹنے کی ترتیب	۲/۴۱۵
الناس شرکاء فی الثلاث	۱/۳۱۷
النظافة من الاِیمان	۱/۳۴٦ و ۲۸۷
النکاح من سنّتی، فمن رغب عن سنّتی	۱/۲۰۲
النکاح من سنتی، فمن رغب الخ پوری ایک حدیث ہے؟	۲/۴۷۸
نہٰی عن قتل النساء والصبیان	۱/۱۵٦

و

وکان یفتتح خطبه کلها بالحمد لله	۱/۱۵۹

هـ

هل ترون قبلتی ههنا فوالله ما یخفٰی علیّ	۱/۲۷۹

ی

یا أیها الناس أصلحوا بینکم و بین الله	۲/۱۲۴
یا بنيّ! إذا أنا متّ فألحدني	۱/۱۳۹
یا علی! لَا تنم قبل أن تأتی بخمسة أشیاء	۱/۳۰۴
یا محمد! قم فادخل الجنة	۱/۳۰۱
یبدأ بالملح ویختم به کی تحقیق	۲/۴۴۸
یبعث الله الأیّام یوم القیٰمة کهیئتها	۱/۳۹۵
ینزل البلاء فیعالجه الدعاء	۱/۳۹۵

ینزل عیسیٰ ابن مریم ۱/۱۸۸
یؤخذ لدانق ثواب سبع مأة صلاة بالجماعة (۲ پیسے کیلئے ۷۰۰ نمازوں کا ثواب) ۱/۵۸
یؤتیٰ بالدنیا فی صورة عجوز شمطاء ۱/۳۹۵

سیر وسوانح، رواۃ ورجال

مولانا ظہور الحقؒ کے مختصر حالات ۱/۲۴۲
مولانا عبد اللطیفؒ کی تاریخ وفات ۱/۲۴۲
علامہ قسطلانی کی تاریخ پیدائش ۱/۲۶۹
نبذة من حیاة الشیخ محمد زکریا الکاندھلویؒ ۲/۲۵
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تلامذۂ حدیث ۲/۳۵
نبذة عن حیاة الشیخ أسعد اللہ الرامفوری ۲/۳۹
نبذة عن حیاة الشیخ امیر احمد الکاندھلویؒ ۲/۴۴
شارحِ مشکوٰۃ ابن حجر عسقلانی ہیں یا مکی؟ ۲/۷۸
ثعلبہ بن عنمہ ہے یا ثعلبہ بن غنم؟ ۲/۷۹
غزالی، عیاض، کرمانی، زرقانی کا ضبط کیا ہے؟ ۲/۲۱۱
اصیلی کی تحقیق ۲/۲۱۹
ابن المنیر کا ضبط کیا ہے؟ ۲/۲۱۹
مطر بن عکامس صحابی ہیں یا نہیں؟ ۲/۲۱۹
زین بن نجیم کا ضبط ۲/۳۳۱
تورپشتی کی تحقیق ۲/۳۳۱
نابلسی ۲/۳۳۱
بلقینی ۲/۳۳۱
الدمیری ۲/۳۳۲

القرطبی	۲/۳۳۲
المقدسی	۲/۳۳۲
الطیبی	۲/۳۳۲
القسطلانی	۲/۳۳۳
عیاض	۲/۳۳۳
ابن خلکان	۲/۳۳۳
ابن خلدون	۲/۳۳۳
صاحب الكشف سے کیا مراد ہے؟	۲/۳۸۷
نيل الأماني سے کیا مراد ہے؟	۲/۳۸۷
الاِتحاف سے کیا مراد ہے؟	۲/۳۸۷
رزین بن معاویہ عبدری کے حالات	۲/۳۸۷
تخريج أحاديث الرافعي للحسامي کی تفصیلات	۲/۳۸۷
علامہ ابن الترکمانی کون ہیں؟	۲/۳۸۷
ابوعبید اور مسعودی کون ہیں؟	۲/۴۴۵
دارقطنی کے استاذ ابوبکر یعقوب بن ابراہیم البزاز کا مختصر ترجمہ	۲/۴۶۴
ابوبکرہؓ کی تحقیق	۲/۵۲۸
سات آدمی	۲/۵۲۹

عقائد وکلام

کیا آپ ﷺ یا دیگر اولیاء کرام بیک وقت بہت سے مقامات پر جاسکتے ہیں؟	۱/۷۳
ایک حدیث سے حضور ﷺ کے عدم حیات پر استدلال اور اسکا جواب	۱/۷۵
قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟	۱/۱۳۵
کیا امام ابوحنیفہؒ مرجئہ میں سے ہیں؟	۱/۱۷۲

کیا حضور اقدس ﷺ کے حضور اعمال کی پیشی ہوتی ہے؟ ۱/۲۹۵

انبیاءؑ واولیاءؒ سے دعاؤں کے ذریعہ مدد طلب کی جاسکتی ہے؟ ۲/۵۷

کیا انبیاء کرام صغائر و کبائر سے معصوم ہیں؟ ۲/۸۸

کیا قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو پہونچتا ہے؟ ۲/۸۸

مسئلۂ عصمتِ انبیاء علیہم السلام ۲/۹۷

مسئلۂ حیٰوۃ الانبیاء علیہم السلام ۲/۱۰۲

چند شبہات اور ان کا ازالہ ۲/۱۰۶

کیا حضور ﷺ پر امت کے اعمال دن میں دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں؟ ۲/۱۰۸

حضرت سعد بن معاذؓ کو عذاب قبر کیوں ہوا؟ ۲/۱۰۹

قیام مروّجہ کے اثبات کی ایک لغو دلیل ۲/۲۰۱

سرور کائنات ﷺ کا سایہ ۲/۲۴۶

عقیدۂ نزول عیسیٰؑ ۲/۳۶۲

قادیانی ہرگز نبی نہیں ۲/۳۶۶

کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا؟ ۲/۳۷۳

تفسیر

﴿ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ﴾ ۱/۲۲۱

﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ کا تعلق موت سے یا آخرت سے؟ ۲/۲۴۱

تجوید

ربّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنه ۲/۶۶

فقہ ومسائل

عورت تورّک کرے یا افتراش؟	۱/۷۹
کیا ایک قربانی تمام گھر والوں بلکہ ساری امت کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے؟	۱/۹٦
بھینس کی قربانی	۱/۹۹
قربانی کے کتنے دن ہیں؟	۱/۱۰۱
نبی کریم ﷺ کا بال مونڈنا	۱/۱۳۴
ہاتھوں اور پیروں کی تقبیل کا حکم کیا ہے؟	۱/۱٦۵
نصاب کے بقدر بکریوں کی زکوٰۃ میں ائمہ ثلٰثہ کا مسلک	۱/۱٦۷
کیا ذمی دارالحرب میں تجارت کے لئے جاسکتا ہے ؟	۱/۱٦۸
ہاتھ گھڑی کا استعمال	۱/۲۳۲
نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء	۱/۲۳۲
نماز ظہر ایک مثل یا دو مثل؟	۱/۲۳٦
عدمِ تعدیل ارکان سے سجدہ سہو کا مسئلہ	۱/۲۳٦
ہدہد کا حکم	۱/۲۴۰
فرض کفایہ کی کیا تعریف ہے؟	۱/۲۴۲
عید الفطر عید الاضحیٰ وایام تشریق کے روزوں کی حرمت مع اختلاف ائمہ	۱/۲۴۹
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا	۱/۲۸۲
گاؤں میں جمعہ؟	۱/۳۴۱
آپریشن کے مریض نماز کس طرح پڑھیں؟	۱/۳۸۰
کالا جوتا پہننا کیسا ہے؟	۲/٦۱
صرف صومِ عاشوراء کیوں مکروہ ہے؟	۲/۸۱
بول فی المسجد فی الاناء کی تحقیق	۲/۱۱۲
مامن دابّة فی البحر إلّا وقد ذکّاها الخ کی تحقیق	۲/۱۱۷
خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا رکھنے کا حکم	۲/۱۳۸

ولاء میں میراث جاری ہوتی ہے؟ ۲/۱۸۲
کنگھا کرنے کی ہیئت ۲/۱۸۷
داڑھی رکھنا سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۲/۲۰۱
جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ و دہر؟ ۲/۲۰۶
نماز میں سورتوں کے درمیان سے پڑھنا کیسا ہے؟ ۲/۲۰۶
بزرگوں کے مزارات پر جانا کیسا ہے؟ ۲/۲۰۹
نقض وتر کا مسئلہ کیا ہے؟ ۲/۲۳۹
مسئلۂ مذکورہ کی مزید تشریح ۲/۲۴۰
ڈاڑھی کی مقدارِ شرعی ۲/۲۴۸
کسی کو بھائی یا بہن بنا کر پردہ نہ کرنا کیسا ہے؟ ۲/۳۲۹
کیا مصحف میں دیکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۲/۳۷۴
کیا مصحف سے فال لینا درست ہے؟ ۲/۳۷۵
کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟ ۲/۳۹۶
عاشوراء کے دن توسیع علی العیال کا حکم ۲/۴۰۰
خط میں '۷۸۶' لکھنے کا حکم ۲/۴۰۰
خون کے ناقض وضوء ہونے کا حکم ۲/۴۴۵
مسحِ رقبہ کا حکم ۲/۴۴۵
رمضان میں تہجد کی جماعت کا مسئلہ ۲/۴۸۰
خروج منی کے باوجود عدم وجوب غسل ۲/۵۱۰
کیا ختان کی دعوت مشروع ہے؟ ۲/۵۲۹
کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟ ۲/۵۳۲

تزکیہ واحسان

نصائح غالیہ	۲/۳۹۳
تقوی کی نصیحت	۲/۴۰۰
مشائخ کے یہاں ذِکر کیوں؟	۲/۴۱۵
کیا اجتماعی ذکر سنت سے ثابت ہے؟	۲/۴۱۵

دعوت وتبلیغ

فضائل گشت میں گشت کے راستے دوسرے راستے پر فخر کرتے ہیں؟	۱/۴۲
جماعت کے رہبر کی فضیلت	۱/۴۳
جہاد حقیقی کی فضیلت تبلیغی جماعت پر منطبق ہوگی؟	۱/۴۳
اللہ کے راستہ میں ایک روپیہ کا ثواب اور سبحان اللہ پڑھنے کا اجر	۱/۲۳۲
گشت وغیرہ کا ثواب سات لاکھ، کس روایت میں ہے؟	۲/۳۸۴
تعلیم وتبلیغ اور عبادت میں کس کو مقدم رکھے؟	۲/۳۹۵
تعلیم مقدم یا تبلیغ؟	۲/۳۹۶

تعبیر الرؤیا

خواب کی تعبیر	۲/۴۱۶
خواب کا پرندوں کے پاؤں پر ہونے کا مطلب	۲/۴۵۶